جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

علماء خطباء اور طلباء کے لئے ۶۰ خطبات کا ایک نادر ذخیرہ

حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن

کراچی-پاکستان

علماء، خطباء اور طلباء کے لئے ۶۹ علمی خطبات پر مشتمل
یہ نادر ذخیرہ جدید انداز میں جدید اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔
جو موقع ومحل کے مناسب سال بھر کی تقاریر کے لئے کافی ہے عوام وخواص کے لئے
یکساں مفید ہے۔ جس کے آخر میں خطبات جمعہ وعیدین
اور خطبہ نکاح بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

مؤلف

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب مدظلہم العالی

مکتبہ اویس القرنی رحمہ اللہ
کراچی۔ پاکستان

انتساب

اسلام کے ان ناموراد یبوں اور خطیبوں کے نام جن
کے رقت انگیز وعظوں اور انقلابی خطبوں سے
چار دانگ عالم میں گلشن اسلام کی آبیاری ہوئی۔

نام کتاب: علمی خطبات کامل

مصنف : مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

تعداد : گیارہ سو

طبع : ہشتم

سنِ اشاعت: جولائی ۲۰۱۱ء بمطابق رجب ۱۴۳۲ھ

باہتمام : محمد الیاس، مرزا یوسف

ناشر : مکتبہ ایمان ویقین

(فون:0333-7993963)

- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ الرازی، بنوری ٹاؤن کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- سعدی کتب خانہ، گلشن اقبال، بلاک ۲ کراچی
- ضیاء بک سیلر، میر علی
- معصوم کتب خانہ، وانا
- علمی کتب خانہ میران شاہ
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- المکتبۃ المنصور، راولپنڈی
- ممتاز کتب خانہ، پشاور
- اسلامی کتب خانہ، چوک بازار بنوں

مختصر فہرست

مختصر فہرست

مختصر فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللّٰہ الذی ھدانا الی الاسلام وما کنا لنھتدی لولاان ھدانااللّٰہ ھوالرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان ھوالرب الاکرم الذی علّم بالقلم علّم الانسان مالم یعلم،له الحمد کما ینبغی لجلال وجھه وعظیم سلطانه وجلیل انعامه الذی علّمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰه علیک عظیما.

وصلّی اللّٰه تعالیٰ علیٰ خیر خلقه الذی أرسله الیٰ کافة الناس بشیرا ونذیرا افصح العرب بید انه من قریش خطیب الانبیاء وبیده لواء الحمد یوم القیٰمة، افصح بنی عدنان وابلغ بنی قحطان صاحب جوامع الکلم ومنابع الحکم نبی الرحمة ورسول الملاحم صلوات اللّٰه علیه وعلیٰ اٰله وصحبه أجمعین .

امّا بعد: فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرّجیم.بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم،قال اللّٰہ تعالیٰ :
﴿وَشَدَدْنَامُلْكَهُ وَاٰتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ (سورۃ ص ۲۰)

اورقوت دی ہم نے اس کی سلطنت کو،اوردی اس کوتدبیراورفیصلہ کرنابات کا۔

وقال علیه السلام" ان من البیان لسحراوان من الشعر لحکمة "

حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،بعض بیان جادوکااثر رکھتے ہیں،اوربعض شعرحکمت سے پُر ہوتے ہیں۔

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے انسان کو جانوروں سے باتوں اورافہام وتفہیم کے ذریعے سے ممتاز بنایا ہے یہ انسان مدنی الطبع ہے اسکی اپنی ضروریات ہیں اورانکے لئے رہنےسہنے کے انتظامات ہیں یہ اپنے معمولات کوسلجھانے کے لئےمحتاج ہوتاہے،انکی ایک زندگی گھرکی ہےاورایک زندگی عدالت ودفترکی ہے ،انکی ایک زندگی کاتعلق ملک کے اندرونی حالات سے ہے،تو اسی زندگی کا دوسرارخ ملک کے خارجی واقعات کی طرف ہے۔

سیاسیات ہوں یاعبادات ہوں تمدن ہویامعاشیات ومعاشرات واقتصادیات ہوں، یہ انسان ان تمام میدانوں میں کلام اورگفتگواورقوت گویائی کی طرف محتاج ہے، کیونکہ یہ ضروریات نہ تو خط وکتابت سے پوری ہوسکتی ہیں،اورنہ اشاروں سے،اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کوقوت بیان اورطاقت گویائی عطا کی ہے،جس سے انسان اپنے **مافی الضمیر** کااظہاراحسن طریقے سے کردیتاہے،اسی قوت گویائی میں اللہ

تعالے نے انسان کو زور خطابت سے بھی نوازا ہے جو مافی الضمیر کے اظہار اور مخاطب کو بیدار کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

زمانہ قدیم میں خطابت کا مقام

انسانی تاریخ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانے میں خطبہ وخطاب کا رواج تھا، اور اس کا باقاعدہ اہتمام ہوتا تھا، چنانچہ قدیم زمانے کے فصحاء و بلغاء کے خطبوں کو جب دیکھا جاتا ہے، تو یقین سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعی ان لوگوں کے پاس اشعار اور شعر وشاعری کے علاوہ نثر وخطابت پر مشتمل کلام کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ قدیم زمانے میں منبر پر بیٹھنا اور خطبہ دینا بادشاہ کا اور قبیلہ کے سردار کا موروثی حق سمجھا جاتا تھا ایک شاعر اسی صورت حال کی منظر کشی اس طرح کرتا ہے۔

وَتَحَزَّبُوْا حِزْبًا فَكُلُّ قَبِيْلَةٍ
فِيْهَا اَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ وَمِنْبَرُ

یعنی لوگ گروہوں اور جماعتوں میں ایسے تقسیم ہوگئے کہ اب
ہر قبیلہ میں ایک امیر المؤمنین اور اسکے خطبے کے لئے منبر ہوتا ہے،

سحبان بن وائل کے خطبات کا چرچا تو ہر شخص کے کانوں تک پہنچا ہوگا جو سال بھر تک استعمال شدہ لفظ دوبارہ زبان پر نہیں لاتا تھا ایک اور شاعر نے قبیلہ کے سردار کے لئے منبر کا اس طرح ذکر کیا۔

وَاِذَا اَعَرْنَا سَيِّدًا مِنْ قَبِيْلَةٍ
ذَا مِنْبَرٍ صَلّٰى عَلَيْنَا وَسَلَّمَا

جب ہم قبیلہ کے صاحب منبر سردار کو للکار کر دھمکاتے ہیں تو وہ ہماری مدح خوانی کرنے لگتا ہے،
ایک اور شاعر نے اس طرح کہا۔

قَدْعَلِمَ الْحَيُّ الْيَمَانِيْنَ اَنَّنِيْ
اِذَا قُلْتُ اَمَّابَعْدُ اَنِّيْ خَطِيْبُهَا

یمن کے لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ جب میں اما بعد کہتا ہوں تو میں ہی ان کا خطیب ہوتا ہوں۔

جاہلیت کے اس نقشے کے علاوہ قرآن عظیم نے بھی حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بہت سارے انبیاء کرام کے خطبات کو تفصیل سے نقل کیا ہے مختلف موضوعات پر مختلف تقریریں قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام کے حوالے سے موجود ہیں، حضرت شعیب علیہ السلام کو مفسرین نے ان کی مربوط

اور پُر مغز خطبات کی وجہ سے دنیا میں خطیب الانبیاء کا لقب دیا ہے،اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو صاحب فصل الخطاب کے لقب سے قرآن مجید نے یاد کیا ہے۔ سورۃ ص آیت ۲۰ کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آیت وَ اٰتَیۡنٰهُ الۡحِکۡمَةَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ کی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔

یعنی بڑے مدبر اور دانا تھے، ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی، بہر حال حق تعالیٰ نے ان کو نبوت، حسن تدبیر، قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی و عملی کمالات عطا فرمائے تھے۔

انا خطیبُہُم یومَ القیٰمۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ نے جہاں دوسرے میدانوں میں وقت کے کفار کا مقابلہ کیا وہیں پر میدان خطابت میں بھی کفار سے مقابلہ کر کے غالب رہے۔

چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد حضور اکرمؐ کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ خطاب اور شعر و شاعری میں مقابلہ کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مان لیا، چنانچہ انہوں نے اپنے خطیب عطارد بن حاجب کو پیش کیا، عطارد نے مسجد نبوی میں مجمع کے سامنے کھڑے ہو کر مختصر مگر جامع خطاب کیا، اس کے مقابلہ کے لئے حضور اکرمؐ نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر جواب دیدو، چنانچہ ثابت ابن قیس نے فی البدیہہ ایک پُر مغز خطبہ دیا جس میں اسلام کے محاسن کا تذکرہ تھا۔

توحید باری تعالیٰ کو مؤثر انداز میں پیش کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت بیان کی اور پھر انصار و مہاجرین اور جماعت مسلمین کی خوب تعریف کی، اور مزے کی بات یہ کہ اکثر خطبہ مسجع تھا، پھر بنو تمیم کا شاعر زبرقان میدان میں آگیا اور اس نے آٹھ اشعار پیش کئے، حضور اکرمؐ نے زبرقان شاعر کے مقابلے کے لئے حضرت حسانؓ کو بلایا، حضرت حسانؓ نے فوری طور پر اسی وزن، اسی بحر اور اسی قافیہ پر اٹھارہ اشعار کہہ کر بنو تمیم کے شاعر کو چت لٹا دیا اس پر بنو تمیم کے وفد نے شکست تسلیم کر کے کہا کہ!

(خطیبکم اخطب من خطیبنا وشاعر کم اشعر من شاعرنا)

یعنی تمھارا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر اور تمھارا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے۔

یہ تو گلشن محمدی کے ایک طالبعلم کی بات ہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''وَاَنَا خَطِیْبُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَبِیَدِی لِوَاءُ الْحَمْدِ''

یعنی قیامت کے دن میں انبیاء کا خطیب ہوں گا۔ اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔

اس روایت سے خطباء اور خطیبوں کی بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

چنانچہ اس امت میں بہت سارے ایسے خطیب گزرے ہیں کہ ان کے پُرسوز خطابت سے پرندے اور انسان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

اس پچھلے دور میں علماء دیوبند میں ایسے خطیب پیدا ہوئے ہیں کہ ان کے فن خطاب کا اعتراف اپنوں کے علاوہ دوسروں نے بھی کھلے الفاظ میں کیا ہے۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو کون نہیں جانتا۔ شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ سے کون واقف نہیں؟ حضرت شاہ انور شاہ کاشمیریؒ کے خطابت کو کون بھول سکتا ہے. شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ میدان خطابت میں کس تعارف کے محتاج ہیں؟ حضرت مولانا احسان شجاع آبادیؒ، ابوالکلام آزاد اور سید سلیمان ندوی کی خطابت کس پر پوشیدہ ہے؟ یہ حضرات خطابت کے شہسوار تھے جن پر قیامت تک امت فخر کریگی۔

خطابت کی تعریف

ارسطو نے خطابت کے متعلق لکھا ہے ''اَلْخِطَابُ فَنٌّ مِنْ فُنُوْنِ الْقَوْلِ یَخَاطَبُ بِهِ الْجَمْهُوْرُ الخ

خطابت کلام کے فنون میں سے ایک فن ہے، جس سے عوام الناس کو خطاب کر کے متوجہ کیا جاتا ہے۔

خطابت کان اور نگاہ دونوں کو قبولیت کی طرف راغب کرتی ہے۔

علامہ جاراللہ زمخشریؒ نے اساس البلاغہ میں صفحہ نمبر ۱۱۴ پر لکھا ہے۔ خَاطَبَهُ اَحْسَنَ الْخِطَابِ وَهُوَ الْمُوَاجَهَةُ بِالْکَلَامِ

خطابت اس کا نام ہے کہ آپ بہترین کلام کے ذریعے سے لوگوں کو متوجہ کریں، یعنی مزیدار کلام کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کو اپنی طرف متوجہ کر کے دنیا و آخرت کے فائدے کی بات کریں۔

علامہ سید سند شریفؒ نے خطابت کی تعریف منطقی انداز سے اس طرح کی ہے ''اَلْخِطَابَةُ هُوَ قِیَاسٌ مُرَکَّبٌ مِنْ مُقَدِّمَاتٍ مَقْبُوْلَةٍ اَوْ مَظْنُوْنَةٍ مِنْ شَخْصٍ مُعْتَقَدٍ فِیْهِ وَالْغَرْضُ مِنْهَا الخ

یعنی قابل اعتماد شخص کے قابل اعتماد دلائل سے مرکب کلام کا نام خطابت ہے اور خطابت سے اصل مقصود عوام الناس کو انکی دنیوی و اخروی منافع کی طرف ترغیب و توجہ دلانا ہوتا ہے. جس طرح کہ خطیب حضرات کرتے ہیں۔

اچھے خطیب کے اوصاف

ارسطو نے لکھا ہے کہ اچھے خطیب کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے بیان کو مدلل کر کے پیش کرے تا کہ عوام الناس مطمئن ہوں۔

(۱) اچھے خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلند آواز کا مالک بھی ہو۔

(۲) اچھے خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ افہام وتفہیم کا ملکہ بھی رکھتا ہو اور پراگندہ باتوں سے ڈرتا ہو۔

(۳) اچھا خطیب وہ ہے جو کھڑے ہو کر یا کسی امتیازی شان سے خطاب کرنے کا عادی ہو۔

ارسطوں نے جو آداب لکھے ہیں اس کے علاوہ بھی کچھ آداب ملاحظہ فرمائیں

(۴) خطیب کے لئے ضروری ہے کہ بوقت خطاب اس کے ہاتھ کھلے ہوں نہ کہ سینے پر رکھ کر اور سر جھکا کر تقریر کر رہا ہو، موقع بموقع ہاتھ کو اٹھانا اور حرکت دینا بھی ضروری ہے، مگر زیادہ اچھلنا کودنا بھی بہت بری چیز ہے۔

(۵) خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ حمد باری تعالیٰ اور درود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآنی آیت اور حدیث کی کسی روایت سے ابتداء کرے بعض خطیب پڑھتے ہیں "**قال اللّٰہ تعالیٰ اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم** اس طرح ابتداء کرنا اور پڑھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں قال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور قال کا مقولہ اعوذ باللہ ہے تو پناہ مانگنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگئی جو جائز نہیں ہے۔

(۶) خطیب کو چاہئے کہ جو آیت یا حدیث خوب یاد ہو اسے پیش کرے کوئی غلطی نہ کرے ورنہ پورا خطاب بے اثر ہو جائیگا۔

(۷) خطیب کو چاہئے کہ ٹھہر ٹھہر کر دوٹوک انداز سے واضح الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرے، کثرت مواد کا جمع کرنا اور جلدی جلدی اسے پڑھ کر پراگندہ انداز میں سنانا اصول خطابت کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ محض بے فائدہ مغز خوری ہے۔

(۸) خطیب کو چاہئے کہ جس زبان میں وہ خطبہ دے رہا ہو اس زبان کی فصاحت و بلاغت اور محاورۂ کلام سے خوب واقف ہو۔

(۹) خطیب کو چاہئے کہ وہ جو بات زبان سے کرتا ہے وہ دل سے نکلتی ہو تا کہ (از دل خیزد بر دل ریزد) کا مصداق بن کر اثر ہو جائے۔

(۱۰) خطیب کو چاہئے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر خود بھی عمل کر رہا ہو تا کہ (تاثیر دکھا تقریر نہ کر) کا مصداق

بن جائے۔

(۱۱) خطیب بننے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی صرف لکھی ہوئی تحریر کو یاد کر کے پیش نہ کرے بلکہ پہلے ایک موضوع دل میں متعین کرے اور اس کے بعد فکر وسوچ سے اس کے لئے قرآن وحدیث اور تاریخ وفقہ سے مواد کا تصور کرے، اس طرح اگر تقریر یاد ہوگئی تو سمجھ لیجئے کہ یہ شخص خطیب بن گیا اب ان کو کسی بھی موضوع پر بغیر مطالعۂ کتاب کے مواد ملنا آسان ہوگا ورنہ رٹ رٹا کر یاد کرنے سے ایک طرف یاد کرتا جائے گا دوسری طرف بھولتا جائے گا وقت بھی ضائع ہوگا کلام بھی پراگندہ ہوگا۔

(۱۲) خطیب کو چاہئے کہ وہ بوقت خطبہ اپنے لباس کا بہت خیال رکھے، کہ سر پر پگڑی ہو ڈھیلا ڈھالا شرعی لباس ہو اور اگر ہو سکے تو جُبّہ زیب تن کرے اس سے عام نگاہوں میں لوگوں کے ہاں عظمت بڑھ جاتی ہے، جس سے سامعین کو موضوع کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور دین سے عقیدت بڑھنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

دیکھئے دنیا دار لوگ اپنے پیشے کے لئے اور اپنے سرمایہ کو معزز بنانے کے لئے یونیفارم کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، کیا آپ نے کسی جج کو دیکھا ہے جو کبھی کرسئ عدالت پر بغیر جُبّہ کے آیا ہو، حالانکہ علماء اور خطباء کے پاس تو اس میدان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہے، کیونکہ آپؐ جمعہ اور عیدین میں مخصوص جُبّہ اور لباس زیب تن فرماتے تھے، حضور اکرمؐ میں خطابت کے ظاہری اور باطنی تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے اور سامعین اس کا اقرار بھی کرتے تھے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

"لَقَدْطُفْتُ فِي الْعَرَبِ وَسَمِعْتُ فُصَحَائَهُمْ فَمَاسَمِعْتُ اَفْصَحَ مِنْکَ"

میں عرب کے اطراف واکناف میں پھرا ہوں، فصحاء کا کلام بھی سنا ہے مگر آپؐ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں،

"كَانَ صَوْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَمَ يَبْلُغُ حَيْثُ لَايَبْلُغُ صَوْتَ غَيْرِهٖ"

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ایسی بلند تھی کہ کسی دوسرے کی آواز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ بوقت تقریر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اونچی ہو جاتی تھی، غصہ کی کیفیت ہو جاتی تھی، آنکھیں لال ہو جاتی تھیں گویا کہ آپ کسی دشمن کی فوج کو للکار رہے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ اور خطاب زندہ دل اور بلند ہمت لوگوں کا کام ہے نہ یہ کہ

بات کرنے میں عدم دلچسپی رکھتا ہو کسی مقصد پر کسی کو ڈالنے کا خیال نہ ہو کوئی انقلابی رنگ بھی نہ ہو، بلکہ اس طرح تھکے ہارے اور شکست خوردہ آدمی کی طرح دبی آواز میں خطبہ دے رہا ہو گویا قبر میں مردہ فریاد کر رہا ہے اس طرح خطاب کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی خطاب کی جرأت ہی نہ کرے۔

کچھ اس کتاب کے متعلق

بندۂ ناچیز عرصہ دراز سے جمعہ وعیدین پر مامور ہے مکہ مسجد گرین ٹاؤن کراچی اور پھر رحمانیہ مسجد آصف آباد اور پھر مدینہ مسجد بزنس روڈ کراچی میں تقریباً بارہ سال تک خطابت کا فریضہ انجام دے چکا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تقریبات اور جلسوں یا احباب کے ہاں تربیت گاہوں میں تقریر کے مواقع ملتے رہے ہیں موقع ومحل کے مطابق کبھی کبھی دل پر عجیب قسم کی تقریر وارد ہوتی تھی۔ مگر دوسرے موقع پر اس کا ڈھول ہو جاتا تھا۔

۱۹۹۵ء سے جب میں مدینہ مسجد بزنس روڈ میں خطبہ دینے لگا تو دل میں خیال آیا کہ اتنے طویل عرصے سے جو تقریریں ہو رہی ہیں اگر ان کو یکجا کر کے ترتیب کے ساتھ لکھ لیا جائے تو یہ کام خود میرے لئے بھی مفید ہوگا۔ کیونکہ ہر ماہ کے ہر جمعہ کے مناسب کسی موضوع کے تعین میں کوئی الجھن نہیں ہوگی اور ساتھ ساتھ دوسرے احباب طلباء کرام اور خطباء عظام کے لئے بھی مفید ہوگا کہ ایک ہی جگہ پر ان کو ایک موضوع سے متعلق کافی مواد فراہم ہوگا اس خیال نے عزم کی شکل اختیار کی، اور میں نے مدینہ جامع مسجد کے خطبات کو تحریر میں لانا شروع کر دیا۔

چنانچہ جو تقریر جمعہ میں ہو جاتی تھی اس کو بعد میں لکھتا تھا اس طرح ان خطبات کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا، اس میں کچھ دوسرے خطبات بھی میں نے شامل کر دیئے جو مدینہ جامع مسجد کے علاوہ ہوئے ہیں جگہ اور تاریخ سب میں متعین ہے ہر موضوع کے عنوان کے لئے ایک سرخی ہے پھر تاریخ اور جگہ کا نام ہے اور پھر تقریر ہے۔ یہ تقریریں عام طور پر پونے گھنٹہ کی ایک ایک تقریر ہے، دوران تقریر مسجد میں یہ ساری باتیں بسا اوقات نہیں ہوئی ہیں، لیکن موضوع کے متعلق میں نے بعد میں تمام مواد اکٹھا کر لیا تاکہ آئندہ کے لئے اس موضوع میں تشنگی باقی نہ رہے۔

میں چونکہ فصیح و بلیغ خطیب نہیں ہوں اور نہ مجھے لفاظی کا طریقہ آتا ہے اور نہ میں لفاظی کا شوق رکھتا ہوں۔ البتہ میں نے علمی انداز میں ان تقریروں میں علمی مواد جمع کیا ہے۔ جس کو میں اس زمانے میں روح خطابت سمجھتا ہوں اگر کسی کو لفاظی کا شوق ہو تو وہ براہ کرم اس مواد کو اپنے الفاظ کے سانچے کے میں ڈھال کر فائدہ اٹھائیں، میں تو سادگی کا عادی ہوں کیونکہ

الفاظ کے پیچوں میں الجھتا نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے نہ صدف سے

اس مجموعہ میں تقریروں کا سلسلہ طویل ہوگیا، چنانچہ محرم ۱۴۱۶ھ سے محرم ۱۴۱۷ھ تک ایک سال کی تقریروں کا مجموعہ جب سامنے آیا تو اس سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب دو جلدوں میں آنی چاہئے، ادھر کاتب صاحب نے بھی بتادیا کہ پوری کتاب کی کتابت پر بہت وقت لگے گا، اس لئے جتنا لکھا گیا پہلے اس کو شائع کیا جائے اور دوسرے حصے کو تیار ہو جانے کے بعد شائع کر دینگے، چنانچہ میں نے بسم اللہ کر کے پہلے حصے کو شائع کیا اور پھر رفتہ رفتہ دوسرا حصہ بھی شائع ہوگیا اور پھر مکمل کتاب ایک ساتھ تین حصّوں میں شائع ہوگئی لیکن اس میں دو نقصانات محسوس ہو رہے تھے ایک تو یہ نقصان تھا کہ کتاب کے مختلف حصوں کی کتابت مختلف کاتبوں نے کی تھی جس سے قارئین کو پڑھنے میں کوفت ہو رہی تھی دوسرا نقصان یہ تھا کہ تین حصّوں کے الگ الگ نام اور الگ الگ ٹائٹل اور الگ الگ فہرستیں اور الگ الگ صفحات اور نمبرات کی کتاب کی ترتیب کے لئے بہت نقصان کا باعث تھا اب الحمدللہ ترتیب جدید کیساتھ بمعہ کمپوزنگ، کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں چند موضوعات کا اضافہ بھی ہوا ہے اور اب اس کا جدید نام علمی خطبات رکھا گیا ہے پہلے اس کا نام علمی تقریریں تھا۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ میں بہت ساری کمزوریاں ہیں، اور وہ کمزوریاں اُن تقاریر میں بھی آئی ہوں گی، لیکن میں احباب، علماء کرام اور طلبہ عظام سے درمندانہ گزارش کروں گا کہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ:۔

مَالَایُدْرَکُ کُلُّہٗ لَایُتْرَکُ کُلُّہٗ

یعنی جب پورا مقصد ہاتھ میں نہیں آتا تو پورے کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان مواد میں آپ کے کام کی بھی کوئی چیز آگئی ہوگی اس لئے آپ اس خیر وخوبی کو دیکھیں اور دوسرے پہلو سے صرف نظر کریں۔ ”والعفو عند کرام الناس مأمول“

مجھے اس کا بھی احساس ہے کہ آج کل کے ایٹمی دور میں معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ اب کوئی وعظ و نصیحت کارگر اور مؤثر نہیں ہوسکتی ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ اردگرد کے حالات سے مایوس ہوکر آدمی ہمت ہار کر بیٹھ جائے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور خیر کی ترغیب کو چھوڑ بیٹھے، لوگ اگرچہ خواہشات کے پردوں میں اتنے غافل ہوگئے ہیں کہ اب عمومی طور پر ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ

سخت ہو گئے ہیں ان تہ بہ تہ غفلت کے حجابات میں وعظ کیا اثر کریگا سچ ہے ؎

لَایَنْفَعُ الْوَعْظُ قَلْبًا قَاسِیًا اَبَدًا

وَھَلْ یَلِیْنُ بِقَوْلِ الْوَاعِظِ الْحَجَرُ

یعنی سنگدل انسان کو کبھی بھی نصیحت فائدہ نہیں دیتی

اور کیا واعظ کے وعظ سے پتھر بھی نرم ہو سکتے ہیں؟

لیکن ان تمام رکاوٹوں کے باوجود حق کی شمع جلتا رہنا چاہیئے اور استطاعت کے مطابق ہر مسلمان پر حق کا جھنڈا بلند کرنا واجب ہے، عوام کی دلچسپی ہو یا نہ ہو مگر منبر و محراب سے حق کی صدا بلند کرنا علماء کرام پر واجب ہے۔ ؎

عوام اس خیر کو مانے نہ مانے

خطیبوں کا خطاب ہوتا رہے گا

مسافر راستہ دیکھے نہ دیکھے

چراغ رہ گزر جلتا رہے گا

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو محض اپنے فضل و کرم سے شرف قبولیت سے نواز دے اور اس کاوش کو میرے لئے اور دیگر احباب کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنا دے۔ **آمین یارب العٰلمین**

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہٖ اجمعین

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ پاکستان

یکم محرم الحرام ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۹۹۶ء بروز اتوار

جمعہ ۳ محرم ۱۴۱۶ھ ۳ جون ۱۹۹۵ء مدینہ مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
اسلامی ہجری تاریخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

(سورۂ مائدہ آیت ۳)

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین، اور تم پر میں نے اپنا احسان پورا کیا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

قال علیہ السلام "اِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ السَّنَۃُ اِثْنٰی عَشَرَ شَھْرًا".

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج زمانہ اسی ہیئت پر لوٹ آیا، جس ہیئت پر زمین اور آسمانوں کی تخلیق کے وقت تھا، سال بارہ ماہ کا ہے، الخ

محترم سامعین!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج ماہ محرم الحرم کی تین تاریخ ہے، ماہ محرم کے شروع ہونے سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، کیونکہ محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور ذوالحجہ بارہواں اور آخری مہینہ ہے۔

نئے سال کے آغاز پر ہر مسلمان کے دل ودماغ میں یہ جذبہ بیدار ہونا چاہئے کہ ہم نے سال گذشتہ میں کیا کھویا اور کیا کمایا، اور ہمیں سال آئندہ میں کیا کرنا چاہئے، کیونکہ سال بارہ ماہ کا عرصہ بہت لمبا عرصہ ہے، کم از کم ہم ذہنی طور پر یہ احساس پیدا کریں کہ ہم نے اتنے بڑے عرصہ میں کیا کیا، اور اپنے مستقبل کے لئے اس کو مفید اور نافع بنایا، یا اپنے لئے وبال جان بنایا؟ سورت مائدہ کی اس آیت کی روشنی میں آپ یہ بات یاد رکھیں کہ اسلام اپنے اصول وفروع اور اپنے بنیادی قواعد وضوابط اور اپنے جزئی وکلی مسائل میں خود کفیل ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام نے ہمیں حیات دنیوی میں زندگی گزارنے کے کسی بھی شعبہ میں کسی غیر مسلم قوم کی طرف محتاج بنا کر نہیں چھوڑا، بلکہ دین اسلام نے مسلمانوں کی عبادات ومعاملات

میں، اخلاقیات ومعاشیات میں، اقتصادیات وسیاسیات میں معاشرت وثقافت میں، خارجہ وداخلہ پالیسی میں، خوشی وغمی کے احوال میں، الغرض انفرادی واجتماعی زندگی کے ہر نقل وحمل میں مکمل رہنمائی کی ہے بلکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اس کا پابند بنایا ہے کہ ہر میدان میں خود کفیل بن کر زندگی گزاریں۔

یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کا اپنا حجام ہو، اپنا ترکان اور لوہار ہو، اپنا حکیم اور طبیب ہو، غرض ہر جائز پیشے کا اپنا ماہر موجود ہو، تاکہ مسلمان قوم کسی مسئلہ میں غیر مسلم قوم کی دست نگر نہ بن جائے اور انکی شناخت وروایات سے کسی کو کھیلنے اور ختم کرنے کا موقع نہ ملے، مذکورہ آیت نے یہی اشارہ دیا ہے کہ مسلمانوں کا قانون سماوی جو انہیں دیا گیا ہے کامل ومکمل ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس قومِ مسلم کو ظاہری وباطنی مادی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے، اب یہ ان کا اپنا کام ہے کہ وہ اس نعمت عظمٰی اور دولت کبریٰ سے استفادہ کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔

قانونِ اسلام کی اسی ہمہ گیری کے تحت مسلمانوں کی الگ اپنی تاریخ ہے، اس کے اپنے مقررہ مہینے ہیں، اور مہینوں کے اپنے اپنے دن ہیں، چونکہ یہ دین الٰہی اور دین فطرت ہے اس لئے اس کی تاریخ کا تعلق آسمان میں چاند سے وابستہ ہے جب چاند نظر آتا ہے، تو تاریخ بدل جاتی ہے، اس کا نظام کسی بندے کا مقرر کردہ نہیں ہے، جس طرح انگریزی مہینوں کا تعین انسان نے خود طے کیا ہے کہ فلاں مہینہ تیس دن کا ہوگا تو فلاں اکتیس دن کا ہوگا، اور فلاں اٹھائیس دن کا ہوگا اور جب سال کسی خصوصی لحاظ سے آجائے گا، تو فلاں مہینہ بجائے اٹھائیس دن کے انتیس دن کا ہو جائیگا، اس پورے حساب کا تعلق نہ تو آسمان سے ہے اور نہ چاند سے ہے، چاند آسمان پر چمک کر نظر آئے یا نہ آئے ان کی تاریخ یکم ہو کر بدل جائے گی، نیز اس تاریخ کے اپنانے والے کو زندگی بھر خدا اور خدائی نظام کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہے، کیونکہ ان کو تاریخ بدل لینے میں خدائی نظام کے بدلنے کا انتظار ہی نہیں رہتا، بس اتنا حساب طے ہے کہ آج یکم ہے تو یہ نظام خدا سے دوری کا سبب ہے، اس کے برعکس چاند سے وابستہ نظام تاریخ کے پیروکار ہر وقت کائنات سماوی میں غور کرتے رہتے ہیں کہ کیا چاند نظر آتا ہے یا نہیں، اس طرح یہ لوگ خود بخود اللہ کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔

اسلام سے پہلے جاہلیت میں لوگوں نے تاریخ کو اسی طرح اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور پھر اسے مسخ کر کے رکھ دیا تھا، چنانچہ وہ جب بھی چاہتے سال کو بارہ ماہ کے بجائے تیرہ یا چودہ ماہ کا بنا دیتے اور محرم کو صفر کر کے پیش کرتے، یا رجب کو ربیع الاول کہہ کر تبدیل کرتے تھے اسی لئے قرآن نے اس طبقے کو (نسی) کے

نام سے یاد کر کے گمراہ قرار دیا، اور پھر اعلان کیا کہ روز اول سے اللہ تعالی کے ہاں مہینوں کی گنتی سال کیلئے بارہ ماہ کی گنتی ہے، اور ان میں چار ماہ اشہر الحرام کے ہیں، یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔

حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان فرما کر واضح کر دیا کہ آج زمانہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ کر آ گیا ہے یعنی اس سال محرم کو کسی اور ماہ سے نہیں بدلا گیا بلکہ ہر ماہ اپنے اپنے وقت پر ہے آج جو حج کا دن یوم عرفہ ہے یہ اپنے وقت پر ذوالحجہ کے مہینے میں آیا ہے محرم کو ذوالحجہ نہیں بنایا گیا ہے اور یہ بارہ ماہ کا مکمل سال ہے، جس طرح اللہ تعالی کے ہاں روز اول سے طے شدہ تھا۔

مہینوں کے تغیر و تبدیلی کے متعلق جاہلیت کے ایک شاعر اس طرح کہتا ہے۔

وَنَحْنُ النَّاسِئُوْنَ عَلٰى مَعَدٍّ
شُهُوْرَ الْحِلِّ نَجْعَلُهَا حَرَامًا

معد بن عدنان کی اولاد میں مہینوں کے پیچھے ہٹانے کی رسم ہم ہی نے جاری کی ہے۔ ہم وہ ہیں جو حلال مہینوں کو حرام کر دیتے ہیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

لَهُمْ نَاسِیءٌ يَمْشُوْنَ تَحْتَ لِوَائِهٖ
يَحِلُّ اِذَا شَاءَ الشُّهُوْرَ وَيَحْرُمُ

ان کے لئے مہینوں کو آگے پیچھے ہٹانے والا ایک سردار ہے جس کے جھنڈے کے نیچے وہ لوگ لڑائی کے لئے چلتے ہیں وہ سردار جب چاہتا ہے مہینوں کو حلال کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے۔

اسلامی تاریخ کا فائدہ!

اسلامی تاریخ اپنانے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے، کہ سال میں دس دن کی تنخواہ زیادہ ملتی ہے، اسلامی مہینوں کا جو سال ہے، وہ دس دن اس سال سے کم ہے جو انگریزی مہینوں کا سال ہوتا ہے اس طرح ہمارے ہاتھ سے اسلامی تاریخ بھی گئی اور دس دن کی تنخواہ بھی گئی، اگر اسلامی ممالک اور خصوصاً پاکستان میں اسلامی تاریخ کے مطابق تنخواہ ملتی تو ہمارے بچے بچے کو اسلامی مہینے یاد ہوتے، جبکہ آج بہت سارے بڑوں اور بوڑھوں کو بھی ترتیب کے ساتھ اسلامی مہینوں کے نام نہیں آتے، لیکن انگریزی مہینوں کے نام ایک بچہ بھی فر فر سناتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ ہم نے اپنی معاش وابستہ کر رکھی ہے، پھر یہی وجہ ہے اور اسی غفلت اور بے توجہی کا اثر ہے کہ ہم غیر مسلموں کے نئے سال پر تو خوشیاں مناتے ہیں، طرح

طرح کے پروگراموں کا اہتمام کرتے ہیں، گویا ایک قسم کی عید مناتے ہیں۔

لیکن اپنے اسلامی سال کے آنے پر ہمیں پتہ تک نہیں ہوتا کہ عالم اسلام کے مسلمانوں پر کوئی نیا زمانہ بھی آیا ہے بلکہ کچھ نادانوں نے تو ہمارے نئے سال کو خطرہ کی گھنٹی کی مانند پیش کر دیا ہے کہ ایک طرف محرم کی تاریخ آتی ہے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے اور دوسری طرف چھریاں اور چاقو اور دہشت نمودار ہو جاتا ہے جب خود مسلمان اپنی تاریخ کی قدر نہ کریں تو غیروں سے کیا خاک توقع کی جاسکتی ہے، آپ کے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے، کہ چونکہ اسلامی مہینہ کی تاریخ میں نظم وضبط نہیں، کبھی انتیس کا آتا ہے، کبھی تیس کا ہوتا ہے تو اس کے مطابق ملک کا اتنا بڑا انتظام کیسے چلایا جائے گا؟ میں کہتا ہوں کہ سعودی عرب میں پورا نظام اسلامی تاریخ کے مطابق چلتا ہے، وہاں کوئی بدنظمی نہیں آتی ہے، وہاں انتیس کے اعتبار سے نظام کو چلایا جاتا ہے، تیس کا انتظار ہی نہیں کرتے، پاکستان میں اسلامی مدارس کا نظام اسلامی تاریخ کے مطابق چلتا ہے، پنجابی سوداگراں جمعیت تعلیم القرآن کے سیکڑوں مدرسے اور ہزاروں اساتذہ اسی انتیس کے حساب سے بحسن وخوبی چل رہے ہیں۔

اسلامی تاریخ کو کس طرح وضع کیا گیا!

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جہاں کئی مسائل اسلامیہ میں نظم وضبط کا اہتمام کیا گیا وہیں اسلامی تاریخ کی تاسیس کا اہتمام بھی کیا گیا، چونکہ فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا تھا، اس لئے مسلمانوں کو امور خلافت میں اسلامی تاریخ کی اشد ضرورت تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور مشورہ مانگا، بعض حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور ولادت کے دن سے مقرر کرنا چاہئے، بعض صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ حضور اکرم ؐ کی وفات کا دن تاریخ اسلامی کا پہلا دن وضع کرنا چاہئے، یہ دونوں رائے قبولیت عامہ حاصل نہ کرسکی، اور اکابر صحابہؓ نے فرمایا، کہ دین اسلام کا یہ مزاج نہیں کہ کوئی ولادت یا وفات بطور یادگار منایا جائے یا اپنایا جائے، بلکہ اسلام اس دن کو تاریخی حیثیت دیتا ہے کہ جس میں اسلام کے لئے سب سے بڑی قربانی دی گئی ہو، اس رائے کی روشنی میں عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء حضور اکرمؐ کے واقعہ ہجرت سے کرنا چاہئے کیونکہ ہجرت ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس میں پیغمبر اسلام اور مسلمانوں نے اس دین مقدس کیلئے سب کچھ لٹا دیا، ملک ووطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، بیوی بچوں کو چھوڑا، مال جائداد اور قوم وقبیلہ سب کو چھوڑا، اور صرف اللہ کا نام لیکر اپنے ایمان کو بچانے کے لئے سرزمین مکہ اور اللہ کے گھر خانہ کعبہ کو الوداع

کہہ کر سفر اور پردیس کی زندگی کو اپنایا۔

چونکہ یہ ایک تاریخی تعمیر اور عظیم قربانی تھی اسی لئے تمام صحابہ کرامؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور یہ دن اسلامی تاریخ کے لئے ابتدائی دن قرار دیا، یہی وجہ ہے کہ ہماری اسلامی تاریخ ہجری تاریخ کے نام سے یاد کی جاتی ہے، جو اسی عظیم واقعہ ہجرت کو یاد رکھنے کے لئے ہے کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جو اپنے مقدس دین کیلئے ہر قربانی دے سکتا ہے۔

اس وقت ہجری تاریخ ۱۴۱۶ھ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔اس واقعہ کو چودہ سو سال پورے ہو گئے یہ ہجری تاریخ ہے اس کا تعلق اسلامی مہینوں سے ہے اور وہ بارہ مہینے ترتیب وار اس طرح ہیں۔

محرم الحرام۔صفر المظفر۔ربیع الاول۔ربیع الثانی۔جمادی الاولیٰ۔جمادی الثانیہ۔رجب المرجب۔
شعبان المعظم۔رمضان المبارک۔شوال المکرّم۔ذی القعدہ۔ذی الحجہ ہے۔

ان مہینوں کے ساتھ مسلمانوں کی بہت ساری اسلامی عبادات اور تاریخی روایات وابستہ ہیں مثلاً رمضان میں روزے ہیں جو ایک عظیم عبادت ہے اور یہ مہینہ مسلمانوں کے لئے بڑی رحمت کا مہینہ ہے اور آخر میں عید ہے،شوال ذوالقعدہ اور ذی الحجہ میں حج کی عظیم عالمی عبادت ہے اور دس ذوالحجہ کو بڑی قربانی کی یادگار ہے اور یوم عید ہے۔ربیع الاول میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔ اور اسی مہینہ کی بارہ تاریخ کو وفات النبیؐ کی تاریخ ہے۔

اسی طرح دوسرے مہینوں میں بڑے بڑے تاریخی واقعات ہیں جس کا براہ راست مسلمانوں سے تعلق ہے پھر مسلمانوں کے بہت سارے اسلامی مسائل کا تعلق چاند کی تاریخ سے وابستہ ہے، اس لئے عام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی شناخت کو برقرار رکھیں اور اپنی روایات کو مٹانے سے بچائیں۔حضور اکرمؐ کے تمام غزوات کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ کا تعلق انہیں اسلامی مہینوں سے ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے بزرگ اور مقدس ہستیوں کی سیرت و کردار انہیں اسلامی مہینوں سے وابستہ ہے اس لئے حکومت پاکستان کو چاہئے کہ وہ سرکاری طور پر ملک کا نظم ونسق اسلامی ہجری تاریخ کے مطابق چلائے اور عوام الناس کو چاہئے کہ وہ اپنی اسلامی ہجری تاریخ کو ہر سطح پر زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کریں۔

تاریخ کے اس تاریخی پس منظر کے سمجھنے کے بعد آپ حضرات اس ظلم کو بھی دیکھیں کہ ہم نے اپنے ماہ و سال کو کتنا بے وقعت اور مضحکہ خیز بنادیا ہے، کہ جونہی ماہ مبارک ماہِ محرم کا آغاز ہوتا ہے، جس سے

مسلمانوں کے نئے سال کا آغاز بھی ہو جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم سالِ گزشتہ پر نظر دوڑائیں اچھے کاموں پہ خدا کا شکر ادا کریں اور برے کاموں پر ندامت کا جذبہ بیدار کر کے استغفار کریں اور آئندہ سال کو خوش آمدید کہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر اس کی قدر کریں اور اسلامی ثقافت اور معاشرت کا اجتماعی طور پر اظہار کریں ہم کیا کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک طبقہ کے لوگ چھریاں اور چاقو تیز کر کے میدان میں اتر جاتے ہیں اور ماتمی طوفان برپا کرتے ہیں چیختے ہیں چلاتے ہیں، اپنے بزرگوں پر تبرا بازی کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں، نفرت کا اظہار کرتے ہیں، عام دہشت پھیلاتے ہیں، مجلسیں جماتے ہیں، روتے ہیں اپنے آپ کو پیٹتے ہیں کوئی دوسرا سامنے آجائے تو اس کو بھی مارتے ہیں، خون بہاتے ہیں، روڈوں کو بلاک کرتے ہیں، کاروبار معطل کرتے ہیں ٹریفک میں جان بوجھ کر خلل ڈالتے ہیں، آگ پر ماتم کرتے ہیں چھریوں پر ماتم کرتے ہیں، پانی پر ماتم کرتے ہیں، بڑے بڑے جلوس نکالتے ہیں اور اس طرح مہذب دنیا کے سامنے مسلمانوں کو ایک دہشت گرد وحشی اور غیر مہذب قوم کی صورت میں پیش کرتے ہیں اور پورے ملک میں پولیس اور فوج کے جوان دس دن تک اپنی گاڑیوں سمیت چوکس اور تیار رہتے ہیں، جس کی وجہ سے قومی خزانہ پر بڑا خرچ آتا ہے، خدا بھی ناراض اور سلف صالحین بھی ناراض اور دنیا کے سامنے جگ ہنسائی الگ اور بے جا خرچ الگ۔ پھر سب کچھ ایک مذہبی عبادت کے طور پر پیش کر کے دین اسلام میں پیوندکاری کا جرم الگ، اور پھر یہ سب کچھ ایک مسلمان حکومت کی نگرانی اور حفاظت میں ہونا الگ انتہائی درجے کا جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو حق کے راستے پر چلائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

قران وحدیث

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ.﴾ (سورة التوبه ۳۶)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِی الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ.﴾ (سورة التوبه ۳۷)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَاَحَبَّكِ اِلَیَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ.

(مشکوۃ ص ۲۳۸)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِیِّ بْنِ حَمْرَاءِ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَی الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنَّکِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰه وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰه اِلَی اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنِّی اُخْرِجْتُ مِنْکَ مَاخَرَجْتُ. (مشکوۃ ۲۳۸)

اِئْتَمَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَتٰی یَکْتُبُوْنَ التَّارِیْخَ قَالَ بَعْضُهُمْ نَکْتُبُهُ مِنْ هِجْرَتِهِ الَّتِیْ هَاجَرَ فِیْهَا مِنْ دَارِ الشِّرْکِ اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ فَاجْتَمَعَ رَأْیُهُمْ عَلٰی اَنْ یَّکْتُبُوْا التَّارِیْخَ مِنْ هِجْرَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالُوْا بِأَیِّ شَهْرٍ نَبْدَءُ فَاخْتَلَفُوْا فِیْ ذَالِکَ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ اَنْ یَّجْعَلُوْهُ مِنَ الْمُحَرَّمِ.

(تاریخ دمشق المهذب ج ۱ ص ۲۴)

دس محرم الحرام ۱۴۱۶ھ دس جون ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
شہید وشہادت کی فضیلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ ۱۵۴)

اور نہ کہوان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں، بلکہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنَ. (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرض کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے۔

هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا
لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَايَكْذِبُ

یہ اللہ کی کتاب کھل کر کہتی ہے کہ شہید زندہ ہوتا ہے، یہ سچی حقیقت ہے۔

محترم بزرگو!

آج دس محرم الحرام ہے جمعہ کا دن ہے یہ ایک انقلابی دن ہے کیونکہ قیامت بھی جمعہ کے روز دس محرم الحرام کو قائم ہوگی۔ البتہ سال کا پتہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔ میں نے جو آیت پڑھی ہے اس کا تعلق شہید وشہادت اور اس کی فضیلت سے ہے۔ سب سے پہلے آپ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہید کو مردہ کہنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، اس کی دو وجہ ہیں پہلی وجہ یہ کہ حقیقت میں وہ لوگ ایک اعلیٰ وارفع حیاۃ زندگی پر فائز ہوجاتے ہیں، بس دنیا کی ظاہری حیات گئی اور آخرت کی حقیقی دائمی حیات ان کو نصیب ہوئی۔ اس لئے ان کو مردہ نہیں کہنا چاہئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مردہ کہنے سے آدمی پر ایک ہیبت وحشت اور دہشت طاری ہوجاتی ہے، جس سے زندوں کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں، اور شہید کہنے سے حوصلے مزید مضبوط اور بلند ہوجاتے ہیں، اور جذبہ مزید بھڑک اٹھتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی ملک کے چار سو آدمی مرجاتے ہیں تو پورے ملک کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے اور ہنگامی حالت کا اعلان ہوجاتا ہے، لیکن اگر کسی مسلمان ملک کے چار ہزار آدمی شہید ہوجائیں تو بجائے حوصلہ شکنی اور وحشت کے جذبات مزید بھڑک اٹھتے ہیں اسی وجہ سے مقتول فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے سے منع فرمایا، بلکہ ان کو ایک عظیم نام شہید کا عطا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے دین کے لئے اور

اسلام کی سر بلندی کے لئے لڑی جانے والی لڑائی کو اسلام نے عام نام ''الحرب'' وغیرہ نہیں دیا، بلکہ اس کو ایک ممتاز نام ''الجہاد'' عطا کیا۔ جسے سن کر ہر آدمی ایک جذباتی کیفیت محسوس کرتا ہے بہر حال شہید چونکہ اللہ کے نام کی سر بلندی کے لئے اپنی جان کی قربانی دیتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی عزت سے نوازا ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں کوئی بڑا عالم مرتا ہے یا صوفی مرتا ہے تو شریعت کا حکم ہے کہ اس کو کفن پہناؤ اور ان کا لباس ان کے جسم سے اتار دو، چنانچہ ان کی قمیص اور شلوار اتاری جاتی ہے، لیکن کسی شہید کے کپڑوں کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے کہ کہیں قمیص و شلوار کھینچنے میں اس کی بے اکرامی نہ ہو جائے، بلکہ حکم ہے کہ اسی خون آلودہ کپڑوں میں دفناؤ، اور اسی حالت میں وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا۔

اسی طرح دنیا کا بڑا عالم و صوفی و زاہد اگر اپنی طبعی موت مر جاتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اس کو غسل دو لیکن شہید کے بارے میں حکم ہے کہ اس کو غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس کا خون دیکھنے میں تو خون لگتا ہے لیکن حقیقت میں یہ مشک و عنبر ہے۔ تم دنیا کے پانی سے دھو کر شہید کو کیا پاک کرو گے، وہ تو تلوار کے پہلے وار سے پاک ہو گیا ہے، حدیث شریف میں ہے ! ''اَلسَّيْفُ مَحَّاءٌ لِلذُّنُوْبِ'' تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ شہید پر جنازہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب شہید تلوار کے وار سے پاک ہو گیا تو ان کے لئے استغفار کی کیا ضرورت ہے نیز اس کو میت اور مردہ کہنا منع بھی ہے اور جنازہ میں میت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ شہید پاک اور مغفور ہوتا ہے لیکن جنازے کی نماز پڑھائیں گے تا کہ ہم اس کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں۔ اور خود بھی شہید کے جنازہ پڑھنے کی فضیلت حاصل کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شہید اللہ کے نام کی عظمت اور سر بلندی کے لئے جان کی بازی لگا کر قربانی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی دنیا و آخرت میں اعزاز و اکرام و انعامات سے نوازتا ہے۔

چنانچہ شہید کے جسم سے روح نکلتے ہی جنت کی حوریں اس کے دفنانے سے پہلے پہنچ جاتی ہیں اور میدان کارزار کی گرد و غبار اس کے رخسار سے جھاڑ کر صاف کرتی جاتی ہیں اور کہتی جاتی ہیں کہ اللہ اس شخص کو مٹی میں ملا دے جس نے تیرے رخساروں کو گرد آلود کر دیا ہے۔

عزتوں اور عظمتوں کے اس شہید کو اللہ جل جلالہ کے ہاں سے یہ اعزاز مل جاتا ہے کہ عام

انسانوں کے لئے ابھی تک جنت میں جانے کا فیصلہ بھی نہیں ہوا ہوگا کہ شہید بلا روک ٹوک جنت میں داخل ہوکر ہر جگہ سے لطف اٹھائیگا اور رہیلی کا پٹر کی طرح سواریوں میں سوار ہوکر ساری جنتوں کی سیر وتفریح اور دیگر نعمتوں سے لطف اندوز ہوکر رات اپنے مالک حقیقی کے جوار رحمت میں عرش عظیم کے سائے میں گزاردیگا۔

عظمتوں کے اس شہید کو یہ اعزاز مل جاتا ہے کہ وہ ستر ایسے اشخاص کی شفاعت وسفارش کرکے جنت لے جاسکتا ہے جن کے لئے دوزخ واجب ہوچکی ہوگی، شہید کے دل میں اگر کوئی حسرت ابھی باقی ہوگی تو وہ یہ کہ ان کو دوبارہ میدان جہاد میں شہادت کے لئے بھیجا جائے۔ چنانچہ شہداء کے متعلق احادیث مقدسہ میں اس طرح ارشادات عالیہ موجود ہیں۔

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب شہداء اُحد کا تذکرہ کرتے تو یوں فرماتے کہ مجھے یہ بات بہت پسند تھی اگر مجھے ان شہداء کے ساتھ اُحد کے دامن میں شہید ہوکر چھوڑ دیا جاتا۔ (احمد)

(۲) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ واقعہ احد سے ایک دن قبل میرے والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ کل سب سے پہلے میں شہید ہوجاؤنگا تم میرا قرض ادا کروا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھو۔

(۳) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صبح کو سب سے پہلا شہید میرا والد ہی تھا میں نے ان کو مقام اُحد میں باقی شہداء کے ساتھ دفنا دیا، لیکن میرا دل چاہتا تھا کہ میں اس کو وہاں سے مدینہ لے آؤں چنانچہ میں نے چھ ماہ بعد ان کی قبر کو کھودا تو دیکھا کہ وہ اسی ہیئت پر تروتازہ تھے جس دن کہ ہم نے ان کو دفنایا تھا صرف ایک کان میں فرق تھا۔ (بخاری)

(۴) ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام شہداء اُحد کے ساتھ پردے کے پیچھے سے کلام کیا، لیکن تیرے والد کے ساتھ اللہ نے آمنے سامنے بات کی اور فرمایا کہ اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے اس نے جواب دیا کہ اے مولا!! مجھے زندہ کرکے دوبارہ دنیا میں بھیجدیں، تاکہ جہاد کرکے پھر شہید ہوجاؤں، اللہ نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد پھر دنیا میں جانا نہیں۔ ایک روایت میں اس قصہ میں اتنا اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری تمنا اور حال احوال دنیا والوں کو بتادوں گا، اس کے بعد قرآن کریم میں اللہ نے بتادیا۔ (بیہقی)

(۵) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ احد کے راستے سے نہر کھدوائے اس لئے آپ نے عام اعلان کیا کہ میدان اُحد میں جن لوگوں کے شہداء مدفون ہیں وہ کھدائی کے

وقت حاضر ہو جائیں ہم نے جب زمین کھود لی تو میں نے اپنے والد صاحب کو ایسے پایا گویا کہ وہ سور ہے ہیں، ہم نے اس کے پڑوس میں عمرو ابن جموحؓ کو دیکھا کہ ان کا ہاتھ ان کے زخم پر پڑا تھا، جب ان کا ہاتھ ان کے زخم سے ہٹایا گیا تو زخم سے تازہ تازہ خون جاری ہوا یہ شہداء ایسے تھے گویا کہ کل ہی دفنائے گئے ہوں اور ان کی قبروں سے مشک وعنبر کی خشبو پھوٹ رہی تھی، جب پھاوڑا حضرت حمزہؓ کے قدم پر لگا تو اس سے تازہ خون بہنے لگا، یہ واقعہ شہداء کے دفنانے کے ۴۶ سال بعد پیش آیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ)

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے اُحد کے مدفن کے پاس جا کر اس طرح سلام پیش کرتے تھے ”**سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار**“. اور آپؐ نے فرمایا کہ قیامت تک جو بھی شخص آکر یہاں سلام پیش کریگا یہ شہداء ان کا جواب دیتے رہیں گے، آپ کے بعد صدیق اکبرؓ پھر فاروق اعظمؓ پھر عثمان غنیؓ پھر حضرت علیؓ ان شہداء کی قبروں کی زیارت کرلیا کرتے تھے۔

(۷) ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہؓ کے ساتھ بدر کے قریب اس جگہ پر گزر ہوا جہاں عبیدہ ابن حارثؓ مدفون ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم اس جگہ سے عجیب خوشبو سونگھ رہے ہیں، حضورؐ نے فرمایا خوشبو کیوں نہ ہو یہاں عبیدہؓ شہید مدفون ہیں ۔

(۸) ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ریاض اور نجد کی طرف ایک جہادی مہم پر سفر فرمارہے تھے کہ ایک دیہاتی بھی ساتھ چل پڑا، جو ابھی تک مسلمان بھی نہیں ہوا تھا اس دیہاتی کی سواری جب حضور اکرمؐ کے قریب ہو جاتی تو صحابہ کرام حفاظت کے پیش نظر اس کو پیچھے کرنے کی کوشش فرماتے حضور اکرم جواب میں فرماتے ”دَعُوْا اِلَیَ النَّجْدِیَّ“ اس دیہاتی نجدی کو میرے قریب رہنے دو ”اِنَّہٗ مِنْ مُلُوْکِ الْجَنَّۃِ“ کیونکہ یہ جنت کا بادشاہ ہے جب میدان جنگ میں پہنچا تو دیہاتی نے کہا کہ یارسول اللہ میں پہلے مسلمان ہو جاؤں یا پہلے لڑوں، حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے مسلمان ہو جاؤ۔

چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لاش کے پاس آکر بیٹھ گئے اور اسے دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے کچھ دیر بعد آپؐ نے منہ موڑ لیا صحابہؓ نے منہ موڑنے کی وجہ معلوم کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جب اس شخص کے درجات عالیہ کو دیکھا تو مجھے ہنسی آئی کہ اس نے نہ نماز پڑھی نہ روزہ رکھا، نہ کوئی اور نیک عمل کیا تھا اور ایک دم اتنے بلند درجات پر فائز ہو گیا۔ میں اسی حالت میں تھا کہ آسمان سے حوریں آئیں اور ان کے پاس بیٹھ گئیں تو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان حوروں کو دیکھوں جو اس شہید کیلئے آئیں ہیں اس لئے میں نے منہ موڑ لیا۔

وقف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے شہادت کی تمنا بار بار کی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔ آپ ؐ نے فرمایا بجز قرض کے شہید کے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہاد کے راستے میں زخمی ہو جاتا ہے تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں اٹھے گا کہ زخم خون کے فوارے چھوڑ رہا ہوگا، رنگ تو خون کا ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک وعنبر کی طرح ہوگی۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کے فعل کو دیکھ کر ہنستا ہے (خوش ہوتا ہے) ایک تو وہ مجاہد ہے جو اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جاتا ہے، پھر اس کا قاتل مسلمان ہو کر جہاد میں شریک ہو کر لڑتے لڑتے شہید ہو جاتا ہے۔

(۹) جنگ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنت کی طرف آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان وزمین سے زیادہ ہے، ایک صحابی عمیر بن حمام ؓ نے فرمایا واہ واہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے یہ کیوں کہا اس نے جواب دیا کہ یارسول اللہ میں نے اس لئے یہ جملہ کہا تاکہ میں جنت والوں میں سے ہو جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو جنتی ہے، صحابی کے ہاتھ میں کھجور کے چند دانے تھے وہ کھا رہے تھے، آپ نے فرمایا اس کو چباتے چباتے یہ تو ایک طویل زندگی ہے یہ کہہ کر آپنے کھجور پھینک دیئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ شہید کو اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ اعزازات سے نوازا جاتا ہے (۱) پہلے قطرۂ خون پر اس کو بخشا جاتا ہے (۲) جنت میں اس کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے (۳) عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے (۴) اس کے سر پر عزت وعظمت کا ایسا تاج رکھا جاتا ہے کہ جس کا ایک موتی دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا (۵) حور عین میں سے بہتر حوریں اس کے نکاح میں دیجائیں گی (۶) اور ان کے ستر (۷۰) رشتہ داروں کے لئے اس کی شفاعت قبول کیجائے گی۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید موت کی صرف اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنا کہ تم ایک چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتے ہو۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے راستے میں شہادت دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

(۱۰) حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں کسی وجہ سے اس شہید لڑکے کی قبر کھل گئی تھی جس کا تذکرہ

قرآن کریم میں سورۂ بروج میں کیا گیا ہے جس کا نام عبداللہ تامر تھا اور جو دین عیسیٰ پر مضبوط ہو چکا تھا، اور صاحب کرامت تھا، جس کو بادشاہ وقت نے قتل کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا، پھر لڑکے نے اپنے قتل کی بات بتائی کہ بسم اللہ رب الغلام کا لفظ کہہ کر مجھے تیر مارو میں شہید ہو جاؤں گا، بادشاہ نے ایسا کیا لڑکا شہید ہو گیا اور حاضرین ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے، پھر بادشاہ نے سب کو قتل کرنا شروع کر دیا یہ ایک تفصیلی قصہ ہے جو مسلم شریف میں ہے بہر حال لڑکے کی قبر کھل گئی تو وہاں موجود صحابہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے زخم پر ہاتھ رکھا تھا جب صحابہ نے اس کا ہاتھ اٹھایا تو فوارہ کی طرح خون بہنے لگا، حضرت عمرؓ کو لکھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کو پھر اس کی قبر میں چھپا دو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صداقت کے لئے اس کو ظاہر کیا ہے سینکڑوں سال بعد بھی شہید اس طرح زندہ وتابندہ اور تر وتازہ رہتا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

محترم سامعین!

یہ چند واقعات میں نے آپ کے سامنے رکھدیئے یہ امت قربانی والی امت ہے، اور جس امت میں قربانی والا جذبہ ہو وہ کبھی بھی مٹ نہیں سکتی، اس امت کے سب سے معزز اور محترم ومقدس افراد صحابہ کرامؓ تھے، ان میں سے بیشتر یعنی اکثر صحابہ کرام شہید ہو چکے ہیں تب جا کر اسلام مشرق ومغرب میں پھیلا، وہ کونسا بڑا شہر ہے جس میں صحابہ کرام کا خون نہ گرا ہو، اور وہ کونسا ملک ہے جہاں صحابہ کرام کے شہداء مدفون نہ ہوں۔

جب تک ہم بھی صحابہ کرام کی طرح قربانی نہیں دینگے اسلام کبھی بھی غالب نہیں آسکتا، اس امت میں صرف حضرت حسین شہید نہیں ہوئے بلکہ اس امت میں تو لاکھوں شہداء موجود ہیں، ہمیں چاہئے کہ ان شہداء کے کارناموں کو اپنائیں اور شہادت کی تمنا کریں یہ نہیں کہ صرف احتجاج اور جلوس نکالیں، احتجاج کی تو یہاں گنجائش ہی نہیں، کیونکہ حضرت حسینؓ اپنی شہادت پر خوش تھے، اللہ تعالیٰ خوش تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے۔

اور آج ہم رو رہے ہیں، ان کے کردار کا تو کبھی نام نہیں لیا اور نہ اس کو اپنایا بس صرف احتجاجی جلوس نکالنا شروع کیا، اس دین کا یہ مزاج نہیں کہ شہیدوں کا دن منائے، کیونکہ ان لاکھوں شہیدوں کے ایام کون منا سکتا ہے؟ پھر تو کھانے کا بھی وقت نہیں ملے گا۔

بہر حال حضرت حسینؓ کی ایک عظیم شہادت تھی، آپ کے مخالفین نے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے، ان کو کیا حق حاصل تھا کہ نواسہ رسول کے مقابلہ پر آتے اگر حضرت حسینؓ حکومت بھی مانگتے تو ان کو دینا چاہئے تھا۔ اسلام کی سفید چادر پر قتل حسین ایک بہت بڑا بدنما داغ ہے، یہود ونصاریٰ ہمیں طعنہ دینگے کہ تم نے اپنے رسول کے نواسے کو قتل کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے اہل کوفہ نے غداری کی تھی اٹھارہ ہزار آدمیوں کی طرف سے ہزاروں خطوط آئے کہ آپ حجاز مقدس سے کوفہ آجائیں ہم بیعت کے لئے تیار ہیں آپؓ نے مسلم بن عقیل کو بھیجا کوفہ والے صبح ان کے ساتھ تھے اور شام کو اٹھارہ ہزار کے بجائے اٹھارہ آدمی رہ گئے غروب آفتاب کے بعد وہ بھی غائب ہوگئے، اور مسلم بن عقیل شہید کردیئے گئے، ادھر حضرت حسینؓ میدان کربلا تک پہنچے تھے کہ سامنے سے عبداللہ بن زیاد نے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیج دیں، اور بدبختوں کے ہاتھوں نیک بخت حسینؓ شہید ہوگئے۔ آج جو لوگ ماتم کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انہیں لوگوں کے پیشوا بمعہ یزید قتل حسینؓ کے ذمہ دار ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

آمین یارب العٰلمین

قرآن وحدیث

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (القرآن)

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اَغْزُوَفِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُوْفَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُوْ فَاُقْتَلُ. (اختصار الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۸۲)

مَايَجِدُالشَّهِيْدُ مِنْ مَّسِّ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَايَجِدُ اَحَدُكُمْ مِنْ مَّسِّ الْقُرْصَةِ.

(اختصار الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۸۴)

اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقِ نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ فِیْ قُبَّةٍ خَضْرَاءَ يُخْرَجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا. (اختصار الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۸۵)

جمعہ ۷ المحرم الحرام ۱۴۱۶ھ ۱۷ جون ۱۹۹۵ء جامع مسجد مدینہ برنس روڈ کراچی

موضوع
بسم اللہ کی برکات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طفل غنچہ کی چمن میں آج بسم اللہ ہے
جس طرف دیکھو ادھر اللہ ہی اللہ ہے

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ وقال تعالٰی ﴿وَاِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَا نَ وَاِنَّهٗ بِاسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ وقال تعالٰی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيْهَا وَمُرْسَاهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌالرَّحِيْمٌ﴾

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يَبْدَاُ فِيْهِ بِاسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ ، كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَاُ بِبِسْمِ اللّٰه فَهُوَ اَقْطَعُ (رواہ ابو داؤد)

محترم حضرات!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ تعالیٰ کے تین مبارک نام درج ہیں، پہلا نام اللہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی اسم محضہ اور خاص نام باری تعالیٰ ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں وہ سب اسماء صفتی ہیں، یعنی اللہ کے صفات میں سے کسی صفت کے مظہر ہیں جیسے قادر، خالق، مالک، رازق، وغیرہ نام ہیں۔ لفظ اللہ قرآن عظیم میں ۲۳۶۰ بار مکرر آیا ہے اور یہ اسم اعظم کی بنیاد ہے اور جب تک یہ نام دنیا میں کسی کے زبان پر باقی رہیگا قیامت نہیں آئے گی، جب دنیا سے یہ نام اُٹھ جائے گا اور دنیا میں کہیں بھی کوئی اللہ اللہ کرنے والا باقی نہ رہا تو قیامت برپا ہو جائے گی۔

اس کے بعد لفظ رحمٰن ہے یہ اسم صفتی ہے، اس کا تعلق دنیا کے بڑے بڑے امور سے ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا مظہر ہے۔ جو تمام اہل دنیا اور تمام کائنات کو شامل ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت عامہ سے اس کا تعلق ہے۔ جس طرح رب العالمین کی ربوبیت عام ہے اسی طرح رحمان کی رحمت عام ہے ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ننانوے رحمتوں میں سے صرف ایک رحمت کا دنیا میں ظہور ہوا ہے، اسی کی برکت سے تمام انسان اور جنات اور حیوان آپس میں الفت اور شفقت کا اظہار کرتے ہیں، اسی صفت کا اثر ہے کہ بارش سب کائنات کو عام ہے پانی عام ہے، ہوا عام ہے، رزق عام ہے

حیات عام ہے، سمع اور بصر اور تکلم وفہم سب انسانوں کو عام ہے، کہیں بھی ان چیزوں میں مسلم اور کافر کا فرق نہیں پایا جاتا ہے۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

اے وہ سخی بادشاہ جس کے خزانۂ رحمت سے بت پرست اور آتش پرست بھی باقاعدہ وظیفہ کھارہے ہیں۔

اس کے بعد اسم رحیم ہے یہ بھی اسم صفتی ہے لیکن اس کا تعلق آخرت کے اُمور سے ہے دنیا میں رشد وہدایت، ایمان وتقویٰ اور آخرت کے اعمال کا مہیا ہونا اسی صفت کے مظاہر ہیں، اور پھر اس صفت کا ظہور میدان محشر میں ہوگا، جبکہ نیک وبد میں تمیز کا اعلان ہوجائے گا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے وفادار اور اطاعت گزار بندوں پر صفتِ رحمت کا مکمل ظہور ہوجائے گا اور ان پر نعمتوں کی مکمل بارشیں ہونگی یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ **یارحمٰن الدنیا ویارحیم الآخرہ** اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم اور اسی حقیقت کی طرف بابا سعدیؒ کا اشارہ ہے۔

دوستان را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمنان نظر داری

(۱) حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو بسم اللہ لکھ رہا تھا تو آپؓ نے فرمایا اس کو خوب خوش خط لکھا کرو کیونکہ ایک شخص اس کو خوش خط لکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

روایت ہے کہ ایک آدمی نے بسم اللہ کو دیکھا تو اس کو چوما اور آنکھوں پر رکھا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ (تفسیر قرطبی ج۱ ص۹۱)

ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ پڑھا کریں!

اسلام نے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت کر کے انسان کی پوری زندگی کا رُخ اللہ کی طرف پھیر دیا ہے کہ قدم بقدم اور لحہ بلحہ انسان اپنے خالق کو یاد رکھا کرے، اور دل ودماغ پر ہر وقت یہی مبارک نام نقش ہو کسی وقت غائب نہ ہو، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ مہم اور نیک کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے الغرض ایک مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ اس کے کھانے سے پہلے بسم اللہ ہو، سونے سے پہلے بسم اللہ ہو، کپڑا پہننے سے پہلے بسم اللہ ہو، لکھنے پڑھنے اور پڑھانے سے پہلے بسم اللہ ہو۔ کام کاج سے پہلے بسم اللہ ہو اس طرح ایک مؤمن کا ایمان بنے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس کارخانہء عالم کا ہر کام اللہ کے اس مبارک نام سے مربوط اور جڑا ہوا ہے۔
کیونکہ بسم اللہ پڑھنے والے کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ کے نام سے کھاتا ہوں، اللہ کے نام سے چلتا ہوں، اور اللہ کے نام سے سوار ہوتا ہوں، اللہ کے نام سے سوتا ہوں، اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں، اللہ کے نام سے پڑھاتا ہوں، یعنی ہر کام کی مناسبت سے وہ ابتداء اللہ کے نام کو زبان پر لائیگا اور برکت و مدد حاصل کریگا۔

اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا، اے ابوہریرہ جب تم وضو بنانے لگو تو بسم اللہ پڑھو جب تک وضو سے فارغ نہیں ہوں گے اس وقت تک تیرے محافظ فرشتے تیری نیکیاں لکھیں گے۔ جب اپنی بیوی سے ہمبستری کرنے لگو تو بسم اللہ پڑھو، غسل جنابت تک فرشتے تیری نیکیاں لکھیں گے۔ اس جماع کے نتیجے میں اگر کوئی بچہ پیدا ہوا تو اس کے اور اس کی اولاد کے سانس لینے کے بمقدار نیکیاں لکھی جائیں گی، اے ابوہریرہ جب تم سواری پر سوار ہونے لگو تو بسم اللہ والحمد للہ پڑھ لو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جائی گی، اور جب تم کشتی پر سوار ہونے لگو تو بسم اللہ والحمد للہ پڑھو جب تک کشتی سے باہر نہیں آؤ گے برابر تیری نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (تفسیر کبیر)

ایک روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب لباس اتار دیتا ہے تو ان کی شرم گاہ اور شیاطین کی نظروں کے درمیان پردہ صرف یہ ہے کہ انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ (تفسیر کبیر ج نمبر ۸ ص ۲۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے اگر ابتداء میں کوئی بھول گیا تو چاہئے کہ آخر میں اس طرح پڑھے۔ ''بسم اللہ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ''

فائدہ

کھانے سے پہلے اگر کوئی شخص بسم اللہ بھول جاتا ہے تو کھانے کے بیچ میں یا کھانے کے آخر میں حتیٰ کہ برتن چاٹتے وقت اگر بسم اللہ کہدے تو بھی برکت حاصل ہوجائی گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک گنوار دیہاتی آیا اور دو ہی لقموں میں سارا کھانا چاٹ لیا، حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا تم سب کے لئے کافی ہوجاتا۔

کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے آدھی بسم اللہ پڑھی یعنی بسم اللہ مجرے ھا و مرساھا،

تو طوفان سے نجات پائی تو جو شخص مدت عمر مکمل بسم اللہ پڑھتا رہے وہ نجات سے کیسے محروم ہوگا؟۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کھانا کھاتے ہیں مگر پیٹ نہیں بھرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہاں الگ الگ کھاتے ہیں، تب حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ایک ساتھ کھالیا کرو اور ابتداء میں بسم اللہ پڑھ لیا کرو تو کھانے میں برکت ہوگی۔

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور ایک آدمی کھانا کھا رہا تھا، لیکن اس نے ابتداء میں بسم اللہ نہیں پڑھی یہاں تک کہ جب کھانے میں ایک لقمہ باقی رہ گیا تو اس نے لقمہ اُٹھاتے ہوئے "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لیا اس پر حضور اکرمؐ ہنسے اور پھر فرمایا کہ شیطان مسلسل اس شخص کے ساتھ کھا رہا تھا لیکن جب اس نے آخر میں بسم اللہ پڑھ لیا تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا سب قے کردی۔

ایک اور روایت میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے، اور وہ داخل ہوتے وقت اور پھر کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے لئے نہ یہاں سونے کی جگہ ہے، نہ کھانے کا موقع ہے۔ اور اگر وہ شخص گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ تو پڑھتا ہے لیکن کھاتے وقت نہیں پڑھتا تو شیطان کہتا ہے کہ کھانا تو تم کو ملے گا لیکن رات گزارنے کی جگہ نہیں۔ اور اگر نہ داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے اور نہ کھانا کھاتے وقت پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ کھانا اور سونا دونوں مل گیا۔

(جامع الاصول ج۸ ص۲۴۳)

حضرت ابن مسعود اور ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تینوں نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو بناتے وقت بسم اللہ پڑھ لی تو وضو سے اس کا پورا جسم پاک ہو جاتا ہے اور جس نے وضو بناتے وقت بسم اللہ کو نہیں پڑھا تو اس شخص کے صرف اعضاء وضو پاک ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص۴۷)

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ بسم اللہ برکات کے اعتبار سے دنیوی و اُخروی برکات اور فوائد پر مشتمل ہے، جس طرح دنیا میں ایک سرکاری اور حکومتی نشان ہوتا ہے، جس چیز پر وہ نشان ہوگا وہ سرکار کی حفاظت میں رہیگی، اور کوئی دشمن اس کے قریب نہیں آسکے گا۔ بالکل اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ

کی طرف سے شاہی نشان ہے۔ جس چیز پر اس کی مہر نظر آئے گی، دشمن قریب نہیں آئیگا۔ بس ہمارا یہ نعرہ ہونا چاہیئے کہ جب زندہ ہوں تو قدم قدم پر کہیں بسم اللہ، اور جب موت آئے تو کہیں بسم اللہ، جب قبر میں سوال ہو تو کہیں بسم اللہ، جب میدان محشر میں آئیں تو کہیں بسم اللہ، جب نامۂ اعمال ہاتھ میں لے لیں تو کہیں بسم اللہ، جب وزنِ اعمال ہو تو کہیں بسم اللہ، جب پلِ صراط پار کریں تو کہیں بسم اللہ، جب جنت میں داخل ہوں تو کہیں بسم اللہ، جب اللہ کا دیدار ہو تو کہیں بسم اللہ۔

لَقَدْ بَسْمَلَتْ لَيْلٰى غَدَاةَ لَقِيْتُهَا

فَيَا حَبَّذَاذَاكَ الْحَبِيْبُ الْمُبَسْمِلُ

جب صبح کو میری ملاقات لیلیٰ سے ہوئی تو اس نے بسم اللہ پڑھ لیا

واہ واہ بسم اللہ کہنے والا یہ محبوب کیا ہی اچھا تھا۔

بسم اللہ کے متعلق چند حکایات!

حکایت نمبر ا: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور اکرمؐ کے پاس کھانے کے لئے حاضر ہو جاتے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی ابتداء نہ فرماتے ہم کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم سب کھانے پر حاضر تھے کہ اچانک ایک لونڈی اس طرح بے اختیار دوڑتی چلی آئی، گویا کہ کوئی اس کو ہانک رہا ہے، اس نے فوراً کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اس کے بعد ایک دیہاتی اسی طرح دوڑتا ہوا آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، حضور اکرمؐ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ شیطان نے چاہا کہ اپنے لئے اس طرح سے کھانا مہیا کرے کہ کوئی بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے، تو وہ پہلے اس لونڈی کو بھگا کر لایا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر شیطان اس دیہاتی کو بھگا کر لایا، میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، خدا کی قسم شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں سمیت میرے ہاتھ میں ہے۔ (جامع الاصول ج ۸ ص ۲۴۲)

حکایت نمبر ۲: قیصرِ روم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے آپ مجھے کوئی دوائی بھیج دیں۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک ٹوپی روانہ کر دی کہ اس کو پہنا کرو قیصرِ روم جب اس ٹوپی کو سر پر رکھتا تھا تو دردِ سر جاتا رہتا، لیکن جب ٹوپی سر سے ہٹاتا تو درد پھر شروع ہو جاتا، شاہ روم کو اس پر تعجب ہوا، اس نے ٹوپی کو کھول کر ٹٹولا تو اس میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ا ص ۱۷۱)

حکایت نمبر ۳: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فارس کے مجوسیوں نے کہا کہ آپ اسلام کی حقانیت کا دعویٰ کرتے ہیں، لہٰذا آپ اس پر ہمیں کوئی نشانی بتلائیں تا کہ ہم اسلام قبول کریں، حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ زہرِ قاتل لائیں، وہ زہر کا ایک پیالہ لے آئے۔ حضرت خالدؓ نے پیالہ لے کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لی، اور سارا زہر پی گئے اور ٹھیک ٹھاک کھڑے ہو گئے، مجوس نے کہا کہ یہ دین واقعی سچا دین ہے۔ (تفسیر کبیر ج۱ص۱۷۲)

حکایت نمبر ۴: ایک اللہ والے نے خوشخط انداز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دی اور پھر وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو میرے کفن میں رکھ دو، کسی نے پوچھا کہ اسمیں آپ کا کیا فائدہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ میں قیامت کے روز اپنے رب سے کہوں گا کہ اے میرے مولا تو نے ایک خط بھیجا تھا اور اس خط (یعنی قرآن) کا پتہ یہ تھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو آج اپنے خط کے ذریعہ سے میرے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔ (تفسیر کبیر ج۱ص۱۷۲)

یعنی قرآن کی ہر سورت بمنزلہ ایک خط ہے اور اس کا پتہ اور سر کا تاج بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے جو سراسر رحمت ہے۔

حکایت نمبر ۵: کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیٹ میں ایک دفعہ شدید درد اُٹھا تو آپؑ نے اللہ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے جنگل میں ایک قسم کی گھاس کھانے کا حکم دیا، جب آپ نے اسے کھالیا تو اللہ کے فضل وکرم سے ٹھیک ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر یہ درد اُٹھا تو موسیٰ علیہ السلام خود بخود اس گھاس کی طرف چلے گئے اور اسے کھالیا مگر مرض میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ پہلے جب میں گیا اور اس گھاس کو کھالیا تو ٹھیک ہو گیا مگر اس دفعہ تو مرض اور بڑھ گیا، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ پہلے تم میرے نام سے اس گھاس کی طرف گئے تھے تو شفا حاصل ہو گئی، اب اس مرتبہ تم اپنی مرضی سے گھاس کی طرف گئے تو مرض بڑھ گیا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پوری دنیا زہرِ قاتل ہے اور اس کے لئے تریاق میرا نام ہے۔ (تفسیر کبیر ج۱ص۱۶۷)

حکایت نمبر ۶: کہتے ہیں کہ فرعون نے دعویٰ الوہیت سے پہلے ایک مکان بنوایا تھا اور اس کے باہر والے دروازے پر بسم اللہ لکھوایا تھا، جب فرعون نے رب ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف آ کر توحید کی دعوت دی اور فرعون نے انکار کیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے مولا! اس شخص کو میں نے بار بار دعوت دیدی لیکن اس میں کوئی خیر و بھلائی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ

شاید کہ تم اس کی ہلاکت چاہتے ہو، (مگر یہ جلدی ہلاک نہیں ہوگا) کیونکہ تم تو اس کے کفر اور ہلاکت کو دیکھتے ہو لیکن میں اس کے دروازے پر لکھی ہوئی بسم اللہ کو دیکھتا ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ا ص ۱۶۸)

حکایت نمبر ۷: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبرستان پر گزر ہوا آپؑ نے دیکھا کہ ایک مُردے پر قبر میں عذاب کے فرشتے مسلط ہیں اور اس کو قبر میں سخت عذاب ہورہا ہے، آپ آگے چلے گئے کچھ دیر کے بعد آپ واپس آگئے تو دیکھا کہ اس شخص کے پاس رحمت کے فرشتے ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ موجود ہیں اور مردہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہورہا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا آپ نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اصل حقیقت کھول دیں، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر فرمایا کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہگار تھا، جب یہ مرگیا تو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہوگیا، مرتے وقت اس نے حاملہ بیوی چھوڑی تھی جس کا بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا، اس عورت نے اس بچے کو پالا اور جب بچہ بڑا ہوا تو اس عورت نے بچے کو معلم کے حوالے کردیا، معلم نے اسے بسم اللہ سکھلا کر کہا بچے پڑھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بچے نے پڑھنا شروع کردیا تو مجھے حیاء آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دے رہا ہوں اور اس شخص کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ا ص ۱۷۲)

یعنی یہ معصوم بچہ اپنی پیاری زبان سے پڑھتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یہ بچہ مجھے مہربان اور رحم کرنے والا کہتا ہے اس لئے مجھے حیا آئی کہ میں اس کے باپ کو عذاب میں مبتلا رکھوں۔

حکایت نمبر ۸: وعظ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک غیر مسلم وزیر کی بیٹی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکات کا سنا تو مسلمان ہوگئی اور پھر ہر وقت ہر کام اور ہر حرکت وسکون میں بسم اللہ پڑھا کرتی تھی، لڑکی کے والدین اس سے سخت ناراض ہوگئے اور وزیر نے سرکاری طور پر ایک منصوبہ کے تحت لڑکی کو قتل کرنا چاہا اور منصوبہ اس طرح بنایا کہ اس نے بادشاہ کی مہر والی انگوٹھی بیٹی کے حوالے کردی، لڑکی نے بسم اللہ کہہ کر انگوٹھی جیب میں رکھ دی، رات کو باپ نے کسی طرح لڑکی کے جیب سے وہ انگوٹھی چھپا کر سمندر میں پھینکوادی وہاں اتفاقاً ایک مچھلی نے اس انگوٹھی کو نگل لیا، اور پھر ایک مچھیرے نے صبح اسے شکار کرلیا اور پھر مچھلی وزیر کے گھر فروخت کردی، لڑکی نے چھری لے لی، اور بسم اللہ کر کے مچھلی کے پیٹ کو چاک کیا، تو اچانک وہ انگوٹھی نکل آئی، تو لڑکی نے بسم اللہ کہہ کر انگوٹھی جیب میں ڈالدی، جب وزیر نے کھانا کھایا تو بیٹی سے کہا مجھے بادشاہ کے دربار میں جانا ہے وہ مہر والی انگوٹھی دیدو، لڑکی نے بسم اللہ کہہ کر جیب سے انگوٹھی نکال کردی، جس

پروز یراور گھر کے دوسرے اہل خانہ نہایت حیران ہو کر رہ گئے، اور بسم اللہ کی برکت سے لڑکی کی جان بچ گئی اور سرکاری منصوبہ ناکام ہو گیا۔

تسمیہ آمد علاجِ ہر مرض
شُد روا ہر کس کہ خواند ہر غرض

یعنی بسم اللہ ہر بیماری کا علاج ہے جو شخص جس غرض کے لئے بسم اللہ پڑھے گا، اس کی حاجت پوری ہوگی۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بسم اللہ کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین یا رب العٰلمین

قرآن وحدیث

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (سورۃ العلق آیت ۱)

عَنِ ابْنِ اَعْبُدٍ قَالَ لِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ هَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ الطَّعَامِ قَالَ قُلْتُ وَمَاحَقُّهٗ قَالَ تَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ. (مجمع الزوائد ج۵ص۱۰)

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اُتِیَ بِوَطَبَةٍ فَاَخَذَهَا اَعْرَابِیٌّ بِثَلَاثِ لُقَمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهٗ لَوْقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ لَوَسِعَکُمْ. (مجمع الزوائد ج۵ص۱۱)

اِنَّ شَیْطَانَ الْکَافِرِ یَلْقَی شَیْطَانَ الْمُسْلِمِ فَیَرٰی شَیْطَانَ الْمُسْلِمِ شَاحِبًا اَغْبَرَ مَهْزُوْلًا فَیَقُوْلُ لَهٗ شَیْطَانُ الْکَافِرِ وَیْحَکَ مَالَکَ قَدْ هَلَکْتَ فَیَقُوْلُ لَهٗ شَیْطَانُ الْمُسْلِمِ لَاوَاللّٰهِ مَااَصِلُ مَعَهٗ اِلٰی شَیْئٍ اِذَا طَعَمَ ذَکَرَاسْمَ اللّٰهِ وَاِذَا شَرِبَ ذَکَرَ اسْمَ اللّٰهِ وَاِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ ذَکَرَ اسْمَ اللّٰهِ. (مجمع الزوائد ج۵ص۱۱)

جمعہ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ۲۴ جون ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
شرک ایک سنگین جرم ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا﴾ (النساء آیت ۱۱۶)

﴿اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰاہُ النَّارُ﴾ (مائدہ آیت ۷۲)

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (سورئہ لقمان آیت ۱۳)

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ، قَالَ اَنْ تَدْعُوْا لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَکَ. (متفق علیہ)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْکَبَائِرُ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسِ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص۱۷)

محترم حاضرین!

اسلام نے بڑے بڑے گناہوں کی نشاندھی کی ہے لیکن شریعت مطہرہ کی نظر میں شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کی قدرت وطاقت کا مالک ہے ہر قسم کی خوبیوں اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے، لہٰذا جو آدمی جس شعبہ میں اور جس کام میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفت کمال کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف جاتا ہے تو وہ شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی گستاخی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے گویا وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کام اور اس صفت میں اللہ تعالیٰ کافی نہیں ہے اس لئے اپنی حاجت براری میں دوسروں سے چارہ جوئی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس قسم کی حرکت سے تو دنیا کے وہ لوگ بھی غصہ سے آگ بگولہ ہوجاتے ہیں جن کے ہاتھ میں کوئی کام اور کچھ اختیار ہو اور لوگ انھیں چھوڑ کر کسی ایسے شخص کے پاس جائیں، جن کے ہاتھ میں نہ وہ کام ہو اور نہ اختیار ہو

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے بہت ناراض ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں شرک ایک بہت بڑا جرم ہے، اگر کسی آدمی کی موت آئی اور اس کے دل ودماغ میں شرک پڑا ہو تو وہ آدمی ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہوا۔

اسلام میں دوسرے بڑے گناہ بھی ہیں لیکن ان کی بخشش اور معافی کا امکان بھی ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد معاف ہو جائیں یا انبیاء علیہم السلام کی شفاعت نصیب ہو جائے یا فرشتے شفاعت کریں، یا علماء اور صلحاء کی شفاعت نصیب ہو جائے یا اللہ تعالیٰ خود آخر میں دوزخ سے مٹھی بھر کر گناہ گاروں کو نکال دے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص شرک پر مرا تو اس کی شفاعت نہ کوئی نبی کر سکتا ہے، نہ فرشتہ نہ کوئی عالم، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شفاعت پر پابندی لگادی ہے جیسا کہ سورۃ نساء کی مذکورہ آیت کا ترجمہ ہے!

''بیشک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک کرے اور اس کے
سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھرایا
وہ بہک کر دور کی گمراہی میں جا پڑا''

سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت کا ترجمہ ہے!

''بیشک جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھرایا تو تحقیق اللہ نے اس پر
جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ۔ ہے''۔

سورۂ لقمان کی مذکورہ آیت کا ترجمہ اس طرح ہے!

''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا جب اس کو سمجھانے لگے اے میرے بیٹے
شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا بے شک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے''۔

سورۂ حج کی ایک آیت کا ترجمہ اس طرح ہے!

''اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے، پھر اُچکتے ہیں اس کو
اُڑنے والے مردار خور، یا جاڈالا اس کو ہوا نے کسی دور مکان میں''۔

یعنی توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے، اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اور آسمان توحید کی بلندی سے ذلتِ شرک کی پستی میں جا گرتا ہے ظاہر ہے کہ اس قدر اونچے مقام سے گر کر زندہ تو نہیں بچ سکتا ہے، ہلاکت تو یقینی ہے البتہ ہلاکت کی دو صورتیں اللہ

تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ یا تو افکارِ ردیہ اور خواہشات کے مردار خوار جانور چاروں طرف فضاؤں میں اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھائیں گے، یا شیطان لعین تیز ہوا کی جھکڑ کی طرح اس کو اُڑا کر لے جائے گا، اور پھر ایسے گہرے کھڈے میں پھینک دیگا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہیں آئی گی اور وہ چور چور ہو کر تباہ ہو جائیگا۔ بہرحال شرک اور مشرک کی تباہ کاری کی یہ بڑی واضح مثال ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی دوسری مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور شرک اور مشرک کی مذمت میں آٹھ سو سے زائد مقامات میں قرآن کریم میں شرک کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے برے اثرات سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

احادیث مقدسہ نے بھی شرک سے بچنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ عبداللہ ابن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کے ہاں کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے رب کے ساتھ شریک بنا لے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا تو سب سے پہلے آپ نے شرک کا ذکر کیا، ایک اور حدیث مین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مہلکات سے بچو اور اس میں آپؐ نے سرِ فہرست شرک کا ذکر کیا۔

حضرت معاذؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی، اس میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ اس پر تم قتل کئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ۔

ان احکامات کے معلوم ہونے کے بعد ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے کہ وہ ہر وقت شرک سے بچنے کی فکر میں لگے رہیں، اگر کسی عمل میں نیکی اور شرک کا شبہ آجائے تو شرک کے خوف سے اس عمل کو ترک کرنا چاہیئے کہ مبادا شرک میں نہ پڑ جائے اور ایسی نیکی کی طرف جائے جس میں شرک کا شائبہ نہ ہو۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک حجاب نہیں پڑتا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حجاب کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ حجاب یہ کہ کوئی شخص شرک پر مر جائے۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اس حال میں مر جائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بخشے گا اگرچہ اس کے گناہ پہاڑوں کی مانند ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۰۶)

شرک کی تعریف اور اس کی قسمیں

امام راغب اصفہانیؒ نے شرک کی تعریف اس طرح کی ہے!

وَشِرْکُ الْاِنْسَانِ فِی الدِّیْنِ ضَرْبَانِ اَحَدُھُمَا الشِّرْکُ الْاَعْظَمُ وَھُوَ اِثْبَاتُ شَرِیْکٍ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَذَالِکَ اَعْظَمُ کُفْرٍ وَالثَّانِی اَلشِّرْکُ الصَّغِیْرُ وَھُوَ مُرَاعَاتُ غَیْرُ اللّٰہِ فِیْ بَعْضِ الْاُمُوْرِ وَھُوَ الرِّیَاءُ وَالنِّفَاقُ (مفرادات القرآن)

دین اسلام میں شرک کی دو قسمیں ہیں اس میں سے پہلی قسم شرک اعظم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک بنانا ہے جو بڑا کفر ہے، دوسری قسم شرکِ اصغر ہے، اور وہ غیر اللہ کو بعض اعمال اور عبادات میں ملحوظ رکھنا ہے جو درحقیقت ریا کاری اور نفاق ہے۔ اس تعریف کی وضاحت آپ اس طرح سمجھیں کہ شرک کی تین قسمیں بتائی جا سکتی ہیں۔ (۱) شرک فی الذات (۲) شرک فی الصفات (۳) شرک فی العمل۔ پہلی قسم شرک فی الذات کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اللہ کی ذات کے مقابلے میں یا اللہ تک رسائی اور قرب حاصل کرنے میں کسی ذات کو لا کھڑا کر دیتا ہے، اور اس کا مجسمہ اور تصویر بنا کر اس کو پوجتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ مجسمہ جس ہستی کا ہے وہ ہستی اللہ کو پیاری ہے میں اس کی عبادت کروں گا، تو وہ ہستی خوش ہو کر اللہ کے سامنے میری ہر بات بنائے گی، چنانچہ بتوں کے پجاری یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی کے تحت وہ بزرگوں یا اپنے خیال میں با اثر ذوات کے مجسمے بنا کر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے وقت بت پرستوں کا شرک اسی نوعیت کا تھا جو آج تک جاری ہے، اس وقت ہندو قوم تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو پوجتی ہے، یہود و نصاریٰ انہیں مجسموں کے شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اکثر غیر مسلم اقوام مجسمہ پرستی اور تصویر اور مجسموں کے اس شرک میں مبتلا ہیں۔ بلکہ تصویر پرستی میں اسلام کے دعویداروں میں بھی ایک اچھا خاصہ طبقہ پیدا ہو گیا ہے، جو اپنے بزرگوں اور قومی لیڈروں کی تصویروں کے سامنے سجدے لگاتے ہیں، روافض، آغا خانی، قبر پرست اور بعض قوم پرست لوگوں کے ہاں اس قسم کی پوجا پاٹ آپ آسانی سے دیکھ سکتے ہیں، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے تصویر کشی کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ اسی راستے سے شرک آیا بھی ہے اور آ بھی سکتا ہے۔ سچ ہے ؎

دین احمد میں ابھی تک بت پرستی آئی نہیں
اس لئے تصویر جانان ہم نے کھچوائی نہیں

دوسری قسم شرک فی الصفات کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی صفاتِ لازمہ کو کسی غیر میں مانتا ہے۔ مثلاً صفتِ علم غیب، صفتِ خالقیت و مالکیت، رزاقیت اور صفتِ قدرت وصفتِ تصرف واستعانت مافوق الاسباب غیر اللہ کے لئے ثابت کرتا ہے۔

شرک کی اس قسم میں مسلم اور غیر مسلم بہت ساری مخلوق مبتلا ہیں۔لوگ غیر اللہ کو غائبانہ حاجات میں پکارتے ہیں اور کائنات کے اکثر تصرفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک مانتے ہیں۔

تیسری قسم شرک فی العمل کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اچھا عمل کرتا ہے لیکن وہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو دکھانا بھی چاہتا ہے وہ جہاں خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے وہیں پر خدا کے کسی بندے کو بھی خوش کرنا چاہتا ہے، جس کو عمل ریا سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ریا کاری اگر ایمان میں ہو تو وہ ایمان بے اثر ہو جاتا ہے۔اور اگر کسی دوسرے عمل میں ہو تو وہ عمل بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے اور عمل کرنے والا مجرم بنتا ہے، اس کو آپ پہلی اور دوسری قسم کے شرک میں داخل تو نہیں کر سکتے ہیں تاہم یہ شِرک دُوْنَ شِرْکٍ کے درجے میں ہے۔

اس قسم کا شرک اہل اسلام میں زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان کے بعد زیادہ تر آتا ہے ایک حدیث میں ہے! ”من صلّی یرائی فقد اشرک ومن صام یرائی فقداشرک ومن تصدق یرائی فقداشرک“ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے اور ریا کاری کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

بہر حال مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان تینوں قسم کے شرک سے اپنے آپ کو بچائیں، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

شرک کی ابتداء کیسے ہوئی؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کا ایک وصیت نامہ ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ ایک دوسرے کو بوقت موت اور قبل الموت اہتمام کے ساتھ اس طرح حکم دیا کرتے تھے” وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَاسُوَاعًا وَّلَايَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا“ (سورۂ نوح)

یعنی انہوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، خصوصاً ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑو۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت ادریس علیہ السلام تک اس کرۂ ارض پر کفر اور شرک کا وجود پلید نہ تھا، حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں پانچ بزرگ بہت نیک اور صالح تھے، عوام الناس کی ان کے ساتھ نہایت والہانہ محبت تھی، اور ان کے ساتھ مل کر عبادت خداوندی میں دل لگی کے ساتھ مشغول رہتے تھے، یہ بزرگ جب یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، تو ان کے پیروکاروں اور عقیدت

مندوں میں ایک ہیجان اور پریشانی پھیل گئی اور وہ سارے پریشان ہو گئے کہ اب عبادت میں وہ مزہ نہیں رہا جو پہلے ان بزرگوں کی موجودگی میں ہوتا تھا، ان کی پریشانی کو ابلیس نے دیکھا تو وہ ایک صالح اور نیک آدمی کے صورت میں آکر ان کا ہمدرد بنا اور پھر کہا کہ تم کیوں پریشان ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے بزرگ اب ہمارے درمیان نہیں رہے اس لئے ہمیں عبادت میں مزہ نہیں آتا اس وجہ سے ہم پریشان ہیں۔ شیطان نے کہا کہ میں ان بزرگوں کی صورتوں پر ان کے مجسمے تمہارے لئے بنادونگا جب تم عبادت کروگے تو ان مجسموں کو گھر میں پاس رکھا کرو۔

چنانچہ ابلیس نے ان بزرگوں کی شکلوں پر کئی مجسمے بنا کر ان لوگوں کو دیئے جب اس طبقے کے لوگ مر گئے تو شیطان نے ان کی اولاد سے کہا کہ تمہارے بڑے تو ان مجسموں کو پوجتے تھے اسی لئے تو گھروں میں رکھتے تھے، چنانچہ نئی نسل اب مجسموں کو پوجنے لگی، اللہ کی عبادت موقوف ہوگئی اور غیر اللہ کی عبادت شروع ہوگئی توحید کا عقیدہ اُٹھ گیا اور شرک کی تعلیم شروع ہوگئی۔

بعض روایات میں ذرا تفصیل سے یہ واقعہ منقول ہے کہ گھروں میں جب لوگوں نے کچھ عرصہ تک ان مجسموں کو نصب کیا تو شیطان نے کہا کہ ان مجسموں کو اگر مسجد کے دروازوں کے پاس رکھو گے تو آتے جاتے ان کی زیارت ہوگی، عبادت میں مزید مزہ آئے گا۔ چنانچہ جب ایک عرصے تک یہ مجسمے مسجد کے دروازوں کے پاس رہے تو شیطان نے پھر آکر کہا کہ اگر یہ مجسمے مسجد کے اندر نمازیوں کے آگے ہوں تو عبادت میں زیادہ لطف آئے گا، سجدہ تو اللہ کے لئے ہوگا عبادت بھی اللہ کی ہوگی، لیکن عبادت کے دوران بزرگوں کے ان مجسموں پر نگاہ پڑتی رہے گی تو شوق بڑھے گا۔ چنانچہ لوگوں نے ان مجسموں کو صفوں کے آگے نصب کر دیا۔

جب یہ لوگ دنیا سے چلے گئے اور نوجوان نسل آئی تو شیطان نے آکر ان سے کہا کہ تم کس بھول میں پڑے ہو؟ تمہارے بڑے تو ان مجسموں کو پوجتے تھے، اسی لئے تو مسجد میں نماز کے وقت سامنے رکھتے تھے، چنانچہ لوگوں نے اب ان مجسموں کو بت بنا کر عبادت شروع کی اس طرح مکمل شرک کا عمل شروع ہو گیا اسی باطل نظام اور غلط نظریہ اور باطل عقائد کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ نے ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کو سمجھایا، مگر زیادہ سے زیادہ اسی آدمی مسلمان ہوئے باقی کسی نے شرک کے اس عقیدے کو نہ چھوڑا بلکہ الٹا نوح علیہ السلام کو مارا پیٹا تو آپ نے بددعا کی جس کی وجہ سے پوری کی پوری قوم غرقاب ہوگئی۔

اس آیت کی تشریح شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح کی ہے، ان مکاروں نے اپنے تابعداروں سے کہا تھا کہ ''و لا تـــذرن ''اور نہ چھوڑ نا نیک لوگوں کی تصویروں کی عبادت کرنا اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی ان لوگوں کی دلوں پر واقع ہوئی ہے، اوور اس تجلی نے ان کے دلوں کو اپنا مظہر اور جائے ظہور ٹھہرایا ہے، اور اس تجلی کا اثر ان کے ظاہر اور باطن میں چھا گیا ہے اس سبب سے ان کی تصویریں اگر چہ ہم نے خود پتھر یا پیتل وغیرہ سے بنائی ہیں لیکن ان میں بھی وہی تاثیر پائی جاتی ہے، اور یہ تصویریں بھی معبود اور مسجود ہونے کی لیاقت رکھتی ہیں۔ سو ہرگز نہ چھوڑ نا ان کو خصوصاً ''وَدًّا '' ود کو جو اللہ تعالیٰ کی محبت ذاتیہ کا مظہر ہے اور وہی محبت سارے عالم کا مظہر اور مبدأ اور اصل ہے۔

قوم نوح نے اس مظہر کو ایک مرد کی تصویر قرار دیا تھا کیونکہ عالم انسانی کے اصل مبدأ کے ظہور میں مرد کا بڑا مقام ہے، اس مظہر کو ہندو لوگ ''بشن'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ''و لا ســـو اعـــا'' اور نہ چھوڑ وان مظاہر کو خصوصا ســـوا ع کو جو ثبات اور استقرار اور بقائے الٰہی کا مظہر ہے اور عالم کے بقاء کا سبب ہے، شریعت میں اس صفت کو ''قیُّوم '' کہتے ہیں قوم نوح نے اس صورت کو عورت کی شکل میں بنایا تھا کیونکہ گھر کا انتظام اور اپنی نسل اور خاندان کا ثبوت وقیام عورت کے سبب سے ہوتا ہے، ہندوں کے ہاں اس مظہر کو ''برھما'' کہتے ہیں۔

''ولا یغوث '' اور ہرگز ان مظاہر کو نہ چھوڑ نا خصوصاً ''یغوث '' کو کیونکہ فریادرسی اور مشکل کشائی میں حق تعالیٰ کا مظہر یہی ہے، شریعت میں اس صفت کو ''غیـا ث الـمستغیثین ''اور ''مـجیب دعوۃ الـمضطرین '' کہتے ہیں یعنی بوقت پکار ہر مصیبت زدہ کی مدد کرنے والا قوم نوح نے اس مظہر کو گھوڑے کی شکل میں بنایا تھا کیونکہ جانورں میں گھوڑا دوڑنے اور مدد کرنے میں سب سے طاقتور جانور ہے، ہندوؤں کے ہاں اس مظہر کا نام ''اندر'' ہے۔

''ویـــعـــوق ''اور یعوق کو نہ چھوڑ نا جو حمایت کرنے اور مضرت دور کرنے کا مظہر ہے۔ شریعت میں اس صفت کا نام ''دافـــع البـــلاء '' ہے قوم نوح کے ہاں اس مظہر کی شکل شیر کی تھی، کیونکہ شیر دفاع میں یکتا ہے اور ہر جانور پر غالب ہے کوئی جانور اس کے مقابلے پر نہیں آسکتا ہے، ہندوؤں کے ہاں اس مظہر کا نام ''شیو'' ہے۔

''ونســـرا'' اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑ نا یہ قوت الٰہی کا مظہر ہے، نسر گدھ کو کہتے ہیں، یہ پرندہ اڑنے والے پرندوں میں بڑی قوت والا پرندہ ہے، اور اڑان میں سب سے تیز اور قوی تر ہے، قوم نوح نے اسی

مناسبت سے اس کو گدھ کی شکل میں بنایا تھا۔شریعت میں اس صفت کا نام''قــوت غیبیـــــہ'' ہے، اور ہندوؤں کے ہاں اس کو''ہنومان'' کا نام دیا جاتا ہے۔طوفان نوح میں یہ پانچوں بت غرقاب ہوکر زمین کے نیچے دب گئے تھے، پھر شیطان ملعون نے اس کا سراغ لگا کر جزیرۂ عرب میں عرب کیلئے دوبارہ فراہم کردیئے، اس طرح یہ بت عربستان میں منتقل ہوگئے، اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ جمعہ آجائے گی۔اب اس موضوع کے متعلق چند حکایات سماعت فرمائیں۔

حکایت ۱:

وعظ کی بعض کتابوں میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک عابد زاہد شخص پر ہوا جو یادالٰہی میں مشغول تھا، لیکن بیماری کی وجہ سے اس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، اور وہ کیڑے مسلسل اس کے جسم کو کھا رہے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس مصیبت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی کون سی نعمت کا شکر مسلسل ادا کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ اس بیماری اور کیڑوں کے کاٹنے کا شکرادا کرتا ہوں کہ اس کی وجہ سے نیند تو آتی نہیں تو اس لئے عبادت کا خوب موقع مل جاتا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس وقت دل میں کوئی ارمان اور تمنا بھی رکھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں ایک تو موسیٰ کی ملاقات کی آرزو و تمنا ہے دوم ٹھنڈے پانی کی خواہش ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں پوری ہوگئیں، میں موسیٰ ہوں اور ابھی ٹھنڈا پانی لاتا ہوں یہ کہہ کر حضرت موسیٰ پانی لینے کے لئے گئے، جب واپس آئے تو دیکھا کہ عابد کا انتقال ہو چکا ہے اور پھر درندوں نے اس کے جسم کو نوچ نوچ کر ختم کر دیا ہے ،موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی وجہ معلوم کی کہ اپنے عبادت گذار بندوں کے ساتھ یہ حشر کیوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اس شخص کو میں چار سو سال سے کھلا پلا رہا تھا اور یہ مجھے یاد کرتا تھا آج اس نے ٹھنڈا پانی کسی اور سے طلب کر کے گویا میری شکایت کی ہے، اور ظاہری طور پر مجھ سے توجہ ہٹا کر میرے غیر کی طرف توجہ کی ہے، جس میں شرک کی بو ہے جو مجھے پسند نہیں تو یہ دنیا میں اس کی سزا ہے۔

نوٹ:

یہ مقبولان بارگاہِ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک الگ معاملہ ہوتا ہے ورنہ عام آدمی کے لئے اس میں ممانعت کی کوئی چیز نہیں ہے، بہر حال اتنی بات واضح ہوگئی کہ شرک بُری بلا ہے۔

حکایت۲:

وعظ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک اللہ والے نے ایک دفعہ دودھ پی لیا جس کی وجہ سے اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھا، کسی عیادت کرنے والے نے وجہ دریافت کی کہ یہ درد کیوں ہوا؟ تو اس نے جواب میں فرمایا کہ رات کو دودھ پیا تھا اس سے درد ہوا، جب اس کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعمال کے متعلق سوال کیا تو یہ صاحب جواب میں کہنے لگے کہ یا اللہ سب کچھ ہوگا لیکن میں نے شرک نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دودھ والی رات بھول گئے، یعنی دودھ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ اس سے درد ہوا، جب کہ درد لانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ قصہ اگر مستند ہے تو ٹھیک ہے، اگر مستند نہیں تو صرف عبرت کے لئے کافی ہے کہ شرک سے بچنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اور چھوٹی سی چیز میں بھی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم شرکیات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہیں آسودہ و خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا کس نے
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے
میرے قرآن کو سینے سے لگایا کس نے

تھے تو آباء وہ تمہارے مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

قرآن وحدیث

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ (مجمع الزوائد ج ۱ ص۱۳۵)

اَلَا لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا. (مجمع الزوائد ج ۱ ص۱۳۶)

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعَهُنَّ عَمَلٌ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ.
(مجمع الزوائد ج ۱ ص۱۳۱)

جمعہ یکم صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۳۰ جون ۱۹۹۵ء　　مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

جزیرۂ عرب میں شرک کیسے آیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا﴾ (سورۂ نوح)

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا﴾ (سورۂ کہف)

محترم حاضرین!

گزشتہ جمعہ آپ کے سامنے شرک کی ابتداء اور شرک ایک سنگین جرم ہے کے عنوان سے میں نے کچھ عرض کیا تھا، اب آپ کے سامنے یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ شرک جو ایک تباہ کن جرم اور بدترین گناہ ہے جزیرۂ عرب میں کیسے آیا؟ جس کے خاتمے کے لئے تیس پارے قرآن اترا، اور جس کے مقابلے کے لئے نبی آخر الزمان آئے، جنہوں نے تیئس سال تک جزیرۂ عرب کے مشرکین کے ساتھ مقابلہ کیا، ۱۳ سال تک مکہ مکرمہ میں اور دس سال تک مدینہ منورہ میں کفار کے ساتھ نبرد آزما رہے، آخر جزیرۂ عرب شرک کی اس گندگی سے پاک ہوا، حتّٰی کہ شیطان بھی اس سے مایوس ہوا کہ قیامت تک کوئی مسلمان جزیرۂ عرب میں دوبارہ بت پرستی کرے۔

ابوالمنذر بن ھشام نے کتاب الاصنام میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جب کثرت سے مکہ مکرمہ میں پھیلنے لگی تو ان کے لئے سرزمین مکہ تنگ پڑ گئی، اس لئے ان کو مجبورًا مکہ سے جگہوں اور روزی کی تلاش میں اِدھر اُدھر منتشر ہونا پڑا، چونکہ اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دلوں میں بیت اللہ کی عظیم محبت موجود تھی تو یہ حضرات جہاں بھی جا کر ٹھہرے انہوں نے بطور یادگار اور بطور تبرک خانہ کعبہ اور حرم پاک سے کوئی نہ کوئی پتھر اپنے ساتھ اٹھا کر لے لیا تاکہ بوقت عبادت سامنے ہو اور کعبہ کا شوق وذوق پورا ہو جائے، بعض نے ان پتھروں کا اپنے ہاں طواف بھی شروع کیا اور بعد کی نسلوں نے سمجھا کہ ہمارے آباء واجداد انہیں پتھروں کو پوجتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے ہر پتھر کو جو ان کو اچھا لگا اٹھا لیا اور اس کی عبادت شروع کی، اور اس طرح باقاعدہ بت پرستی شروع ہو گئی، اور قوم نوح کی طرح اولادِ اسماعیل میں بھی جزیرۂ عرب میں شرک کا رواج شروع

ہو گیا تاہم بڑے پیمانے پر اب بھی شرک عام نہیں ہوا تھا اور حرم پاک میں تو ابھی تک شروع بھی نہیں ہوا تھا جو کچھ ہو رہا تھا مکہ مکرمہ سے باہر کے علاقوں میں چند لوگوں تک محدود تھا۔

مکہ مکرمہ میں شرک کی ابتداء!

جس شخص نے دین ابراھیمی کو مکہ مکرمہ میں بدل ڈالا اور شرک کی بنیاد مکہ مکرمہ میں رکھدی اس کا نام عَمر و بن لُحی خزاعی تھا، یہ شخص قبیلہ خزاعہ کا سردار تھا، اور کاہن بھی تھا، جب سے یہ مکہ مکرمہ کا متولی بنا اس وقت سے انہوں نے مکہ مکرمہ میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی قصہ یوں ہوا کہ یہ شخص خود بیمار پڑ گیا کسی نے ان سے کہا کہ بلقاء شام میں ایک چشمہ ہے اگر آپ وہاں جا کر اس پانی سے غسل کرو گے تو ٹھیک ہو جاؤ گے، عَمر و بن لُحی نے شام کا سفر کیا اور اس چشمے پر جا کر اس سے غسل کیا اور واقعی ٹھیک ہو گیا، لیکن اس نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بتوں کو پوجتے ہیں عمر بن لحی نے پوچھا یہ کیا چیز ہے جس کو تم پوجتے ہو؟ لوگوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں ہم ان سے بارش مانگتے ہیں اور دوسری حاجتیں مانگتے ہیں، عَمر و بن لُحی نے کہا کہ ان میں سے ایک بت ہمیں بھی دیدو ان لوگوں نے ایک بت ان کو دیدیا، جس کا نام ہبل تھا، جو آدم علیہ السلام کے شہید بیٹے ہابیل کی تصویر کا مجسمہ تھا، یہ شخص جب واپس مکہ آنے لگا، تو اپنے ساتھ شرک کا تحفہ بھی بلاد توحید کی طرف اٹھا کر لے آیا۔ اور ہبل کو لا کر اس نے خانہ کعبہ میں نصب کر دیا، تاریخ انسانیت اور وجود کائنات میں یہ پہلا بت تھا جو خانہ کعبہ میں لا کر رکھ دیا گیا تھا۔ چونکہ یہ شخص کاہن بھی تھا اس لئے ان کو ان کے شیطان نے بتا دیا کہ اب تم جاؤ اور جدہ میں فلاں نالے میں پانچ بت تیار پڑے ہیں اس کو اٹھا کر یہاں خانہ کعبہ لے آؤ، پھر عرب کو اس کی عبادت کی طرف دعوت دے دو، اور کسی سے ڈرو مت کیونکہ عرب تیری بات کو مانیں گے۔

عمرو بن لحی مکہ سے جدہ پہنچا اور نالے کو کھود کر قوم نوح کے وہ پانچ بت ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، کو باہر نکالا جو طوفان نوح اور اس کے بعد کے حادثات کی وجہ سے زمین میں دب گئے تھے، ان پانچ بتوں کو لا کر اس شخص نے خانہ کعبہ میں کھڑا کر دیا اور جب حج کا موسم آیا اور لوگ مکہ مکرمہ میں جمع ہو گئے تو اس نے عام اعلان کیا کہ ان بتوں کی عبادت کرو کیونکہ ان پر اللہ کی تجلی پڑتی ہے اور یہ اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں، لوگوں نے رفتہ رفتہ بتوں کی پوجا شروع کر دی اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی، اور مختلف قسم کے لوگ مختلف چیزوں کو پوجنے لگے اور شرک کا بازار گرم ہوا۔

شرک کے بعد جزیرۂ عرب کے لوگ

شرک کی آمد کے بعد جزیرۂ عرب کے لوگ مختلف چیزوں کو پوجنے لگے، اور ہر مَن پسند چیز کو کسی کی طرف منسوب کر کے بالواسطہ یا بغیر واسطہ معبود بنا کر اسکی عبادت کرنے لگے اگر چہ چند افراد اس کی مخالفت بھی کرتے رہے، لیکن ان کی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی، چنانچہ عام طبقات یہ تھے۔

ا۔ حنفاء موحدین!

یہ لوگ اس دور بت پرستی میں بھی توحید اور ملتِ ابراہیمی پر قائم تھے تاہم بہت کم تھے، یہ لوگ قتل اولاد و وأد بنات عام بدعات اور بت پرستی سے سخت متنفر تھے اور بت پرستی پر یہ موحدین اپنے زمانے کے مشرکین کو سخت ڈانٹ پلاتے تھے اور ان کو بے عقل بتاتے تھے اور ان کی بت پرستی کا مذاق اُڑاتے تھے۔

چنانچہ حنفاء موحّدین کے مشہور چند اشخاص کے نام یہ ہیں

(۱) قُس بن ساعدہ (۲) زید بن عمرو بن نفیل (۳) ورقہ بن نوفل (۴) زہیر بن ابی سلمیٰ (۵) عبد مناف (۶) قصی (۷) ہاشم (۸) امیہ بن ابی الصلت (۹) کعب بن لوئی (۱۰) خالد بن سنان (۱۱) الورل الطائی وغیرہم۔

انہیں حنفاء موحدین میں سے الورل الطائی نے گاؤ پرست مشرکین کو اس طرح ڈانٹا ہے۔

لَا دَرَّدَرُّ رِجَالٍ خَابَ سَعْيُهُمُ
يَسْتَمْطِرُوْنَ لَدَى الْاَزَمَاتِ بِالْعُشَرِ

ان لوگوں کا عمل بے نتیجہ اور ان کی کوشش ناکام ہوئی جو خشک سالی میں عشر نامی پودے کے ذریعے سے بارش طلب کرتے ہیں۔

اَجَاعِلٌ اَنْتَ بَيْقُوْرًا مُسَلَّعَةً
ذَرِيْعَةً لَکَ بَيْنَ اللّٰهِ وَالْمَطَرِ

کیا تو اللہ اور بارش کے درمیان اس مسکین گائے کو وسیلہ بناتا ہے جس کی دم کے ساتھ سلع نامی پودے کی ٹہنیاں بندھی ہوئی ہیں۔

گائے کے پجاریوں کا دستور تھا کہ جب بارش بند ہو جاتی تو یہ کسی مسکین گائے کو پکڑ کر عُشر نامی گھاس پونس کا گھٹا بنا کر گائے کی دم کے ساتھ باندھ لیتے تھے پھر اس میں آگ لگا دیتے تھے جب گائے جلنے

لگتی تو دوڑنے لگتی اور چیختی چلاتی، اس طرح ان لوگوں کا خیال تھا کہ گائے کی اس تکلیف کی وجہ سے اللہ بارش برسادے گا۔

ایک اور موحد عمرو بن زید بن نفیل نے بت پرستی پر کفار کو اس طرح ڈانٹ پلائی۔

اَرَبًّـــــا وَاحِـــــدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ
اَدِيْـــنُ اِذَاتُـــقُسِّـــمَـــتِ الْاُمُـــوْرُ

جب عبادات تقسیم ہونے لگ جائیں تو کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں یا ہزار ارباب کی اطاعت کروں؟

تَـــرَكْـــتُ اللَّاتَ وَالْـــعُـــزّٰى جَـــمِـــيْـــعًـــا
كَـــذَالِكَ يَـــفْـــعَـــلُ الـــرَّجُـــلُ الْـــبَـــصِـــيْـــرُ

میں نے تو لات مناۃ اور عزیٰ سب کو چھوڑ دیا، اور عقل مند آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

حنفاء میں سے ایک اور موحد نے مشرکین کو بت پرستی پر اس وقت طعنہ دیا جب ایک لومڑی نے آکر بت کے سر پر پیشاب کر دیا اس نے کہا۔

اَرَبًّـــا يَبُـــوْلُ الثُّـــعْـــلَبَـــانُ بِـــرَاْسِـــهٖ
لَـــقَـــدْذَلَّ مَـــنْ بَـــالَـــتْ عَـــلَيْـــهِ الثَّـــعَـــالِـــبُ

کیا میں اس کو رب بناؤں جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کرتی رہتی ہیں، یقیناً وہ بڑا ذلیل ہوا جس کے اوپر لومڑیوں نے پیشاب کیا۔

ایک دوسرے موحد نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے بنائے ہوئے بت کو توڑ کر جلا دیا اور پھر یہ شعر پڑھا۔

يَـــا ذَالْـــكَـــفَـــيْـــنِ لَسْـــتُ مِـــنْ عِـــبَـــادِكَـــا
مِيْلَادُنَـــــا اَقْـــدَمُ مِـــنْ مِيْلَادِكَـــا
اِنِّـــيْ حَشَـــوْتُ الـــنَّـــارَ فِـــيْ فُـــؤَادِكَـــا

اے ذوالکفین بت میں تیرا بندہ نہیں ہوں، کیونکہ تیری پیدائش سے میری پیدائش پہلے ہے کیونکہ تجھے میں نے بنایا ہے بے شک آج میں نے تیرے سینہ میں آگ بھر دی ہے۔

دین و عقل آنے کے بعد ایک اور موحد نے بت کو جلا کر اس طرح اظہار کیا۔

یَـــاعُــــزّٰی کُـــفْــــرَانَکِ لَاسُبْــحَــانَکِ
اِنِّـــی رَأَیْــتُ الــلّٰـــہَ قَــدْ اَھَـــانَکِ

اے عزیٰ آج میں تیری پاکی بیان نہیں کرتا بلکہ میں تیرا انکار کرتا ہوں میں نے اپنے رب کو دیکھا کہ اس نے تجھے ذلیل کر کے رکھدیا۔

ایک اور مسلمان موحد نے اپنے بنائے ہوئے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی قوم میں اس طرح عام اعلان کیا۔

کَسَّــرْتُ بَـــاجِــرًا اَجْــذَاذًا وَکَـــانَ لَــنَـــا
رَبًّـــا نَــطُــوْفُ بِـــہٖ ضُلًّا بِتِــضْلَالِ
یَـــا رَاکِبًـــا بَــلِّــغَنْ عَــمْــرَوًا وَاِخْــوَتِھَـــا
اِنِّــی لِــمَــنْ قَـــالَ رَبِّــیْ بَـــاجِــرٌ قَـــالِیْ

میں نے باجر بت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، جو ہمارا رب بنا ہوا تھا جس کا ہم گمراہی کیوجہ سے طواف کیا کرتے تھے، اے چلنے والے مسافر بنی عمرو سے کہدو کہ میں اس شخص کا دشمن ہوں جو کہتا ہے کہ باجر ہمارا رب ہے۔

۲۔ یہود ونصاریٰ!

جزیرۂ عرب میں یہود ونصاریٰ بھی موجود تھے، یہ لوگ اگرچہ اہل کتاب تھے اور بت پرستی میں ملوث نہیں تھے لیکن چونکہ انہوں نے اپنے اپنے دین کو بگاڑ کر رکھدیا تھا طرح طرح کی تحریفیں کر ڈالی تھیں۔ چنانچہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے اور ان کی صورت اور مجسمہ بنا کر عبادت گاہوں میں رکھا کرتے تھے اسی طرح نصاریٰ کا حال تھا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کو الوہیت میں شریک مانتے تھے اور ان کے مجسمے بنا کر رکھدیا کرتے تھے۔

۳۔ ستارہ پرست!

جزیرۂ عرب کے بعض فرقے ستارہ پرست تھے، کچھ قبائل تو سبعہ سیارہ یعنی شمس وقمر، زہرہ، مشتری، مریخ، عطارد، زحل، کو پوجتے تھے، اس کے لئے انہوں نے ستاروں اور برجوں کی علیحدہ علیحدہ ہیکلیں بنائی تھیں، جن میں ان کی تصویریں تھیں، ان کے لئے ان کے ہاں خاص عبادتیں اور حاجتیں مقرر تھیں۔

چنانچہ لخم وخزاعہ اور قریش کے بعض قبائل شعریٰ کو پوجتے تھے جس کی تردید قرآن کریم نے کی

کہ "انہ ھو رب الشعریٰ" یعنی اللہ تعالیٰ تو شعری ستارے کا رب اور پروردگار ہے تم نے خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو پوجنا شروع کر دیا؟

۴۔ آفتاب و مہتاب پرست!

جاہلیت کے بعض قبائل چاند اور سورج کو بھی پوجتے تھے اور آسمان کے مختلف برجوں کو پوجتے تھے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے!

﴿لَاتَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَهُنَّ﴾ (سورۂ فصلت آیت ۳۷)

"یعنی نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے بلکہ اس خدا کے آگے جھکو جس نے ان کو پیدا کیا ہے"۔

۵۔ جنات اور ملائکہ پرست!

جنات اور ملائکہ کے متعلق مشرکین عرب اور اہل مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ: نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے جنات کے سرداروں کی بیٹیوں سے شادی کر لی ہے، جن کے بطن سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔ لہٰذا ہم فرشتوں کو پوجیں گے، تو وہ خوش ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے، اور باپ کبھی بھی بیٹی کی بات رد نہیں کرتا ہے، اس طرح ہمارا کام بن جایا کریگا۔ اسطرح مشرکین جنات کو بھی پوجتے تھے، جس کا ذکر سورۂ جن میں ہے۔

قرآن کریم میں اس عقیدے کو اس طرح رد کیا گیا۔

فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّکَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ ○ اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِکَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ ○ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡکِهِمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ ○ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ○ اَصۡطَفَی الۡبَنَاتِ عَلَی الۡبَنِیۡنَ ○ مَالَکُمۡ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ○ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ○ اَمۡ لَکُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِیۡنٌ ○ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ وَجَعَلُوۡا بَیۡنَهٗ وَبَیۡنَ الۡجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ○ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ○

سورۂ صافات آیت ۱۴۹ تا آیت ۱۵۹ کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

"اے پیغمبر ان سے پوچھ کہ کیا تیرے پروردگار کے لئے لڑکیاں ہیں، (یعنی فرشتے) اور ان کے لئے لڑکے؟ یا ہم نے ان کے سامنے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا ہے، خوب سن لیں یہ لوگ بہتان باندھتے ہیں اور جھوٹ بکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ کیا خدا نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ کیسا انصاف کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں؟ یا کیا تمہارے پاس کوئی کھلی دلیل ہے؟

اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ اور اس میں دکھلاؤ، اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ ٹھرایا، حالانکہ جنات خوب جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر کئے جائیں گے، یہ مشرک خدا کے جو اوصاف بیان کرتے ہیں، خدا اس سے پاک ہے''۔

۶۔ آتش پرست!

عرب کے بعض دیہاتوں میں مجوس بھی آباد تھے یہ لوگ آگ کو پوجتے تھے، اور ماں بہن اور بیٹی وغیرہ محرماتِ ابدیہ سے نکاح کو جائز جانتے تھے، قرآن عظیم کی سورۂ حج کی آیت نمبر ۱۷ میں اللہ تعالیٰ نے اس فرقے کا ذکر کیا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝﴾

۷۔ مشرکین مکہ کے مشہور بت!

مشرکین عرب کے عقیدے کے مطابق وہ لوگ بتوں کو بارگاہ الٰہی میں تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے، اسی لئے وہ ان بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بت نیک لوگوں کے مجسمے تھے، مشرکین کا خیال تھا کہ ہم ان کو خوش کریں گے تو یہ ہمارے رب کو ہم سے راضی کرادیں گے، گویا تقرب الٰہی کا یہ ایک وسیلہ تھا کیونکہ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم نہایت ناپاک، اور اللہ تعالیٰ نہایت پاک اور بلند وبالا ہے، تو ہم براہ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ اسی غرض کے لئے انہوں نے بزرگوں کی شکلوں پر بت تراش لئے تھے، ان کے چند مشہور بت یہ تھے۔

(۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر (۶) لات (۷) منات (۸) عزیٰ (۹) اساف (۱۰) نائلہ (۱۱) ضمار (۱۲) ہبل (۱۳) ذوالخلصہ (۱۴) ذوالکفین (۱۵) باجر (۱۶) دوار (۱۷) ذوالشریٰ (۱۸) عائمہ (۱۹) یسعر (۲۰) عمیانس (۲۱) سعیر

شیطان جب انسان کو شرک میں مبتلا کرتا ہے تو پھر اس کو اتنا ذلیل کر کے چھوڑتا ہے کہ کائنات میں یہ اشرف المخلوقات سے گر کر ارذل المخلوقات بن جاتا ہے، اسی حوالہ سے مشرکین کے چند عقل سوز قصے بھی ملاحظہ فرمائیں،

حکایت نمبر۱: مشرکین عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنوحنیفہ یمن کے علاقہ یمامہ میں آباد تھا، ان لوگوں

نے اپنے لئے ''حلوا'' کا ایک بت بنا رکھا تھا اور سب مل کر اس کی عبادت کیا کرتے تھے، ایک طویل عرصے تک یہ لوگ اس بت کی عبادت کرتے رہے کہ اچانک اس علاقے میں قحط پڑا تو سب نے مل کر اس بت کو کھالیا (گویا کہ اپنے بنائے ہوئے خدا کو خود کھا گئے)۔

حکایت نمبر۲: اسی قصہ کے مشابہ ایک قصہ میں نے کہیں پڑھا ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صحابی نے فرمایا کہ مجھے میرے بت نے بہت بڑا فائدہ پہنچایا تھا، صحابہ حیران ہوئے کہ یہ کیا کہتا ہے، انہوں نے قصہ سنایا کہ مجھے ایک دفعہ سفر پر جانے کا اتفاق ہوا تو عبادت کے لئے میں نے آٹے کا ایک بت بنوایا میں اس کو پوجتا رہا ایک دن جب میرا کھانا ختم ہو گیا تو میں نے آہستہ آہستہ اپنے بنائے ہوئے خدا کو کھانا شروع کر دیا، پہلے میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھالئے اور پھر میں نے جان بچانے کے لئے پورے بت کو کھالیا اس طرح اس نے مجھے بہت نفع پہنچایا، صحابہ یہ سن کر سب ہنسنے لگے۔

حکایت نمبر۳: مکہ مکرمہ میں صفا اور مروہ پہاڑی پر قریش کے دو مشہور بت اساف اور نائلہ رکھے ہوئے تھے اس کا قصہ یوں ہوا تھا، کہ اساف ایک مرد تھا اور نائلہ ایک عورت تھی دونوں نے بیت اللہ کے اندر آپس میں زنا کیا، اللہ نے دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا، قریش نے اس کو پوجنا شروع کر دیا۔

(مستطرف ج۲ص ۱۷۵)

حکایت نمبر۴: ہندوؤں کے ہاں مہادیو کے آلہ تناسل کو ایک فرج میں دکھا کر ایک خاص شکل بنائی جاتی ہے اور پھر اس کی پوجا کی جاتی ہے، آلہ تناسل پر دودھ دہی ڈال کر جوان بوڑھے مرد اور عورتیں اس کی زیارت اور عبادت کے لئے آتے ہیں، اس کا قصہ یوں ہوا تھا کہ مہادیو نے زنا کیا جس پر دوسرے دیوتاؤں نے اس کا ذکر کاٹ دیا اس پر مہادیو ناراض ہوا تو دیوتاؤں نے اس کو راضی کرنے کے لئے اس کے ذکر کی پوجا پاٹ جاری کیا۔ (تحفۃ الہند ص ۵۱)

بہر حال شرک ایک بری بلا ہے اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

آمین یا رب العٰلمین

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمار

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

دنیا کے بت کدوں میں وہ پہلا گھر خدا کا
ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے ہم
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا

سالارِ کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

قرآن وحدیث

﴿۱﴾قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ وَعَبَدَ الْاَصْنَامَ اَبُوْخُزَاعَةَ عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ وَاِنِّیْ رَأَيْتُهُ يَجُرُّ اَمْعَائَهُ فِی النَّارِ. (مجمع ج ۱ ص ۱۵۲)

﴿۲﴾اَوَّلُ مَنْ غَيَّرَ دِيْنَ اِبْرَاهِيْمَ عَمْرُو بْنُ لَحَيِّ بْنِ قِمْعَةَ بْنِ خَنْدَقَ اَبُوْ خُزَاعَةَ. (مجمع ج ۱ ص ۱۵۲)

جمعہ ۸ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۷ جولائی ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
مشرکین کے چند عقائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (سورت یونس آیت ۳۱)

''ان سے پوچھئے تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کون نکالتا ہے اور کارخانۂ عالم کی تدبیر کون کرتا ہے؟ تو یہ لوگ بول اٹھیں گے کہ اللہ ہی یہ تمام کام کرتا ہے۔ پس فرما دیجئے کہ پھر ڈرتے نہیں ہو؟''

محترم حاضرین!

میں آپ کے سامنے مشرکین عرب کے چند ایسے عقائد رکھنا چاہتا ہوں، جو وہ لوگ اللہ کے متعلق رکھتے تھے جس سے ہمیں یہ اندازہ ہو جائیگا کہ وہ لوگ اللہ کے متعلق اتنے صحیح عقائد رکھنے کے باوجود کیونکر مشرک ٹھہرے آخر وہ کون سی چیز تھی جسکی وجہ سے وہ لوگ بارگاہ الٰہی میں مبغوض ومطرود قرار پائے، اس ضمن میں مسلمانوں کو یہ تعلیم حاصل ہو جائے گی کہ اچھے عقائد کے باوجود اگر کسی میں معمولی سا عقیدہ غلط آجائے تو وہ ان تمام اچھے عقائد کو باطل کر کے رکھ دیتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو کسی بھی شرکیہ عمل سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔

یاد رکھئے جس کام سے مشرکین عرب تباہ ہو گئے، اگر وہی کام آج کل بعض مسلمان بھی کریں تو ان کے برباد ہونے کا بھی قوی خطرہ ہے اور جس بت پرستی سے مشرکین عرب برباد ہو گئے، اگر کچھ لوگ آج کل ہزاروں بتوں کو پوجنا شروع کریں تو وہ کیونکر تباہی سے بچ سکتے ہیں؟ قرآنی تعلیمات اگر آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے لوگوں کے لئے تھیں تو وہی تعلیمات آج کل بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے بھی اسی طرح ہیں۔ تو لیجئے مشرکینِ عرب کے چند عقائد ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بت پرست اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے اور انکے لئے حج اور قربانیاں بھی کرتے تھے لیکن اسکے

ساتھ ہی وہ خالق کے وجود کے قائل تھے (۲) عالم کے حادث اور فنا کو مانتے تھے (۳) مرنے کے بعد ایک قسم کے اعادہ کے وہ عموماً قائل تھے (۴) جائز و ناجائز اور حرام وحلال میں ایک حد تک امتیاز کرتے تھے (۵) وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کا خالق و مالک ایک اللہ کی ذات ہے، وہی روزی دینے والا ہے اور وہی نفع ونقصان کا مالک ہے وہی پناہ دینے والا ہے، سب اختیار اس کے ہاتھ میں ہے اور اسکے سامنے کسی کی زبردستی نہیں چل سکتی ہے (۶) ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح کارخانۂ عالم اکیلے اللہ نے بنایا ہے، وہی اللہ اکیلے اس کا مدبر اور اس میں جوڑ توڑ اور تصرف کرنے کا مالک ہے، وہی اللہ انسانوں کی نگاہوں اور شنوائی کا مالک ہے اور وہی اللہ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا سورہ یونس کی آیت میں اسکی تصریح موجود ہے۔ (۷) مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے اور پھر اس میں نظامِ شمسی اور نظامِ قمری کو ایک مربوط انداز سے چلانے والا ایک اللہ کی ذات ہے. چنانچہ سورۂ عنکبوت میں یہ عقیدہ اس طرح بیان کیا گیا ہے!

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾

(سورئہ عنکبوت آیت ۶۱)

''اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا، اور سورج و چاند کو کس نے مسخر کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے''

(۸) مشرکین عرب کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آسمانوں سے بارش برسانے والا، اور پھر زمین کو اس سے زندہ کر کے ہر قسم کی کھیت، پھل، پھول اور سبزہ اگانے والا ایک اللہ کی ذات ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾

(سورئہ عنکبوت ۶۳)

''یعنی اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد کس نے زندہ کیا؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے''

حالانکہ اگر آپ اس جدید دور کے کسی سائنس دان سے پوچھیں گے تو وہ بارش برسنے کے لئے تمام ذرائع کا ذکر کریگا لیکن اس میں اللہ کا نام نہیں لے گا۔ کسی سبزی کے اُگنے سے پھل پھول تک روشنی سورج بارش ہوا اور ہر قسم کی آکسیجن کا تذکرہ تو ملے گا مگر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں آئے گا، گویا ہماری سائنس اللہ تعالیٰ سے ورے ورے باتیں کر کے ہر پڑھنے والے کو خدا بیزاری پر اُبھارتی ہے۔

(۹) مشرکین عرب کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ایک اللہ کی ذات ہے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے

﴿ولئن سألتهم من خلق السمٰوات والارض ليقولن خلقهن العزيز العليم﴾ (سورۂ زخرف)

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انہیں غالب اور سب کچھ جاننے والے اللہ نے پیدا کیا ہے''

(۱۰) مشرکین کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ان کی جانوں کا خالق اور تمام انسانوں کا خالق ایک اللہ کی ذات ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے! ﴿ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله﴾ (زخرف)

''یعنی اگر آپ ان سے پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے''

(۱۱) مشرکین مکہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ زمین کی بادشاہت اور اس میں موجود تمام چیزوں کا مالک ایک اللہ کی ذات ہے ارشاد باری ہے۔

﴿قل لمن الارض ومن فيها ان كنتم تعلمون سيقولون الله قل افلا تذكرون﴾ (سورۃ المؤمنون)

''آپ فرمادیجئے کہ زمین اور اس کی چیزیں کس کے قبضے میں ہیں اگر جانتے ہو تو بتاؤ، تو وہ جلد کہیں گے کہ اللہ کے قبضے میں ہے کہد یجئے کہ نصیحت کیوں نہیں پکڑتے ہو''

(۱۲) مشرکین عرب یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ عرش عظیم کا مالک ایک اللہ کی ذات ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے!

﴿قل من رب السمٰوات السبع ورب العرش العظيم سيقولون لله قل افلا تتقون﴾ (سورۂ مومنون)

''آپ کہد یجئے کہ ساتوں آسمانوں اور بڑے عرش کا رب کون ہے؟ تو وہ جلد کہیں گے کہ اللہ ہے، کہد یجئے کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

(۱۳) مشرکین عرب کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اس کائنات میں ہر چیز کی بادشاہت اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ فرمان الٰہی ہے!

﴿قل من بيده ملكوت كل شیء وهو يجير ولا يجار عليه ان كنتم تعلمون سيقولون لله قل فانی تسحرون﴾ (سورہ مومنون)

''فرمادیجئے کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے قبضے میں ہے کہ وہ پناہ دیتا ہے اور وہ پناہ نہیں دیا جاتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ تو وہ جلد ہی کہیں گے کہ اللہ ہی ہے، فرمادیجئے کہ پھر کہاں سے تم پر جادو پڑ جاتا ہے''

میرے معزز بزرگو!

ان مندرجہ بالا ثابت شدہ عقائد کے علاوہ مشرکین عرب کے دوسرے اعمال اور عقائد بھی تھے ، جوایک حد تک پسندیدہ اور صحیح تھے۔ چنانچہ اعمال کے میدان میں مشرکینِ عرب حج بیت اللہ کے قائل تھے۔ اور حج کے لئے بھی آتے تھے۔ عمرہ بھی کرتے تھے۔ حج اور عمرہ میں وہ احرام باندھتے تھے اور طواف بھی کرتے تھے، تاہم طواف میں یہ بدعت ایجاد کی تھی کہ ننگے ہوکر طواف کیا کرتے تھے، وہ لوگ صفاومروہ کے درمیان سعی بھی کرتے تھے، اور منیٰ عرفہ اور مزدلفہ بھی جاتے تھے۔ تاہم قریش نے اپنے لئے چند بدعات نکالی تھیں، لیکن فی الجملہ وہ حج کے تمام ارکان کے قائل تھے اور وہ اس طرح تلبیہ بھی پڑھتے تھے۔

"لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ ،لَبَّیکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیکَ اِنَّ الْحَمْدَوَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اِلَّاشَرِیْکًا لَکَ ھُوَتَمْلِکُہٗ وَمَامَلَکَ"

یعنی اے اللہ ہم تیرے خدمت کے لئے ہروقت موجود ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، فقط ایک ہے سووہ بھی تیرا ہی ہے تو ہی اس کا مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب طواف کے دوران مشرکین تلبیہ پڑھتے تھے اور توحید کا اعلان کرتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "ویلکم قدٍقدٍ" تمہیں ہلاکت ہو اتنا کافی ہے آگے شرک کا جملہ مت کہو۔

مشرکین عرب طہارت کے بھی قائل اور پابند تھے غسل جنابت کیا کرتے تھے اور حالت حیض میں عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے، شاید یہ ان میں ملت ابراہیمی کے کچھ باقی ماندہ آثار تھے۔

مشرکین عرب ایک حد تک نماز بھی پڑھا کرتے تھے اگر چہ اس کا رواج عام نہ تھا لیکن کافی الجملہ نماز کا وجود تھا، اسی طرح عرب مشرکین کے ہاں رجب کے مہینے میں روزوں کا رواج تھا، رجب کے علاوہ وہ محرم کی دسویں تاریخ کا بھی روزہ رکھتے تھے، اسی طرح ان لوگوں کے ہاں اعتکاف بھی ہوتا تھا اور ان چیزوں کی وہ لوگ نذر بھی مانتے تھے، عرب کے ہاں کئی قسم کے نکاح تھے جس میں ایک نکاح اسلام کے اصولوں کے موافق تھا باقی سب غلط تھے، تاہم نکاح اور شادی ولیمہ طلاق عدت، خلع، قربانی صدقات ضیافت اور قصاص وتعزیرات کا ان کے ہاں فی الجملہ رواج تھا، اگرچہ اس کی اصل شکل مسخ ہو چکی تھی لیکن ان چیزوں کا ایک حد تک ان کے ہاں وجود تھا یہ ان کی خوبیوں کا ایک رخ میں نے پیش کردیا۔

وہ لوگ مشرک کیوں ٹھہرے؟

اب آیئے اور دیکھئے کہ ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ لوگ مشرک کیوں ٹھہرے اور ان میں شرک کے ساتھ ساتھ دیگر قبیح عادات اور سنگ دلی کے صفات کیونکر آئے؟ تو خلاصہ یہ ہے کہ اقرار ربوبیت کے باوجود وہ لوگ بتوں کو اس لئے پوجتے تھے کہ بتوں کی عبادت سے بھی ان کا مقصود اللہ کی عبادت اور تقرب الی اللہ تھا۔ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ ان بتوں کو عبادت الٰہی کے لئے ہم نے قبلہ مقرر کیا ہے، بعض کا خیال تھا کہ ہم نے فرشتوں کی صورت پر ان بتوں کو بنایا ہے اور فرشتوں کا اللہ کے ہاں بڑا رتبہ ہے اس طرح اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے گا۔ بعض کا خیال تھا کہ ہر بت پر خدا کی طرف سے ایک شیطان مقرر ہے، پس جو شخص جی لگا کر بت کی عبادت کرتا ہے تو خدا کے حکم سے شیطان اس کی حاجتیں پوری کر دیتا ہے، ورنہ خدا کے حکم سے شیطان اس کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

بعض مشرکین کا خیال تھا کہ ہم میں اس قدر قابلیت نہیں ہے کہ ہم بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان ہے وہ غایت تقدس میں ہے اور ہم نہایت تدنس اور گندگی مین پڑے ہیں، لہٰذا ہم براہ راست اللہ کی عبادت کے اہل نہیں ہیں بلکہ ان بتوں کو بطورِ واسطہ عبادت میں شریک کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم نے ان تمام خیالات کو اس طرح بیان کر کے باطل ٹھہرایا ہے!

﴿مَانَعۡبُدُهُمۡ اِلَّالِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی﴾ (سورۂ زمر آیت ۳)

یعنی ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہمارا قرب بڑھادیں بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کردیگا ان میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں، یعنی عموماً مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے اور وہ ہم پر مہربانی کریگا، جس سے ہمارے کام بن جائیں گے، اس کا جواب دیا کہ ان لچر پوچ حیلوں سے توحید خالص میں جو جھگڑے ڈال رہے ہو اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے آگے چل کر ہو جائے گا۔

بہر حال ہر عقلمند کو اس بیان سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کفار مکہ کیوں مشرک ہوئے؟ بس صرف اللہ تک پہنچنے کے لئے غیر اللہ کو واسطہ اور وسیلہ بنا کر عبادت میں شریک ٹھہرایا، تو آج بھی کوئی مسلمان اگر اللہ کی عبادت بھی کرتا ہے اور اللہ کے سوا دوسروں کو بھی عبادت میں شریک ٹھہراتا ہے تو وہ بھی اسی طرح مشرک بنے گا، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ جس عقیدہ کی وجہ سے کفار عرب مشرک ہو کر جہنم میں چلے گئے، اور ایک مسلمان اس سے بڑھ کر غلط اور خطرناک عقیدہ رکھتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔ کافر کو جہنم میں آگ جلائے گی

بچھو کاٹیں گے، سانپ ڈسیں گے، اور اسی طرح یا اس سے زیادہ خطرناک شرکیہ عقیدہ ایک مسلمان رکھتا ہے وہ جنت میں جائیگا عیش کرے گا انگور کھائے گا سیب اور انار کاٹ کر کھائے گا، حور اور غلامان سے لطف اُٹھائے گا، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کا نام مسلمان ہے، اس کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے، اور وہ کافر ہے اس کا نام رام چند ہے، باقی عقیدہ دونوں کا ایک ہے دونوں شرک کے مرتکب ہیں، بلکہ یہ کلمہ گو اس میدان میں اس غیر مسلم سے دو قدم آگے ہے، بطورِ نمونہ آج کل کے مشرکوں کے عقائد کو ان کے اپنے اشعار کی روشنی میں ملاحظہ کریں۔

دورِ جدید کے مشرکین اپنے اشعار کے آئینے میں

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمد ﷺ سے

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

گرداب میں پڑگئی ہے کشتی
ڈوبا ڈوبا اُتار آقا

ہے ملک خدا پر جس کا قبضہ
میرا ہے وہ کامگار آقا
میں دور ہوں تم ہو میرے پاس
سن لو میری پکار آقا

(حدائق بخشش ص ۱۱-۱۲)

یا الٰہی ہرجگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو

(ص ۵۹)

سنیو! ان سے مدد مانگے جاؤ
پڑے بکتے رہے بکنے والے

(ص ۷۳)

نہ کیوں کر کہوں یا حبیبی اغثنی
کہ اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے
خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے
دو عالم میں جو خفی و جلی ہے
کروں عرض کیا اے عالم السر
تجھ پر میری حالتِ دل کھلی ہے
(ص۷۴)

اے بدست تو عنان کن مکن کن لاتکن
وے بحکمت عرش و ماتحت الثریٰ امداد کن
(ج۲ص۳۶)

کیوں رضا مشکل سے ڈریئے
جب نبی مشکل کشا ہے
(ج۲ص۴۳)

کار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ
ندارم جز تو ملجائے نہ دارم جز تو ماوائے
توئی خود ساز و سامانم اغثنی یا رسول اللہ
(ج۲ص۵۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان اشعار کے بعد احمد رضا خان صاحب نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق اس طرح گوہر افشانی کی ہے!

کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا
(ج ۲ ص۵)

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا (ج ۲ ص۶)

عرض آقا سے کروں عرض کہ تیری ہی پناہ
بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا
حکم نافذ ہے تیری خامہ تیرا سیف تیری
دم میں جو چاہے کرے زور ہے شاہا تیرا
نزع میں گور میں میزان میں سرپل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ معلٰے تیرا

(ج۲ص۱۰)

بندہ قادر کا بھی قادر ہے عبدالقادر
سر باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر
ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

(ج ۱ ص۲۷)

تیری جاگیر میں ہے شرق تا غرب
قلمرو میں حرم تاحل ہے یاغوث

(ج۲ص۷)

جو تیرا نام لے ذاکر ہے پیارے
تصور جو کرے شاغل یاغوث

(ج۲ص۸)

تیری قدرت تو فطریات سے ہے
کہ قادر نام میں داخل ہے یا غوث
احد سے احمد و احمد سے تجھکو
کن اور سب کن مکن حاصل ہے یاغوث

(ج۲ص۹)

ولی کیا مرسل آئے خود حضور آئے
وہ تیرے وعظ کی محفل ہے یا غوث

(ج ۲ ص ٦)

محترم سامعین!

ان اشعار کو بار بار پڑھئے اور خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ اشعار قرآنی تعلیمات کے موافق ہیں یا مخالف؟ یہ اہل بدعت کے سب سے بڑے کا کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شرک جلی وشرک خفی سے بچائے رکھے اور ہمیں صحیح عقائد اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔ **امین یارب العلمین**

زندگی اس کی ہے ملت کیلئے پیغام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر

جمعہ ۱۵ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۱۴ جولائی ۱۹۹۵ء مدینہ مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

عبادت صرف اللہ کا حق ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ ﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنِ﴾ ﴿وَاعْبُدْرَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ﴾ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾

محترم سامعین:

عبادت اللہ تعالیٰ کا ذاتی حق ہے، وہ خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، کھلاتا ہے، پلاتا ہے، جلاتا ہے، مارتا ہے، آسمانوں کو اس نے بنایا ہے، زمینوں کو اس نے پھیلایا ہے، ہوائیں وہ چلاتا ہے، سمندروں کو وہ بہاتا ہے، بارشوں کو وہ برساتا ہے، بیماری موت وحیات کا وہ مالک ہے، اسی لئے عبادت اس کا ذاتی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے مسلم وغیر مسلم اور مشرک سب کے سب کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قائل بھی ہیں، اور عملی طور پر اس میں کسی حد تک مشغول بھی ہیں، ہندو قوم ہو یا سکھ، عیسائی قومیں ہوں یا یہودی لوگ ہوں سب کے سب کسی نہ کسی طرح قولاً یا فعلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں، لیکن ان کی عبادات اور مسلمانوں کی عبادت میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور مسلمان صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے سورۂ فاتحہ میں ”ایاک نعبد“ فرمایا یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ عربی گرامر کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ عبارت اس طرح ہو ”نعبد ایاک“ جس کا ترجمہ اس طرح ہے، ہم تیری عبارت کرتے ہیں لیکن اس عبارت میں دوسرے مشرکوں سے الگ امتیاز نہیں تھا، کیونکہ فی الجملہ عبادت تو مشرک لوگ بھی اللہ کی کرتے ہیں، اصل مسئلہ ”ہی“ اور ”بھی“ کا ہے تو مشرک اوروں کی بھی عبادت کرتے ہیں، اور مسلمان اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی ہو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک رکھا جائے، نیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، ارشاد ہے ﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ﴾ الخ

یعنی جن وانس میں نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

حضور اکرمؐ نے جب اسلام وایمان کی تشریح فرمائی تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب سے یوں فرمایا(تَعْبُدُاللّٰہَ وَلَاتُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا) ''ایک اللہ کی عبادت کرواور اللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہ بناؤ''

ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کوفرمایا اے معاذ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرانا اگر چہ تم قتل کئے جاؤیا آگ میں جلائے جاؤ۔

الغرض عبادت اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں، لا الٰہ الا اللہ کا بھی یہی مطلب ہے کہ حاجت روا مشکل کشا غائبانہ حاجات میں پکارنے کے لائق نذر و نیاز سجدے اور رکوع کے لائق صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔رات کے دو بجے ایک پریشان حال جب اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ سنتا ہے،اسی لئے اللہ نے اپنے اوپر نیند کوحرام کردیا ہے کہ اس مصیبت زدہ کی پکار پر اس کی مدد کرے اب اگر کوئی شخص رات کے دو بجے غیر اللہ کو پکارتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ خود سویا ہو تو وہ اس غریب کی کیا مدد کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کی ہر قسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے چاہے نماز ہو، زکوٰۃ ہو اور حج ہو یا دیگر عبادات ہوں، اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر پانچ روپے بھی دیتا ہے تو اس کے ایمان کے چلے جانے کا خطرہ ہے کیونکہ عبادت کے حوالے سے ہر قسم کی عبادت اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں''اِنَّ الْعِبَادَۃَ عِبَارَۃٌ عَنْ نِھَایَۃِ التَّعْظِیْمِ وَھِیَ لَاتَلِیْقُ اِلَّالِمَنْ صَدَرَعَنْہُ غَایَۃَ الْاِنْعَامِ'' (تفسیر کبیر ج ا ص ۲۴۲)

''یعنی عبادت تو نہایت تعظیم کا نام ہے اور انتہائی تعظیم تو اسی ذات کی ہونی چاہئے جو انتہائی انعامات واحسانات کا مالک ہو''

علامہ ابن القیم نے عبادت کی تعریف یہ کی ہے''اَلْعِبَادَۃُ عِبَارَۃٌ عَنِ الْاِعْتِقَادِ بِاَنَّ لِلْمَعْبُوْدِ سُلْطَۃً غَیْبِیَّۃً یَقْدِرُبِھَا عَلَی النَّفْعِ وَالضَّرَرِ'' (مدارج السالکین ج ا ص ۴۰)

''یعنی عبادت اس اعتقاد کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط (تصرف) حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع ونقصان پر قدرت رکھتا ہے''

اس تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ عبادت انتہائی عاجزی وانکساری ،تواضع اور تذلل کا نام ہے اور معبود کے بارے میں قدرت کاملہ اور غلبۂ غیبیہ اور تسلط عامہ کے عقیدے کا نام عبادت ہے اور مافوق

الاسباب امور میں ان چیزوں کا غیر اللہ کے لئے ماننا حرام اور شرک ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے یہی عقیدہ رکھا تھا، اور اسی عقیدے پر کفار نے انبیاء کرام کی مخالفتیں کیں اور عام میدانوں میں بڑے بڑے معرکے ہوئے اور اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اب ذرا تفصیل سے سنیئے کہ انبیاء کرام نے قوم کے سامنے کس طرح دعوائے توحید اور دعوائے عبادت پیش کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (اعراف)

''ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں''۔

تفسیر عثمانی سے چند جملے بھی آپ ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں جب بت پرستی کی وبا پھیل گئی تو حق تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو بھیجا، انہوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک توحید و تقویٰ کی طرف بلایا اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا، مگر لوگوں نے ان کی تضلیل و تجہیل کی اور کوئی بات نہ سنی، آخر طوفان کے عذاب نے سب کو گھیر لیا۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۱۱)

حضرت ہود علیہ السلام

﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (سورہ اعراف)

''اور قوم عاد کے طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو ہم نے بھیجا آپ نے کہا اے میری قوم اللہ کی ہی عبادت کرو اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، سو کیا تم ڈرتے نہیں''۔

تفسیر عثمانی کے چند جملے اس طرح ہیں ''عاد حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں یہ قوم اس کی طرف منسوب ہے ان کی سکونت ''احقاف'' یمن میں تھی، حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم سے ہیں، اس لحاظ سے وہ ان کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے، ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی، روزی

دینے مینہ برسانے تندرست کرنے اور مختلف مطالب وحاجات کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے، جن کی پرستش ہوتی تھی ہود علیہ السلام نے اس سے روکا اور اس جرمِ عظیم کی سزا سے ان کو ڈرایا۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۱۱)

حضرت صالح علیہ السلام

﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ (سورئہ اعراف)

''اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کی بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا آپ نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں''

قوم کا جواب

ہر پیغمبر کو ان کی قوم نے ہٹ دھرمی سے تلخ جواب بھی دیا ہے، لیکن میں ہر قوم کا جواب نقل نہ کر سکا وہ سب قرآن میں موجود ہے۔ تاہم قوم صالح کا جواب نقل کرتا ہوں دوسروں کے جوابات اسی پر قیاس کر دیجئے۔

﴿قَالُوْا یٰصَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ مُرِیْبٍ﴾ (سورۂ ھود)

''انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے ہمیں تجھ سے امید تھی کیا تو ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، منع کرتا ہے۔ بیشک ہم (اس مسئلہ توحید) جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے شک میں ہیں''

جد الانبیاء حضرت ابراھیم علیہ السلام

﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتَابِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا اِذْقَالَ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا﴾ (سورۂ مریم)

''اور کتاب میں ابرھیم کا ذکر کیجئے بے شک وہ بہت ہی سچے نبی تھے، وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا، اے میرے باپ تو ان کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتے نہ دیکھتے ہیں اور نہ تیرے کچھ کام آتے ہیں''۔

یعنی جو چیز دیکھتی سنتی ہو اور مشکلات میں کچھ کام بھی آسکے، مگر واجب الوجود نہ ہو، اس کی عبادت بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ ایک پتھر کی بے جان مورتی جو نہ سنے نہ دیکھے نہ ہمارے کسی کام آئے، خود ہمارے

ہاتھ کی تراشی ہوئی اس کو معبود ٹھہرالینا کسی عاقل اور خوددار کا کام نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثانی ص ۴۱۱)

حضرت یعقوب علیہ السلام

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْحَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْقَالَ لِبَنِيهِ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ (سورئہ بقرہ)

''کیا تم حاضر تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا الخ''

حضرت شعیب علیہ السلام

﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًاقَالَ يَاقَوْمِ اعْبُدُوااللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (اعراف)

''اور قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو ہم نے بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں''

حضرت موسیٰ علیہ السلام

﴿وَاَنَااخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَايُوْحٰى اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ﴾ (سورئہ طٰہٰ)

''میں نے تجھے منتخب کرلیا ہے پس جو وحی کی جارہی [illegible] اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَاصِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (سورئہ مریم)

''بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے''

یعنی میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے تنہا اسی کی بندگی کرو بیٹے پوتے مت بناؤ، توحید خالص کی راہ سیدھی ہے جس میں کچھ ایچ پیچ نہیں، سب انبیاء اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے، لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنالئے اور جدا جدا راہیں نکالیں، سو جو لوگ توحید کا انکار کررہے ہیں انہیں بڑے ہولناک دن کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔ (تفسیر عثانی ص ۴۱۱)

تمام انبیاء کرام کی مشترکہ دعوت

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾ (انبیاء)

''اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم ان کو وحی کرتے رہے کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو''

یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماعی عقیدہ توحید پر رہا، کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا، ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے، ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماعی دعوائے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سلطان باہو نے سچ کہا ہے ؎

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ہو
ولا مقصود فی الکونین ولا موجود الا ہو
چوں تیغ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری
مجواز غیر حق یاری لا فتاح الا ہو

محترم دوستو!

دین اسلام اور انبیاء عظام علیہم السلام نے کس طرح غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی ہے اور عبادت کو کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا اور انہوں نے توحید کا کس طرح واضح اور دوٹوک انداز میں درس دیا ہے اور کس طرح کھلے الفاظ میں انہوں نے شرک کی تردید کی ہے، لیکن افسوس اس پر ہے کہ جو شرک مشرکین کریں وہ تو ہو جائیں کافر اور وہی کام اگر نام کے مسلمان کریں تو یہ رہے پکے موحد اسی نقشہ کو مولانا حالی نے اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جاجا کے مانگے دعائیں
نبی کو جو چاہے خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اب اس موضوع کی مناسبت سے ایک دو قصے بھی ملاحظہ فرمائیں !

حکایت نمبر ۱:

حضرت عمرانؓ ایک صحابی تھے آپ کے والد کا نام ''حصین'' تھا، عمران بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ابا جان سے کہا کہ اے حصین تم دن میں کتنے معبودوں کو پوجتے ہو؟ میرے ابا جان نے جواب دیا کہ سات معبودوں کو پوجتا ہوں چھ تو زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ حادثہ اور مصیبت کے وقت کس کی طرف رجوع کرتے ہو؟ عمران نے کہا جو آسمان پر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے حصین اگر تم اسلام قبول کرلو گے تو میں تجھے ایسے دو کلمے سکھادوں گا جو تیرے لئے مفید ہونگے، جب حصین نے اسلام قبول کرلیا تو آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کی سکھانے کی درخواست کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پڑھو'' اے اللہ میرے دل میں رشد و ہدایت کا نور ڈال دے اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے محفوظ فرمادے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱۷)

حکایت نمبر ۲:

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ابوجہل کا بیٹا عکرمہ حبشہ کی طرف بھاگ نکلا جب سمندر پار کرنے کے لئے کشتی میں میں بیٹھ گیا تو اچانک کشتی سمندری موجوں میں پھنس گئی کشتی میں جتنے لوگ سوار تھے سب نے کہا کہ بھائی اس وقت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو پکارو کیونکہ اس وقت صرف وہی مدد کرسکتا ہے، عکرمہ نے کہا اگر سمندر میں نجات دہندہ وہی ہے تو پھر خشکی میں بھی اس کے سوا نجات دہندہ کوئی نہیں ہے۔ اے

اللہ اگر تو نے مجھے ابھی بچالیا تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ محمد کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھوں گا، امید ہے وہ مجھے معاف فرمائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۱)

حکایت نمبر ۳:

ایک عیسائی نوجوان ہمارے اس زمانے میں مسلمان ہوا جب اسلام میں داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ یہاں بھی کچھ لوگ قبر پرستی میں مبتلا ہیں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھائے جارہے ہیں اور غیر اللہ کی نذر و نیاز دیئے جارہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کو غائبانہ حاجات میں پکارا جارہا ہے، تو کہنے لگے کہ میں نے عیسائیت کو صرف اس لئے چھوڑا تھا کہ اس میں تصویر پرستی تھی اور حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے مجسموں کے آگے سجدے ہوتے تھے، اگر اسلام میں بھی قبروں کے آگے سجدے ہو رہے ہوں تو پھر اسلام توحید کا علم بردار مذہب کیسے رہ سکتا ہے؟ میرے اسلام میں آنے کا فائدہ کیا ہے پھر وہ نوجوان حق کی تلاش میں گھوم گھوم کر ضلع سوات پہنچا، جہاں اس نے مسلمانوں کو توحید پر قائم دیکھا تو کہنے لگا ہاں یہ لوگ توحید پرست ہیں اور پھر وہیں اس نے زندگی گذارنی شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایک ہی رب کی توحید پر قائم و دائم رکھے قرآن و حدیث سے وابستہ رکھے، اور سلطان باہوؒ کے ان ابیات سے مستفید فرمادے۔ آمین

یقین دانم دریں عالَم کہ لامعبود الّاہو
ولامقصود فی لکونین ولا موجود الّاہو
چوں تیغ لابدست آری بیا تنہا چہ غم داری
مجواز غیر حق یاری لا فتاح الاہو

خدا گفتا کہ ما از تو قریبم
وبابا لـــم یـــقـــل انـــی قریب

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہل چین چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اسی معمور میں آباد تھے یونانی بھی
اس دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر تیرے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

قرآن وحدیث

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ.

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ لَایَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا.

اِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَایُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا. (مجمع ج ۱ ص ۶۹)

۱۸ ۱۴۱۸ھ جولائی ۱۹۹۷ء مدینہ مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ﴾ (سورہ نمل ۶۵)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَکَ اَنَّ مُحَمَّداً رَاٰی رَبَّہٗ فَقَدْ کَذَبَ وَھُوَیَقُوْلُ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَمَنْ حَدَّثَکَ اَنَّہٗ یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ کَذَبَ وَھُوَ یَقُوْلُ لَا یَعْلَمُ الغیب الَّا اللّٰہ. (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۹۸)

وَعَنْ سَلَمَۃ بْنِ اَکْوَع قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قُبَّۃٍ حَمْرَا اِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰی فَرَسٍ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ ؟ قَالَ اَنَارَسُوْلُ اللّٰہِ ، قَالَ مَتٰی السَّاعَۃُ؟قَالَ غَیْبٌ وَمَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ، قَالَ مَافِی بَطْنِ فَرَسِیْ؟ قَالَ غَیْبٌ وَمَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ فَمَتیٰ یُمْطَرُ ؟ قَالَ غَیْبٌ وَمَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ. (در منثور ج ۵ ص ۱۷۰)

محترم حضرات !! علم الغیب اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات میں سے ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے۔ قرآن عظیم کی دسیوں آیتیں اس پر واضح طور پر دلیل ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کائنات میں قطعاً کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کیساتھ صفت علم غیب میں شریک نہیں ہے۔ سینکڑوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علیم ، خبیر ، علام الغیوب ، عالم الغیب کے الفاظ سے متعارف کیا ہے۔ اگر علم غیب اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت نہیں تھی تو پھر خصوصیت سے اس کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس میں فائدہ کیا تھا۔ دراصل علم غیب کے مسئلہ میں یہاں لوگوں نے دیکھا دیکھی عقیدت کی کڑیاں ملا کر اپنے دل کو خوش کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اس کو نہیں دیکھا کہ آیا شریعت اس چیز کی اجازت بھی دیتی ہے یا نہیں چنانچہ وہ اندھے ہو کر عقیدت پر آئے اور شریعت کو نہیں دیکھا حالانکہ عقیدت وہی معتبر ہے جو شریعت کے تابع ہو، مثلاً قدیم فلاسفہ میں ایک گروہ اس کا قائل ہو گیا کہ ان کے بڑوں میں اتنی قوت

ادراک ہے اوران کواس طرح علم حاصل ہے کہ اگر ایک آدمی مشرق میں ہوتو وہ بڑے حضرات مغرب سے اس کے احوال معلوم کر سکتے ہیں چنانچہ فلاسفہ میں سے مشائین کے ملحد فلاسفہ اس عقیدے کے قائل تھے جب شیعہ حضرات نے دیکھا کہ فلاسفہ کا یہ گروہ اپنے فلسفی قسم کے بزرگوں کے لئے غیب دانی کا اعزاز دیتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ان سے تو ہمارے بارہ امام زیادہ منزل رسیدہ پہنچے ہوگئے بزرگ ہیں لہٰذا روافض نے اعلان کیا کہ ہمارے بارہ امام علم غیب جانتے ہیں اور وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں شیعوں کو جب بریلوی حضرات نے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم پیچھے کیوں رہیں لہٰذا انہوں نے انبیاء کرام اور خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو **ما کان وما یکون** کا عالم الغیب کہنا شروع کر دیا۔ پھر اس میں ترقی کر کے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بھی عالم الغیب کہنا شروع کر دیا اور پھر اور زیادہ غلو کر کے ہر پیر وفقیر اور جملہ اولیاء کو علم غیب کا منصب عطا کیا اور شریعت کا خون کیا۔ اب جس خوش عقیدہ عالم دین نے کہا کہ ایسا نہیں تو فوراً اس پر دو فتوے چسپاں کر دیئے گئے۔ اوّل فتویٰ یہ کہ یہ شخص گستاخ انبیاء اور گستاخ اولیاء ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ شخص وہابی ہے اور وہابی کا تصور انہوں نے عوام کے دل ودماغ میں یہ بٹھلا دیا ہے کہ جو خدا کا بھی منکر ہو اور انبیاء اور اولیاء کا بھی دشمن ہو بلکہ غیر مسلموں سے بھی زیادہ بدتر اور گمراہ تر ہو وہ وہابی ہوتا ہے ہیں۔ (**لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ**)

اب آیئے اور علم غیب کی تعریف کو سن لیجئے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ علم غیب کیا ہوتا ہے۔

قسم اوّل ۔ علم غیب ذاتی

علم غیب اور غیب دانی کا ایک لغوی مفہوم ہے اور ایک اصطلاحی شرعی مفہوم ہے۔ بریلوی حضرات لغوی مفہوم اور لغت کے پیچ وتاب میں عوام الناس کو الجھا کر لفظی چکر دیتے ہیں لیکن عرض یہ ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ یہاں دنیا کی چالاکی اور عیاری ومکاری ودغابازی تو یہاں رہ جائے گی اور مرنے کے بعد حقائق اور سچائی سامنے آئے گی۔ وہاں کا سوچنا چاہیئے کہ کہیں قرآن عظیم پر ظلم تو نہیں کیا؟ احادیث اور جملہ واقعات کی تکذیب تو نہیں کی؟ فقہ کا خون تو نہیں کیا؟ کیونکہ یہاں عقیدت شریعت کی تابع ہے وہ عقیدت بالکل عقیدت نہیں ہے اور نہ عشق ومحبت ہے جو شریعت کے منافی ہو، ورنہ قیامت تک ہر عقیدے والے کی عقیدت سے نئی نئی شریعت بنتی جائے گی اور اصلی شریعت جو نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ مسخ ہو جائے گی۔ لہٰذا عقیدت اسی حد تک ہے جہاں تک شریعت اجازت دیتی ہے۔

جہاں تک آپؐ کی تقلید ہے اسی حد تک
سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

عشق ومحبت کے بلند و بالا نعرے لگانے والے دوستوں! عقیدت کا یہ نعرہ لگانا کیا مشکل تھا۔ اہل حق حضرات پورے معاشرہ کی دشمنی مول لیتے ہیں اور حق کا اعلان کرتے ہیں باطل سے ٹکر لیکر جان کی بازی لگا جاتے ہیں جہاد کے میدان میں قربانیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مشقتیں اٹھاتے ہیں ان کے لئے کیا مشکل تھا کہ یہ نعرہ لگاتے کہ حضور اکرمؐ ماکان ومایکون ذرہ ذرہ کے عالم الغیب ہیں مشکل کشا ہیں حاظر وناظر ہیں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، اللہ کے نور سے پیدا خالص نور ہیں۔ اس کہنے میں دنیا کے اہلِ باطل سے ٹکراؤ کی صورت بھی نہ تھی ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں آتیں اور یہ حضرات خوش ہوتے اور دل میں کہتے ؎

یااللہ میری پیری میں زور رہنے دے
چشم عالم کو کور رہنے دے

یہ سب کچھ کہنا آسان تھا لیکن قرآن کریم اجازت نہیں دیتا۔ حضور اکرمؐ کی احادیث اجازت نہیں دیتیں، فقہ اسلامی میں اس کی گنجائش نہیں۔ صحابہ وتابعین کا یہ عقیدہ نہیں، سلف صالحین کا یہ طریقہ نہیں۔ اس لئے ہمارے لئے بھی مشکل ہوگیا کہ ہم حقائق کے برعکس بے حقیقت چیزوں کا اقرار کرلیں۔

ع میں ناخدا کو خدا کہہ دوں یہ مشکل ہے

خلاصہ یہ کہ علم غیب کی اسی تعریف کو اپنانا ہوگا جو شرعی اصطلاحی تعریف ہے تو لیجئے پہلے علم غیب کی لغوی اور پھر اصطلاحی تعریف ملاحظہ کریں۔

علم غیب کی لغوی تعریف

كُلُّ مَا غَابَ عَنِ الْعُيُوْنِ وَكَانَ مُحَصِّلاً فِي الْقُلُوْبِ فَهُوَ غَيْبٌ (فقهه اللغة للثعالبی ص ۱)

اَلْغَيْبَ مَا غَابَ عَنْكَ . (مختار الصحاح ص ۴)

الغیب ناپدید شدن۔ جو ظاہر نہ ہو وہ غیب ہے۔ (صراح ج ۱ ص ۴۷)

علم غیب کی اصطلاحی تعریف

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ الخ وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِیْ لَا يُدْرِكُهُ الْحِسُّ وَلَا يَقْتَضِيْهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الْمَعْنِيُّ بِقَوْلِهٖ تَعَالیٰ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَقِسْمٌ نَصَبَ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ كَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهٖ وَالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ وَاَحْوَالِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ بِهِ فِي الْاٰيَةِ. (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۸)

غیب سے مراد وہ مخفی چیزیں ہیں جو حواس خمسہ کیساتھ مدرک نہ ہوں اور اس کو بداھة العقل نہ پالے۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور قرآن کی آیت ﴿ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو ﴾ سے یہی قسم مراد ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم کی گئی ہو جیسے صانع اور اس کی صفات اور یوم آخرت کے احوال، یہاں یؤمنون بالغیب میں غیب سے مراد یہی قسم ہے۔ قاضی بیضاوی کی اس عبارت میں علم غیب کی اصل تعریف اس کے پہلے جزء میں ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ ظاہرہ باطنہ سے بالاتر ہو کر کسی کو حاصل ہو جائے جس پر نہ عقل کی دسترس ہو نہ حواس و دلائل کے احاطے میں ہو جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے گا کہ یہ غیب غیب دان کی ذات میں ہے جو بلا کسی واسطے اس کو حاصل ہے یہی وہ قسم ہے جو غیب کہلانے کا مستحق ہے اور جس پر قرآن عظیم کی آیتیں دال ہیں کہ علم غیب خاصۂ خدا ہے اور غیر میں اس صفت کو ماننا شرک کے مترادف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قل لا يعلم من في السمٰوات والارض الغيب الا الله﴾ اور فرمایا ﴿ قل لا اقول لكم عندي خزائن الله ولا اعلم الغيب ولا اقول لكم اني ملك﴾ اور فرمایا ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو﴾ اور فرمایا ﴿ان اللّٰه عنده علم الساعة﴾ اور فرمایا ﴿انك انت علّام الغيوب له غيب السمٰوات والارض﴾ اور فرمایا ﴿قل لا املك لنفسي نفعاً ولا ضرّاً الا ماشاء الله ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير ومامسني السؤ ولله غيب السموات والارض﴾ اور فرمایا ﴿قل ما كنت بدعا من الرسل وما ادري ما يفعل بي ولا بكم﴾ اور فرمایا ﴿ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم﴾ اور فرمایا ﴿عالم الغيب والشهادة﴾ اور فرمایا ﴿عليم بذات الصدور ﴾ اور فرمایا ﴿يسئلو نك عن الساعة ايان مرساها فيم انت من ذكرٰها الى ربك منتهاها﴾.

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات میں واضح طور پر بتایا گیا کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔

ان آیات کی مختلف تفسیریں بھی صرف عربی میں ملاحظہ ہوں۔

ولِلّٰه غيب السمٰوات والارض ان العلم بهذه الغيوب ليس الا اللّٰه تعالىٰ.

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۳۶)

ولِلّٰہ لا لغیرہ غیب السمٰوات والارض وھوماغاب فیھما عن العبادبان لم یکن محسوساً ولم یدل علیہ محسوس. (سراج منیرج ۲ص ۲۵۰)

ان اللّٰہ استاثربعلمہ الغیب (کتاب الام ج۲ ص ۲۰۲)

من ضروریات الدین ان علم الغیب مختص باللّٰہ تعالیٰ.

(صدرالدین اصفھانی بحوالہ تفسیر بینظیر ص۵)

وبالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کلّا اوبعضامخصوص بااللّٰہ جل وعلالا یعلمہ احد من الخلق اصلاً. (تفسیر روح المعانی ج۲۰ ص ۱۲)

انما انا بشر .وھوردعلی من زعم ان من کان رسولا فانہ یعلم کل غیب حتی لایخفی علیہ المظلوم من الظالم. (ارشاد الساری ج۱ ص ۲۰۴)

انما انا بشر لا اعلم الغیب وانکم تختصمون. (نسیم الریاض ج۴ص ۲۶۱)

قال متٰی تقوم الساعۃ؟فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غیب ولا یعلم الغیب الا اللّٰہ. (مستدرک ج۱ ص۷)

وعن ابن عباسؓ انہ قال ھذہ الخمسۃ لا یعلمھا ملک مقرب ولا نبی مصطفٰی فمن ادعی انہ یعلم شیئاًمن ھذہ فقد کفر بالقرآن لانہ خالفہ. (تفسیرحازن ج ۵ ص ۱۸۳)

من ادعی انہ یعلم شیئامن ھذہ الخمس فقد کفر بالقرآن العظیم.

(عمدۃ القاری ج۷ص ۶۱)

قل انما علمھا عنداللّٰہ لم یطلع علیھا ملکاولانبیاً . (بیضاوی ج ۲ص ۱۷۰)

ای لو کنت اعلم الخِصب والجدب لا ستکثرت من المال لِسَنَۃِ القحط وما مسنی السؤای الضررو الفقروالجوع. (معالم ج۲ص ۲۶۶)

واللّٰہ لا ادری واللّٰہ لا ادری وانارسول اللّٰہ ما یفعل بی ولا بکم. (بخاری ج۲ص ۱۰۳۹)

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃا عین ای ولا یعلمہ نبی مرسل ولا ملک مقرب . (مستدرک ج۲ص ۴۱۴)

فلا تعلم نفس لا ملک مقرب ولا نبی مرسل . (بیضاوی ج۲ص ۱۵۸)

علّامہ اصفہانی کی تعریف

والغیب فی قولہ تعالیٰ یؤمنون بالغیب مالا یقع تحت الحواس ولا یقتضیہ بداھۃ العقل وانما العلم بخبر الانبیاء علیھم السلام . (مفردات القرآن ص ۳۷۳)

اور غیب اللہ تعالیٰ کے قول یومنون بالغیب میں وہ ہے جو نہ حواس کی گرفت میں آسکے نہ عقلی تقاضوں سے دریافت ہوسکے بلکہ وہ صرف انبیاء کی خبر سے جانا جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تعریف

زیرا کہ من (نبی کریمؐ) عالم غیب نیستم وادعا ایں علم نمی کنم چنانچہ سابق از معبودان شما از جنیان می کردند، بلکہ پروردگار من عالم الغیب است وغیر اورا ایں علم حاصل نیست۔

زیرا کہ غیب نام چیز یست کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر، تا بمشاہدہ راہ آں یافتہ شود، واسباب وعلامات آں نیز در عقل وفکر در نیاید تا بہ ہدایت استدلال یافتہ شو۔

(تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی ص ۱۷۲)

کیونکہ میں (یعنی رسول اکرمؐ) عالم الغیب نہیں ہوں اور اس علم کا دعویٰ بھی نہیں کرتا ہوں جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے (فرضی معبود) جنّات کیا کرتے تھے بلکہ عالم الغیب میرا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کسی کو علم غیب نہیں، کیونکہ غیب نام اس چیز کا ہے جو ظاہری اور باطنی حواس کی دریافت سے غائب ہو اس میں متحضر نہ ہو کہ اسے مشاہدہ سے دریافت کرلیا جائے۔ نیز اس کے اسباب وعلامات بھی عقل وفکر کی نظر میں نہیں آسکتے ہوں کہ استدلال کے ذریعہ سے وہ حاصل ہوجائے۔

بہر حال ان تمام تعریفات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس ظاہرہ اور باطنہ سے پوشیدہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کسی اندرونی طریقہ سے حاصل ہوتا ہو یہیں سے معلوم ہوگیا کہ علم غیب کا تعلق ذات سے ہے اور یہ کوئی کسی کو دے ہی نہیں سکتا ہے۔ البتہ اگر اس سے کسی کو اطلاع کے طور پر خبر کرکے بتادیا جاتا ہے تو وہ علم غیب نہیں رہتا ہے کیونکہ جس کو بتادیا گیا ہے اس نے حواس ظاہرہ باطنہ کے واسطے سے حاصل کیا اور جو علم کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے وہ غیب نہیں رہتا ہے یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ الہام کشف وغیرہ جو وسائط سے حاصل ہوتا ہے وہ علم غیب نہیں ہے۔

شیخ الاسلام علامہ قاری محمد طیب صاحبؒ کی تشریح

فرمایا بہر حال یہاں تک غیب کی بات یہ نکلی کہ حواس وعقل اور کشف وانکشاف سے بالاتر ہو، صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے دریافت ہوتا ہو، لیکن غیب کے یہ معنیٰ ظاہر ہے کہ ہمارے اعتبار سے ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کا تعلق ہم ہی سے ہے، لیکن اگر خود پیغمبر کے بارے میں سوال ہو کہ انہیں یہ علم کیسے حاصل ہوا، ظاہر ہے کہ پیغمبر کے لئے خود پیغمبر کی خبر کو ذریعہ علم کہنا تو لایعنی بات ہوگی اس لئے قدرتی طور پر یہی کہا جائے گا کہ علم غیب کے لئے جو وسائل امت کے حق میں منفی ہیں یعنی عقل ونظر اور فکر وبصیرت وغیرہ کہ ان سے امت کو علم غیب حاصل نہیں، وہ نبی کے حق میں بھی بدستور منفی رہیں گے کہ انبیاؑ کو بھی ان وسائل سے علم غیب حاصل نہیں ہوگا البتہ خبر پیغمبرؐ کے بجائے پیغمبر میں خدا کی خبر ذریعہ علم بنے گی۔ جس کو وحی کہتے ہیں، حاصل یہ نکلا کہ علم غیب کا ذریعہ مخلوق کے لئے صرف وحی ہے جو پیغمبرؐ پر براہ راست ہوتی ہے اور امتی کو اس کی نقل بواسطہ پیغمبر پہنچتی ہے اور اس طرح نبی اور امتی صرف خدا کی اطلاع ہی سے غیب پر مطلع ہو سکتے ہیں، خود اپنی کسی اِدْرَاکِی طاقت، عقل ونظر یا حس ووجدان سے مطلع نہیں ہو سکتے۔

(رسالہ علم غیب ص ۷)

حضرت مولانا مزید فرماتے ہیں، علم غیب وہ ہے جو بلا واسطہ اسباب ہو، جب بھی وہ بالواسطہ آئے گا تو وہ حقیقی معنی میں علم غیب نہ ہوگا بلکہ علم غیب کی ہُو بہُو حکایت اور من وعن نقل ہوگی اور سب جانتے ہیں کہ علم کے عادی وسائل سے وحی الٰہی بھی ایک وسیلہ ہے بلکہ اولین وسیلہ ہے جس کے توسط سے عالم بشریت کے علم کی ابتدا ہوتی ہے۔ کشف ہو یا الہام، فراست ہو یا وجدان، سب بعد کے وسائل اور وحی کے دست نگر تو ابع میں سے ہیں خود اصل نہیں۔ (رسالہ علم غیب ص ۹ و ۱۰)

علامہ مزید فرماتے ہیں اس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ علم غیب کے معنیٰ لغت میں تو کسی مخفی شے کے جان لینے کے ہیں لیکن شریعت میں علم غیب کا لفظ لغت میں نہیں بلکہ اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی چھپی ہوئی یا غائب اشیاء کے جان لینے کے نہیں بلکہ اس علم کے ہیں جو مادی وسائل کے واسطہ کے بغیر خود بخود حاصل ہو، یعنی وہ اسباب مادیہ سے غائب ہو مثلاً ہم حواس خمسہ کے ذریعے محسوسات کا علم حاصل کریں تو اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا گو علم سے پہلے محسوسات ہم سے مخفی ہیں اور بلحاظ لغت ان کے علم کو علم غیب کہنے کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی وہ اصطلاحی علم غیب نہ ہوگا کیونکہ ان محسوسات کا علم ہم نے ان اسباب کے ذریعے سے حاصل کیا جو عادتاً اس علم کے حصول کے قدرتی اسباب ہیں۔

یا مثلاً ہم نے سوچ بچار، عقل و تدبر اور فکر ونظر سے چند نا معلوم نتائج معلوم کر لئے جو بلا شبہ ہمارے لحاظ سے غیب تھے لیکن نہیں کہا جائے گا کہ ہمیں علم غیب حاصل ہو گیا کیونکہ اب نتائج کا ادراک ہمیں فکر ونظر اور سوچ و بچار کے وسیلہ سے ہوا جو اس کام کو حاصل کرنے کے طبعی اسباب مانے جاتے ہیں اور اسباب طبعیہ کے توسط سے جو علم حاصل ہوا اسے اصطلاح میں علم غیب نہیں کہا جاتا۔

یا مثلاً اہل اللہ اور اولیاء کرام کو کشف والہام کے ذریعے کسی بات کا علم ہو جائے جو یقیناً ایک مخفی امر تھا تو لغۃً تو اسے علم غیب کہہ سکیں گے کہ غیبی امور کا انکشاف ہوا لیکن شرعاً علم غیب نہ کہہ سکیں گے کیونکہ کشف والہام بھی بہر حال حصول علم کا ایک قدرتی اور عادی وسیلہ ہے جو مخصوص افراد کو دیا جاتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ بڑے بڑے اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں بہر حال علم کے حسی وسائل ہوں یا معنوی کھلے ہوئے ذرائع ہوں یا چھپے ہوئے ذرائع ہوں، ان سے حاصل شدہ علم کو شرعاً علم غیب نہیں کہا جائے گا اور ظاہر ہے کہ جب اصطلاحاً علم غیب وہی ہوگا جو عادی وسائل سے بالاتر ہو کر بلا واسطہ اسباب از خود ہو تو حاصل یہ نکل آیا کہ علم غیب بجز ذات بابرکات خداوندی اور کسی کے لئے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ غیر خدا کو جب بھی علم ہوگا اور جیسا بھی ہوگا وہ عطاءً الٰہی سے ہوگا اور مذکورہ وسائل میں سے کسی نہ کسی وسیلہ کے واسطہ سے ہوگا خواہ وحی سے ہو یا کشف والہام سے، تجربہ سے ہو یا حواس سے یا عقل وخرد سے، اس لئے علم غیب خاصۂ خداوندی نکل آتا ہے اور یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کسی بھی بشر کو علم غیب حاصل نہیں جبکہ کوئی بھی غیر اللہ بلا توسط اسباب بذات خود عالم نہیں ہو سکتا خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ملائکہ ہوں یا ارواح قدسیہ، یہ الگ بات ہے کہ انبیاء اور بالخصوص سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات کے علم سے بدرجہا زائد اور فائق ہے (لیکن پھر بھی) کسی پیغمبر پر عالم الغیب غیب کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ قرآن حکیم نے علم غیب کو حصر کے ساتھ جگہ جگہ صرف اللہ ہی کی طرف منسوب اور اسی کے ساتھ مخصوص بتلایا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾

یعنی تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں"۔

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

یعنی تو کہہ دے خبر نہیں رکھتا جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے مگر اللہ۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾

یعنی اللہ ہی کے پاس ہے غیب کی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے ہر چیز کا۔

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ﴾

اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات کو تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی برائی نہ پہنچتی۔

(رسالہ علم الغیب ص ۱۲ تا ۱۴)

محترم حضرات:

یہ ہے علم غیب ذاتی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کلام پھر اس کی تفسیریں پھر علم غیب کی تعریف اور پھر مختلف علماء کی تشریحات، کئی عبارات میں بتلایا گیا ہے کہ علم غیب خاصہ خدا ہے اور اللہ کی اس صفت کو غیر اللہ میں ماننا شرک اور کفر ہے اور یہ بھی واضح تر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اور اِنباءِ غیب کے بعد اور اطلاع غیب کے بعد اور اخبارِ غیب کے بعد اور عطاءً غیب کے بعد پھر غیب نہیں رہتا کیونکہ غیب وہی ہوتا ہے جو حواس خمسہ ظاہرہ باطنہ کے واسطے کے بغیر کسی کو حاصل ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اسی حقیقت کی طرف علامہ محمد بوصیریؒ نے قصیدہ بردہ میں اس طرح اشارہ کیا ہے:

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ
وَلَا نَبِيٌّ عَلٰى غَيْبٍ بِمُتَّهَمِ

اللہ تعالیٰ بلند شان کے مالک ہیں وحی کوئی کسبی چیز نہیں ہے اور کسی نبی پر غیب دانی کا بہتان نہیں لگایا جا سکتا ہے یعنی نبی کو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے اور بتانے کے بعد کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا تو غیب کا بہتان بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

قسم دوم عطائی

مندرجہ بالا تشریحات سے واضح ہو چکا ہے کہ غیب حقیقت میں اوّل قسم ہی ہے اور یہ دوسری قسم جو عطائی غیب ہے یہ حقیقت میں اضافی اور لغوی غیب ہے نہ کہ اصطلاحی شرعی، کیونکہ کسی کے بتانے کے بعد غیب غیب نہیں رہتا ہے ورنہ پھر تو دنیا کے تمام افراد عالم الغیب ہو جائیں گے کیونکہ حضور اکرمؐ نے برزخی حیات سے لے کر جنت تک تمام اشیاء کی تعلیم صحابہ کو دی۔ پھر صحابہ نے تابعین کو دی۔ تابعین نے تبع تابعین کو دی اور پھر ہر زمانہ میں علماء نے عوام الناس کو کھول کھول کر آنے والے واقعات کا تذکرہ کیا تو کیا حضور اکرمؐ کے بعد یہ ساری امت عالم الغیب بن گئی جن تک مثلاً پل صراط، حشر نشر، جنت و دوزخ اور

وزن اعمال کے بارے میں احوال پہنچ گئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ علم الغیب عطائی کے بعد غیب رہتا ہی نہیں۔

ہم نے جو کچھ قرآن وحدیث اور فقہ سے سیکھا ہے وہ تو یہی ہے اب یہ معلوم نہیں کہ بریلوی حضرات عطائی سے کیا مراد لیتے ہیں اور کتنا مراد لیتے ہیں اگر ان کا خیال یہ ہے کہ سارے کا سارا جو اللہ تعالیٰ کے پاس علم الغیب تھا نبی کریمؐ کو مکمل طور پر دے دیا تو یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ حضور اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ کے بالکل مقابل کھڑا کر دیا ہے اور بے ادبی کے علاوہ قرآن کریم کی اس آیت کی صریح خلاف ورزی اور انکار بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِىْ عِلْماً﴾ یعنی اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک گھنٹہ پہلے یہ آیت تھی اور حکم دیتی تھی کہ آپؐ اضافۂ علم کی دعا کیا کریں اسی طرح وفات کے بعد عالم برزخ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے ذریعہ سے اضافۂ علم کے لئے سوال کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ میدان حشر میں بھی آیت کا یہی مطالبہ ہوگا اور جنت میں بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا حضور اکرمؐ اللہ تعالیٰ سے مانگنے میں توقف نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ دینے میں توقف نہیں کریں گے۔ ادھر سے مانگنے کا سلسلہ جاری ہے اُدھر سے دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں سے جتنا مانگا گیا یہ جزئی ہے اور وہاں سے جتنا دیا جا رہا ہے وہ کلی علم سے دیا جا رہا ہے جو لامتناہی ہے نہ سوال ختم نہ دینا ختم۔

اہل بدعت اور بریلوی حضرات عوام الناس کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک مغالطہ دے کر دھوکہ میں رکھتے ہیں اور ذاتی وعطائی کی موشگافیوں میں بے چارے عوام کو الجھاتے ہیں اور اپنا بازارِ مفادات گرم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ورنہ انبیاء کرام کے متعلق تو یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جو کچھ ان کو ملا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا لیکن ملنے کے بعد اور بتانے کے بعد یہ علم غیب کہاں رہا؟ اور اگر وہ کہیں کہ پہلے سے معلوم تھا تو پھر وحی کا سلسلہ ہی کٹ گیا۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل امینؑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ پہلے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا یہ کتنی بڑی گستاخی ہے اور کتنی خطرناک بات ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء اور مفسرین نے اس طرح عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہا ہے۔

باباسعدیؒ کا فرمان

باباسعدیؒ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار
ہر کہ گوید ما بدانم تو ازو باور مدار

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص غیب کا علم نہیں جانتا ہے اور جو کوئی کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں تو تم اسکا کوئی اعتبار نہ کرو۔

مصطفےٰ ہر گز نہ گفتی تا نگفتی جبرئیل
جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات نہ کی جب تک جبرئیلؑ نے نہ کہی اور جبرئیلؑ نے بھی کوئی بات نہ کی جب تک اللہ تعالیٰ نے نہ کی۔ ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾

کفار مکہ کا جھگڑا تو اسی بات پر تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انباء الغیب کو وحی کے ذریعہ سے نہیں مانتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ وحی نہیں ہے کیونکہ یہ نبی نہیں ہے اگر وحی مانیں گے تو پھر نبی ماننا پڑے گا لہٰذا جو خبریں دیتے ہیں تو یہ نبی نہیں بلکہ 'کاہن' ہے۔ اس الزام کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح رد فرما دیا۔

﴿فَذَكِّرْ فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾.

آپ سمجھا کر نصیحت کیجئے اپنے رب کے فضل وکرم سے آپ نہ جنوں سے خبر لینے والے ہیں اور نہ مجنوں دیوانے ہیں، سچ ہے

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ
وَلَا نَبِيٌّ عَلٰى غَيْبٍ بِمُتَّهَمٍ

خلاصہ یہ نکلا کہ بریلوی حضرات جو حضور اکرم کو عالم الغیب مانتے ہیں وہ وحی کا رشتہ آپؐ سے کاٹتے ہیں جو بڑی بے ادبی ہے اور اگر وہ کہتے ہیں کہ وحی کے بعد علم غیب مراد ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہے اور شاید وہ اسی وجہ سے اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

یعقوب علیہ السلام فیصلہ فرماتے ہیں

بابا سعدیؒ نے اپنی کتاب گلستان ص ۷۳ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور سوال اٹھایا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کا پتہ کنعان کے قریبی کنوئیں میں کیوں نہ چلا اور مصر سے جب کرتہ روانہ ہوا اس وقت کیسے پتہ چلا جس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آئی۔ فرمایا

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خردمند

ایک آدمی نے حضرت یعقوبؑ سے پوچھا کی اے عقلمند روشن دل بزرگ یہ بتائیں

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی

کہ مصر سے آپ نے یوسفؑ کے کرتے کی خوشبو سونگھ لی تو قریب میں کنعان کے کنوئیں میں یوسفؑ کو کیوں نہ دیکھا۔

بگفت احوال ما برقِ جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہاں است

فرمانے لگے کہ ہمارے انبیاء کے علوم کی مثال آسمانی بجلی کی طرح ہے کہ ایک وقت کوندتی ہوئی ظاہر ہو جاتی ہے دوسرے وقت غائب ہو جاتی ہے۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم
گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کبھی ہم عرش بریں پر بیٹھے ہوتے ہیں (یعنی جب وحی کا کنکشن جڑ جاتا ہے) اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر کچھ نہیں دیکھ پاتے (اور بچھو وغیرہ ڈنگ مارتا ہے)

علم الغیب احادیث کی روشنی میں

اسلام چونکہ ایک کامل مکمل بلکہ اکمل آسمانی مذہب ہے اس لئے اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق مسائل وفضائل موجود ہیں خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات واقتصادیات سے ہو یا اس کا تعلق سیاسیات ومعاشیات سے ہو چونکہ علم الغیب کا مسئلہ عقائد سے متعلق ہے اس لئے اس کے متعلق احادیث، فقہ اور عقائد کی کتابوں میں واضح طور پر ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ فقہ کی کتب فتاویٰ نے بھی اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا ہے سب سے پہلے میں چند احادیث نقل کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی ہوگا یا صرف ترجمہ نقل کیا جائے گا پھر احادیث میں جو واقعات اس کے بارے میں ملتے ہیں وہ بھی نقل کروں گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّداً رَاٰى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ ﴿لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾. (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۹۸)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس نے تجھے یہ بیان کیا کہ رسول اکرمؐ نے اپنے رب (کی ذات) کو

دیکھا تو اس نے جھوٹ کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور جس شخص نے تجھے یہ بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان عالم الغیب ہیں تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ غیب صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

(نوٹ) اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا کا مطلب یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو بغیر تجلیات کے معراج میں نہیں دیکھا اور جنہوں نے کہا کہ دیکھا تو مراد تجلیات الٰہی کا دیکھنا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ **وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ اَكْوَعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قُبَّةِ حَمْرَاءٍ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ ؟ قَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ، قَالَ مَتٰى السَّاعَةُ؟ قَالَ غَيْبٌ وَمَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ مَافِي بَطْنِ فَرَسِيْ؟ قَالَ غَيْبٌ وَمَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَمَتٰى يُمْطَرُ ؟ قَالَ غَيْبٌ وَمَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ.** (درمنثور ج۵ ص۱۷۰)

حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرخ خیمہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک گھوڑے پر سوار ایک شخص آیا اور اس نے یہ سوال کیا کہ آپ کون ہیں؟ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس شخص نے سوال کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ غیب ہے اور غیب بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس شخص نے سوال کیا کہ میرے گھوڑے کے پیٹ میں کیا ہے؟ (یعنی نر ہے یا مادہ ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی بات ہے اور غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اس شخص نے کہا کہ بارش کب ہوگی؟ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ یہ غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

حدیث نمبر۳ **وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدْرِيْ مَابَقَائِيْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍؓ وَعُمَرؓ۔** (ترمذی ج۲ ص۲۰۷)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لئے میں تمہیں اپنے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

حدیث نمبر ۴: **وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا. لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنِيْ ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا**

اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ. (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میں حوض کوثر میں پہلے پہنچ کر تمہارا انتظار کروں گا پس جو کوئی مجھ پر گذرا وہ حوض کوثر سے پانی پی لے گا اور جس نے ایک بار وہ پانی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ (اس دوران) مجھ پر ایسے لوگوں کا گذر ہوگا جن کو میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان حائل ڈال دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں میرے ساتھی ہیں تو مجھے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں اور کیا کیا فتنے پیدا کئے تھے پھر میں کہوں گا کہ ان کی تباہی ہو ان کی تباہی ہو جنہوں نے میرے بعد دین کو بگاڑا۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے اور اس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اَصْحَابِیْ، فَیَقُوْلُ لَا عِلْمَ لَکَ بِمَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ. (بخاری ج۲ص۹۷۴)

یعنی میں کہوں گا کہ اے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی ہیں اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔

سات واقعات

ان احادیث میں واضح طور پر حضور اکرم سے علم غیب کی نفی آئی ہے اب ان احادیث کے بعد وہ واقعات بھی ملاحظہ ہوں جس میں نہایت صراحت کیساتھ علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ یہ واقعات کوئی تاریخی واقعات نہیں بلکہ یہ بھی احادیث ہیں لیکن حکایات اور واقعات کی شکل مین مذکور ہیں۔ چنانچہ میں چند واقعات نقل کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ایک دفعہ جبرئیل امینؑ ایک مسافر شخص کی حیثیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر بیٹھ گئے بلکہ آپؐ کے گھٹنوں کیساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور پھر ایمان واسلام اور احسان کے بارے میں سوال کیا نبی کریمؐ نے جواب دیا پھر انہوں نے قیامت کے تعین اور وقت مقررہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق جو کوئی جب کبھی کسی سے سوال کرے گا تو جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا ہوگا پھر انہوں نے علامات کے متعلق پوچھا حضور نے علامات بتلادیں۔

اس حدیث سے ایک تو یہ بات واضح ہوگئی کہ آپؐ اور صحابہ کرام نے اس آنے والے شخص کو مسافر بلکہ عجیب مسافر سمجھ لیا اس قرب ومشاہدہ کے باوجود نبی کریمؐ نے اس کو نہیں پہچانا بلکہ اس کے چلے جانے کے

بعد معلوم ہوگیا کہ یہ تو جبرئیل امینؑ تھے۔ دوسری بات یہ واضح ہوگئی کہ نبی کریمؐ نے واضح طور پر فرمایا کہ قیامت کا وقوع کس وقت اور کس ٹائم اور کب ہوگا اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا ہے پھر یہ نعرہ کتنا غلط ہے کہ نبی کریمؐ ما کان و ما یکون یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے ذرہ ذرہ کا سارا علم رکھتے ہیں۔

(۲)　غزوہ خندق سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوگئے تو گھر تشریف لا کر غسل فرمانے کی غرض سے اسلحہ اور کپڑے اتارنے لگے کہ جبرئیل امینؑ آئے اور فرمایا کہ آپ نے تو اسلحہ اتار لیا حالانکہ قسم بخدا ہم فرشتوں نے اب تک اسلحہ نہیں اتارا ہے آپ ان کی طرف نکل جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پھر کہاں جانا ہے جبرئیل امینؑ نے **بنو قریظہ** کی طرف اشارہ کیا تب آپؐ نے ان کی طرف نکل کر ان پر چڑھائی کی۔　(بخاری و مسلم)

(۳)　جنگ خیبر کے موقع پر آپؐ کو ایک یہودیہ عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر کھلا دی آپ کا ایک صحابی بشر بن براءؓ شہید بھی ہوگئے اور آپؐ کو ایک لقمہ کھانے کے بعد گوشت نے خود بتادیا کہ مجھ میں زہر ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زہر کے اثر کو روک لیا۔ وفات کے وقت حضور اکرمؐ بار بار فرماتے تھے کہ یہ تیز بخار اور بیماری اسی زہر کا اثر ہے جو مجھے خیبر کی یہودی عورت نے کھلایا تھا۔　(ابوداؤد ج۲ ص۲۶)

(۴)　حضرت انس بن مالکؓ اور دیگر صحابہ سے مختلف طریقوں پر یہ واقعہ منقول ہے کہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند آدمیوں نے حضور اکرمؐ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا۔ پھر یہ لوگ مدینہ میں بیمار ہوگئے۔ انہوں نے صحراؤں میں اونٹوں کے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی۔ حضور اکرمؐ نے اجازت دے دی اور چند اونٹوں کیساتھ دو غلام کر کے ان کو دے دیا وہ لوگ گئے اور ایک چراگاہ پر پہنچ گئے۔ وہ لوگ جب بیماری سے تندرست ہوگئے تو انہوں نے حضور اکرمؐ کے ایک خادم کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے اور خود مرتد ہو گئے۔ حضور اکرمؐ کو ایک زندہ بچنے والے چرواہے نے آکر اطلاع دے دی۔ آپؐ نے ان لوگوں کے پیچھے ایک صحابی کو دوڑا دیا۔ اب یہاں اگر علم غیب تھا اور آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسا کرنیوالے ہیں تو پھر اپنے دو خادموں کو موت کیلئے کیوں روانہ کیا اور اگر پہلے سے علم نہیں تھا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ ما کان و ما یکون کا مکمل علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس سے کوئی غیب نہیں دیا ہے، وحی کے ذریعے سے جب کسی کو کسی چیز کی اطلاع ہوجاتی ہے تو وہ اطلاع علی الغیب اور انباء غیب ہے جو اطلاع کے بعد اور خبر دینے کے بعد غیب نہیں رہتا ہے ورنہ اس امت کے تمام لوگ عالم الغیب ہوجائیں گے۔

(۵)　**حجۃ الوداع** کے موقع پر رسول اکرمؐ اپنے ساتھ ہدیہ کے جانور ہنکار کر لے گئے تھے اور

احرام باندھنا تھا۔ اب جب سب مسلمان مکہ پہنچ گئے اور عمرہ ادا ہو گیا تو مسئلہ کے لحاظ سے ان صحابہ کو احرام کھولنا ضروری تھا جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اور جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور جن صحابہ نے احرام کے وقت ہدیہ کے جانور بھی ساتھ لائے تھے وہ احرام نہیں کھول سکتے تھے۔ رسول اکرمؐ نے اعلان فرما دیا کہ وہ لوگ احرام کھول دیں جو ہدیہ کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں۔ اب صحابہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوگئی کہ رسول اکرمؐ تو خود احرام میں ہوں اور ہم اپنا احرام کھول دیں اس پریشانی کے موقع پر حضور اکرامؐ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا وہ جملہ یہ تھا: لَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِی مَااسْتَدْبَرْتُ مَاسُقْتُ الْھَدْیَ وَلَحَلَلْتُ مَعَ النَّاسِ حِیْنَ حَلُّوا۔ (بخاری شریف ج ۲ص ۱۰۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر پہلے ہی سے مجھے وہ صورت حال معلوم ہو جاتی جواب ہوئی ہے تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا اور میں بھی لوگوں کی طرح احرام سے نکل آتا، شارحین حدیث اس حدیث کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

اَیْ لَوْ عَلِمْتُ مِنْ اَمْرِیْ فِی الْاَوَّلِ مَا عَلِمْتُ فِی الْاٰخِرِ مَااَھْدَیْتُ الخ

یعنی اگر میں اپنے مستقبل کے واقعات پہلے سے جان لیتا تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا یعنی جو صورت حال بعد میں پیش آئی کہ بعض لوگ ایسے ہیں جن کے پاس قربانی نہیں اور بعض قربانی ساتھ لائے ہیں اگر یہ صورت حال مجھے پہلے سے معلوم ہوتی تو میں بھی قربانی نہ لاتا۔

(۶) عہدِ نبوی میں رجیع کا ایک دردناک واقعہ پیش آیا وہ اس طرح کہ کچھ کافروں نے ایک کافرہ عورت سے رشوت واجرت لے کر وعدہ کیا کہ اس عورت کے دو بیٹوں کے احد میں قتل کرنے والے صحابی حضرت عاصمؓ کا سر کاٹ کر اس عورت کے سامنے پیش کریں گے۔ چنانچہ سات آدمیوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور پھر حضور اکرمؐ کے سامنے آکر عرض کرنے لگے کہ ہماری قوم کو کچھ ایسے معلموں اور استادوں کی ضرورت ہے کہ وہ ان کو قرآن واسلام کی تعلیم دیں اور بہتر یہ ہوگا کہ عاصمؓ ان میں سے ایک ہوں۔ رسول اکرمؐ نے اپنے سات یا دس قاری اور معلم ان کے حوالہ کر دیئے کسی کو کیا معلوم کہ دوسرے کے دل میں کیا ہے۔ وہ لوگ ان کو لے گئے اور دھوکہ کر کے عضل وقارہ وغیرہ قبائل کی مدد سے مقام رجیع میں ان صحابہ پر حملہ کر دیا کچھ تو شہید ہو گئے اور تین صحابہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے اور پھر اہل مکہ پر فروخت کر دیا انہیں میں سے حضرت خبیبؓ بھی تھے جو بعد میں سولی پر لٹکائے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا کہ ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے، اب ہر

مسلمان اس واقعہ سے معلوم کرسکتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کبھی بھی اپنے ساتھیوں کو ان کفار کے حوالے نہ فرماتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا تو معلوم نہ تھا جب اللہ نے بتادیا تب جا کر پتہ چلا۔ اسی لئے علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں:

تَبَارَکَ اللّٰهُ مَا وَحْیٌ بِمُکْتَسَبٍ
وَلَا نَبِیٌّ عَلٰی غَیْبٍ بِمُتَّهَمِ

اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند و بالا ہے وحی کوئی کسبی چیز نہیں ہے اور نہ کسی نبی پر غیب دانی کا بہتان لگایا جاسکتا ہے۔

(۷) حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جھوٹا طوفان باندھا جس کو واقعہ افک کہا جاتا ہے۔ مختصر واقعہ اس طرح ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کررہے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے ۲۰ شعبان ۵ھ میں اپنے ساتھ مدینہ منورہ سے ایک لشکر لیکر اس قوم پر چڑھائی کردی اور بنی مصطلق کے اموال اور لوگوں پر قبضہ کرلیا علاقہ صاف ہوگیا اور جنگ ختم ہوگئی اب مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے انتظامات شروع ہوگئے۔ واپسی میں ایک مقام پر لشکر نے قیام کیا۔ صبح کو حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئیں اور جب واپس آئیں تو آپ کا ہار گم ہوگیا تھا آپ ہار ڈھونڈنے کے لئے گئیں جس میں دیر لگ گئی ادھر حضور اکرمؐ نے لشکر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ حضر عائشہ کے کجاوہ کو اٹھانے والوں نے اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا اور کسی کو خیال تک نہ آیا کہ حضرت عائشہؓ اس ہودج میں نہیں ہے لشکر چل پڑا اور عائشہؓ پیچھے رہ گئیں۔ جب حضرت عائشہؓ اس مقام پر واپس آگئیں تو نہ اونٹ تھا نہ قافلہ تھا نہ لشکر تھا اور نہ حضور اکرمؐ تھے۔ عائشہؓ نے سوچا کہ اب یہیں پر ٹھہرنا زیادہ مناسب ہے۔ جب حضور اکرمؐ کہیں آرام کے لئے قافلہ کو رکوا کر آرام کریں گے تو میری اطلاع ان کو ہوجائے گی وہ کسی کو میری تلاش میں یہیں پر روانہ فرمائیں گے اس لئے وہ وہیں پر بیٹھ گئیں ادھر قافلہ کے پیچھے ایک آدمی ذرا فاصلے سے گری پڑی چیز اٹھانے کے لئے رہا کرتا تھا وہ اتفاق سے حضرت صفوان بن معطلؓ تھے آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا اور بات کئے بغیر اونٹ پر بٹھلا کر خود اونٹ کی مہار پکڑ کر پیدل چل دیا اور قافلہ تک پہنچ گیا اتنی سی بات تھی مگر منافقین نے اس کو ہوا دی اور بہت بڑا پروپیگنڈہ کیا جس سے مدینہ منورہ کے سارے مسلمان بے حد پریشان ہوئے خود رسول اکرمؐ کو اتنی پریشانی ہوئی کہ آپ نے مسلسل تفتیش شروع کی کہ اس قصہ کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا اور مشورہ کیا پھر حضرت علیؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت بریرہؓ جو گھر کی باندی تھی اس سے حالات کا پوچھا سب نے حضرت عائشہؓ کی

برأت اور پاک دامن ہونے کا جواب دیا لیکن مدینہ منورہ میں منافقین نے اتنا بڑا طوفان برپا کیا تھا کہ بعض مسلمان بھی اس کے شکار ہو گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مسجد میں سب صحابہ کرام کو جمع بھی فرمایا اور تقریر بھی کی اس میں بھی ایک قسم کا ہنگامہ سا ہوا، ادھر حضرت عائشہؓ کو خود اس پورے واقعے کا پتہ نہیں تھا ویسے سخت بیمار تھیں اور نبی کریمؐ کی بے توجہی کو تعجب اور حیرت کیساتھ محسوس کر رہی تھیں۔ پھر ایک خاتون نے آپ کو اطلاع کی کہ آپ کے متعلق تو یہ چرچے ہو رہے ہیں اس پر عائشہؓ رونے لگیں اتنا روئیں کہ کلیجہ پھٹنے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر والدین کے ہاں گئیں تقریباً ۲۲ دن تک مدینہ منورہ میں پروپیگنڈہ کی یہی کیفیت رہی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ سے خود اس طرح گفتگو فرمائی۔

اے عائشہ مجھ کو تمہارے متعلق ایسی خبر پہنچی ہے اگر تم بے گناہ ہو تو عنقریب تمہاری برأت نازل ہو جائے گی اور اگر تم سے خطا ہوئی ہے تو توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت صدیقؓ سے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں آپ نے انکار کر دیا عائشہؓ کی ماں نے بھی جواب دینے سے انکار کر دیا تو پھر خود حضرت عائشہؓ اس طرح بولنے لگیں۔ اس قصہ کا آپ کو یقین آ گیا ہے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بے قصور ہوں تو آپ کو یقین نہیں آئے گا اور اگر میں اقرار کرتی ہوں تو میں جھوٹا اقرار کس طرح کروں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں بے قصور ہوں۔ قسم بخدا میں اپنی اور آپ کی یہی مثال پاتی ہوں جو حضرت یوسفؑ کے والد نے بیان کیا کہ **وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ.**

یعنی جو کچھ تم بیان کرتے ہو میں اس میں اللہ ہی سے مدد مانگتی ہوں اور میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اس واقعہ پر ایک ماہ مکمل ہو گیا مدینہ منورہ میں ایک زلزلہ برپا تھا اور حضور اکرمؐ سمیت تمام صحابہ پریشان تھے لیکن جب تک اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا اور جب بتا دیا تو سب کو معلوم ہو گیا۔

چنانچہ رسول اکرمؐ ایک بار پھر صدیق اکبرؓ کے گھر آئے تھے کہ اچانک وحی آنی شروع ہو گئی اور سورت نور کی ابتدائی دس آیتیں اتر گئیں۔ جس میں حضرت عائشہؓ کی برأت کا کھلا اعلان تھا۔ نبی کریمؐ نے عائشہؓ کو خوشخبری سنا دی۔

حضرت عائشہؓ کے والدین نے کہا کہ اے عائشہؓ اٹھو اور نبی کریمؐ کا شکریہ ادا کر دو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا قسم بخدا اس وقت میں نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ آپ دونوں کا

شکریہ ادا کروں گی بلکہ میں اپنے اس رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے آسمان سے میری برأت نازل فرمادی اور مجھ پر بڑا احسان کیا۔

تبصرہ: اس پورے واقعہ کو اگر دیکھنے والے انصاف سے دیکھیں تو اس کے ایک ایک جملہ سے واضح ہو جائیگا کہ علم الغیب خاصۂ خدا ہے۔

مثلاً لشکر اسلام جب غزوہ سے واپس ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عائشہؓ پیچھے رہ گئی ہے لشکر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام اولیاء بھی موجود تھے۔

دوم یہ کہ حضرت عائشہؓ کو خود اپنے ہار کا معلوم نہ ہو سکا کہ ہار کہاں پڑا ہے حالانکہ وہ خود بڑی ولیہ اور صحابیہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین ہیں۔

سوم یہ کہ منافقین کے اس طوفان کے جھوٹے ہونے کا علم نبی کریمؐ سمیت کسی صحابی کو نہ ہو سکا۔

چہارم، ایک ماہ تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تفتیش کے باوجود کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے بلکہ بحث کے دوران بعض صحابہ کی آپس میں تلخ کلامی بھی ہوئی۔

پنجم جن بعض صحابہ نے اس طوفان میں زبان سے کوئی نامناسب جملہ کہا تھا ان پر حد قذف لگ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی پریشانی اور صحابہ کی پریشانی اور عائشہؓ کا رونا یہ کوئی ایسی چیزیں نہیں تھیں کہ دل میں سب کچھ معلوم تھا کہ کچھ نہیں ہوا ہے اور ظاہری طور پر مصنوعی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے:

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار
ہر کہ گوید ما بد انم تو ازو باور مدار
مصطفٰےؐ ہرگز نہ گفتی تانگفتی جبرئیل
جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

اہل باطل کا ایک مغالطہ

بریلوی حضرات علم غیب کے معاملہ میں عوام الناس بے چاروں کو ایک بڑا دھوکہ دیتے ہیں اور پھر ان کے ناپختہ علماء بھی واقعۃً اس دھوکہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ دھوکہ اس طرح ہے کہ شریعت مطہرہ میں احادیث کی کتابوں میں جہاں جہاں رسول اکرمؐ کے معجزات ہیں یہ لوگ ان معجزات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں دیکھو ناجی! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں یا نہیں؟ دیکھو حضرت عباسؓ

جب جنگ بدر میں گرفتار ہوئے تو حضور نے ان سے جان چھڑانے کے لئے فدیہ مانگا حضرت عباس نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کیا میں مکہ میں جا کر بھیک مانگنا شروع کروں؟ اس پر ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ میں ام الفضل کے گھر جو سونا رکھا ہے اس سے فدیہ ادا کر دو وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح یہ لوگ معجزات کے علاوہ دلائل النبوۃ مستقبل کی پیشن گوئیوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھو قیامت تک کے فتنوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح بیان کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ معجزہ کسی نبی کی نبوت کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مدعی نبوت کو دیا جاتا ہے۔

یہ نبوت کی دلیل ہے الوہیت کی دلیل نہیں ہے جس طرح کرامت ایک ولی کی ولایت کی دلیل ہے اُلوہیت کی نہیں اسی طرح مستقبل کی پیشن گوئیاں یہ دلائل نبوت ہیں علامات اُلوہیت یا غیب دانی کے دلائل نہیں ہیں، اگر معجزہ کو اثبات نبوت کے علاوہ مقاصد کے لئے لو گے تو پھر حضرت عیسیٰؑ نے بطور معجزہ اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کیا تو کیا ان کو خدا اور الٰہ کہو گے؟

تَبَارَکَ اللّٰہُ مَا وَحْیٌ بِمُکْتَسَبٍ
وَلَا نَبِیٌّ عَلٰی غَیْبٍ بِمُتَّھَمٖ

علم غیب فقہاء کرام کی نظر میں

اسلام میں فقہاء کرام علماء کی ایسی قابل اعتماد جماعت ہے جو نہایت محتاط اور سنجیدہ ہے۔ یہ حضرات کسی بھی مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر حکم صادر فرماتے ہیں۔ یہ کبھی بھی اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر حکم نہیں لگاتے۔ اس معتدل جماعت کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر کسی آدمی میں ۹۹ علامات کفر کی ہوں اور ایک احتمال اور پہلو اسلام کا ہو تو قاضی اور مفتی کو چاہیئے کہ وہ اس ایک احتمال کو ترجیح دیں تاکہ وہ آدمی کفر کے حکم سے بچ جائے الاّ یہ کہ اس کا ارادہ ہی اسی ایک احتمال کا ہو پھر تو کافر ہو جائے گا۔ (شرح فقہ اکبر)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کئی وجوہ سے کفر کا احتمال ہے اور ایک وجہ سے کفر کی نفی کا احتمال ہے تو قاضی اور مفتی کو چاہیئے کہ وہ نفی کے اس ایک احتمال کو ترجیح دیں اور حسن ظن کے تحت اس کو کافر نہ کہیں ہاں اگر وہ شخص اس جانب کفر کی وجوہات کا قائل ہو تو پھر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔

فقہاء کرام کی اس قسم کی عبارات کیساتھ ایک قید بھی لگی ہوئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ضروریات دین کا انکار کرتا ہے تو اس طرح باطل عقیدہ کی وجہ سے اس کو کافر کہا جائے گا اگرچہ اس میں ۹۹ علامات اسلام کی اور ایک علامت اس طرح کفر کی موجود ہو۔ ضروریات دین یہ ہے کہ مثلاً ختم نبوت کا انکار کرتا ہے

حشر نشر کا انکار کرتا ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا انکار کرتا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: اِعْلَمْ اَنَّ الْمُرَادَ بِاَهْلِ الْقِبْلَةِ الَّذِيْنَ اتَّفَقُوْا عَلٰى مَاهُوَ مِنْ ضَرُوْرِيَاتِ الدِّيْنِ. (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۹)

حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں: و کسانیکه منکر ضروریات دین باشند از اهل قبله نه خواهد بود پس تکفیر ایشاں خواهد شد. (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ ج ۳ ص ۱۴)

یعنی وہ لوگ جو ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں وہ اہل قبلہ نہیں ہو سکتے ہیں پس ان کی تکفیر کی جائے گی۔

اس کے بعد یہ بھی سن لیں کہ فقہا کرام نے غیب کا یہ مسئلہ بھی ضروریات دین اور اہم عقائد میں سے شمار کیا ہے کہ یہ خاصۂ خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں ماننا کفر ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فقہا کرام کی چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

فتاویٰ قاضی خان

رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الرجل للمرأة خدائے راو پیغمبررا گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانه اعتقدان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهو ماكان يعلم الغيب حين كان في الاحيأ فكيف بعد الموت؟ (قاضی خان ص ۸۸۳)

یعنی ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا اور بوقت نکاح عورت کو یوں کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کو گواہ بناتے ہیں فقہا کرام نے فرمایا کہ اس شخص کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرتؐ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد بھلا غیب کیسے جانتے ہیں؟

فتاویٰ تاتارخانیہ

تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَا يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ وَيَكْفُرُ لِاِعْتِقَادِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ. (تاتارخانیہ)

جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو گواہ قرار دے کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم غیب جانتے ہیں۔

جواہر اخلاطیہ کا فتوی

اِنْ زَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ یَکْفُرُ فَمَا ظَنُّکَ بِغَیْرِہٖ.

(جوھر اخلاطیه)

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی کریمؐ غیب جانتے ہیں تو وہ شخص کافر ہو جائے گا بھلا کسی دوسرے کے متعلق یہ عقیدہ رکھنے والا کیونکر مسلمان ہو سکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ!!

وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّۃُ تَصْرِیْحاً بِالتَّکْفِیْرِ بِاِعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَعْلَمُ الْغَیْبَ. (شرح فقهه اکبر ص ۱۸۵ ومسامره ج۲)

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ فقہاء احناف نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے وہ شخص کافر ہے۔

ملا قاری مزید لکھتے ہیں!!

وَقَدْ صَرَّحَ عُلَمَاءُ نَا الْحَنَفِیَّۃُ بِتَکْفِیْرِ مَنْ اِعْتَقَدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَعْلَمُ الْغَیْبَ.

(شرح شفاء)

قاضی ثناءُ اللہ حنفی!!

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ مفسر قرآن اور بڑے پایہ کے حنفی عالم ہیں وہ اپنی کتاب مالابد میں لکھتے ہیں۔

اگر کسے بدون شہود نکاح کردہ گفت خدا اور سول خدارا گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود۔ (مالابد ص۱۷۶)

یعنی اگر کسی شخص نے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور پھر کہا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو یا فرشتہ کو گواہ بنا دیا تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔

ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہدے خدا اور سول اس بات پر گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔
(ارشاد الطالبین ص۲۰)

ان عبارات کے علاوہ دیگر فقہاء کرام مفسرین عظام اور مفتیان کرام کی بہت عبارات موجود ہیں، میں نے بطور نمونہ چند پیش کر دی ہیں سب کا نقل کرنا دشوار ہے ان عبارات سے ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اسلام میں یہ مسئلہ کتنا مشکل ہے۔ اور کتنا خطرناک ہے اور آج کل کے اہل بدعت نے اس کو کتنا آسان اور کتنا معمولی سمجھ

رکھا ہے۔منبروں پر عوام الناس کے سامنے بیان کرتے کرتے لوگوں کے ایمانوں کو برباد کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے ہیں اور اگر کوئی دردمند سمجھانے کے لئے بات کرتا ہے تو فوراً کہتے ہیں یہ وہابی ہے، نجدی ہے، گستاخ رسولؐ اور دشمن اسلام ہے، میرے محترم! یہاں وہابی شابی کی بات نہیں ہے تم قرآن عظیم کی کئی آیتوں کے منکر بن رہے ہو بلکہ دین اسلام کے اصل نقشہ سے ہٹ رہے ہو اور اپنے آپ کو تسلی دے رہے ہو کہ ہم عاشق رسول ہیں؟۔شریعت مطہرہ پر قلم تنسیخ پھیرنے کے بعد کیسے عاشق ہو گئے کسی نے سچ کہا:

تَعْصِی الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ
هٰذَالَعَمْرِیْ فِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ

نبی کریم کی مخالفت کرتے ہوئے بھی محبت کا مظاہرہ ہورہا ہے۔واہ عمر کی قسم یہ ایک نرالا انداز ہے۔

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقاً لَاطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْعٌ

اگر تیری محبت واقعی سچی ہوتی تو آپ حضور اکرمؐ کی اطاعت کرتے کیونکہ عاشق اپنے معشوق کا تابعدار ہوتا ہے۔

یہ بھی سچ ہے

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

اے دیہاتی! مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ تک نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ تم جس راستے پر جارہے ہو یہ ترکستان کا راستہ ہے۔

یہ بھی سچ ہے

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار
ہر کہ گوید مابدانم تو ازو باور مدار
مصطفٰے ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتی جبرئیل
جبرئیلؑ ہم نگفتی تا نگفتی کردگار

تَبَارَکَ اللّٰهُ مَا وَحْیٌ بِمُکْتَسَبٍ
وَلَا نَبِیٌّ عَلٰی غَیْبٍ بِمُتَّهَمٖ

نکتہ!!

اگر کوئی کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے پہلے سب کچھ معلوم تھا تو وہ شخص آسمانی وحی

کا انکار کرتا ہے جس سے وہ کافر ہو جائے گا اور اگر وہ کہتا ہے کہ پہلے معلوم نہیں تھا اللہ نے وحی سے بتلا دیا تو وہ پھر علم غیب نہیں رہا سو چنے والا سوچ لے۔

مصنوعی مناظرہ

ایک بریلوی اور ایک دیو بندی کا ایک مصنوعی تصوراتی مناظرہ بھی پیش خدمت ہے جس سے مسئلہ علم غیب کی حقیقت پر روشنی بھی پڑتی ہے اور اس مسئلہ کو سمجھنے میں مدد بھی ملتی ہے یہ مناظرہ یوں سمجھیں کہ ایک کھلے ہال میں منعقد ہے اور دیو بندی عالم بریلوی عالم سے سوال کرتا ہے اور بریلوی عالم جواب دیتا ہے اور پھر لا جواب ہو جاتا ہے۔

دیوبندی: محترم بریلوی صاحب علم غیب کے مسئلہ میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

بریلوی: جناب میرا عقیدہ یہ ہے کہ ما کان وما یکون ذرہ ذرہ کا علم غیب حضور اکرم پُر نور مجسم کو حاصل ہے۔

دیوبندی: کیا یہ عقیدہ باقی انبیاء کرام کے متعلق بھی آپ رکھتے ہیں یا نبی کریمؐ کے ساتھ خاص ہے؟

بریلوی: ہمارا یہ عقیدہ حضور پُر نور تک محدود نہیں بلکہ ہم تمام انبیاء کرام کو بھی عالم الغیب سمجھتے ہیں یہ ہم سب کا عقیدہ ہے۔

دیوبندی: کیا انبیا کرام کے علاوہ بھی کسی ہستی کے لئے آپ حضرات علم الغیب کا یہ عقیدہ رکھتے ہیں؟

بریلوی: جی ہاں ہم اولیاء اللہ، بزرگان دین پیران پیر اور ہر پیر و فقیر کے لئے علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔

دیوبندی: یہ علم غیب ہے کیا چیز؟ اس کا مختصر سا تعارف بھی آپ کیجئے۔

بریلوی: جو چیز آپ کو نظر نہیں آتی ہے یا آپ کی آنکھوں سے غائب ہے اور اس کے متعلق آپ کو علم ہو جائے یہ علم غیب ہے۔

دیوبندی: آپ کچھ تفصیل سے نام لیکر بتلا دیجئے تاکہ علم غیب کا ہمیں بھی پتہ چل سکے۔

بریلوی: حضور اکرم نے قیامت تک آنے والے واقعات کا جو تذکرہ کیا ہے یا علم برزخ کی باتیں بتائیں حشر نشر اور جنت ودوزخ کی باتیں یہ سب علم غیب ہیں۔

دیوبندی: میرا دعویٰ ہے کہ آپ کے تمام ساتھی بھی علم غیب جانتے ہیں کیا آپ کو خود اس کا اقرار ہے؟

بریلوی: میں تو خود علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں آپ مجھے کیسے غیب دان کہتے ہیں؟

دیوبندی: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پل صراط موجود ہے، میزان اعمال محشر میں ہوگا لوگ میدان محشر میں

ننگے ہوں گے، قبر میں کافروں کے لئے اژدہے ہوں گے گناہگار مسلمانوں پر قبر میں عذاب مسلط ہوگا، قبر اس کے لئے جہنم کا گڑھا بنے گی اور مومن کے لئے جنت کا باغیچہ بنے گی، جنت کی طرف ایک کھڑکی کھلے گی پھر جنت میں مومن کے لئے فلاں فلاں نعمتیں ہوں گی اور کافر کے لئے دوزخ میں فلاں فلاں عذاب ہوگا۔ قیامت سے پہلے حضرت مہدیؑ آئیں گے پھر حضرت عیسیٰؑ آئیں گے دجال کا خروج ہوگا دابۃ الارض نکلے گا پھر یاجوج ماجوج آئیں گے، پھر آگ نکلے گی زلزلے آئیں گے؟

بریلوی: یہ چیزیں تو برحق ہیں اس کا تو ہم کو بھی علم ہے اور اس کے واقع ہونے پر ہمارا ایمان ہے۔

دیوبندی: یہ ساری چیزیں تو وہ ہیں جو نظر نہیں آتی ہیں آنکھوں سے بھی غائب ہیں پھر اس کے معلوم ہونے سے پہلے آپ کیوں عالم الغیب نہیں ہوئے؟

بریلوی: ہم اس لئے ان چیزوں کے جاننے سے عالم الغیب نہیں ہوئے کیونکہ یہ چیزیں معلّم الغیوب حضور پُرنور احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بتائیں۔ صحابہ نے تابعین کو، انہوں نے تبع تابعین کو اور پھر ہم تک پہنچ گئیں۔

دیوبندی: میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ ان باتوں کا علم حضور اکرمؐ کو کیسے ہوا؟

بریلوی: نورمجسمؐ کو جبرئیل امینؑ نے بتائیں اور جبرئیل امینؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں بتادیں۔

دیوبندی: جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو یہ چیزیں بتائیں تو حضور اکرمؐ عالم الغیب ہو گئے اور جب حضور اکرمؐ نے یہی باتیں اپنی امّت کو بتائیں تو امّت کیوں عالم الغیب نہیں بنی۔ آخر بتانے میں کیا فرق ہے؟ کہ ایک جگہ علم الغیب ہے دوسری جگہ نہیں۔

بریلوی: یار واقعی آپ نے مجھے عجیب انداز سے سمجھا دیا اب بات میری سمجھ میں آ گئی میں توبہ کرتا ہوں یا اللہ میری توبہ۔ اب تو وہ اشعار بھی میری سمجھ میں آ گئے جو آپ بار بار دہراتے رہے کہ

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار
ہر کہ گوید مابدانم تو ازو باور مدار
مصطفٰے ہر گز نہ گفتی تا نہ گفتی جبرئیلؑ
جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح عقیدہ کی توفیق کی عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

مسئلہ حاضر وناظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ وَلَامَثِيْلَ لَهٗ لَا نِدَّ لَهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نَظِيْرَ لَهٗ لَا عَوْنَ لَهٗ وَلَا مُعِيْنَ لَهٗ وَلَا مُشِيْرَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَحَبِيْبَنَاوَحَبِيْبَ رَبِّنَا مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَخَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ .

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (بقرہ ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو بہتر امت بنادیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِيْ يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اَصْحَابِيْ اَصْحَابِيْ فَيَقُوْلُ اِنَّهُمْ لَنْ يَّزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُذْفَارَقْتَهُمْ،فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًامَّادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَ فَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ. (مائدہ ۱۱۷)

محترم حضرات!!

اس سے پہلے میں نے نبی کریمؐ کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے کے متعلق آپ کے سامنے تفصیل سے عرض کیا تھا۔علم الغیب کے اسی مسئلہ سے ملتا جلتا دوسرا مسئلہ انبیاء کرام اور دیگر اولیاء کرام کے حاضر وناظر ہونے سے متعلق ہے۔ان دونوں مسئلوں کو میں نے اس لئے چھیڑا ہے کہ یہ نہایت خطرناک مسائل میں سے ہیں اور عوام الناس اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں ایک طرف عوام اس کو نبی کریمؐ سے عقیدت

ومحبت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اوران کے مزاج کے مطابق ان کے تابع بدعتی علماء دور از کار دلائل اور بے سند واقعات اور غلط اجتہادات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا مسلمان کے لئے ضروری اور مسلمان ہونے کی نشانی ہے۔ دوسری طرف قرآن عظیم اس عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کیساتھ مختص بتاتا ہے۔ احادیث مقدسہ اس عقیدۂ حاضر ناظر کو اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص بتاتی ہے۔ فقہاء کرام اور عقائد کی کتابیں حاضر و ناظر کے عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاضر و ناظر ماننے والے کو کافر اور مرتد قرار دیتی ہیں۔

اب یہاں دو باتیں ہیں یہ بے جا عقیدت و محبت اور بے جا عظمت کی وجہ سے عقیدہ حاضر و ناظر کو اپنا کر قرآن وحدیث واجماع امت کو نظر انداز کر کے کفریہ نظریہ کا ارتکاب کرنا ہوگا اور یا قرآن وحدیث اور اجماع امت کو اپنا کر معاشرہ کے اَن پڑھ طبقہ کے طعن و تشنیع کو برداشت کرنا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حق علماء کرام شریعت مقدسہ کا لحاظ کرتے ہوئے عوام کو صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں اگر اس غلط عقیدہ کی کوئی گنجائش اسلام میں ہوتی تو ان علماء کے لئے اس کے اپنانے میں دیر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ جو علماء ہر باطل کا مقابلہ کرتے ہیں جان کی بازی لگاتے ہیں جیل کی صعوبتوں کو حق کے لئے برداشت کرتے ہیں معاشرہ سے ٹکر لینے کے لئے مصائب جھیلتے ہیں ان کے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ زبان سے اعلان کرتے کہ حضور اکرمؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں ما کان وما یکون کا علم رکھتے ہیں اس سے عوام الناس بھی خوش ہو جاتے اور اہل بدعت کے مطاعن کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا لیکن اس سے قرآن عظیم و احادیث مقدسہ اور فقہاء پر ظلم ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ ناراض ہو جاتے، صرف اس مجبوری کی وجہ سے علماء حق حق پر قائم ہیں۔ اب آیئے اور دیکھئے کہ قرآن عظیم عقیدہ حاضر و ناظر کو کس طرح اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص کرتا ہے اور غیر اللہ سے کس طرح نفی کرتا ہے۔

ہر جگہ حاضر و ناظر صرف اللہ کی ذات ہے

(۱)　﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَاتُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔　　(سورہ نحل ۱۹)

(۲)　مَايَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّاهُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰالِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَاكَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ . (مجادلہ ۷)

یعنی نہیں ہوتا ہے مشورہ تین کا جہاں اللہ نہیں ہوتا ان میں چوتھا، اور نہ پانچ کا مشورہ ہوتا ہے ان میں کہ نہ ہو اللہ چھٹا اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ ہوتا ہے ان کے ساتھ جہاں کہیں یہ ہوں پھر قیامت کے دن ان کو بتلا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم حاصل ہے۔

تفسیر!!

یعنی صرف ان کے اعمال ہی پر کیا منحصر ہے، اللہ کے علم میں تو آسمان وزمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہے، کوئی مجلس، کوئی سرگوشی اور کوئی خفیہ مشورہ نہیں ہوتا جہاں اللہ اپنے علم محیط کیساتھ موجود نہ ہو، جہاں تین آدمی چھپ کر مشورہ کرتے (وہ یہ) نہ سمجھیں کہ کوئی چوتھا نہیں سن رہا اور پانچ کی کمیٹی میں خیال نہ کرے کہ کوئی چھٹا سننے والا نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تین ہوں یا پانچ یا اس سے کم یا زیادہ، کہیں ہوں، کسی حالت میں ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے علم محیط سے ان کیساتھ ہے کسی وقت ان سے جدا نہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۲۰)

(۳) ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾ (توبہ ایت ۷۸)

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بھید اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو۔

(۴) ﴿اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ﴾ (زخرف ۸۰)

کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے ہیں ان کا بھید اور ان کا مشورہ۔

(۵) ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ (انعام ۳)

اور وہی ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ جانتا ہے تمہارا کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

(۶) ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی﴾ (طٰہٰ ۷)

(۷) ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (ملک ۱۳)

(۸) ﴿اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴾ (بقرہ ۷۷)

(۹) ﴿لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴾ (نحل ۲۳)

(۱۰) ﴿اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴾ (ہود ۵)

(۱۱) ﴿عَالِمُ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰاتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذَالِکَ وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ﴾ (سبا ۳)

ان تمام آیات سے اور ان کی تفاسیر سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حاضر و ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہستی ایسی نہیں ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہو اور ہر کھلی چھپی پر مطلع ہو۔ میں ان آیات کے ترجمے اور تفاسیر پیش نہیں کر سکا کیونکہ علماء حضرات اور خطباً کرام خود ترجمہ وتفسیر سے واقف ہیں۔ اسی طرح ان تمام آیات کو بھی نقل نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے پر دال ہیں۔ کیونکہ یہ آیات بہت زیادہ ہیں۔ خاص کر سورت یونس بہت اہم ہے۔ قرآن کریم میں ایک آیت ہے جو بار بار آتی ہے سورہ حشر میں وہ اس طرح آئی ہے۔

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾

وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، جانتا ہے جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔

یہ آیت جو مختلف الفاظ سے قرآن عظیم میں بار بار آئی ہے یہ ہمیں بتاتی ہے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔

تبارک اللہ ماوحی بمکتسب
ولا نبی علی غیب بمتهم

اللہ تعالیٰ کی شان بڑی ہے وحی کوئی کسبی چیز نہیں ہے اور نہ کسی نبی پر غیب دانی کا بہتان لگایا جا سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں

قرآن عظیم کی چند ایسی آیات بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں واضح طور پر یہ تصریح موجود ہے کہ نبی کریمؐ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھے اور یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

(۱) کوہ طور کی مغربی جانب میں آپؐ نہ تھے

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَا اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ (قصص ۴۴)

یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں حضرت موسیٰؑ کو نبوت اور تورات ملی آپ وہاں نہ تھے اور نہ آپ دیکھنے والوں میں تھے پس ظاہر ہے جب آپ وہاں پر موجود نہ تھے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ کو

وہ اللہ بتا رہا ہے جس کے سامنے ہر غائب حاضر ہے اور جو اپنے علم کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

(۲) مدین میں آپ ؐ موجود نہ تھے

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾ (قصص ۴۵)

یعنی آپ مدین والوں کے ہاں مقیم نہیں تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی رسولوں کو بھیجتے ہیں تا کہ وہ دنیا والوں کو صحیح اور ٹھیک ٹھیک واقعات سنائے آپ کو بھی اسی قاعدہ کے تحت رسول بنایا تا کہ سابقہ اقوام کے عبرت آموز واقعات ان کے سامنے بیان کر کے ان کو خوب غفلت سے بیدار کریں، ظاہر ہے آپ تو وہاں پر موجود نہ تھے لیکن یہ انتظام ہم نے کیا کہ وحی کے ذریعہ سے وہ واقعات بتلا دیئے جس میں موجودہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اور آپ کی رسالت کے لئے کافی سامان ہے۔

(۳) کوہ طور پر مناجات کے وقت آپ ؐ نہ تھے

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (قصص ۴۶)

یعنی جب موسیٰؑ کو آواز دی ﴿إِنِّي أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ آپ وہاں پر کھڑے سن نہیں رہے تھے بلکہ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو رسول بنایا اور وحی کے ذریعہ آپ کو ان واقعات پر مطلع کیا تا کہ آپ ان واقعات سے موجودہ لوگوں کو تذکیر و تنذیر سنائے شاید وہ نصیحت قبول کریں۔

(۴) قرعہ اندازی کے وقت آپ ؐ نہ تھے

﴿ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾۔ (ال عمران ۴۴)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تجھ کو بھیجتے ہیں اور تو نہ تھا ان کے پاس جب (قرعہ کے لئے) ڈالنے لگے وہ اپنے قلم کہ مریم کو کون پرورش میں لے اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ (اس معاملہ میں) جھگڑتے تھے۔

تفسیر:

جب حضرت مریم نذر میں قبول کر لی گئیں تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے آخر میں قرعہ اندازی کی نوبت آئی، قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا۔

یعنی ظاہری حیثیت سے آپؐ کچھ پڑھے لکھے نہیں، پہلے سے اہل کتاب کی کوئی معتد بہ صحبت

نہیں رہی جن سے واقعات ماضیہ کی ایسی تحقیقی معلومات ہوسکیں اور صحبت رہتی بھی تو کیا تھا وہ لوگ خود ہی اوہام وخرافات کی اندھیریوں میں پڑے بھٹک رہے تھے، کسی نے عداوت میں اور کسی نے حد سے زیادہ محبت میں آ کر صحیح واقعات کو مسخ کر رکھا تھا۔ پھر اندھے کی آنکھوں سے روشنی حاصل ہونے کی کیا توقع ہوسکتی تھی۔ اندریں حالات، مدنی اور مکی دونوں قسم کی سورتوں میں ان واقعات کو ایسی صحت اور بسط وتفصیل سے سنانا جو بڑے بڑے مدعیان علم کتاب کی آنکھوں میں چکا چوند کردیں اور کسی کو مجال انکار باقی نہ رہے۔ یہ اس کی کھلی دلیل ہے کہ بذریعہ وحی آپ کو یہ علم دیا گیا تھا کیونکہ آپؐ نے نہ بچشم خود ان حالات کا معائنہ کیا اور نہ علم حاصل کرنے کا کوئی خارجی ذریعہ آپ کے پاس موجود تھا۔ (تفسیر عثمانی ۷۱)

برادران یوسفؑ کے پاس آپ نہیں تھے

﴿ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْکُرُوْنَ﴾ (یوسف ۱۰۲)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیرے پاس بھیجتے ہیں اور تو ان کے پاس موجود نہیں تھا جب وہ اپنا منصوبہ بنانے لگے اور فریب کرنے لگے۔

تفسیر:

یعنی برادران یوسفؑ جب ان کو باپ سے جدا کرنے اور کنوئیں میں ڈالنے کے مشورے اور تدبیریں کر رہے تھے آپ ان کے پاس نہیں کھڑے تھے کہ ان کی باتیں سنتے اور حالات کا معائنہ کرتے، پھر ایسے واقعات بجز وحی الٰہی کے آپ کو کس نے بتائے؟ آپ رسمی طور پر پڑھے لکھے نہیں تھے، کسی ظاہری معلم سے استفادہ کی نوبت نہیں آئی پھر یہ حقائق جن کی اس قدر تفصیل بائبل میں بھی نہیں، آپ کو خدا کے سوا کس نے معلوم کرائیں۔ (تفسیر عثمانی ۳۲۸)

طوفان نوحؑ کے واقعہ میں آپ نہیں تھے

سورت ہود میں اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کی دعوت اور آپ کی قوم کے انکار کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا اور پھر طوفان نوحؑ اور کشتی نوحؑ کا ذکر فرمایا باپ اور بیٹے کا مکالمہ نقل کیا اور پھر بیٹے کی غرقابی کا پورا منظر پیش فرمایا پھر نبی کریمؐ کو فرمایا کہ اس پورے واقعہ میں آپ نہیں تھے یہ بذریعہ وحی ہم نے آپ تک پہنچا دیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۵) ﴿تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ (هود ۴۹)

یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو بھیجتے ہیں اس سے پہلے نہ آپ کو اس کی خبر تھی اور نہ آپ کی قوم کو اس کی خبر تھی، آپ صبر کیجئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے بہتر انجام ہے۔

سابقہ اقوام کی ہلاکت کے وقت آپ ﷺ حاضر نہ تھے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں سابقہ اقوام کے قصے بیان فرمائے ہیں اور پھر ان کی تباہی اور ان کے شہروں کی بربادی کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب کچھ سابقہ واقعات، میں آپ کو بتا رہا ہوں آپ ان واقعات میں حاضر نہ تھے۔ ان واقعات سے یہی تعلیم مل گئی کہ حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے ورنہ ان واقعات میں آپ کے وجود اور حاضر ہونے کی نفی اللہ تعالیٰ نہ فرماتا بلکہ یہ بتاتا کہ آپ تو خود وہاں پر تھے اور آپ نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا کیونکہ آپ حاضر و ناظر تھے اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ یہ سابقہ واقعات اور شہروں کی تباہی آپ کو میں بذریعہ وحی بتا رہا ہوں لہٰذا آپ میرے پیغمبر ہیں اپنی طرف سے نہیں بلکہ میری طرف سے بتا رہے ہو چنانچہ ارشاد ہے:

(۶) ﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْکَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِیْدٌ﴾ (هود ۱۰۰)

(۷) ﴿وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ وَجَآءَکَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (هود ۱۲۰)

(۸) ﴿کَذٰلِکَ نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَیْنٰکَ مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا﴾ (طٰه ۹۹)

(۹) ﴿تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ (اعراف ۱۰۱)

سابقہ انبیاء کرام بھی حاضر و ناظر نہ تھے

اہل بدعت حضرات کے ہاں تو اولیاء اللہ بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ ہر مشہور غیر مشہور اولیاء اللہ کو اپنے غائبانہ حاجات میں پکارتے ہیں، ان کی کتابوں میں خواہ وہ نظم کی کتابیں ہوں یا نثر کی ہوں غیر اللہ کو پکارنے کے بہت سارے شواہد موجود ہیں۔ اس لئے یہ بات واضح اور بے غبار ہے کہ اہل بدعت کے ہاں انبیاء کرام کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب کا مقام ہر حالت میں حاصل ہے تو آیئے ایک طرف

اہل بدعت اور اہل شرک کا عقیدہ ملحوظ خاطر رکھیں اور دوسری طرف قرآنی آیات اور واقعات کو دیکھیں کہ جس میں صریح طور پر انبیاء کرام کے حاضروناظر اور عالم الغیب ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

قرآن عظیم میں کئی بار یہ قصہ دہرایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس چند فرشتے بشمول جبرئیل امینؑ انسانی صورت میں آئے تھے آپؑ نے ان کو مہمان اور انسان سمجھ کر میزبانی کی خاطر ان کے لئے بچھڑا ذبح کیا اور بھون کر ان کے سامنے رکھا، سلام کلام اور کھانا سامنے رکھنے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ نے ان کو انسان ہی سمجھا اور اب تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ فرشتے ہیں اگر حضرت ابراہیمؑ عالم الغیب اور حاضروناظر ہوتے تو جب سے یہ فرشتے آسمان سے روانہ ہوئے تھے اسی وقت سے حضرت ابراہیمؑ بھی ساتھ ساتھ ہوتے اور کبھی بھی ان سے خوف زدہ نہ ہوتے اور نہ ان کے لئے بچھڑا ذبح کرکے ان کے سامنے رکھتے، اسی طرح یہ کہنا بھی بیکار ہوجاتا ہے کہ ابراہیمؑ نے بابل سے ہجرت کی مصر چلے گئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے اُردن فلسطین پہنچ گئے پھر وہاں اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کیساتھ مکہ تشریف لائے اور پھر سال میں وقتاً فوقتاً کبھی شام آتے کبھی مکہ چلے جاتے اگر آپ حاضر ناظر ہی تھے تو ایک جگہ میں ہونا اور دوسری میں نہ ہونا کیسا ممکن تھا؟ معلوم ہوا حاضر ناظر کا عقیدہ اسلام سے میل نہیں کھاتا بلکہ اسلام کے بہت سارے احکامات اور بہت ساری نصوص کا مخالف عقیدہ ہے۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرت لوطؑ کے متعلق ایک قصہ بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے فرشتے آئے اور حضرت ابراہیمؑ کے ہاں خوشخبری سنا کر سیدھے حضرت لوطؑ کے پاس چلے گئے اور نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ہوکر نمودار ہوئے۔ حضرت لوطؑ کی قوم مرض لواطت میں مبتلا تھی وہ لوگ دوڑ کر آئے اور مہمانوں سے بدفعلی کا مطالبہ کیا حضرت لوطؑ بہت پریشان ہوگئے اور عاجزی سے قوم کو سمجھایا قوم نہیں سمجھی اور گھر میں گھس کر مہمانوں پر ہاتھ ڈالنا چاہا تب فرشتوں نے بتایا کہ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں اگر حضرت لوطؑ حاضروناظر ہوتے تو آسمان سے اترتے وقت ان کو معلوم ہوجاتا کہ فرشتے آرہے ہیں نیز پھر حضرت ابراہیمؑ کے ہاں معلوم ہوجاتا کہ فرشتے ہیں پھر ان کے گھر میں اتنی دیر تک بیٹھنے سے معلوم ہوجاتا کہ یہ فرشتے ہیں، معلوم ہوا کہ بریلویوں کے عقائد قرآن کے سراسر منافی ہیں اور حاضروناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ

قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کا قصہ اور حضرت یعقوبؑ کا قصہ ایک لمبی سورت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ کئی سالوں پر مشتمل واقعہ ہے کئی سال تک ایک نبی کا فرزند گم ہے وقت کے نبی اتنے روئے کہ آنکھوں کی نگاہیں ضائع ہو چکی ہیں۔ صبح و شام رونا اور افسوس کرنا یہ کوئی مصنوعی قصہ تو نہیں تھا نہ کوئی مصنوعی کھیل تھا۔ بلکہ مستدرک حاکم کی حدیث کی مطابق ۴۰ سال تک الم و غم اور فراق وجدائی سے پریشانی میں رہے۔ اگر آپؑ حاضر و ناظر تھے تو قریب کنعان کے کنوئیں میں حضرت یوسفؑ کو کیوں نہ دیکھا؟ پھر عزیز مصر کے گھر اور زلیخا کے تمام واقعات و تفصیلات کے وقت کیوں نہ دیکھا۔ پھر جب وزیر بنے اس وقت کیوں نہ دیکھا پھر جب مصر کا بادشاہ بنے تو اس وقت حضرت یعقوبؑ ان کے پاس کیوں نہ تھے؟ اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو ان تمام مراحل میں ساتھ کیوں نہ تھے اور معلوم کیوں نہ تھا پھر جب وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تب معلوم ہوا۔ ان واقعات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بریلویوں کا عقیدہ باطل ہے جو قرآن عظیم کے سراسر منافی ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی عجیب ہے جس کی تفصیل قرآن عظیم کی سورت کہف میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ حصول علم کی غرض سے بحکم خداوندی مجمع بحرین میں ایک بندۂ خدا حضرت خضر کی طرف روانہ ہو گئے بطور علامت ایک تلی ہوئی مچھلی بھی ساتھ لے لی کہ یہ مچھلی جہاں زندہ ہو جائے وہیں پر وہ بندۂ خدا ملے گا۔ حضرت موسیٰؑ اپنے خادم کیساتھ اس طویل سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں راستے میں ایک جگہ آرام کرتے ہیں وہ مچھلی وہیں پر زندہ ہو کر سمندر میں چھلانگ لگا کر چلی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھی کیساتھ پھر آگے چل پڑتے ہیں۔ پھر اپنے ساتھی سے پوچھتے ہیں کہ مچھلی لاؤ ناشتہ کرتے ہیں۔ ساتھی کو یاد آ جاتا ہے اور واقعہ سنا دیتا ہے کہ مچھلی تو وہاں اچھل کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں اسی جگہ پر تو ہمیں جانا تھا پھر واپس نشانات قدم دیکھ دیکھ کر اسی جگہ پر آ گئے جہاں سے چلے تھے وہاں پر حضرت خضر سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:

يَا مُوسىٰ اِنِّىْ عَلىٰ عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ، وَاَنْتَ عَلىٰ عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ. (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۸)

یعنی اے موسیٰ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک علم عطا کیا ہے جس کو تو نہیں جانتا اور تجھ کو ایک علم عطا کیا ہے جس کو میں نہیں جانتا۔ پھر ایک چڑیا آئی اور دریا سے ایک قطرہ پانی چونچ میں لیا۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا اے موسیٰؑ میرا تیرا اور مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح سمندر کا پانی اور چڑیا کی چونچ کا ایک قطرہ پانی۔

اس کے بعد دونوں کا سفر شروع ہو گیا حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ اکھیڑ دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا پھر حضرت خضرؑ نے ایک خوبصورت لڑکے کو قتل کر دیا اس پر بھی حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا پھر حضرت خضرؑ نے ایک کنجوس قوم کی دیوار کو سیدھا کر دیا اس پر بھی حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا اور پھر دونوں کی جدائی ہو گئی۔

اب اگر حضرت موسیٰؑ حاضر و ناظر تھے عالم الغیب تھے تو جگہ معلوم کرنے کے لئے مچھلی لے جانے کی کیا ضرورت تھی پھر اس جگہ سے آگے کیوں نکلے جہاں وہ بندہ خدا موجود تھا پھر مچھلی کے چھلانگ لگانے اور چلے جانے کا حضرت موسیٰ کو کیوں علم نہ ہوا؟ پھر اس بندۂ خدا نے مخلوق کے علم اور خالق کے علم کی جو نسبت بیان کی اس کی کیا ضرورت تھی دونوں حاضر ناظر اور عالم بما کان وما یکون تھے؟ پھر کشتی توڑنے پر اور لڑکے کے قتل اور دیوار درست کرنے پر پے در پے حضرت موسیٰؑ نے اعتراضات کیوں کیے؟ اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو ساری چیزیں ان کے سامنے اور آپ کے علم میں ہونی چاہیے تھیں لیکن ایسا نہیں تھا معلوم ہوا صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا اور بریلویوں کا جو عقیدہ حاضر و ناظر یا عالم الغیب کا ہے یہ قرآن کے مخالف گمراہانہ عقیدہ ہے جو اس امت میں بریلویوں اور رافضیوں کے علاوہ کسی کا نہیں ہے یہ لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور غلط وادیوں میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بترکستان است

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ

حضرت سلیمانؑ کا یہ قصہ بھی قرآن عظیم میں متعدد جگہوں پر مذکور ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت ایک شاندار حکومت تھی جو ہواؤں پر تھی پرندوں چرندوں، درندوں پر اور جنات و انسانوں پر بیک وقت آپ کی حکومت تھی، ایک دفعہ ہُد ہُد ضرورت کے موقع پر غائب تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کو تلاش کیا مگر وہ نہیں ملا آپ نے قسم کھائی کہ اگر ہُد ہُد نے معقول عذر پیش نہیں کیا تو میں اس کو ذبح کر کے سزا دوں گا اتنے میں ہُد ہُد آ گیا اور کہا کہ میں ملک سبا سے آ رہا ہوں اور میرے پاس وہ خبر ہے جو

آپ کو بھی معلوم نہیں اور وہ یہ ہے کہ وہاں ایک عورت ہے اس کی حکومت ہے تخت ہے شان وشوکت ہے لیکن یہ لوگ مشرک ہیں۔ سورج کو پوجتے ہیں اور عورت سربراہ مملکت ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ معلوم نہیں تو سچا ہے یا جھوٹ بولتا ہے اس لئے حقیقت معلوم کرنے کے لئے تم یہ خط لے کر جاؤ اور اس عورت تک پہنچاؤ۔ ہُد ہُد وہ خط لے گیا اور بالآخر وہ عورت مسلمان ہو کر حضرت سلیمانؑ کے تابع ہوگئی۔

اس قصہ سے ہر ذی عقل مسلمان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت سلیمانؑ حاضر وناظر اور عالم الغیب ہوتے تو ملکہ بلقیس اور اس کی حکومت کا آپ کو پہلے سے معلوم ہوتا اور ہُد ہُد کے اس کہنے پر کہ میرے پاس ایسی خبر ہے جو آپ کے پاس نہیں جواب دیتے کہ بے ادب گستاخ میں تو وہیں پر حاضر وناظر تھا تم کیا بکواس کرتے ہو۔ معلوم ہوا کہ حاضر وناظر کا عقیدہ جن لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ وہ لوگ صرف پیٹ کی غرض سے ناجائز کی یہ دوکان چمکا کر چلا رہے ہیں۔ ورنہ ان کے عقیدے کا تعلق نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے ہے نہ اجماع امت سے ہے

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تومی روی بتر کستان است

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ

حضرت داؤدؑ کا ایک قصہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے کہ ان کی عبادت کے خاص اوقات میں دو جھگڑنے والے تمام حفاظتی انتظامات کو توڑ کر اندر گھس آئے اور فتویٰ پوچھ کر چلے گئے۔ حضرت داؤدؑ کو ابتداً میں پتہ ہی نہ چلا کہ قصہ کیا ہے ماجرا کیا ہے۔ یہ لوگ کون ہیں اور کس مقصد کے لئے کس طرح اندر آئے ہیں بعد میں پتہ چلا کہ یہ تذکیر کے لئے فرشتے آئے تھے اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو ان فرشتوں کو ابتدا ہی سے پہچان لیتے اور آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کہاں سے کیسے اور کیوں آئے ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے کیونکہ حاضر ناظر تو وہی ہوتا ہے جو ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ بخاری ومسلم میں ایک حدیث ہے جس کا مفہوم وخلاصہ اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل میں دو عورتیں تھیں ایک عمر رسیدہ اور دوسری نوعمر تھی دونوں کے پاس لڑکے تھے اچانک بھیڑیا آیا اور عمر رسیدہ کا بچہ اٹھا کر لے گیا۔ اس نے نوعمر عورت سے کہا کہ جو بچہ رہ گیا ہے یہ میرا ہے اور بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے۔ چھوٹی نے کہا نہیں بلکہ یہ میرا بچہ ہے اور بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے آخر جھگڑا حضرت داؤدؑ کی خدمت میں پیش ہوا۔

عمر رسیدہ عورت چونکہ تجربہ کار تھی اس نے بیان اس انداز سے کیا کہ حضرت داؤدؑ کو خیال ہوا کہ بچہ اسی کا ہے آپ نے اسی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ ادھر حضرت سلیمانؑ کو اندازہ ہوا کہ حقیقت میں یہ بچہ اس چھوٹی کا ہے تو آپ نے دونوں کو بلا کر فرمایا کہ چھری لاؤ میں اس بچہ کو ٹکڑے کر کے تقسیم کرتا ہوں۔ بڑی عورت نے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن چھوٹی کا چونکہ جگر گوشہ تھا اس لئے اس نے کہا کہ نہیں آپ اس کے ٹکڑے نہ کریں یہ اسی بڑی عورت کا ہے اس پر حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ یہ بچہ اس چھوٹی عورت کا ہے اور بڑی عورت جھوٹی ہے اور حقیقت بھی اسی طرح تھی۔

اب اس قصے سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت داؤدؑ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ فرماتے کہ مجھے معلوم ہے کہ بھیڑیا کس کا بچہ لے گیا ہے کیونکہ میں وہاں حاضر و ناظر تھا۔ جب بھیڑیا بچہ کو اٹھا رہا تھا اور پھر کھا رہا تھا معلوم ہوا کہ بریلویوں کا یہ عقیدہ انبیاء کرام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اور شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ظالم ذرا بھی نہیں سوچتے کہ ان کے منہ سے کس طرح غلط اور کتنی خطرناک بات نکلتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس غلط عقیدے کو ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور دلائل بھی پیش کرتے ہیں اور اس غلط اور خطرناک عقیدے کے نہ ماننے والوں پر کفر کے فتوے بھی لگاتے ہیں۔ یا سبحان اللہ راہ راست سے کتنے بھٹک چکے ہیں۔ سچ ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تومی روی بترکستان است

یہ بھی سچ ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جا ہا سپر باید انداختن

ترجمہ: ہر جگہ گھوڑے دوڑانا مناسب نہیں ہوتا بہت سارے مقامات میں ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔

یہ بھی سچ ہے۔

ہزار نکتۂ باریک ترزموایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ترجمہ: یہاں بال سے زیادہ باریک ہزاروں نکتے ہیں ہر سر منڈانے والا قلندر نہیں ہوتا۔

یہ بھی سچ ہے۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ ئیے دلبرا خطاایں جاست

ترجمہ: جب عارفین کا کلام سنو تو یہ نہ کہو کہ غلط ہے میرے دوست = غلطی یہاں پر ہے کہ آپ بات سمجھتے نہیں۔

عقیدہ حاضر وناظر احادیث کی روشنی میں

(۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ . (نسائی)

''حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں کچھ گھوم پھرنے والے ایسے فرشتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچائیں۔

مطلب

اس حدیث کی تشریح اور ضاحت اور مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا ایک گروہ دنیا میں اس پر مقرر ہے کہ جہاں جہاں کوئی امتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے یہ فرشتے اس درود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں اب جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو پھر ان فرشتوں کے مقرر کرنے اور گھومنے پھرنے اور سلام پہنچانے کی ضرورت ہی آخر کیا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں پر حاضر وناظر ہیں جہاں درود پڑھا گیا ہے تو پھر پہنچانے اور لے جانے کا کیا مطلب ہوا؟ معلوم ہوا حاضر وناظر کا یہ عقیدہ ہی احادیث نبویہ اور تعلیمات مصطفویہ کے منافی ہے۔

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ . (بیہقی)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں خود اس کو سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔"

مطلب

اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو شخص دنیا کے کسی دور دراز علاقہ سے حضور اکرمؐ پر درود شریف پڑھتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک وہ درود پہنچایا جاتا ہے اور پہنچانے کے لئے وہی فرشتوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ جو صرف اسی کام پر مامور ہیں جیسا کہ اس سے پہلے والی حدیث میں تصریح موجود ہے؟

اب ہر صاحب علم وعقل اور صاحب انصاف شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اگر نبی کریمؐ حاضر وناظر ہوتے تو درود پہنچانے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اس فرق کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ اگر درود قریب سے ہو تو میں خود سن سکتا ہوں اور دور سے ہو تو مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ جب حاضر وناظر ہوئے تو دور اور قریب کا یہ فرق کیسے ہو سکتا ہے؟

خدارا اے اہل بدعت! اپنے اوپر ترس کھاؤ رحم کرو، دنیا کی چالاکیاں یہاں رہ جائیں گی آخرت کا معاملہ انتہائی خطرناک ہے۔ کسی کو وہابی کہنے سے یا گالی دینے سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، کامیابی صرف شریعت کو اپنانے سے حاصل ہو سکتی ہے طعن وتشنیع سے نہیں۔ خود شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھر دوسروں پر الزامات اور طعن بھی کرتے ہیں اور اس مثال کا مصداق بنتے ہیں

چہ دلاوراست دزد کہ بکف چراغ دارد

اہل بدعت بریلوں کے سب سے بڑے عالم مولانا احمد رضا خان صاحب حدائق بخشش میں لکھتے ہیں۔ شرک کی ایک جھلک ملاحظہ ہو

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا
دل تھا ساجد نجد یا پھر تجھ کو کیا
بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
یا عبادی کہہ کر ہم کو شاہ نے
بندہ اپنا کرلیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
نہ تو ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا
نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین ہے پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض
ہم ہیں عبدالمصطفٰے پھر تجھ کو کیا
تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
خلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا

ان اشعار کا شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نے ترکی بترکی جواب دیا ہے ملاحظہ ہو ؎

تو اگر مشرک ہوا پھر ہم کو کیا
پیٹ کا بندہ بنا پھر ہم کو کیا
تو نے کی تحریف قرآن و حدیث
راندۂ درگاہ ہوا پھر ہم کو کیا
خالقِ کون و مکان کو چھوڑ کر
غیر کے در پر جھکا پھر ہم کو کیا
شرک و بدعت کو کیا تو نے پسند
توحید وسنّت سے پھرا پھر ہم کو کیا
آیۂ ایــــاک نستــــعیــــن کو
کردیا تو نے بُھلا پھر ہم کو کیا
ہم تو ہیں اللہ کے بندے سبھی
تو ہے عبدالمصطفٰی پھر ہم کو کیا (صفدر)

آخری شعر کا جواب بندۂ ناچیز نے دیا ؎

ہم سے کچھ چھینا نہیں یہ سچ کہا
آتشِ دوزخ لیا پھر ہم کو کیا

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کا شرف حاصل ہوگیا اور واپس آ کر آپ نے کفار سے اس کا تذکرہ فرمایا تو قریش مکہ نے ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے پھر انہوں نے بطور امتحان سوال کیا کہ بتاؤ مسجد اقصٰی کی کھڑکیاں کتنی ہیں دروازے کتنے ہیں اور فلاں فلاں چیز کہاں واقع ہے۔ اس دوراز کار سوالات سے حضور اکرمؐ اتنے پریشان ہوئے کہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ قَطُّ (مسلم)

یعنی میں اتنا پریشان ہوا کہ کبھی اس طرح پریشان نہیں ہوا تھا۔

پھر اللہ تعالٰی نے بیت المقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کر دیا اور آپ نے

قریش کو جواب دیا۔ اگر آپ حاضر وناظر تھے تو اتنے پریشان ہونے کی ضرورت کیا تھی۔ معلوم ہوا بدعتیوں کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے میل نہیں کھاتا۔

(۴)　بخاری ومسلم میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ جب حضور اکرمؐ نے حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح کیا تو آپ نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور صحابہ کو کھانے پر بلایا کچھ صحابہ کھانے کے بعد گھر میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے جس سے حضور اکرمؐ تنگ ہو گئے آپ نے یہ تدبیر کی کہ خود گھر سے باہر تشریف لے گئے کہ یہ لوگ بھی چلے جائیں گے۔ کچھ دیر باہر رہ کر آپؐ نے خیال کیا کہ اب یہ لوگ جا چکے ہوں گے جب آپؐ واپس گھر تشریف لائے تو وہ لوگ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے الفاظ ملاحظہ ہو:

ثُمَّ ظَنَّ اِنَّهُمْ خَرَجُوْا فَرَجَعَ فَاِذَاهُمْ جُلُوْسٌ . (مسلم)

آپ پھر باہر چلے گئے، کافی دیر کے بعد حضرت انسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ اب وہ چلے گئے ہیں۔ پھر آپؐ واپس تشریف لائے اور پھر اس واقعہ پر اصلاح کے لئے قرآن کی چند آیتیں اتریں، اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہوتے تو یہ باہر جانا اور ان کے چلے جانے کا خیال کر کے واپس آنا اور پھر جانا اس کے بعد حضرت انسؓ کی اطلاع کرنا اور آپ کا واپس آنا یہ سب کچھ باطل ٹھہر جائے گا کیونکہ حاضر وناظر کا جانا آنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر انسؓ کی اطلاع کوئی معنی نہیں رکھتی۔ معلوم ہوا حدیث صحیح ہے۔ بریلویوں کا عقیدہ غلط ہے۔

(۵)　ایک دفعہ ۴ھ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے حالات معلوم کرنے کے لئے ایک دستہ بطور جاسوس مدینہ سے مکّہ کی طرف حضرت عاصمؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمادیا راستے میں یہ دس حضرات کفار کے نرغے میں آگئے آٹھ صحابہ کو وہیں پر شہید کر دیا گیا اور دو کو گرفتار کر کے مکّہ پہنچادیا۔ سالار قافلہ حضرت عاصمؓ نے بوقت شہادت یہ دعا کی **اللّٰھم اخبر عنا نبیک** اے اللہ! ہمارے حالات سے اپنے پیارے نبی کو مطلع فرمادے۔

چنانچہ جبرئیل امینؑ نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری اطلاع دے دی اب اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر تھے تو ان صحابہ کو جاسوسی کے لئے کیوں روانہ فرماتے کہ کفار کی قید میں آئے نیز حضرت عاصمؓ کی اس دعا کی کیا ضرورت تھی کہ اے اللہ ہمارے حالات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادے؟۔

معلوم ہوا بریلویوں اور رافضیوں کا یہ عقیدہ انتہائی خطرناک اور باعث شرک وگمراہی ہے ہر

مسلمان کو اپنا ایمان بچانا چاہیئے۔

(۶) ایک دفعہ مدینہ منورہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ دشمن نے حملہ کر دیا تمام صحابہ پریشان ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت طلحہؓ سے گھوڑا بطور عاریت لے لیا اور اس پر جلدی جلدی بغیر زین سوار ہوئے اور مدینہ کے اطراف کا چکر لگایا رات کا وقت تھا کافی دیر کے بعد آپؐ تشریف لائے اور صحابہ سے فرمایا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہر مسلمان کو سوچنا چاہیئے کہ اگر حضور اکرمؐ حاضر ناظر ہوتے تو اس چکر لگانے اور گھوڑے کو عاریۃً لینے اور بغیر زین کے اس پر سوار ہونے کی کیا ضرورت تھی بس آپ یہ فرماتے کہ میں ہر جگہ حاضر ناظر ہوں، مجھے سب معلوم ہے ادھر جانے کی ضرورت نہیں کوئی دشمن نہیں۔

(۷) جنگ احزاب کے موقع پر آپؐ نے کفار کے احوال معلوم کرنے اور لشکر کفار کی اطلاع لانے کے لئے تین دفعہ اعلان فرمایا کہ کوئی تیار ہو جائے اور خبر لائے لیکن شدت سردی اور رات کی تاریکی اور خوف اعداء کی وجہ سے کوئی تیار نہیں ہوا۔ آخر میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اے حذیفہ اٹھو اور دشمن کی خبر لاؤ۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرمؐ نے میرا نام لیا تو میں اٹھا اور جا کر تحقیق احوال کر کے اطلاع نبی کریمؐ کو کر دی۔ حضور اکرمؐ خوش ہو گئے۔

اس واقعہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور اکرمؐ حاضر ناظر نہ تھے ورنہ آدمی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز حضور اکرمؐ کے بار بار اعلان فرمانے اور اس بشارت کی کیا ضرورت تھی کہ جو کوئی یہ کام کریگا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا؟ پھر صحابہ کرام کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر نہ تھے ورنہ صحابہ فرماتے کہ حضرت! آپ تو خود حاضر ناظر ہیں کسی آدمی کے بھیجنے کا اس طرح اصرار کی کیا ضرورت ہے۔ معلوم ہوا حاضر ناظر سے متعلق بریلوں کا عقیدہ امت کے عقائد کیخلاف ہے۔

(۸) ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا ادھر فوج کو روانہ کرنے کا اعلان ہو چکا تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے۔ فوج بھی رک گئی، نماز کا وقت ہو چکا تھا اور پانی کا انتظام نہیں تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ پر غصہ کیا اور لاٹھی سے مارنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ تمہاری وجہ سے سب مسلمان پریشان ہو گئے ہیں ہار ڈھونڈنے والے تلاش میں لگے تھے۔ آخر اونٹ کے نیچے سے ہار برآمد ہوا۔ نماز کے لئے آسمان سے تیمم کا حکم نازل ہوا اور فوج روانہ ہو گئی۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر نبی کریم حاضر ناظر ہوتے تو آپؐ کے سامنے ہار ہوتا اور مسلمانوں کو اتنی پریشانی اٹھانی نہ پڑتی۔ معلوم ہوا بریلویوں کا عقیدۂ حاضر ناظر بہت ہی غلط عقیدہ ہے۔ یہ عقیدت و محبت نہیں بلکہ انکار شریعت ہے جو کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔

عقلی دلائل

ایک عام آدمی بھی اگر حاضر ناظر کے اس واضح مسئلہ کو عقل کی روشنی میں سوچ لیتا ہے تو آسانی سے اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مقرب انسان حاضر ناظر نہیں ہوسکتا ہے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کو اگر ایک شخص دیکھتا ہے تو حاضر ناظر کا یہ عقیدہ باطل ٹھہرتا ہے مثلاً یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے طائف کے سفر پر چند دن کے لئے چلے گئے اگر حاضر ناظر کا عقیدہ صحیح ہے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ مکہ سے طائف چلے گئے جب ہر جگہ حاضر ناظر تھے تو چلے جانے کا کیا مطلب ہوا اور پھر وہاں سے واپس ہو کر مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ آنے کا کیا مطلب ہوا؟ اسی طرح واقعۂ معراج میں یہ کہنا باطل ہو جاتا ہے کہ حضور اکرمؐ مکّہ سے بیت المقدس چلے گئے پھر اسی رات کو واپس مکّہ آ گئے۔ اگر حاضر ناظر کا عقیدہ صحیح مان لیا جائے تو ان تمام چیزوں کا انکار لازم آئے گا یا بے مقصد ٹھہرے گا کیونکہ جب پہلے سے آپ ایک جگہ میں حاضر ناظر تھے تو آنے جانے کا کیا مطلب ہوا۔ اسی طرح ایام حج میں دعوت کے سلسلہ میں آپ کا کبھی منیٰ کی طرف جانا کبھی عرفات کے پاس نو وارد حضرات سے ملاقات کرنا کبھی غارِ حرا جانا کبھی مقام حجون میں جانا سب باطل ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ ان واقعات کا تذکرہ احادیث میں ہے معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ خود باطل عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کا رکھنے والا پوری شریعت کا منکر ٹھہرتا ہے سب سے بڑی اور خطرناک بات یہاں یہ ہے کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا عقیدہ قطعی عقیدہ ہے اور ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرمؐ پہلے تیرہ سال تک مکّہ میں رہے پھر مدینہ چلے گئے اور دس سال مدینہ میں رہے جب مکہ میں تھے تو مدینہ میں نہیں تھے جب مدینہ میں تھے تو مکّہ میں نہیں تھے اگر آپ حاضر ناظر ہر جگہ موجود تھے تو پھر ہجرت کا پورا نقشہ باطل ٹھہرتا ہے جس سے قرآن و حدیث کا انکار لازم آتا ہے اسی طرح آپ کا حج وعمرہ کا سفر باطل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ جب آپ پہلے سے مقامات حج میں موجود تھے تو پھر مدینہ سے حج کے لئے سفر کا کیا مطلب ہوا۔ اسی طرح جہاد کے اسفار کا نقشہ باطل ٹھہرتا ہے اور یہ کہنا کہ آپ بدر چلے گئے، احد چلے گئے۔ خیبر چلے گئے، تبوک چلے گئے، بنی مصطلق میں جہاد کیا، جنگ حنین وطائف کے لئے چلے گئے آج وہاں تھے کل وہاں تھے، مسجد چلے گئے، مدینہ کی گلیوں میں نکلے پھر گھر چلے گئے، سب کچھ باطل ٹھہرتا ہے۔ معلوم ہوا یہ عقیدہ نہایت خطرناک ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے کیونکہ حاضر ناظر کہیں جاتا نہیں ہے بریلویوں کا درود کے لئے قیام کر کے کہنا بھی غلط ہے کہ حضورؐ آ گئے کیونکہ جو حاضر و ناظر ہوتا ہے وہ کہیں آتا جاتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پیٹ کے

ان بندوں کو عقل و دانش عطا کرے کہ شریعت کا انکار نہ کریں۔

عقلی طور پر یہ کتنی گستاخی ہے کہ ایک شخص مثلاً چار یا پانچ سال کے بچّے کے سامنے ایک فعل جو قابل ستر و پردہ پوشی ہو، نہیں کر سکتا ہے اور وہی فعل وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر رہا ہے شرم کی بات ہے ڈوب مرنے کا مقام ہے لیٹرین میں بیٹھنا پاخانہ کی بدبو اڑا رہا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ یہیں پر ان کے مقدس بزرگ بھی موجود ہیں گالیوں پر گالیاں دے رہا ہے، فلم دیکھ رہا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ ان کے مقدس پیغمبر بھی یہیں پر ہیں جب یہ بات ان بے ادبوں سے کی جاتی ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ بھی حاضر و ناظر ہے اس کے سامنے بھی سب کچھ ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی مخلوق پر قیاس کرنا غلط ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے متاثر نہیں ہوتا ہے وہ ان چیزوں سے منزہ ہے ان پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا ہے اور مخلوق ایک دوسرے سے اثر لیتے ہیں۔

حاضر ناظر کا عقیدہ فقہاء کرام کی نظر میں

فقہاء کرام اس امت کے حکیم اور طبیب ہیں انہوں نے شریعت مطہرہ کے سمجھانے کی غیر جانبدارانہ، انصاف پر مبنی اور افراط تفریط سے پاک وہ محنت فرمائی ہے جو امت محمدیہ پر بہت بڑا احسان ہے کسی نص یعنی آیت و حدیث پر عمل کرنے کے لئے اگر فقہاء کرام رہنمائی نہ فرماتے تو یہ امت ایسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتی کہ ہر گلی کوچے میں شریعت پر الگ الگ سمجھنے والے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرتے جو باعث تشویش ہوتا لیکن الحمد اللہ فقہاء کرام نے ہر حکم کو اس کے تقاضے کے مطابق رکھ کر امت کی رہنمائی کی ورنہ یہ کون سمجھ سکتا تھا کہ فلاں امر فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ فلاں امر واجب یا سنت و مستحب کے درجہ میں ہے مثلاً **واذا حللتم فاصطادوا** امر ہے اور **اقیموا الصلوۃ** بھی ایک امر ہے۔ ایک فرض ہے کہ نماز پڑھو اور دوسرا مستحب بھی نہیں بلکہ مباح ہے کہ حج سے فارغ ہونے پر شکار کرو، اب یہ فرق سوائے فقہاء کرام کے اور کون بتا سکتا ہے۔ پھر اللہ کا کرم ہے کہ ان فقہاء کو کسی تعصب۔ گروہ بندی نے اپنی لپیٹ میں نہیں لیا بلکہ نہایت دیانت امانت علمیت اور انصاف سے انہوں نے تشریح کر دی جو آج تک امت کے لئے مشعل راہ ہے۔ فقہاء کرام نے جہاں دوسرے احکامات کو بیان کیا ہے وہاں انہوں نے عقائد کے مسائل کو بھی چھیڑا ہے اور وہ مسائل بھی اٹھائے ہیں جن سے احتراز ضروری ہے گویا قرآن متن ہے اور احادیث اس کی تفسیر و تشریح ہے اور فقہ ان دونوں کے لئے بمنزلہ دفعات ہے اور ہر قانون کے لئے دفعات کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ انہی مسائل و عقائد میں فقہاء کرام نے اس مسئلہ حاضر ناظر اور مسئلہ علم غیب کو بھی اپنی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

علّامہ قاضی خان کا فتویٰ

رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الرجل للمرأة "خدائے راو پیغمبر را گواہ کردیم "قالوا یکون کفرا لانه اعتقدان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الحیاة فکیف بعدالموت . (فتاویٰ قاضی خان ص۸۸۳)

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا اور بوقت نکاح عورت کو یوں کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں حضرات فقہا کرام نے فرمایا کہ اس شخص کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کرلیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپؐ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد بھلا کیسے جانتے ہیں۔

علّامہ ولوالجیؒ کا فتویٰ

تزوج امرأة ولم یحضر شاهد فقال تزوجتک بشهادة اللّٰه ورسوله یکفر ، لانه یعتقد بان النّبی صلی اللّٰه علیه وسلم یعلم الغیب اذلا شهادة لمن لا علم له ومن اعتقد هذا کفر. (فتاویٰ والوالجیه)

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا چونکہ گواہ حاضر نہ تھے تو اس شخص نے عورت کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہا "میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر تیرے ساتھ نکاح کرتا ہوں تو یہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اعتقاد کرلیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا (اور آپ اس مجلس میں حاضر ناظر تھے) کیونکہ جس کا علم نہ ہو وہ گواہ کیسے بن سکتا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آپؐ عالم الغیب اور حاضر ناظر تھے تو وہ شخص کافر ہو گیا۔

شیخ ابن نجیمؒ کا فتویٰ

لو تزوج بشهادة اللّٰه ورسوله لا ینعقد النکاح و یکفر، لاعتقاده انه صلی اللّٰه علیه وسلم یعلم الغیب (بحر رائق ج ۵ ص۱٦)

اگر کسی شخص نے خدا تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو یہ نکاح تو سرے سے ہوا ہی نہیں اور وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کرلیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم الغیب جانتے

تھے (اور حاضر ناظر تھے)۔

صاحب جواہر اخلاطیہ کا فتویٰ

زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب یکفر فماظنک بغیرہ . (جواہر اخلاطیہ)

اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا اب اگر کسی دوسرے کے متعلق یہ عقیدہ رکھے تو کیونکر مسلمان رہ سکتا ہے"۔

فتاویٰ تاتارخانیہ کا فتویٰ

تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ لاینعقدالنکاح ویکفرلا عتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب .

ایک شخص نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا نکاح تو منعقد نہیں ہوا البتہ وہ شخص کافر ہو گیا کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں (اور حاضر ناظر ہیں)۔

شرح فقہ اکبر کا فیصلہ

وذکر الحنیفۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب . (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵)

حضرات فقہائے احناف نے صراحت کیساتھ یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی کریمؐ غیب جانتے ہیں خالص کفر ہے۔

محترم حضرات!

یہ چند عبارتیں میں نے پیش کر دیں اس کے علاوہ فقہاء کرام کی سینکڑوں کتابوں میں اسی طرح عبارات موجود ہیں گویا فقہاء کرام کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے ایمان کا خیال رکھنا چاہیئے اور عوام الناس کے عقائد پر ترس کھانا چاہیئے ان سے دنیا تو کھالی لیکن جو دین ان کو سکھا دیا وہ دین نہیں تھا بلکہ بے دینی تھی خسر الدنیا والآخرۃ ان کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔

ارواح کا حاضر ناظر ماننا کفر ہے

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے متعلق حاضر ناظر کا مسئلہ تو ایک حد تک سامنے آ گیا اب آخر میں ایک

فتویٰ ان بزرگوں کی ارواح کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ارواح کا گھروں میں حاضر ناظر ماننا کیسا ہے کیونکہ اکثر لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء کرام کی ارواح گھروں میں آتی ہیں۔

شیخ ابن نجیمؒ کا فتویٰ

قَالَ عُلَمَائُنَا مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ تَکْفُرُ . (بحر الرائق ج۵ص ۱۲۴)

ہمارے حضرات علمائے احناف نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر ہیں اور وہ ہمارے حالات جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

محترم حضرات! یہ امت کے سب سے بڑے نمائندہ فقہاء کی تصریحات ہیں ان کے دوٹوک فتوے ہیں ایک یا دو نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں علماء کا متفقہ مؤقف ہے اس کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا اس کو بھلایا نہیں جا سکتا یہ اٹل فیصلہ ہے پھر ان محتاط فقہاء کا واضح کفر کا فتویٰ ہے کہ جو شخص انبیاء کرام وغیرہ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر مانتا ہے وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔

الحمد اللہ یہ فقہاء کسی خاص نظریہ سے وابستہ بھی نہیں تھے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ لوگ دیوبندی تھے یا بریلوی تھے یا غیر مقلدین تھے، وہابی تھے، نہیں بلکہ یہ ایک دیندار خدا ترس انصاف پسند علماء پر مشتمل جماعت تھی یہ ان کا فتویٰ ہے، اگر کوئی شخص اس فتویٰ سے اعراض کرتا ہے تو وہ اپنے ایمان و دیانت و امانت سب کو برباد کر کے رکھتا ہے یہ کوئی آج کل کے زمانے کا فتویٰ بھی نہیں بلکہ سینکڑوں سال پرانے مجتہدین علماء کا فتویٰ ہے اس کو معمولی نہ سمجھو اس کی بڑی حیثیت ہے۔

یقیناً صُور اسرافیلؑ ہے یہ
کوئی شیطان کی ڈھولک نہیں ہے

اہل بدعت کا پہلا استدلال

اہل بدعت نے قرآن عظیم کی ہر اس آیت سے حاضر ناظر کے مسئلہ پر استدلال کرنے کی کوشش کی ہے جن آیتوں میں لفظ شاہد یا شہید آیا ہے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک جہاں بھی لفظ شاہد یا شہید آ گیا ہے اس کا مطلب حاضر و ناظر ہے کیونکہ شاہد گواہ کے معنی میں ہے اور گواہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ حاضر ناظر ہو کیونکہ شاہد اور گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حاضر و ناظر ہو اور یہی ہم کہہ رہے ہیں جیسے ﴿یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً﴾ اور جیسے ﴿ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون

رسولا﴾ اور جیسے ﴿فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علیٰ ھٰؤلآء شھیداً﴾

اہل بدعت کو جواب

میں اس استدلال کے جواب میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہاں میں اہم اور ضروری بات سامنے رکھنا چاہوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک حدیث میں اس گواہی کا مطلب اور مکمل تفصیل موجود ہے جس سے شاہد وشہید کا پورا قضیہ حل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب سابقہ امتوں کا اپنے انبیاء کرام کیساتھ تنازعہ پیدا ہو جائے گا تو انبیاء کرام کہیں گے کہ ہم نے دعوت حق ان کو پہنچائی تھی۔ امت کے لوگ کہیں گے کہ ہم کو انہوں نے کچھ بھی نہیں بتایا۔ اب اللہ تعالیٰ ان انبیاء کرام سے ان کے دعویٰ پر گواہی طلب فرمائے گا تو یہ انبیاء کرام فرمائیں گے ہمارا گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے وہ گواہی دے گی جب آنحضرت کی امت گواہی دیگی تو وہ لوگ اس گواہی پر اعتراض کر دیں گے کہ ہزاروں سال بعد آنے والی امت ہم پر کیسے گواہ بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ امت محمد یہ سے فرمائے گا کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو؟ امت محمدیہ کہے گی کہ اے اللہ آپ نے ایک رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اور ان پر قرآن عظیم نازل فرمایا تھا اس کتاب میں واضح طور پر مذکور ہے کہ ان انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو خوب سمجھایا تھا مگر امت نے انکار کیا تھا اس گواہی پر ان گواہوں کے تزکیہ کے لئے حضور اکرمؐ تشریف لائیں گے اور یہ گواہی دیدیں گے کہ میری امت نے جو گواہی دی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اسی اعتبار سے آپ کو قرآن کریم نے شاہد کے لفظ سے یاد کیا ہے نہ کہ حاضر ناظر کے معنی پر، اگر شاہد وشہید حاضر ناظر ہونے کے معنی پر لیا جائے تو پھر یہ لفظ امت محمدیہ کے لئے زیادہ عموم کیساتھ استعمال کیا گیا ہے یعنی امت محمدیہ تو تمام انسانوں پر حاضر ناظر ہو جائے گی اور رسول اکرمؐ صرف اپنی امت پر حاضر ناظر ہو جائیں گے۔ آیت ملاحظہ ہو۔

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا﴾ (بقرہ ۱۴۳)

یعنی اسی طرح ہم نے تم کو ایک بہتر معتدل امت بنادیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسولؐ تم پر گواہ بنے۔

محترم قارئین! آپ نے دیکھا حاضر ناظر کا عقیدہ رکھنے والے کس طرح پھنس گئے؟ یہ صرف اس لئے کہ انہوں نے آیت کا مطلب غلط لیا، سچ ہے:

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ ئیے دلبرا خطا ایں جاست

جب حدیث میں شاہداً کا مطلب خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا تو اسی کو اپنانا چاہیئے اپنی طرف سے حاضر ناظر کا عقیدہ بنانے کی کیا ضرورت ہے امت محمدیہ کے لئے شہداً کا لفظ سورت حج میں بھی اسی طرح آیا ہے:

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (سورہ حج)

تا کہ رسول گواہی دینے والا ہو تمہارے اوپر اور تم گواہی دینے والے ہو تمام لوگوں پر۔

یاد رہے کہ اوپر والی حدیث میں قوم نوح کا تنازع مذکور ہے یہ بطور مثال ہے تنازع تمام امتوں کا اپنے نبیوں کے ساتھ ہوگا میں نے اسی عموم کا خلاصہ لکھا ہے قوم نوح کا ذکر نہیں کیا۔

بہر حال اگر کوئی شخص شاہد اور شہید کو حاضر ناظر کے معنی میں لیتا ہے تو پھر اس کے لئے لازم ہے کہ اس لفظ کو اس پیغمبر کی زندگی کیساتھ خاص رکھے کیونکہ وفات کے بعد حاضر ناظر رہنے کا عقیدہ کفر ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے اسی طرح فرمایا۔

﴿وکنت علیهم شهیداً مادمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم وانت علیٰ کل شئی شهید﴾ (مائدہ)

اور اسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن وہ لفظ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ میں جب تک ان لوگوں کے درمیان تھا مکمل نگرانی کرتا تھا لیکن جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو پھر آپ ہی ان پر نگران تھے کیونکہ آپ ہر چیز پر نگران ہیں حیات اور وفات کے اس فرق کو ایک اور آیت نے بھی واضح کر دیا ہے ارشاد ہے:

﴿یوم یجمع اللّٰه الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب﴾

اور حدیث حوض نے بھی اس کو واضح کر دیا ہے کہ:

فانک لا تدری ما احدثوا بعدک

خلاصہ یہ نکلا کہ شاہد و شہید مخلوق کے لئے جب استعمال ہوتا ہے تو حاضر ناظر کا معنی لینا گمراہی ہے

ہاں اللہ تعالیٰ کے لئے جب استعمال ہوتا ہے تو وہاں حاضر کے معنی اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے ورنہ کوئی بندہ اگر کہتا ہے **اشھد ان محمد ارسول اللّٰہ** تو کیا وہ حضور کی رسالت کے وقت حاضر ناظر تھا یا **وشھد شاھد من اھلھا** میں وہ چھوٹا بچہ کیا حاضر تھا؟ بہر حال چالا کی کی ضرورت نہیں دیانت اور خوفِ خدا کی ضرورت ہے خود مجتہد بننے کی کوشش نہ کریں دوسرے مجتہدین اور مفسرین و ماہرین شارحین کی بات پر چلیں تاکہ دنیا وآخرت کامیاب ہو جائے۔

نادانوں کا دوسرا استدلال

اہل بدعت وشرک سورۂ توبہ کی ایک آیت سے استدلال کی کوشش کرتے ہیں جو درحقیقت دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والے منافقین بڑھ چڑھ کر اپنا عذر بیان کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب عذر معذرت چھوڑ و آیندہ پھر ایسے مواقع جہاد کے آسکتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارے کردار کو دیکھ لے گا آیت یہ ہے:

﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾

یعنی تم عذر لنگ پیش نہ کرو ہم تمہاری بات کو نہیں مانتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری خبریں بتا دیں اور عنقریب آیندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور پھر تم کو عالم الغیب والشھادۃ رب کی طرف لوٹا دے گا وہ تم کو تمہارے اعمال کے مطابق بتا دے گا۔

اس آیت سے اہلِ بدعت بڑے خوش ہو گئے کہ اس میں **وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ** میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب اعمال دیکھنے والا کہا گیا ہے جو حاضر ناظر کے معنی میں ہے۔

الجواب

مذکورہ آیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۹۴ ہے اسی سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۵ بالکل اسی طرح ہے اور وہاں دیکھنے کی نسبت مؤمنین کی طرف بھی ہے۔ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾

یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اے منافقین تم یہ عمل کرو عنقریب تمہارے اس عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمان دیکھیں گے۔

اب یہاں اہل بدعت کیا کریں گے کیا سارے مسلمانوں کو بھی حاضر ناظر سمجھیں گے؟ یہ ہے ان

کے کچے استدلال کا انجام ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جا ہا سپر باید انداختن
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یعنی یہاں ہزاروں علمی نکتے ہیں صرف سر گنجا کرنے سے آدمی قلندر نہیں بنتا۔

ناانصافوں کا تیسرا استدلال اور اس کا جواب

اہل بدعت حضرات حاضر ناظر اور علم غیب کے دونوں مسئلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے استدلال کرتے ہیں جہاں کہیں بطور معجزہ حضور اکرم نے کوئی اطلاع دی یا پیشگوئی فرمائی اہل بدعت نے شور مچانا شروع کر دیا کہ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یا نہیں تھے اس کا جواب یہ ہے کہ معجزات کسی نبی کی نبوت کی دلیل تو ہوسکتے ہیں لیکن یہ معجزات الوہیت یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت خاصہ میں شرکت کی دلیل نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح کرامات بھی کسی ولی کی ولایت پر دلیل تو ہوسکتے ہیں لیکن کرامات کسی کی الوہیت یا معبودیت میں شرکت کی دلیل نہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری ایسی پیشگوئیاں کی ہیں جس کا تعلق مستقبل کے واقعات سے ہے میں ان معجزات اور پیشگوئیوں کو الگ الگ تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا، البتہ یہ کہوں گا کہ جب وحی کے ذریعہ سے ان چیزوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے کر دی تو پھر نہ یہ علم غیب رہا اور نہ حاضر ناظر کا کوئی مسئلہ رہا، یہ اہل بدعت اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ قبر میں جب منکر نکیر مردہ سے سوال کرتے ہیں تو وہاں نبی کریمؐ کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ **ماتقول فی ھذالرجل**، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمہارا کیا خیال وعقیدہ ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت حضور اکرمؐ سامنے ہوتے ہیں تو ہر قبر میں روزانہ لاکھوں جگہ پر بیک وقت حضور اکرم کا موجود ہونا حاضر ناظر ہونے کی دلیل ہی تو ہے۔ اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ حدیث میں جہاں تفصیل ہے وہاں یہ بھی ہے **الذی بعث فیکم** یعنی اس شخص کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اب تو حاضر ناظر کا مسئلہ نہ رہا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ھذا میں جو اشارہ ہے یہ اشارہ ذہنیہ ہے جو عربی محاورہ میں بکثرت موجود ہے۔

ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا **ماتقول فی ھذالرجل**، یہاں بھی اشارہ ہے یہاں حاضر ناظر کا تصور نہیں بلکہ اشارہ ذہنیہ ہے تو قبر میں بھی اسی طرح اشارہ ذہنیہ ہوتا ہے یہ جواب شارحین حدیث دیتے

ہیں کسی دیوبندی یا بریلوی یا وہابی کی طرف سے نہیں ہے یہ اشارہ ذہنیہ ہر زبان میں ہوتا ہے نحویوں میں صاحب کافیہ نے باقاعدہ اس اشارہ کا ذکر کیا ہے خود احمد رضا خان صاحب کے کلام میں یہ اشارہ ذہنیہ موجود ہے مثلاً وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو یہ شخص کیسے برابری کر رہا ہے''۔ یہاں یہ شخص ترجمہ ہے ھذا الرجل کا تو شیخ احمد رضا خان صاحب کے ہاں کیا حضرت تھانویؒ حاضر ناظر ہو گئے؟ اسی طرح شیخ احمد رضا خان شاہ اسماعیلؒ کے متعلق لکھتا ہے۔

''یہ شخص غیر مقلدی میں اور دین الٰہی میں ہر گونہ آزادی کا پھاٹک کھولنے کے لئے کہتا ہے''۔

اس عبارت میں بھی شیخ احمد رضا خان صاحب نے یہ شخص کہہ کر شاہ اسماعیل شہیدؒ کو حاضر ناظر مان لیا اگر فرض کرو یہ محاورہ حاضر ناظر کے لئے ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ میں وہ کہتا ہے ''یہ ظالم'' یہاں بھی یہ ظالم اشارہ ہے اگر یہ اشارہ ذہنیہ نہیں تو شاہ صاحب احمد رضا خان صاحب کے ہاں حاضر ناظر ہو گئے۔ یہ عجیب منطق ہے ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجمی است

امام احمد بن حنبل کی ایک عبارت ہے فرماتے ہیں!

ھذا النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ والتابعون وھذا مالک فی اھل الحجاز وھذا الثوری فی اھل العراق وھذا الاوزاعی فی اھل الشام وھذا اللیث فی اھل مصر۔ (مغنی ج ۱ ص ۶۰۲)

اس عبارت میں جگہ جگہ ھذا کا لفظ آیا ہے تو کیا یہ سب حضرات حاضر ناظر ہو گئے؟ عجیب علم اور عجیب انصاف ہے کہ ایک طرف قرآن کی نصوص قطعیہ موجود ہیں احادیث مقدسہ کے واقعات ہیں فقہاء کرام کے صرف فتوے ہی نہیں بلکہ کفر کے فتوے موجود ہیں علماء حق کی عبارات موجود ہیں کہ حاضر ناظر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں اور دوسری طرف یہ حضرات اہل بدعت ایسے استدلات کرتے ہیں جو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ کیا ان حضرات کو خدا کا خوف نہیں کہ قرآن وحدیث اور فقہ کے مقابلہ میں اپنے اجتہادات اور تاویلات پیش کرتے ہیں۔

انہی ناانصافیوں کے سلسلہ میں ایک بے انصافی ان لوگوں کی ہے کہ **التحیات میں السلام علیک ایھا النبی** کو حضور اکرمؐ کے حاضر ناظر ہونے پر بطور استدلال پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ خطاب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو معراج کی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا تھا اسی کو ہم نقل کرتے ہیں اس کا حاضر ناظر سے کیا تعلق ہے بلکہ درمختار میں ہے کہ:

ویقصد بالفاظ التشهد الا نشاء. (در مختار ج ۱ ص ۴۷٦)

یعنی ایھا النبی کے الفاظ کو بطور انشاء و دعا استعمال کرنا چاہئے (نہ کہ بطور حاضر ناظر)۔

اور دُرِّ مُنتَقیٰ فِی شَرحِ المُنتَقیٰ ج ۱ ص ۱۰۰ میں ہے **لابدان یقصد بالفاظ التشهد الانشاء۔**

کہ الفاظ تشہد سے انشاء مراد لینا ضروری ہے۔

عالمگیری ج ۱ ص ۷۰ ۳ میں ہے کہ:

وحكاية مافى المعراج على طريق الا نشاء.

یعنی جو الفاظ واقعہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے تھے اس کو انشاء کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں:

درحقیقت ایں دعا است در نماز اگر چہ بصیغۂ خطاب است۔ (مدارج النبوہ ج ۱ ص ۲۰۵)

یعنی السلام علیک ایھا النبی نماز میں ایک دعا ہے اگر چہ خطاب کی صورت میں ہے۔

حضرت شیخ اپنے مکتوبات میں ایک جگہ فرماتے ہیں ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اگر کوئی کہے کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام نماز میں تو حاضر نہیں ہوتے ہیں تو اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ کلمہ دراصل شب معراج میں بصیغۂ خطاب وارد ہوا ہے اور اس کو اسی پر برقرار رکھا گیا اور اس میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا یعنی یہ بطور حکایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آمنے سامنے خطاب کر کے فرماتا ہے تو اب جو مسلمان اس کو پڑھتا ہے تو اسی نقشہ کیساتھ پڑھے گا اور یا دعا کی صورت میں بطور دعا پڑھے گا۔ الغرض یہ تھی تفصیل مسئلہ حاضر ناظر کے متعلق۔

اللہ تعالیٰ میرے قلم کو بے ادبی سے بچائے اور اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو راہ حق پر لائے اور راہِ حق پر چلائے۔

آمین یارب العالمین۔

خدا گفتا کہ ما از تو قریبم
وَ بَابَا لَمْ یَقُلْ اِنِّیْ قَرِیْبٌ

جمعرات ۹ جمادی الثانی یکم اکتوبر ۱۹۹۷ء　　جامع مسجد عسکری فوجی ایریا صدر کراچی

موضوع

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ اٰلہ وأصحابہ الذین أوفوا عهدہ أمابعد.

﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. ﴾

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے جہانوں کا۔

محترم حضرات:

یہ آیتیں سورہ فاتحہ کی ہیں اس میں پہلا لفظ الحمد للہ ہے جس کا ترجمہ ہے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

یہاں سوال یہ ہے کہ لوگ تو آپس میں ایک دوسرے کی تعریفیں بھی کرتے ہیں تو یہ حصر کیسے صحیح ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں؟ اس کے کئی جوابات میں سے ایک آسان جواب یہ ہے کہ چونکہ ساری کائنات کا خالق ومالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا تعریف کا مستحق درحقیقت وہی ہے باقی کائنات اپنے وجود اور اپنی بقاء میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لہٰذا جس نوعیت کی تعریف جس کسی کی بھی ہوگی وہ حقیقت میں اسی خالق کائنات کی ہوگی جو سب کا خالق ومالک اور سب کا رازق ہے گویا کائنات کا ہر موجود اپنی ہر خوبی کیساتھ اسی اللہ کی صفت تخلیق کا مظہر ہے لہٰذا اس فانی کی تعریف حقیقت میں اس باقی اور لم یزل ولایزال ذات کی تعریف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ علماء کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کی خوبی پر تعریف کرنا چاہے تو ان کو یہ کہنا چاہیئے کہ کتنا بڑا ہے وہ اللہ جس نے اتنے بڑے انسان کو پیدا کیا کتنا بڑا ہے وہ اللہ جس نے اس شخص، اس حیوان کو یہ خوبصورتی عطا کی، اور اس طرح اچھی آواز عطا کی۔ اس انداز کی تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعریف ہوگی اور اس طرح تعریف کسی کے منہ پر کرنے میں کوئی کراہت بھی نہیں ہوگی۔

الحمد للہ کے اس تعارف کے بعد یہاں دو لفظ ہیں۔ ایک عالمین کا لفظ ہے اور ایک رب کا لفظ ہے لفظِ رب کی تشریح سے پہلے عالمین کی وضاحت باعثِ آسانی ہوگی۔

عالمین کا مفہوم

عالمین عالم کی جمع ہے اور عالَم کے معنی جہان کے ہیں عالم کئی قسم پر ہے اسی لئے یہاں جمع کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی عالمِ انسان، عالمِ جن، عالمِ ملائکہ، عالَم لاہوت، عالمِ ناسوت، عالمِ ملکوت، عالمِ دنیا، عالمِ برزخ، عالمِ آخرت، عالمِ ارواح، عالمِ طیور اور عالمِ حیوانات یہ سب الگ الگ عالم ہیں اور سب کا پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے عالم کے کئی اقسام کے متعلق مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۲ پر ایک حدیث اس طرح ہے۔

وعن عمر رضی اللہ عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ اَلْفَ اُمَّةٍ، سِتَّمِأَةٍ مِّنْهَا فِي الْبَحْرِ وَاَرْبَعَمِأَةٍ فِي الْبَرِّ (بیہقی)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرمؐ سے یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا فرمادیں ہیں چھ سو سمندر میں ہیں اور چار سو خشکی پر ہیں اور ان امتوں میں سب سے پہلے ہلاک ہونے والی امت ٹڈیوں کی ہے جب ٹڈیوں کی پوری امت ختم ہو جائے گی تو پھر پے در پے دوسری امتیں ختم ہو جائیں گی۔

رب العالمین کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ چھ سو بحری امتوں کو بھی بروقت کھانا کھلاتا ہے اور خشکی کی چار سو امتوں کو بھی بروقت رزق پہنچاتا ہے اور ہر امت ایک عالَم ہے تو یہ مطلب ہوا رب العالمین کا کہ ایک ہزار جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ان میں بعض کتنے بڑے حیوان ہونگے اور کتنا زیادہ کھانا کھاتے ہوں گے، ان کی تعداد کتنی زیادہ ہوگی یہ اللہ کو معلوم ہے وہ ان سب کا پالنے والا رب العالمین ہے۔

حکایت

حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میں تیری مخلوق کی ایک ماہ تک دعوت کر کے کھانا کھلانا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ایسا نہیں کر سکتے ہو۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ ایک ہفتہ تک کھلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی نہیں کرسکو گے۔ فرمایا ایک دن کھلاؤں گا۔ فرمایا یہ بھی نہیں کرسکو گے۔ فرمایا یہ تو ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی۔

حضرت سلیمانؑ کی حکومت تو عجیب شان کی حکومت تھی۔ انسانوں پر تھی۔ جنات پر بھی تھی۔ بحری و بری مخلوق پر تھی حتیٰ کہ ہواؤں پر بھی تھی۔ چنانچہ آپ نے مختلف مخلوق کو مختلف کاموں پر لگا دیا کسی کو گوشت لانے پر لگا دیا کسی کو پکانے پر لگا دیا اور کسی کو دسترخوان سجانے پر لگا دیا۔ ایک ماہ کی مسافت تک دسترخوان پھیلا دیا گیا اور کھانا تیار ہو گیا، سڑنے سے بچانے کے لئے ہواؤں کو مامور کیا گیا کہ ائر کنڈیشنڈ کا کام کرے۔ چنانچہ جب کھلانے کا وقت آگیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ایک مچھلی کو حکم دے دیا کہ آج سلیمانؑ

نے کھانے کا اہتمام کیا ہے چنانچہ مچھلی آئی اور حضرت سلیمانؑ سے فرمایا کہ معلوم ہوا ہے کہ آج آپ نے مخلوقِ خدا کی دعوت کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ میرے کھانے کا بھی انتظام ہے؟ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا بس کھاؤ کھانا تیار ہے۔ چنانچہ مچھلی نے دستر خوان کے ایک کنارے پر منہ رکھا اور کھانا چاٹ کر دوسری طرف سے نکل گئی اور پھر حضرت سلیمانؑ سے کہنے لگی کچھ اور ہے؟ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ تمام مخلوق کا کھانا اکیلے تم نے کھالیا اور پھر مانگتی ہو؟ مچھلی نے کہا کہ کیا میزبان کا مہمان کو یہ جواب ہوتا ہے؟ قسم بخدا میرا رب مجھے اس طرح دو لقمے کھلاتا ہے آپ نے میرا ایک لقمہ ضائع کر دیا۔ یہ سن کر حضرت سلیمانؑ سجدہ میں گر پڑے اور فرمایا: سُبْحَانَ مَنْ تَكَفَّلَ بِاَرْزَاقِ الْعِبَادِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ، بہرحال رب العالمین یعنی ''جہانوں کا پالنے والا'' بہت بڑا مفہوم رکھتا ہے کوئی معمولی حقیقت نہیں بلکہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ اب آیئے اور ربوبیت عامہ اور ربوبیت خاصہ کی حقیقت کو جان لیں۔

قسمِ اوّل رُبُوبیّتِ عامہ

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور یہ ربوبیت دو قسم پر ہے ربوبیت عامہ اور ربوبیت خاصہ۔ پہلے ربوبیت عامہ کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور یہ کائنات اس کی مخلوق ہے۔ اب رب ہونے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ ان کی پرورش کرتا ہے۔ سب کو ہوا پہنچاتا ہے، گرمی سردی سے نوازتا ہے پانی کا انتظام فرماتا ہے کھانے پینے کا، رہنے سہنے کا انتظام کرتا ہے بلکہ زندگی کی بقا اور زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہر انسان و حیوان اور جن و انس کو دیتا ہے خواہ مسلمان تابع فرمان ہو یا کافر نافرمان ہو۔

چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی اور پھر اقتصادی مشکلات دور کرنے کی جو دعا مانگی تو اس میں صرف مسلمان کو خاص کیا اور فرمایا۔

﴿وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (سورت بقرہ آیت ۱۲۶)

یعنی مکہ میں رہنے والے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان رکھے ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (سورت بقرہ ۱۲۶)

یعنی جو کفر کرے اس کو بھی دنیاوی منافع سے متمتع ہونے کا موقع دوں گا پھر آخرت میں ان کو کفر کی سزا دوں گا

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ربوبیت عامہ کے تحت رب العالمین ہے سب کو پالتا

ہے کسی کافر نے آج تک ہوا کی شکایت نہیں کی۔ دھوپ کی شکایت نہیں کی روشنی کی شکایت نہیں کی کہ مسلمان کو میسر ہے اور میں محروم ہوں، جو اعضاء اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو دیئے ہیں وہی اعضاء کافر کے بھی ہیں، کسی کافر سے یہ امتیاز روا نہیں رکھا گیا کہ اس کو ایک آنکھ یا ایک کان یا ایک ہاتھ دیا ہو اور دوسرے سے محروم کیا ہو اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا۔

یعنی جب دنیا اتنی بے حقیقت ہے تو کافر اور مسلمان یکساں طور پر کھائیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے یہ ربوبیت عامہ ہے۔

حکایت

۱۹۷۱ء میں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہوئی پاکستان کے حکمران ملحد اور بے دین تھے وہ اس ملک کو دو ٹکڑے کرنے پر غیروں کے اشاروں سے تیار ہو چکے تھے اس لئے پاکستان کو شکست ہوئی اور بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔ اس پر کسی نے ہندوستان کے اس وقت کے وزیر اعظم اندرا گاندھی سے کہا کہ مسلمان اس شکست پر بہت خفا ہیں کیونکہ وہ مسلمان تھے اور ان کو شکست ہوگئی اور انڈیا کافر تھا وہ کیسے جیت گیا تو اس کے جواب میں اندرا گاندھی نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے تو پھر خفا ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بادشاہ ہے کائنات کا رب ہے تو ہمارا بھی رب ہے اس نے ہمیں کامیابی عطا کی اور اگر اللہ تعالیٰ رب المسلمین ہے تو پھر خفا ہونے، رونے اور شکایت کرنے کی ضرورت ہے۔

رب کا مفہوم

بہر حال ربوبیت عامہ کے سلسلے میں یہ سمجھیں کہ رب کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ ضعف کی حالت سے درجہ کمال تک پہنچا دے۔ منافع کو متوجہ کرے اور مضار کو دفع کرے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اور انسان کی تخلیق میں یہی فرق ہے کہ انسان انتہائی مضبوط اشیاء کو اکٹھا کر کے کوئی چیز بناتا ہے لیکن پھر بھی وہ چیز ناقص رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ انتہائی ضعیف چیز کو آہستہ آہستہ بڑھاتا ہے اور طاقت ور بنا کر چھوڑتا ہے مثلاً ایک چھوٹا بچہ ہے اس کو ایک بوند پانی سے پیدا کرتا ہے۔ پھر جما ہوا خون اور پھر گوشت کا لوتھڑا اور گوشت پوست اور ہڈیوں پر مشتمل ایک انسان ماں کے پیٹ میں تیار ہو جاتا ہے پھر اس کو ماں کے پیٹ میں اس طرح رکھتا ہے کہ اس کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف اور اس کی پیٹھ ماں کے پیٹ کی طرف

کر کے اس کو تسموں سے باندھ کر ایک عجیب انداز سے بٹھاتا ہے اور ناف کی نالی سے اس کے رزق کا انتظام فرماتا ہے اور جب ولادت کا وقت قریب آجاتا ہے تو یہ تسمے کٹ جاتے ہیں اور بچہ پیٹ کے نیچے حصے میں اس طرح گرتا ہے کہ نکلنے کیلئے سامنے کی طرف ہوجاتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا پرتو ہے ورنہ یہیں پر اگر بچہ الٹا ہوجائے تو نکلنے کے لئے زچہ و بچہ دونوں مشکلات سے دوچار ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورت عبس میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾

یعنی انسان برباد ہوجائے یہ کتنا ناشکرا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا؟ یعنی نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اس کو اندازہ کر کے رکھا اور پھر اس کے نکلنے کا راستہ آسان کردیا۔

واقعی اللہ تعالیٰ نے سب راستے آسان کئے کیونکہ وہ رب العالمین ہے پھر جب یہ بچہ پیدا ہوجاتا ہے تو کتنا نازک ہوتا ہے اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس کو قوت عطا کرتا ہے ماں کے پستانوں سے اس کے لئے دودھ کا انتظام فرماتا ہے اور اس نومولود بچے کو کس طرح طبعی علم عطا کرتا ہے کہ پستانوں کو ہونٹ اور زبان سے ایسا دباتا ہے کہ سارا دودھ منٹوں میں چوس کر پی لیتا ہے یہ سب ربوبیت عامہ کے کرشمے ہیں۔

یہ تو خیر ایک انسان کا بچہ ہے انسان اس کی رہنمائی کرسکتا ہے لیکن صحرا اور پہاڑ کی چوٹی پر بکری وغیرہ حیوانات کے بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت عامہ کے علاوہ کون کرسکتا ہے؟ مثلاً بکری کا ایک بچہ جب پیدا ہوجاتا ہے تو دو گھنٹہ بعد وہ جنگل میں دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کے لئے بکری کے نیچے گھس کر پستان کو منہ میں لے لیتا ہے اور دودھ اس طرح چوس کر نکالتا ہے کہ بڑا ماہر انسان بھی ایسا نہیں کرسکتا ہے۔ یہی بچہ بکری کے کانوں یا ٹانگوں یا دم کو منہ میں نہیں لیتا ہے بلکہ صرف بکری کے تھن کے نیچے گھٹنے ٹیک کر پستان کو منہ میں کرلیتا ہے اور غذا حاصل کرتا ہے یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا کرشمہ ہے کیونکہ وہ رب العالمین ہے۔

اسی طرح ایک مرغی کو دیکھو جب وہ انڈوں پر بیٹھ کر اسے تیار کرتی ہے تو اس کو یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ اب انڈے میں چوزہ تیار ہوگیا ہے اس کو یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ فلاں فلاں انڈا گندہ ہوکر خراب ہوگیا ہے وہ اسے چھوڑ دیتی ہے اور دیگر انڈوں سے چوزا نکالنے کے لئے چونچ وہیں پر ماردیتی ہے جہاں چوزے کا سر ہوتا ہے وہ سائڈ یا پچھلے حصہ سے نقب نہیں لگاتی ہے کہ چوزے کے باہر آنے میں دشواری نہ ہو۔ یہ سب ربوبیت عامہ کی رحمت و برکت ہے۔

ایک چڑیا کو دیکھو کہ جب اس کا بچہ انڈے سے باہر آتا ہے تو چونکہ اس کا پوٹہ دبا ہوا ہوتا ہے اس میں کسی چوگ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے تو چڑیا پہلے اپنی چونچ کو اس کی چونچ میں دے کر پھونک مارتی ہے تاکہ پوٹہ کھل جائے اور پھر جاکر نرم نرم خوراک اس کو دیتی ہے یہ سب ربوبیت عامہ کے کرشمے ہیں پھر یہی پرندے درختوں کی شاخوں پر اس انداز سے گھونسلات دیتے ہیں کہ بڑا ماہر انسان مشینری سے بھی اس طرح سلیقہ اور پختگی اور حفاظتی انداز سے نہیں بنا سکے گا۔ یہ سب ربوبیت عامہ کی قدرت ہے۔

قصہ :۱

یہ قصہ تو تواتر سے منقول ہے کہ لوگوں نے مضبوط پتھر کو توڑا اور اس کے اندر سے ایسا کیڑا برآمد ہوا جس کے منہ میں ہرا بھرا سبز پتہ تھا جس کو وہ کھا رہا تھا مختلف لوگوں نے اس طرح قصے سنائے ہیں۔ اسی منظر اور ربوبیت عامہ کے پیش نظر بابا سعدیؒ نے گلستان میں کہا ہے ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمنان نظر داری

یعنی اے سخی پروردگار! جس کے رزق کے خزانۂ غیب سے بت پرست آتش پرست مسلسل کھا رہے ہیں آپ اپنے دوستوں کو رزق سے کب محروم کرو گے جبکہ آپ دشمنوں اور چٹان میں کیڑوں کا خیال رکھتے ہیں؟

یہاں دشمنان اگر ہے تو دشمن کے معنی پر ہے اور دال کے کسرہ سے دِشمنان ہو تو اس سے مراد چٹان کے اندر وہی کیڑے مراد ہیں۔ اس قصے میں ربوبیت کی حد ہوگئی ہے واقعی وہ رب العالمین ہیں۔

حکایت ۲:

حیاۃ الحیوان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک قسم کا سانپ ہے جب اس کو بھوک لگتی ہے اور کھانے کو کچھ نہیں ملتا ہے تو وہ عین دوپہر کے وقت کھلے میدان میں دُم پر کھڑا ہو جاتا ہے اور منہ آسمان کی طرف کر کے دکھاتا ہے کہ گویا یہ لاٹھی یا ٹہنی ہے بعض پرندے اس کو لکڑی سمجھ کر آجاتے ہیں اور اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔ بیٹھتے ہی سانپ اسے نگل لیتا ہے یہ ربوبیت عامہ کے کرشمے ہیں۔

حکایت ۳:

بعض دعاؤں میں یہ الفاظ آئے ہیں، اے وہ رب جو کوّے کے بچوں کو گھونسلے میں روزی پہنچاتا ہے، کہتے ہیں کہ کوّا جب ابتدائی حالت میں اپنے بچوں کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ میرے بچے نہیں ہیں کیونکہ وہ سرخ وسفید نظر آتے ہیں کیونکہ ابھی تک اس کے پر نکلے ہوئے نہیں ہیں اس دوران یہ بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں تو اس کی چونچ کے کناروں میں جو پیلا پیلا گوشت نظر آتا ہے اس پر مکھی یا مچھر یا دوسری چیزیں آ کر اس غرض سے بیٹھ جاتی ہیں کہ یہ ہمارے کھانے کی کوئی چیز ہے۔ جونہی وہ بیٹھ جاتی ہیں کوے کا یہ بچہ منہ کھول دیتا ہے اور اس کو کھا جاتا ہے۔ کافی دنوں کے بعد پھر کوا چوگ دینے آتا ہے یہ پرورش عامہ اور یہ عجیب انتظام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یہ سب رب العالمین کی ربوبیت عامہ کے آثار ہیں۔

حکایت ۴:

عام مسجدوں میں ایک قسم کے پرندے ایک خاص انداز سے چھت کیساتھ مٹی کے گاروں کو چپکا کر عجیب گھونسلے بناتے ہیں یہ ایک خوبصورت چھوٹا سا پرندہ ہے جس کو عربی میں خطاف اور ابابیل کہتے ہیں حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ اس پرندے کے بچوں کو جب یرقان ہو جاتا ہے تو یہ ہندوستان جا کر وہاں سے ایک خاص پتھر لا کر اپنے گھونسلے میں رکھ دیتا ہے جس سے یرقان کی بیماری ختم ہو جاتی ہے لوگ ان گھونسلوں میں اس پتھر کو تلاش کرتے ہیں اسی طرح ہمارے علاقے میں ایک پودا ہے جس کو سنبل کہتے ہیں اس کی جڑ کو چوب چینی اور چوب زرد کہتے ہیں۔ یہ زخموں کے لئے بہت مفید ہوتا ہے ہم نے بعض صحرائی مرغوں اور پرندوں کو دیکھا ہے اور اس کے متعلق شکاری لوگوں سے سنا بھی ہے کہ جب یہ صحرائی پرندے زخمی ہو جاتے ہیں تو اس پودے کی جڑ کو کرید کر اپنے زخموں پر رکھ دیتے ہیں جس سے زخم ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ ہے اور واقعی وہ رب العالمین ہے اور ہر حمد وثنا کا ذاتی حق رکھتے ہیں، الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمادیا تو آپ نے ایک مکتوب لکھ کر اپنے پاس عرش پر رکھ دیا جس میں لکھا تھا۔

اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ . (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۷)

یعنی میری رحمت میرے غضب پر غالب اور اس سے آگے ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی کل سو رحمتیں ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک رحمت دنیا کی طرف نازل فرمائی جو انسانوں جنات، حیوانات اور حشرات الارض پر منقسم ہے۔ اسی ایک رحمت کی وجہ سے یہ مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر شفقت کرتی ہے نرمی سے پیش آتی ہے اور اسی ایک رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اپنی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ۹۹ رحمتوں کو اپنے پاس رکھا ہے جس سے قیامت کے روز اپنے بندوں پر مہربانی فرمائے گا (مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جس ربوبیت عامہ کی طرف اشارہ ہے یہ وہی ربوبیت عامہ ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ عام مخلوقات کی پرورش فرماتا ہے۔ چنانچہ پالنے اور پرورش کے لئے انسانوں اور جنات کے علاوہ وحشی جانوروں اور درندوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت عامہ اور شفقت رکھ دی ہے۔ آپ ایک بلی کو دیکھیں وہ اپنے بچوں کو منہ میں لیکر پھرتی رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً جگہ کو تبدیل کرتی ہے تاکہ ان بچوں کو نقصان نہ پہنچ جائے، درندوں میں سب سے زیادہ وحشی درندہ شیر ہے لیکن یہی شیرنی اپنے بچوں پر مرتی ہے اور انہیں ایسے محفوظ مقامات پر اتار دیتی ہے جہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا ہے اور اگر کسی انسان نے ان بچوں کو چھیڑ دیا تو بارہا دیکھا گیا ہے کہ شیرنی قریب کی آبادی پر حملہ کرتی ہے اور گاؤں اور قریبی دیہاتوں کو اجاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ یہ رحمت وشفقت اور یہ مہربانی صرف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے اثرات ہیں کیونکہ وہ رب العالمین ہے۔ بعض گائے بھینس جب بچہ پیدا کر دیتی ہے تو اس کے بعد وہ اپنے گھر کے لوگوں کو مارنا شروع کرتی ہے کوئی انسان اس کے قریب نہیں جاسکتا۔ یہ صرف بطور حفاظت ہوتا ہے تاکہ اس کے نومولود بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ گھریلو مرغیوں کو آپ دیکھیں وہ اپنے بچوں کے بچاؤ کے لئے گھر کے مالک پر کیسے حملہ آور ہو جاتی ہے اسی طرح کوے تو اپنے بچوں کی حفاظت میں مشترکہ احتجاجی جلوس نکالتے ہیں یہ سب کچھ رب العالمین کی تربیت عامہ کے کرشمے ہیں اسی رحمت عامہ وخاصہ کی طرف الرحمٰن اور الرحیم میں اشارہ ہے۔

حکایت

عامر صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم نبی کریمؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جو چادر میں لپٹا ہوا تھا اور ہاتھ میں کوئی چیز اس نے لپیٹ رکھی تھی۔ وہ کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں درختوں کے ایک جنگل سے گذر رہا تھا کہ میں نے وہاں پرندے کے چوزوں کی آواز سنی میں نے سب کو پکڑ کر چادر میں لپیٹ لیا اتنے میں ان کی ماں آگئی اور میرے اوپر گھومنے لگی۔ میں نے چوزوں سے چادر ہٹائی تو

چوزوں کی ماں بھی چوزوں پر آ کر گری۔ میں نے سب کو چادر میں لپیٹ لیا جو میرے پاس ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اس کو رکھ دو۔ میں نے رکھ دیا تو ان چوزوں کی ماں اپنے چوزوں سے چمٹی ہوئی تھی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کیا تم چوزوں کی ماں کی اس شفقت پر تعجب کرتے ہو؟ اس پروردگار عالم کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر چوزوں کی ماں سے زیادہ مہربان ہے۔ پھر آپ نے فرمایا ان چوزوں کو ماں سمیت وہاں جا کر چھوڑ دو جہاں سے پکڑا ہے چنانچہ وہ لے گئے۔

قسم دوم ربوبیت خاصہ

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ اور پرورش عامہ کے کرشمے تھے اب مختصر اشارات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت خاصہ کے کچھ اثرات بھی ملاحظہ ہوں، ربوبیت خاصہ اللہ تعالیٰ کی اس تربیت خاص کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان کو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اس تربیت کو ہم ہدایت، راہ حق، ایمان اور اسلام کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس کی پرورش کے لئے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مادی اقتصادی اور حیاتیاتی نظام کا انتظام فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت اس کے ایمان اور اس کے اسلام کا انتظام بھی فرمادیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جب تک میں اپنا رسول نہ بھیجوں اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دوں گا۔ ارشاد عالی ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾

یعنی ہم جب تک کوئی رسول نہ بھیجیں اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے رسولوں اور انبیاء کرام کا ایک طویل سلسلہ قائم فرمایا جنہوں نے ہدایت کے چشمے جاری رکھے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ہدایت کے لئے کتابیں اتاریں۔ مختلف صحیفے نازل فرمائے اور انبیاء کرام کے نائبین علماء کرام کو کھڑا کیا۔ پھر امت محمدیہ کو خصوصی رحمت کے تحت محمد عربیؐ بطور نبی عطا کیا۔ یہ ربوبیت خاصہ کا بہت بڑا شاہراہ اعظم کھول دیا۔ حضور اکرمؐ کو زندہ و تابندہ ابدی معجزہ قرآن عطا کیا اور سمجھانے کے لئے علماء کرام کو پیدا کیا۔ پھر تربیت کے تحت امت محمدیہ کو بیت اللہ عطا کیا جہاں مقام ابراہیم ہے، حطیم ہے، ملتزم ہے، حجر اسود ہے، رکن یمانی ہے اور چاہ زمزم ہے جہاں دعائیں قبول ہوتیں ہیں، پھر صفا مروہ ہے منیٰ عرفات ہے اور مزدلفہ کی برکات ہیں۔ پھر مسجد نبوی کا ثواب۔ وہاں پر ریاض الجنۃ ہے جنت البقیع ہے، منبر نبوی ہے، محراب النبیؐ ہے، پھر مسجد اقصیٰ

ہے اور پھر مسجد قباء ہے یہ سب مقدس مقامات ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اسی طرح امت محمد یہ کو پانچ وقت کی نمازیں عطا کیں، روزے دیئے زکوۃ وصدقات، مساجد ومدارس کا نظام قائم کیا۔ حج عطا کیا پھر توحید عطا کی ایمان دیا، ایقان عطا کیا جو ربوبیت خاصہ کے کرشمے ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا رب ہے لہٰذا ربوبیت خاصہ کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے۔ اخلاقیات سے مسلمانوں کو نوازا معاشرتی اصولوں سے آگاہ فرمایا۔ حلال کمائی کے لئے مکمل اقتصادی نظام عطا کیا۔ آداب معاشرت اور زندگی گذارنے کے تمام جائز اصول عطا کئے، پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا ضابطہ عطا کیا۔ حلال کھانے اور حلال کمانے کے بہترین قواعد عطا کئے یہ سب ربوبیت خاصہ کی برکات ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ ربوبیت عامہ اور ربوبیت خاصہ دونوں کا مالک ہے سارے جہاں کا پالنے والا ہے لہٰذا حمد وثنا اس کا ذاتی حق ہے، ہر مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اس کی تعریف کرے مدح کرے، اطاعت کرے اور ہر حکم پر لبیک کہنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

نتیجہ

اس پوری بحث اور ساری تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کو اپنا مربی اور پالنے والا مان لیں ہم یہ عقیدہ قائم کریں کہ روزی دینے والی صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا ہم غیروں کے دروازوں پر روزی کے لئے سجدے نہ کریں، غیروں کو اپنا رازق نہ سمجھیں، ربوبیت عامہ میں اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں۔ ہم یہ نہ کہیں کہ ہمیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کھلا رہا ہے یا فلاں فلاں بزرگ کھلا رہا ہے۔

اس کیساتھ ساتھ ہم اپنی اولاد کو موہومی رزق کی غرض سے دوزخ کی آگ میں نہ بھیجیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ایسی تعلیم نہ دیں جس سے ان کی آخرت تباہ ہو جاتی ہو مثلاً جوان بچیاں ہیں ان کو مخلوط تعلیم کے لئے کالج بھیجتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اگر بچیوں نے تعلیم حاصل نہیں کی تو پھر کیا کھائیں گی؟ یہ جملہ شرکیہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کی نفی ہوتی ہے۔ بچیوں کے علاوہ یہ عقیدہ تو بچوں کے متعلق بھی ناجائز اور حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ خود ہمیں اپنی ربوبیت کے متعلق اپنے کلام میں اس طرح حکم دیتا ہے سورہ حٰمٓ السجدہ کی چار آیتیں بمعہ ترجمہ ملاحظہ کریں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا . ذٰلِكَ

رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ○ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ○ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ط وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ط ﴾

''آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہم پلہ اور برابر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی؟ یہی ہے جہانوں کا پالنے والا (اور اسی نے) زمین پر بھاری پہاڑ اوپر سے رکھے اور چار دن میں زمین کے اندر اس کی برکتیں اور خوراکیں مقرر کیں پوچھنے والوں کا یہ ٹھیک ٹھاک جواب ہے۔ پھر اس پروردگار نے آسمانوں کا قصد کیا اور وہ ایک دھواں تھا پس اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ تم خوشی سے یا جبر سے آؤ دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پس اس نے دو دن میں سات آسمانوں کو بنا دیا اور ہر ایک آسمان کو اس کا کام سپرد کیا اور ہم نے دنیا والے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا اور حفاظت کا انتظام بھی کیا۔ یہ ہر چیز جاننے والے اور زبردست (بادشاہ) کا اندازہ اور مقرر کرنا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمادے اور اپنی ربوبیت خاصہ و عامہ کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمادے، مطیع بنا کر اپنی اطاعت پر استقامت عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

جمعہ ۱۷ جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۸ء مدینہ مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

صرف ایک رب کو پکارو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلیٰ اٰلہ وأصحابہ الذین أوفوا عہدہ أمابعد!

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴾ (اعراف ۲۳)

''دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی پس اگر آپ ہمیں معاف نہ کریں اور ہم پر مہربانی نہ فرمائیں تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

رَضِيۡنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ رَسُوۡلاً .

ہم اللہ تعالیٰ پر رب ہونے کی حیثیت سے راضی ہیں اور اسلام پر دین کی حیثیت سے راضی ہیں اور محمدؐ پر بحیثیت رسول راضی ہیں۔

محترم حضرات:

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ مصیبت کی بالکل ابتدائی حالت میں اپنی توجہ اس رب کی طرف موڑ دے جو پروردگار عالم اور حاجت روا و مشکل کشا ہے۔ اگر مصیبت کی ابتدا میں بندہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ مسلمان کی توحید کے منافی ہے کیونکہ اصل اعتبار اسی ابتدائی حالت کا ہے۔ مثلاً کسی شخص پر کوئی آفت ومصیبت آتی ہے یا حکومت کی طرف سے قید و بند کا کوئی واقعہ پیش آتا اور اس شخص کا خیال فوراً اس طرف جاتا ہے کہ میرا بھائی فلاں جگہ بڑا افسر ہے یا فوج کا بریگیڈیر یا کرنل ہے وہ مجھے مصیبت سے چھڑا لے گا اس خیال اور اس طریقے کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے توحید کے منافی قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مصیبت کی پہلی حالت میں تمہارا خیال اللہ تعالیٰ کی طرف جانا چاہیئے جو توحید کا اعلیٰ مقام ہے وہ اس طرح کہ! اس مصیبت سے مجھے صرف اللہ تعالیٰ نجات دے گا اگر تمہارا خیال کسی اور کی طرف گیا تو تم نے توحید کے منافی شرک کا ارتکاب کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کا دل آٹے کی چھنّی کی طرح ہونا چاہیئے کہ اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا ٹھکانا بن نہ سکتا ہو جس طرح کہ چھنّی میں پانی ٹھہر نہیں سکتا۔

حضرت شیخؒ کے اس ملفوظ کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمہاری زبان پر ایسا چڑھا رہنا چاہیئے کہ بوقت مصیبت خود بخود زبان پر اللہ تعالیٰ کا نام جاری ہو جائے کیونکہ مصیبت کے وقت زبان پر وہی لفظ غیر اختیاری طور پر آ جاتا ہے جس سے آپ نے اپنی زبان کو عادی بنا دیا ہے مثلاً لفظ اللہ یا لفظ رب کے علاوہ اگر کسی کی زبان پر یا شیخ عبدالقادر چڑھا ہوا ہو یا اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ کی پکار زبان پر چڑھا ہوا ہو تو مصیبت کے وقت یہی لفظ آئے گا جس طرح بریلویوں کے مولوی محمد شفیع اوکاڑوی صاحب کے متعلق مشہور ہوا تھا کہ حالت نزع میں شیخ عبدالقادر کو پکار رہا تھا تو بیٹے نے کہا کہ درود پڑھو تو کہنے لگا کہ درود والا تو میرے پاس بیٹھا ہے میں گیارہویں والے کو پکار رہا ہوں۔ یہ کتنی خطرناک صورت حال ہے کہ آخر وقت میں غیر اللہ کو پکار رہا ہے لیکن ان کو یہی تعلیم ان کے بڑوں نے دی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

نزع میں گور میں میزان میں سر پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ معلےٰ تیرا
غرض آقا سے کروں عرض کہ تیری ہے پناہ
بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضا تیرا

(حدائق بخشش)

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا؟
ان کو تملیکِ ملیک
مالک الملک کہا پھر تجھ کو کیا؟
سنیو ! ان سے مدد مانگے جاؤ
پڑے بکتے رہے بکنے والے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم نہیں دی ہے نہ قرآن عظیم کی یہ تعلیم ہے اور نہ نبی آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف ہی اسی لئے لائے تھے کہ مشرکین عرب کے انہیں غلط عقائد کو مٹا کر رکھ دیں تو کیا جس چیز کو مٹانے کے لئے حضور اکرمؐ آئے تھے آپؐ نے اسی چیز کو رائج کرنے کی کوشش کی؟ العیاذ باللہ یہ تو حضور اکرمؐ پر بہت بڑا بہتان ہوگا۔ یاد رکھیئے

انبیاء کرام اس لئے آئے تھے کہ مخلوقِ خدا کی عبادت سے نکال کر خالق کی عبادت میں لگائیں اب دیکھئے انبیاء کرام کی تعلیمات کیا تھیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے صرف رب کو پکارا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے جنت میں بسایا لیکن اللہ تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ اس طرح تھا کہ حضرت آدمؑ اور اولاد آدم کو دنیا میں بساؤں گا جنت ان کی جگہ ہے لیکن ان کو یہ عظیم نعمت محنت و مشقت کے بغیر نہیں دوں گا جب دنیا میں عمل کی محنت کر کے آئیں گے پھر ان کو ان کے عمل کے مطابق جنت دوں گا تاکہ مفت میں ملی ہوئی جنت کی یہ لوگ ناقدری نہ کریں۔ چنانچہ آدمؑ ایک لغزش کی پاداش میں جنت سے دنیا کی طرف بھیج دیئے گئے چونکہ جنت میں آپ سے ممنوعہ گندم کھانے کی لغزش ہو چکی تھی اس پر آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے دنیا میں روئے کئی سال تک آپ مسلسل روتے رہے اور رب کے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگتے رہے۔ حضرت آدمؑ نے اس مصیبت کی حالت میں صرف ایک رب کو پکارا اور فرمایا ربنا اے ہمارے رب اے ہمارے پالنے والے اے پرورش کرنیوالے ہم نے زیادتی کی ہے اب معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے معاف کیا گویا کہ لفظ رب وہ لفظ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمتوں کا خزانہ کھولا جاتا ہے قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا الخ آیت بمعہ ترجمہ ابتدا میں لکھ دی گئی ہے۔

حضرت نوحؑ نے صرف رب کو پکارا

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تبلیغ ساڑھے نو سو سال تک کی لیکن کم وبیش ۸۴ آدمی ایمان لے آئے اور باقی سب شرک پر قائم رہے انہوں نے حضرت نوحؑ کو بہت ایذائیں پہنچائیں مارا پیٹا، گالیاں دیں اور بات سننے سے صاف انکار کر دیا۔ جب نوحؑ کو انہوں نے بہت تنگ کیا تو آپ نے اپنے رب کو پکارا اور فرمایا:

﴿رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ﴾ اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

اس کے بعد پھر اپنے رب کو اس طرح پکارا، ﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ (مؤمنون)

اے میرے رب میری مدد فرما کیونکہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

پھر جب قوم نے حضرت نوح کو جھڑک دیا اور ان کو مجنوں کہہ دیا تو حضرت نوحؑ نے صرف اپنے رب کو اپنی مدد کے لئے پکارا فرمایا ﴿وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ قوم نے نوح سے کہا کہ یہ دیوانہ ہے

اور اسے جھڑک دیا گیا۔ ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (قمر)

پس حضرت نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہو کر عاجز و بے بس ہوں پس تو میری مدد فرما۔

پھر حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کیخلاف بددعا کے لئے اپنے رب ہی کو پکار کر فرمایا:

﴿قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا﴾ (نوح)

اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے میرا کہنا نہ مانا، میری نافرمانی کر کے ان کی بات مان لی جس کو اس کے مال واولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا۔

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ (نوح)

اور نوح نے کہا! اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے کسی کو نہ چھوڑنا۔

اس کے بعد حضرت نوحؑ نے عام مسلمانوں اور اپنے اہل وعیال کے لئے رب کو اس طرح پکارا:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (نوح)

اے میرے رب مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور اس کو بھی جو میرے گھر میں ایماندار ہو کر داخل ہوئے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کو برباد ہی فرما۔

اس کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے متعلق اپنے رب کو پکار کر فرمایا:

﴿وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ﴾. (ہود)

یعنی حضرت نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل ہی میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

حضرت نوحؑ نے جس طرح ہر مشکل میں اپنے رب کو پکارا ہے۔ اس کے ذریعہ سے قرآن ہمیں تعلیم دے رہا ہے کہ تم بھی اپنی مشکلات میں اپنے رب کو پکارا کرو اور بدعقیدہ بدعتیوں کی طرح نہ بنو جو کہتے ہیں ؎

سنیو ! ان سے مدد مانگے جاؤ
پڑے بکتے رہے بکنے والے
بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا؟

ہم صرف یہ جواب دیں گے

تو اگر مشرک بنا پھر ہم کو کیا
پیٹ کا بندہ بنا پھر ہم کو کیا
خالق کون و مکان کو چھوڑ کر
غیر کے در پر جھکا پھر ہم کو کیا

حضرت نوحؑ نے قوم کی غرقابی کے بعد کشتی سے اترنے اور زمین پر آرام کی جگہ ملنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے شامل حال رہنے کے لئے بھی اپنے رب کو اس طرح پکارا:

﴿رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴾۔ (مومنون)

اے میرے رب مجھے برکت کیساتھ اتار دیجئے اور آپ بہترا تارنے والے ہیں۔

حضرت ہودؑ نے بھی صرف ایک رب کو پکارا

حضرت ہودؑ کی قوم نے بھی آپ کو بہت ستایا۔ طرح طرح کی ایذائیں دیں حتیٰ کہ آپ کی طرف جھوٹ کی اس طرح نسبت کی:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ن افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾ (مومنون)

کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی، ہم کبھی اس پر ایمان لانے والے نہیں۔

اس کے جواب میں حضرت ہودؑ نے اپنے رب کو مدد کے لئے اس طرح پکارا۔

﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ (مومنون)

فرمایا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا تو میری مدد فرما۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ سزا بھگت کر پچھتائیں گے۔

﴿قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ○فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً﴾ (مومنون)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھوڑی دیر کے بعد یہ خود نادم ہوں گے پھر انہیں ایک سخت آواز نے سچے وعدہ کے موافق آ پکڑا، پھر ہم نے انہیں خس و خاشاک کر دیا۔

حضرت صالحؑ نے سب کچھ رب سے مانگا:

حضرت صالحؑ نے اپنی ساری محنت اللہ تعالیٰ کے حوالے کردی اور پھر فرمایا کہ اس کا بدلہ میں کسی اور سے نہیں مانگتا بلکہ اپنے رب ہی سے اس کا اچھا بدلہ مانگتا ہوں۔ قرآن نے اس کو اس طرح نقل کیا ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (الشعرآء)

یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرکے بات مانو اور میں تم سے اس پر مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس رب العالمین یعنی جہانوں کے پالنے والے کے ذمہ ہے۔

جدّ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے ہر موقع پر اپنے رب کو پکارا

قرآن عظیم میں لفظ رب تو بہت مقامات پر آیا ہے جس طرح لفظ اللہ کثرت سے قرآن میں مذکور ہے اسی طرح لفظ رب بھی بہت کثرت سے قرآن میں آیا ہے پھر جن انبیاء کرام نے اپنی دعاؤں، پکاروں اور ضروریات میں لفظ رب کو استعمال کیا ہے ان میں سب سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ نے اس لفظ کے ذریعے سے دعائیں مانگی ہیں۔ آپ یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا جو بڑا خزانہ ہے اس کو کھولنے کے لئے لفظ رب سب سے بڑی چابی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص پانچ بار یارب یارب یارب یارب یارب کہہ کر دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ علماء نے یہ نسخہ سورت آل عمران کی آیات ۱۹۱ تا ۱۹۵ سے لیا ہے جہاں پانچ بار لفظ ربّنا سے دعا کا ذکر ہے اور پھر فاستجاب کا لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ صرف آیات نقل کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (آل عمران)

اب آیئے اور ان چند آیات کو ملاحظہ فرمائیں جن میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کو بار بار پکارا ہے اور ایک پیارا لفظ رب استعمال فرمایا ہے۔ مکہ مکرمہ کی آبادی، اس کی روحانی اور مادی ترقی کے لئے

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کو اس طرح پکارا۔

مکہ واہل مکہ کے لئے دعا

﴿رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ٥ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ﴾

(سورہ ابراہیم رکوع ۶)

اے ہمارے پروردگار! میں نے تیرے گھر کعبہ کے پاس ایک چٹیل میدان میں اپنی بعض اولاد کو آباد کیا ہے، اے میرے رب یہ اس لئے تا کہ وہ نمازیں قائم کریں پس تو لوگوں میں سے کچھ کے دل اس طرف پھیر دے کہ وہ اس (کعبہ) کی جانب مائل ہوں اور ان کو پھلوں سے رزق عطا کرتا کہ یہ شکر گذار بنیں۔

حضرت ابراہیمؑ عمومی دعا مانگ رہے ہیں

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحَاقَ ط اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَاءِ ٥ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ٥﴾ (ابراہیم رکوع ۶)

سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ واسحاقؑ بخش دیئے۔ بے شک میرا رب یقیناً دعا وپکار کو سننے والا ہے۔ اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے، اے ہمارے پروردگار! ہماری دعا اور پکار کو سن لے۔ اے ہمارے پروردگار تو مجھ کو اور میرے والدین کو اور سارے مومنوں کو حساب کتاب کے دن بخش دے۔

حضرت ابراہیمؑ کی کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت خصوصی دعا

﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٥ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَاَرِنَامَنَا سِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ٥﴾ (بقرہ)

وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ابراہیمؑ اور اسماعیل کعبۃ اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور فرما رہے تھے) اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنا

فرمانبردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتا دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو بڑا توبہ قبول کرنیوالا نہایت رحم والا ہے۔

بعثت محمدیؐ کے لئے خصوصی دعا

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (بقرہ)

اے ہمارے پروردگار! اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج دے جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

زمین و آسمان کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے

﴿قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِىْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِيْنَ﴾ (انبیاء رکوع ۵)

ابراہیمؑ نے فرمایا (یہ بت تمہارے رب نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔

ایک ہی رب مشکل کشا ہے

﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىْ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ○ الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِىْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِىْ خَطِيْٓئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِىْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصَّالِحِيْنَ ○﴾

(شعراء رکوع ۵)

ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو تم بھی اور تمہارے بڑے بھی سو وہ میرے دشمن ہیں مگر جہاں کا رب جس نے مجھے بنایا پس وہی مجھے ہدایت دیتا ہے وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا اور جس سے مجھے توقع ہے کہ قیامت کے دن میری تقصیر معاف کرے گا اے میرے رب دے مجھے حکم اور ملا مجھ کو نیکوں کیساتھ۔

حضرت یوسفؑ نے صرف ایک رب کی عبادت کی تعلیم دی

حضرت یوسفؑ مصر میں جب جیل میں چلے گئے تو آپ نے جیل کے اندر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کا درس دیا آپ کے سامنے جیل میں جو دوسرے گرفتار شدگان تھے انہوں نے حضرت یوسفؑ کی معصومیت سے متاثر ہو کر مسائل کا سوال و جواب شروع کر دیا اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر حضرت یوسفؑ نے مسائل سمجھانے سے پہلے ان کو توحید کا عقیدہ سمجھایا چونکہ اہل مصر کے ہاں کئی رب قابل عبادت سمجھے جاتے تھے چھوٹے بڑے کئی رب معبود بنے ہوئے تھے اس لئے حضرت یوسفؑ نے ان کو سمجھا دیا کہ حاجت روا، مشکل کشا غائبانہ حاجات میں پکارنے کے لائق اور نذرو نیاز اور سجدہ ورکوع کے لائق صرف ایک رب ہے ارشاد ہے:

﴿يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآئُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾ (یوسف رکوع ۵)

اے قید خانہ کے ساتھیو! کیا جدا جدا کئی رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے؟ تم اس اللہ کے سوا کچھ نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کر لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کوئی سند نہیں اتاری اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو وہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یوسفؑ نے حسنِ خاتمہ کے لئے رب کو پکارا

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ﴾ (یوسف رکوع ۱۱)

اے میرے رب تو نے مجھ کو کچھ حکومت دی ہے اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھایا ہے اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے نیک بختوں میں شامل کر دے۔

حضرت موسیٰؑ نے کھانے کے لئے اپنے رب کو پکارا

حضرت موسیٰؑ نے جب مصر سے ہجرت کی اور آٹھ دن کا سفر کر کے مدین پہنچے تو آپ کو سخت

بھوک لگی تھی اور بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ مدین کے کنوئیں پر حضرت شعیبؑ کی بچیاں بھی تھیں جو اپنی بکریوں کو پانی پلانا چاہتی تھیں لیکن قوم کے ظالم کافران کو پانی کے قریب آنے نہیں دے رہے تھے یہ حالت دیکھ کر حضرت موسیٰؑ نے ان لوگوں کو اِدھر اُدھر کر دیا اور کنوئیں سے بھاری پتھر ہٹا کر ان بچیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پھر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر اپنے رب سے اس طرح کھانا مانگا۔

﴿فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ﴾

(سورۃ قصص)

پس ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سایہ کی طرف ہٹ کر آیا اور کہا اے میرے رب! تو میری طرف جو کچھ (کھانے کے لئے) اتار دے میں اس کا محتاج ہوں۔

فرمایا میرے ساتھ میرا رب ہے

جب حضرت موسیٰؑ کی قوم نے دیکھا کہ آگے دریا ہے اور پیچھے سے فرعون پہنچنے والا ہے تو نہایت گھبراہٹ کے عالم میں قومِ موسیٰؑ نے کہا ﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ یعنی موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے؟ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں فرمایا ﴿قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (شعرا ۴)

یعنی میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے صحیح راستہ بتائے گا اور مجھے ہرگز فرعون کے لوگ نہیں پکڑ سکتے۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا دلچسپ مکالمہ

مصر کے فرعون نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا اس ضمن میں اس نے اپنے آپ کو سب سے بڑا رب بنایا تھا اور اعلان کیا تھا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ ﴿فَحَشَرَ فَنَادٰى فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾

حضرت موسیٰؑ نے جب فرعون کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم دونوں بھائی رب العالمین کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اس پر فرعون نے انتہائی تکبر سے کہا ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی یہ رب العالمین کیا چیز ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ آسمانوں زمین اور اس کے درمیان جو کچھ ہے سب کا پروردگار رب العالمین ہے۔ فرعون نے اپنی مجلس کے لوگوں سے کہا سنتے ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے قدیمی آباؤ اجداد کا رب ہے فرعون نے کہا کہ بے شک یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب

کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔فرعون نے غصّے ہو کر دھمکی دے دی کہ اگر میرے سوا کسی کو معبود بنا دیا تو میں تمہیں جیل میں ڈال دوں گا اس پر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اگر چہ میں تمہارے پاس ایک روشن چیز لاؤں پھر بھی جیل میں ڈالو گے؟ فرعون نے کہالا ؤ اگر تم سچے ہو،اس پر حضرت موسیٰؑ نے معجزۂ ید بیضا اور عصا موسیٰ کا اظہار فرمایا جس سے فرعون لا جواب ہو گیا۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار فرعون کے مال ومتاع کو تباہ فرما اللہ تعالیٰ نے پکار سن لی۔

حضرت الیاسؑ نے بھی ایک رب کو پکارنے کی تعلیم دی

سرزمین شام اور یمن میں لوگوں نے بعل کے نام سے ایک بت بنایا تھا جو سونے کا تھا اور بیس گز لمبا تھا جس کے چار منہ تھے اور اسکی خدمت میں ہر وقت چار سو خادم لگے رہتے تھے۔حضرت الیاسؑ کی قوم دیگر بتوں کے علاوہ خصوصیت سے بعل کی پوجا کرتی تھی۔حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم کو سمجھا دیا کہ تم بعل کو پکارتے ہو اور رب العالمین کو چھوڑتے ہو؟ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

﴿وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْقَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (سورہ صٰفٰت ۱۲۴)

الیاس اللہ کے رسولوں میں سے ہیں وہ وقت قابل ذکر ہے جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خدا کو چھوڑے ہوئے ہو (حقیقت یہ کہ) اللہ ہی تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے اس کو پکارنا چاہیئے۔

حضرت ایوبؑ نے مشکلات میں ایک ہی رب کو پکارا

حضرت ایوبؑ کے جسم مبارک میں سخت قسم کی بیماری لگی تھی بیمار ہونے سے پہلے آپ کی ساری اولاد مر چکی تھی، مال ضائع ہو چکا تھا۔آپ کی ذاتی خدمت کے لئے صرف ایک وفادار بیوی رہ گئی تھی گویا آپ انتہائی شدید مشکلات میں تھے۔ان تمام مشکلات کے حل کے لئے حضرت ایوبؑ نے جس رب کو پکارا تو ہمیں بھی چاہیئے کہ اپنی مشکلات میں اسی رب کو پکاریں اور اپنے رب کو چھوڑ کر در در کی ٹھوکریں نہ کھائیں۔یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور یہ انبیا کرام کی تعلیم ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاَيُّوْبَ اِذْنَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ (سورت انبیا ۸۴)

اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے (شدید تکلیف کے بعد) اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور اتنا ہی ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بھی دیا اور (اس میں) عبادت کرنیوالوں کے لئے نصیحت ہے۔

دفع ضرر کے لئے حضرت ایوبؑ نے اپنے رب کو پکار

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (سورہ ص آیت ۴۱،۴۲،۴۳)

اور ہمارے بندے ایوب کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے (حکم ہوا) اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ نہانے اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور اتنا ہی ان کیساتھ اپنی رحمت سے اور بھی دیا اور عقلمندوں کے لئے (یہ) نصیحت (کافی) ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے مثالی حکومت کے لئے اپنے رب کو پکارا

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ (ص ۳۵)

فرمایا اے میرے پروردگار! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی حکومت عنایت فرما جو میرے بعد کسی کی شایان شان نہ ہو بے شک تو بہت بڑا عنایت کرنیوالا ہے پھر ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا کہ وہ اس کے حکم سے بڑی نرمی سے چلتی تھی جہاں اسے پہنچنا ہوتا تھا۔

حضرت زکریاؑ نے اولاد کے لئے صرف اپنے رب کو پکارا

﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝﴾ (الانبیاء ۹۰)

اور زکریاؑ کا تذکرہ کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر وارث آپ ہی ہیں، پس ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم نے انکو یحییٰ فرزند عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو اولاد کے قابل کر دیا۔ یہ سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور امید وبیم یعنی رغبت ورہبت کیساتھ ہماری عبادت کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھک کر رہتے تھے۔

بڑھاپے میں بیٹا ملا

﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ اِذْنَادٰى رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيًّا۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا۝ وَ اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِ يْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝﴾ (سورۃ مریم)

یہ تذکرہ ہے آپ کے رب کی مہربانی کا اپنے بندہ زکریا پر جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا (جس میں) یہ عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی اور (اس سے قبل کبھی میں) آپ سے اے میرے رب مانگنے میں ناکام نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کی طرف اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایسا (بیٹا) وارث دے دیجئے کہ وہ (میرے علوم خاص میں) میرا وارث بنے اور میرے دادا یعقوب کے خاندان کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو اپنا پسندیدہ بنا لیجئے (اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر کے فرمایا) اے زکریاؑ تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنے رب کو پکارا

﴿اِذْقَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْصَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَااَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَاوَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْ اُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا اُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾

(مائدہ ۱۱۲ تا ۱۱۵)

یعنی وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائے آپؑ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو وہ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا طمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

عیسیٰؑ بن مریمؑ نے دعا کی اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ ہمارے اول و آخر سب کیلئے ایک خوشی کی بات ہو جائے گی اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم پر نازل کرنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی اور ناشکری کریگا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا۔

اصحاب کہف نے شاہی دربار میں صرف ایک ہی رب کو پکارا

اصحاب کہف توحید پرست چند نوجوان تھے جنہوں نے سلطنت روما کے ایک ظالم اور جابر بادشاہ کے سامنے دربار میں توحید کا ایک نعرہ مستانہ لگایا اور ایک ایمانی جرأت واستقلال کا ایسا مظاہرہ کیا جس نے دیکھنے والوں کو حیران و مبہوت کر کے رکھ دیا۔ انہوں نے بادشاہ کے بھرے دربار میں کھلے الفاظ میں فرمایا کہ ہمارا رب یہ بادشاہ نہیں ہے بلکہ ہمارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جب رب وہی ہے تو پھر کسی اور کو معبود ٹھہرانا حماقت ہے۔ ربوبیت والوہیت دونوں اللہ ہی کیساتھ خاص ہے قرآن عظیم میں اللہ نے ان نوجوانوں کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا﴾ (سورہ کہف)

ہم ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انکی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب کہ وہ یہ کہہ

کر (بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہو گئے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم بڑی بے جا بات کرنیوالے ہوں گے۔

اصحاب کہف نے غار کی تنہائی میں بھی صرف ایک رب کو پکارا

﴿اِذْاَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَامِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ (کهف)

وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی پھر کہا کہ اے ہمارے رب ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمائیے اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔

یہ تھے وہ نوجوان جنہوں نے پوری دنیا اور پھر وقت کے بادشاہ سے آنکھیں بند کر کے صرف ایک رب کو اپنے لئے کافی سمجھ کر الگ تھلگ ہو گئے اور کسی خطرہ کا خیال نہیں کیا۔ سچ ہے

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک رب کو پکارا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اتارا تو قرآن مجید میں جتنے انبیاء کرام کی تعلیمات اور اکیلے ایک رب کو پکارنے کے جتنے واقعات ہیں گویا یہ سب نبی کریم ؐ کی تعلیمات ہیں تو جو حکم باقی تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا وہی حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملا۔ ارشاد عالی ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (انعام ۹۰)

یعنی یہ حضرات انبیا کرام ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریقے پر چلئے۔

یعنی بنیادی احکامات میں تمام انبیا کرام کی تعلیمات ایک جیسی ہیں لہٰذا قرآن عظیم نے اگر ایک نبی کی پکار کا تذکرہ بھی کیا ہوتا تب بھی یہ تعلیم تمام انبیاء کرام اور تمام امتوں کے لئے کافی ہوتی۔ بہر حال حضور اکرمؐ پر قرآن عظیم میں رب تعالیٰ کی ربوبیت عامہ وخاصہ اور رب العالمین ہونے کی جتنی آیتیں اتری ہیں وہ سب حضور اکرمؐ کی امت کی تعلیم کے لئے ہیں۔ اور ان سب کے پہلے مخاطب آپؐ خود بھی ہیں اس

کے ساتھ ساتھ کئی آیات ایسی بھی ہیں جس میں خاص طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ اپنے رب سے مدد و نصرت مانگیئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾۔ (انبیا ۱۱۲)

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اے میرے رب! حق کے موافق فیصلہ فرما دیجئے اور (پیغمبرؐ نے کفار سے یہ بھی کہا کہ) ہمارا رب ہم پر مہربان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بناتے ہو۔

حضور اکرمؐ نے ہر نیک کام میں رب کو پکارا

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (بقرہ ۲۸۶)

اے ہمارے پروردگار! ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت میں) نہ ڈالیئے جس کی ہم میں طاقت نہ ہو، ہم سے درگذر کیجئے اور ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحم کیجئے آپ کارساز ہیں آپ ہمیں کافر لوگوں پر غالب فرما دیجئے۔

حضور اکرمؐ نے اپنی ہر چیز اپنے رب کے سپرد کر دی

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (سورۃ الانعام ۱۶۳، ۱۶۴)

آپ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ خالص اللہ ہی کا ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

حضور اکرمؐ نے تارکین قرآن کے مقابلہ میں رب کو پکارا

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (سورۃ الفرقان ۳۰)

اور رسول کہیں گے اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔

ان آیتوں کے علاوہ بہت ساری آیتیں ایسی ہیں جس میں پروردگار عالم اور رب العالمین اور رب العرش العظیم

جیسی عظمتوں اور برکتوں والے رب کی یکتائی اور ربوبیت عامہ وخاصہ کے اعلانات ہیں حتیٰ کہ حضور اکرمؐ نے اپنے سفر وحضر کے متعلق بھی اپنی ضروریات کو اللہ تعالیٰ اور رب العالمین سے مانگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

حضور اکرمؐ نے سفر وحضر میں اپنے رب سے مدد مانگی

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل ۸۰)

اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب! مجھ کو خوبی کیساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کیساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کیساتھ نصرت و مدد ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ میں بھی بہت ساری ایسی دعائیں ہیں جو رب سے مانگی گئی ہیں اور جس میں صرف ایک رب کو ان دعاؤں اور ان پکاروں کیساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اس لئے اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ قرآن وحدیث اور انبیا کرام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی مشکلات میں صرف ایک رب کو پکارے نہ یہ کہ مسلمان بھی ہے اور قسم قسم کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ اور رب عظیم کے سوا بھی پکارتا ہے۔ دو اور چار کی بات نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں باطل ارباب بناتے ہیں جس کو وقتاً فوقتاً پکارتا رہتا ہے ایسے مشرک کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

اَرَبًّا وَاحِداً اَمْ اَلْفَ رَبٍّ
اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ
تَرَکْتُ الّٰلاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذٰلِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

جب عبادات تقسیم ہونے لگ جائیں تو کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں یا ایک ہزار ارباب کی اطاعت کروں؟ اسی لئے میں نے لات مناۃ اور عزیٰ سب کو چھوڑ دیا اور عقلمند آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

ایک بت پرست کے بت پر آ کر لومڑی نے پیشاب کیا بت پرست مکروہ منظر دیکھ کر حق پرست بن گیا اور پھر کہا کہ رب ایسا نہیں ہوتا جس پر لومڑیاں پیشاب کریں۔ ؎

اَرَبًّا یَبُوْلُ الثُّعْلَبَانُ بِرَاْسِہٖ
لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَیْہِ الثَّعَالِبُ

کیا میں اس کو رب بناؤں جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کرتی رہتی ہیں؟ یقیناً وہ بڑا ذلیل ہوا جس کے سر پر لومڑیوں نے پیشاب کیا۔

ؔ زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

ہر مسلمان کو توحید کے معاملے میں اس صفت پر آ جانا چاہیے جو اس نظم میں ہے۔

لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جہانِ فکر و نظر لا الہ الا اللہ
متاعِ اہل خبر لا الہ الا اللہ
یہ ذکرِ حق کی متاعِ عزیز کیا شے ہے
نہیں کسی کو خبر لا الہ الا اللہ
زہے نصیب یہ دولت اگر مجھے مل جائے
ہو لب پہ شام وسحر لا الہ الا اللہ
نجوم وشمس و قمر بھی فریب دے نہ سکے
خلیلؑ کی ہے نظر لا الہ الا اللہ
کہیں بھی بحرِ معاصی میں غرق ہو جاتے
نہ ہوتا ساتھ اگر لا الہ الا اللہ
ہر ایک ذرّہ ہے مصروف یادِ حق کیفی
وہ برگ ہو کہ شجر لا الہ الا اللہ

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو راہ راست پر لائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

جمعہ ۲۲ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۲۱ جولائی ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
عیسائی کیسے گمراہ ہوئے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَابَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾ (سورئہ مائدہ ۷۲)

’’بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا، اور مسیح نے کہا ہے اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے‘‘۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (سورئہ مائدہ ۷۳)

’’بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے‘‘

﴿مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. وَاُمُّهُ الصِّدِّيْقَةُ. كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ (سورئہ مائدہ ۷۵)

’’نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر اللہ کا رسول اس سے پہلے بہت رسول گذر چکے ہیں، اور اس کی ماں ولیہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے‘‘۔

محترم حضرات!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ۵۷۰ سال پہلے بیت اللحم مقام میں پیدا ہوئے تھے، آپ کے ماننے والوں کو عیسائی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور امتی ہیں، انہیں مسیحی بھی کہتے ہیں کیونکہ مسیح علیہ السلام کو مسیح ابن مریم بھی کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا تیسرا تعارف نصاریٰ ہیں، یہ نام اس وجہ سے ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ’’ناصرہ‘‘ مقام میں پرورش پائی تھی، ان لوگوں کو قرآن وحدیث نے اہل کتاب کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ اہل کتاب یہود ونصاریٰ دونوں کو کہتے ہیں، کیونکہ اپنے دور میں ان لوگوں کے پاس آسمانی کتابیں تھیں اور بعد کے زمانے میں نزول قرآن سے پہلے دوسری اقوام عالم کی نسبت یہ لوگ کتاب والے مانے جاتے تھے۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والی امت مسیحی کو عیسائی کہتے ہیں، یہ امت اپنے

دور میں برحق اور راہ راست پر چلنی والی امت تھی۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے جو قرب قیامت کے وقت دوبارہ زمین پر آئیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بن کر جہاد کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھالیا تو اسّی سال بعد آپ کی امت راہ راست سے بھٹک کر گمراہی میں جا گری اور ان کے بڑے تین فرقے بن گئے۔

عیسائیوں کی گمراہی کا عجیب واقعہ

کلینی نے اپنے تفسیر میں لکھا ہے کہ رفع عیسیٰ کے ۸۰ سال تک نصاریٰ صحیح دین پر قائم تھے اور ان کے اعمال درست تھے اور شرک سے بیزار تھے، پھر یہودیوں کے ساتھ ان کی ایک طویل لڑائی چھڑ گئی، یہودیوں میں ایک بہادر شخص تھا جس کا نام ''بولس'' تھا اس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام ساتھیوں اور اصحاب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک دن اس شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر عیسیٰ حق پر ہو اور اللہ کا رسول ہو تو ہم ان کا کفر کر کے جہنم کے مستحق ہو گئے، لہٰذا یہ بڑے خسارے کی بات ہے کہ ہم تو سارے جہنم میں جائیں اور ہمارے دشمن عیسائی کامیاب ہو کر جنت میں چلے جائیں۔ اس لئے میں ایک حیلہ کے ذریعے سے عیسائیوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔

چنانچہ ''بولس'' نے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سر پر مٹی ڈال کر نصاریٰ کے پاس آیا اور اپنے اعمال وافعال پر ندامت کا اظہار کیا، عیسائیوں نے کہا تم کون ہو؟ بولس نے کہا میں تمہارا دشمن بولس ہوں مجھے آسمان سے آواز آئی ہے کہ تیری توبہ قبول نہیں ہوگی ہاں اگر عیسائیت کو اختیار کرلو تو پھر توبہ قبول ہو جائے گی اور تمہارا گناہ معاف ہو جائے گا۔

عیسائیوں نے اس شخص کو گرجا میں داخل کر دیا بولس وہاں دن رات رہا کبھی باہر نہیں آیا، انجیل پڑھتا رہا اور مکمل ایک سال تک گرجا کے اندر عبادت میں مشغول رہا، سال کے بعد بولس گرجا سے باہر آیا اور کہا کہ آسمان سے آواز آئی کہ اب تیری توبہ ہم نے قبول کر لی ہے، عیسائیوں نے اس کا بڑا احترام کیا اور عزت کی نگاہ سے ان کو دیکھا اس کے بعد بولس بیت المقدس چلا گیا، اور وہاں نسطورا نامی ایک مشہور عیسائی کو کہا کہ عیسیٰؑ اور مریمؑ اور اللہ تینوں معبود ہیں اور اللہ ان تینوں میں تیسرا ہے، پھر یہ شخص روم چلا گیا اور وہاں عیسائیوں کے دوسرے بڑے آدمی سے ملاقات کی جس کا نام یعقوب تھا، بولس نے یعقوب سے کہا کہ عیسیٰؑ جن وانس میں سے نہیں تھے بلکہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، اس کے بعد اس نے ایک اور مشہور عیسائی

سے ملاقات کی جس کا نام ''ملکان'' تھا بولس نے ان سے کہا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ خود اللہ تھے خدا عیسیٰ کی صورت میں زمین پر آئے تھے۔

گمراہی کے اس منصوبے کے بعد بولس نے کچھ دنوں بعد اپنے ان تینوں شاگردوں کو الگ الگ بلا کر ہر ایک سے یہ کہا کہ تم میرے خاص آدمی ہو میں کل عیسیٰ کی خوشنودی میں اپنے آپ کو ذبح کروں گا کیوں کہ میں نے رات کو عیسیٰ کو خواب میں دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہو چکے ہیں، اب عیسیٰ کی خوشنودی کے تحت میں کل اپنے آپ کو ذبح کروں گا۔ تم چونکہ میرے خالص آدمی ہو لہٰذا میں نے جو عقیدہ تمہیں سکھایا ہے میرے بعد لوگوں کو اسی عقیدے کی طرف دعوت دے کر بلاؤ۔ چنانچہ دوسرے دن بولس ملعون نے خودکشی کر کے اپنے آپ کو ذبح کر دیا اور تین دن کے بعد نسطورا اور یعقوب اور ملکان نے لوگوں کو اپنے اپنے عقیدہ کی طرف بلایا اور بولس کا حوالہ دیا چنانچہ عیسائیوں کے اندر تین فرقے بنے۔ ایک نسطوریہ فرقہ جو تین اقنوم یعنی اللہ اور عیسیٰ اور جبرئیل یا مریم کا قائل ہے، دوسرا فرقہ یعقوبیہ جو عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مانتا ہے، اور تیسرا فرقہ ملکانیہ جو عیسیٰ کو عین خدا کہتا ہے، پھر تینوں آپس میں خوب لڑے (بحوالہ حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۱۵)

محترم سامعین!

آپ کو اس بیان سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود انسانیت کے کس قدر دشمن ہیں، کہ جان کی قربانی دے کر دوسروں کو جہنم میں پہنچانے کے منصوبے تیار کرتے ہیں، مناسب تو یہ تھا کہ یہ خبیث شخص حق کی طرف آتا اور خود آگ سے بچتا مگر وہ خود بھی آگ میں جانے کے لئے تیار ہے اور دوسروں کو پہنچانے کی سعی بلیغ کرتا ہے۔ یہ یہودی سازشی اور فسادی ذہن ہے جو اس وقت بھی عالم میں متحرک ہے، اور اس کام میں عیسائی بھی ان کے شانہ بشانہ سرگرم عمل ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ میں نے پینتالیس سال کی عمر میں جو کچھ دیکھا اور سنا وہ یہی ہے کہ یہود ونصاریٰ انسانوں کو فحاشی، بے حیائی، بدکرداری، اور اخلاق سوز افعال کی طرف لے جاتے ہیں۔ انہوں نے کسی کو شریف تو نہیں بنایا البتہ شریفوں کو گرا کر جانوروں سے بدتر مقام تک پہنچا دیا، اس کے برعکس اسلام میں جو یہودی یا عیسائی مکمل طور پر داخل ہو جاتا ہے وہ کردار کا مالک بن جاتا ہے اور شرافت کا پتلا فرشتہ صفت انسان بن جاتا ہے جس کا مشاہدہ دنیا کر سکتی ہے۔

اس وقت یہود ونصاریٰ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جس طرح وہ خود دوزخ کے ایندھن ہیں مسلمان بھی اسی طرح دوزخ کا ایندھن بن جائیں۔

بہر حال عیسائیوں کے مندرج بالا تینوں فرقوں کے تینوں عقائد پر قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا رد فرمایا ہے اور ان تمام عقائد کو باطل اور موجب کفر وضلالت بتایا ہے، چنانچہ تین معبودوں کے قائل فرقۂ نسطوریہ پر اس طرح رد کیا ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

''بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ بجز ایک معبود کے کوئی معبود نہیں۔ یعنی حضرت مسیحؑ، روح القدس، اور اللہ۔ یا مسیح، مریم، اور اللہ تینوں خدا ہیں۔ (العیا ذباللہ) ان میں کا ایک حصہ دار، اللہ ہوا، پھر وہ تینوں ایک اور ایک تین ہیں، عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے۔ اور اس خلاف عقل و بداہت عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچدار عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کے سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں، سچ ہے ع

ولن یصلح العطار ما افسده الدهر

''زمانہ جس چیز کو گلا سڑا کر بدبودار بنادے وہ عطار کے عطر سے خوشبودار نہیں ہوسکتی''

ایک تین اور تین ایک کے خلاف عقل عقیدے کے متعلق ایک ظریف شاعر نے کہا۔

تثلیث کے قائل نے بھی اللہ کو کہا ایک
لو تین کی سوئی تین پہ کھڑی ہے اور بجا ایک

دوسرے فرقہ یعقوبیہ کے عقیدہ پر رد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

﴿وقالت النصاری المسیح ابن اللہ ذالک قولهم بافواههم﴾ (سورۂ توبہ ۳۰)

''اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے اگلے کافروں کی بات کی ریس کرنے لگے''

یعنی ابنیت یا الوہیت مسیح وغیرہ کا عقیدہ پرانے مشرکین کے عقیدے کے مشابہ ہے بلکہ انہیں کی تقلید میں یہ اختیار کیا۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۵۲)

تیسرے فرقے کی تردید اس طرح کی گئی ہے۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ (سورۂ مائدہ ۷۲)

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مریم کا بیٹا مسیح ہے اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں ''یہاں سے نصاریٰ کی ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس معیار پر پورے اترے؟ ان کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف، فطرت سلیمہ کے خلاف، اور خود حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنا دیا ایک تین اور تین ایک، کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہے۔ حقیقتاً سارا زور وقوت صرف حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے، حالانکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربوب ہونے کا اعلانیہ اعتراف فرمارہے ہیں اور جس شرک میں ان کی امت مبتلا ہونے والی تھی اس کی برائی کس زور اور شور سے بیان کررہے ہیں پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۵۹)

الوہیت مسیح کی تو جڑ ہی کٹ گئی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عجیب انداز سے الوہیت مسیح ومریم کو باطل ٹھہرایا ہے، جس کو عالم وعامی شخص یکساں طور پر بغیر کسی محنت ومشقت کے سمجھ سکتا ہے اور ہر عقل مند حقیقت پسند اور منصف مزاج خود یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ حق کیا ہے اور کہاں ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (سورئہ مائدہ ۵

''مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گذر چکے ہیں اور ان کی والدہ ایک ولیہ بی بی ہیں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے''۔

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے بن باپ پیدا کیا یہ ایک معجزاتی تخلیق تھی جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور مقصود تھا، اب بجائے اس کے کہ یہ پیدائش اللہ کی وحدانیت اور قادر مطلق ہونے کی دلیل بنتی الٹا عیسائیوں نے اس عجیب تخلیق کو الوہیت مسیح کی علامت قرار دے دیا کہ مسیح اس لئے خدا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ پھر آدم کے بارے میں کیا کہوگے وہ تو بغیر ماں باپ کے پیدا تھے یعنی اگر بغیر باپ کی پیدائش خدا بننے کی دلیل ہے تو پھر آدم کو بھی خدا کہو اور پھر حوا کو بھی خدا مانو جو بغیر باپ کے پیدا تھیں۔ اگر عیسیٰؑ نے بڑے بڑے معجزے دکھا کر مردوں کو زندہ کیا ہے اس لئے وہ خدا ہے تو پھر موسیٰؑ کو بھی خدا مان لو جنہوں نے ایک جماد لکڑی کی لاٹھی کو زندہ سانپ بنا کر دکھایا جو ان کا معجزہ تھا، اور نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے کئی معجزات تھے تو کیا ان سب کو خدا مانو گے؟؟

حقیقت یہ ہے کہ معجزہ کسی نبی کی نبوت کی دلیل ہوتا ہے، نہ یہ کہ معجزہ اس کی الوہیت کی دلیل بن جائے، اسی طرح کرامت ایک ولی کی ولایت وشرافت اور عزت وعظمت کی دلیل ہوتی ہے نہ یہ کہ کرامت کو ولی کی الوہیت کی دلیل بنایا جائے پھر بتاؤ کہ تم کو کہاں سے پتہ چلا کہ عیسیٰؑ شریک الوہیت تھے؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ کے متعلق ایسا جامع جملہ ارشاد فرمایا جس سے عیسائیوں کے غلط عقائد کے بلند وبالا برج اڑ گئے اور ان کے غلط خیالات کی عمارت زمین بوس ہوگئی اور ان کی جڑ کٹ گئی۔ فرمایا ﴿کا نا یا کلان الطعام﴾

یعنی حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، اب دیکھو جو کھانا کھاتا ہے وہ کھانے کے تمام وسائل کی طرف محتاج ہوتا ہے، وہ پہلے لوہے کی طرف محتاج ہوتا ہے پھر لوہار سے کاشت کے اوزار بنانے کی طرف محتاج ہوتا ہے، پھر کاشت کے لئے تخم کی طرف محتاج ہوتا ہے پھر کاشت کا محتاج ہوتا ہے، پھر بارش کا محتاج ہوتا ہے تا کہ پودا اُگ آئے پھر دھوپ کی طرف محتاج ہوتا ہے نیز پودے کی نشو ونما کے لئے ہوا چاہئے کاربنڈائی اور اوکسیجن گیس کی ضرورت پڑتی ہے، روشنی کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر قسم ضروری اسباب کا مہیا ہونا اور مضرات کا دور ہونا چاہئے۔ پھر فصل پکنے کے لئے دھوپ اور ذائقہ پڑنے کے لئے چاند اور رنگ بھرنے کے لئے ستاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر کھانا کھانے والا فصل کاٹنے کا محتاج، پھر غلہ صاف کرنے کا محتاج، پھر آٹا پینے کا محتاج، پھر آٹا گوندنے کی طرف محتاج، پھر آگ پر پکانے کی طرف محتاج، پھر ہاتھ میں لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالنے کی طرف محتاج اور پھر نظام ہضم میں اس کے اچھے اثرات حاصل کرنے اور برے اثرات سے بچنے کی طرف محتاج، نظام ہضم کو دیکھئے کہ غذا پہلے معدہ میں پہنچتی ہے، معدہ کی مشنری متحرک ہو کر غذا کے کچھ اجزا کو فضلات کی صورت میں نیچے گراتی ہے اور باقی اچھے اجزا کو جگر کی طرف دفع کر دیتی ہے، یہ نظام ہضم کا پہلا مرحلہ ہے۔

پھر جگر میں صفراء، سودا، دم، اور ماء جمع ہو جاتا ہے، جگر صفراء کو پتہ میں پھینکتا ہے اگر یہی نالی خراب ہو جائے تو صفراء بدن میں پھیل کر پیلیا کی بیماری ہو جاتی ہے، پتہ پھر ایک ایک قطرہ صفراء کو معدہ میں گراتا ہے تا کہ اس تلخ پانی سے کھانا ہضم ہو جائے، جگر سودا کو تلی میں پھینکتا ہے اور پانی کو گردہ اور پھر مثانہ میں گراتا ہے، جگر خون کو بنا کر دل تک پہنچاتا ہے اور دل میں پمپنگ کا دفاعی نظام اس خون کو رگوں اور شریانوں میں ڈال کر بدن میں پھیلاتا ہے تھن میں پہنچ کر یہ خون دودھ بن جاتا ہے، قدرت کا یہ عجیب وغریب نظام ہے۔

بہرحال انسان ہضم کی طرف محتاج اور پھر کھانے کا فضلہ جدا کرنے کے لئے قضائے حاجت اور پیشاب کی طرف محتاج یہ تسلسل کے ساتھ احتیاج دراحتیاج ہے پھر ایسی مخلوق کو خدا کیسے مانا جاسکتا ہے؟ ﴿کانا یاکلان الطعام﴾ ''وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے'' سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو کیسے عام انداز میں کیسے مؤثر طور پر ثابت کردیا۔ اسی نظام کی طرف بابا سعدی نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ابرو بادومہ و خورشید و فلک در کار اند
تاتونانے بکف آری و بغفلت نخوری

یعنی تیرے کھانے کے انتظام میں بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان نے کام کیا ہے، لہٰذا جب تم لقمہ ہاتھ میں رکھو تو غفلت کے ساتھ نہ کھاؤ،

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ﴿کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامِ﴾ کی اس طرح تفسیر فرماتے ہیں۔

''غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کی طرف محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے، زمین، پانی، ہوا، سورج، حیوانات، حتیٰ کہ میلے اور کھاد سے بھی اسے استغناء نہیں ہوسکتا ہے، غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے پھر کھانے سے جو اثرات ونتائج پیدا ہوں گے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے احتیاج وافتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح ومریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کرسکتے ہیں کہ مسیح ومریم اکل وشرب سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے، اور جو اکل وشرب سے مستغنی نہ ہو تو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہوسکتا، پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم وجاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں'' معاذ اللہ''

(تفسیر عثمانی ص ۱۵۹)

محترم حاضرین!

اس مختصر اور واضح دلیل کو یاد رکھو اور اپنے ملنے والے عیسائیوں پر اعتراض کرو اور جارحانہ انداز سے ان کو ملزم ٹھہراؤ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو کیونکہ مسلمان کے پاس ٹھوس دلائل، موجود ہیں، ان کو سیکھ کر باطل نظام اور خیالی عمارتوں کی بنیادوں کو ہلا دینا چاہئے اور ان کو حق کی طرف دلائل کی روشنی میں بلانا چاہئے۔

حکایت: منقول ہے قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے ﴿یا عیسیٰ ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ﴾ کے الفاظ سے سوال فرمائیں گے، یعنی اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بناؤ، تو حضرت عیسیٰؑ پر اس قول کے رعب و ہیبت سے سخت کپکپی طاری ہوجائیگی آپ کی ہڈیوں سے چرچراہٹ کی آواز شروع ہوجائی گی اور جسم کے جوڑ ملنے شروع ہوجائیں گے اور بدن کے ہر بال کے نیچے سے بوجہ خوف خداوندی خون نکلنا شروع ہوجائے گا۔ اور پھر آپ جواب دیں گے کہ سبحانک مولا! تو ہر نقص وعیب سے پاک ہے میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ (روح المعانی ج۳ ص۶۶)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی یہودیت ومسیحیت کے شرکیات وبدعات سے حفاظت فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ علی نبیہ الکریم

جمعہ ۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ ۲۸ جولائی ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
ولادت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾

اور البتہ پچھلی (زندگی) بہتر ہے تجھکو پہلی سے۔

محترم حضرات!

سورۃ الضحیٰ اول سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور حیات طیبہ سے متعلق ہے اور خاص کر یہ جملہ ﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ یعنی آپ کی زندگی کا ہر دوسرا مرحلہ زندگی کے پہلے مرحلے سے بھلا اور بہتر ہوگا، آپ کا مستقبل لحہ بہ لحہ ترقی پذیر ہوگا ولادت سے لے کر جوانی اور جوانی سے لے کر وفات اور وفات سے لے کر تا حیات اَبدی آپ کا مستقبل تابناک ہوگا اور آپ کی زندگی کی ہر گھڑی ایک مستقل انقلاب پر مشتمل ہوگی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے، وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول وانحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج وارتقاء کا ذریعہ ہے، اور اگر پچھلی سے پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان وشوکت کا جبکہ آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بے شمار درجہ بڑھکر ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۹۴)

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر اترنے کے چھ ہزار ایک سو تیرہ سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ۲۹ اگست ۵۷۰ء کو پیر کے روز صبح آپ پیدا ہوئے، راجح قول یہی ہے کہ آپ ۸ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، ۱۲ بارہ ربیع الاول کی روایت اگرچہ مشہور ہے لیکن وہ کمزور ہے، البتہ وفات بارہ ربیع الاول کو یقینی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیائے عالم کے انسان مذہب ودین اور اخلاقیات وانسانیت کے حوالے سے انتہائی پستی میں گر چکے تھے انسانیت کے حوالے سے انسان مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا۔ یہودیوں کی توراۃ اور عیسائیوں کی انجیل میں تحریفیں ہو چکی تھیں عیسائیوں کے چند

راہب صحراؤں اور غاروں میں جا چھپے تھے۔ اور یہودیوں کے احبار وعلماء سطح عالم سے ناپید ہو چکے تھے اطراف عالم سے نیک اور صالح راہب اور احبار نخلہ طیبہ یثرب یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے اس لئے یہاں پناہ گزین ہوئے تھے کہ یہ شہر نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے اسی غرض سے سلمان فارسی بھی مدینہ منورہ تشریف لائے تھے (جو بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنے)۔ آپ کی عمر تین سو سال کی قریب رہی ہے پہلے آپ آتش پرست تھے اس کو چھوڑ کر آپ نے یہودیت کو اختیار کیا پھر آپ نے یہودیت کو چھوڑ کر عیسائیت کو اپنا لیا، جب آپ کا آخری مرشد مرنے لگا تو اس نے سلمان فارسی سے کہا اب روئے زمین پر ہدایت باقی نہیں ہے اب تم یثرب جا کر نبی آخر الزمان کا انتظار کرو۔ آپ روانہ ہوئے راستے میں کچھ ظالموں نے آپ کو غلام بنا کر مدینہ کے ایک آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیا، جب حضور اکرم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور دین اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر لیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسانوں کو دیکھا تو عرب اور عجم سب پر ناراض ہوئے سوائے چند عیسائی راہبوں کے، گویا کہ عالم انسانی میں رشد وہدایت کی روشنی کافور ہو چکی تھی، کہ فاران کی چوٹیوں سے ہدایت کی عظیم روشنی چمک اٹھی جس نے عالم جن وانس کو روشن کر دیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تھی جو مکہ مکرمہ میں وجود میں آئی، جس دن آپ پیدا ہوئے اسی رات شاہِ فارس نوشیروان نے خواب دیکھا کہ چند عربی گھوڑے چند اونٹوں کو کھینچے لئے جا رہے ہیں اور نہر دجلہ ٹوٹ کر تمام بلاد میں پھیل گئی ہے اسی وقت نوشیروان کے محل میں زبردست زلزلہ آیا اور محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ یکا یک خبر آئی کہ اہل فارس کے بڑے آتش کدہ کی وہ آگ جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی اچانک ٹھنڈی پڑ گئی جس آگ کی وہ لوگ پرستش کرتے تھے اسی وقت حاکم ایلیا کا خط آیا کہ آج شب دریائے ساوہ خشک ہو گیا ہے، اس کے ساتھ ہی حاکم طبریہ کی طرف سے یہ اطلاع آئی کہ آج رات دریائے طبریہ کی روانی مکمل طور پر بند ہو گئی ہے اور پانی سوکھ گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی اس انقلابی شان کی طرف علامہ بوصیریؒ نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَهُوَمُنْصَدِعٌ
کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرُ مُلْتَئِمٖ

یعنی کسریٰ کا محل اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جس طرح اس کے ساتھی تتر بتر ہو گئے

وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ
عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمٍ

فارس کی آگ نے نوشیروان پر ٹھنڈی سانس لی اور پریشانی سے اس کی نہر سوکھ گئی

وَسَآءَ سَاوَةُ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا
وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِ

اور پانی خشک ہونے نے ساوہ کو غمگین کر دیا اور پیاسے غصے سے بھرے ہوئے لوٹ گئے

يَوْمَ تَفَرَّسَ فِيْهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

اس دن فارس والوں نے جان لیا کہ وہ سختی اور عذاب سے ڈرائے گئے۔

پے در پے ان خبروں نے نوشیروان کو دہشت میں ڈال دیا اور اس نے اپنے بڑے قاضی کو بلا کر اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا اس نے کچھ جواب دیا لیکن بادشاہ کو تسلی نہیں ہوئی، پھر ملک کے سب سے بڑے راہب اور لاٹ پادری سطیح کے پاس یہ حالات اسوقت پہنچا دیئے گئے جبکہ وہ موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھا پھر بھی اس نے ہمت کر کے سب احوال سن لئے اور پھر کہنے لگے!

کہ آج رات عرب میں اللہ تعالیٰ کا پیارا ذیشان بندہ نبی آخر الزمان پیدا ہوا ہے جب تک چودہ بادشاہ فارس کے تخت پر تخت نشین نہیں ہونگے یہ ایرانی سلطنت، فارس کی طرف منسوب ہوتی رہے گی، لیکن اس کے بعد ایسی کایا پلٹ جائے گی کہ گویا بابل پر کوئی آتش پرست پارسی کبھی قابض ہوا ہی نہ ہو یہ کہہ کر سطیح کا انتقال ہوگیا، نوشیروان تو مطمئن ہوگیا کہ چودہ حکومتوں کا عرصہ لمبا عرصہ ہے، مگر وقت گزرتے کیا دیر لگتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے فارس کی حکومتیں یکے بعد دیگرے ٹوٹتی رہیں اور آخر میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن کو فتح کر کے وہاں قصر ابیض میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ حق غالب ہوا اور اوہام پرستوں کا باطل مسلک ختم ہوا اور آج تک بلکہ قیامت تک دنیا کے نقشہ سے سلطنت کسریٰ اور سلطنت قیصر کا نام مٹ گیا۔ سچ ہے۔

مِنْ بَعْدِ مَا اَخْبَرَ الْاَقْوَامَ كَاهِنُهُمْ
بِاَنَّ دِيْنَهُمُ الْمُعْوَجُّ لَمْ يَقُمِ

جب اقوام عالم کو ان کے کاہنوں اور نجومیوں نے بتا دیا کہ اب ان کا ٹیڑھا مذہب نہیں چل سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے متعلق آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھے چھ مہینے تک یہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ میں امید سے ہوں، سخت زمین پر چلتی تھی تو زمین نرم ہو جاتی کنویں کے کنارے پانی کی غرض سے آتی تو پانی کنویں کے کنارے پر آلگتا تھا، ایک دفعہ خواب میں مجھے کسی کہنے والے نے کہا کہ اے آمنہ مبارک ہو تو نبی آخر الزمان خیر الانبیاء کے وجود مسعود کو اُٹھائے ہوئی ہو، بوقت ولادت آسمان کے ستارے مجھ پر جھکے آتے تھے مجھے اندیشہ تھا کہ یہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو مجھے اپنے بدن سے ایک نور جدا ہوتے نظر آیا جس نے تمام گھر کو روشن کیا اور وہ نور پھر آسمان کی طرف چڑھا جو مشرق و مغرب کے درمیان پھیل گیا جس سے میں نے شام و بصریٰ کے محلات کو روشن دیکھ لیا، پیدائش کے وقت خوشبو کی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔

اَبَانَ مَوْلِدُهٗ فِیْ طِیْبِ عُنْصُرِهٖ
یَا طِیْبَ مُبْتَدَءٍ مِنْهُ وَمُخْتَتَمٖ

آپ کے عُنصر کی پاکیزگی اور خوبی کو آپ کی ولادت نے ظاہر کر دیا سبحان اللہ اول وآخر کیا ہی پاکیزگی ہے

آپ کو نبوت سے پہلے پتھر اور درخت اس طرح سلام کرتے تھے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" آپؐ نے خود فرمایا کہ میں اب بھی ان پتھروں کو جانتا ہوں جو مجھے نبوت سے پہلے سلام کیا کرتے تھے۔

یہ سب آپ کی ولادت کی انقلابی شان تھی مدت رضاعت میں آپ کے وجود مسعود سے حلیمہ سعدیہ کے گھر میں جو برکات آئیں وہ بھی آپ کی بلند شان کی ایک جھلک تھی۔

میں نے چند اشارے کئے ہیں واقعات بہت زیادہ ہیں میں سب کو عرض کر کے کہتا ہوں کہ حضور اکرمؐ سے اگر کامل محبت چاہتے ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھو، اور اگر صحابہ سے محبت بڑھانا چاہتے ہو تو صحابہ کرام کی سیرت پڑھو خاص کر غزوات کے واقعات پڑھو۔

حضور اکرمؐ نے پچیس سال کی عمر میں شادی کی تھی شام کی طرف آپ نے بغرض تجارت دو سفر کئے تھے ایک سفر میں آپ کو راستے سے واپس کر دیا گیا، خدیجہ کبریٰؓ سے شادی کے بعد آپ کی مالی حالت مضبوط ہوگئی اور عبادت کے لئے یکسو ہو گئے، آپ نے جاہلیت کے کسی کام میں حصہ نہیں لیا پاکیزہ جوانی میں آپ نے ہر نیک کام میں حصہ لیا اور ہر برے کام سے اجتناب کیا، چنانچہ دو قصے نقل کرتا ہوں۔

حکایت نمبر ۱: مائی حلیمہ کے گود میں جس زمانے میں آپ دودھ پی رہے تھے تو آپ کے ساتھ آپ کا رضاعی بھائی اور حلیمہ کا بیٹا بھی دودھ پیتا بچہ تھا حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا کہ میں نے محمدؐ اور آپ کے

رضاعی بھائی میں چھاتی کو تقسیم کیا تھا۔ کبھی کبھی میں بھی بھول جاتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چھاتی سے لگالیتی تھی جو آپ کے رضاعی بھائی کا حصہ تھا آپ منہ بند کرتے تھے اور دودھ نہیں پیتے تھے گویا کہ اپنے بھائی کے حق کا خیال رکھتے تھے۔

حکایت نمبر۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ مجھے جوانی میں جاہلیت کی کسی بات یعنی کھیل کود کا کبھی خیال نہیں آیا، صرف دو مرتبہ خیال آیا مگر اللہ نے بچالیا ایک بار میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم میری بکریوں کا خیال رکھو میں مکہ مکرمہ جا کر قصے کہانیاں سن کر آتا ہوں، چنانچہ میں مکہ میں داخل ہوا ایک شادی کی محفل تھی، گانے کی آواز آرہی تھی میں بیٹھا ہی تھا کہ نیند آگئی اور خدا نے میرے کانوں پر مہر لگادی دوسری شب پھر ایسا ہی ہوا۔ سچ ہے ۔

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٖ

محمد دونوں جہانوں اور جنات اور انسانوں اور عرب وعجم کے سردار ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام نے بکریاں چرائی ہیں، کیونکہ بکریاں چرانے سے انسانوں کی تربیت کا تجربہ حاصل ہوتا ہے تحمل آتا ہے تدبیر وترتیب میں مہارت آتی ہے اور دعوت وتبلیغ کے لئے صبر وتحمل کی عادت پڑ جاتی ہے۔

نکتہ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یقیناً ۱۲ ربیع الاول کو ہے اسی وجہ سے اس مہینے کا نام عوام میں ''بارہ وفات کا مہینہ'' ہے۔ اگر ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو مان لیا جائے تو پھر اس ایک تاریخ میں وفات اور ولادت کے جمع ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نہ اس دن کو عید منائیں کیونکہ ولادت کی خوشی کے ساتھ وفات کا غم بھی لگا ہوا ہے۔ اور نہ اس دن ماتم کیا جائے کیونکہ غم کے ساتھ خوشی بھی لگی ہوئی ہے تو اس طرح اعتدال قائم ہو جائے گا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میلاد النبی میں ایسا ہی لکھا ہے بہر حال ہمیں اس پورے بیان سے یہ تعلیم مل گئی کہ ہمارے پیارے پیغمبر کا ہر ہر لمحۂ زندگی انقلابی شان رکھتا ہے اور آپ کی امت بھی ایک انقلابی امت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے امین۔

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھُو اللہ احد کہتے تھے

قرآن وحدیث

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ! سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ ،وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاَنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ،وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْ ذَالِكَ دَعْوَةُ أَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ،وَبِشَارَةُ عِيْسٰى بِيْ،وَرُؤْيَااُمِّيَ الَّتِيْ رَأَتْ ،وَكَذَالِكَ اُمَّهَاتُ النَّبِيِّيْنَ يَرَيْنَ وَاِنَّ اُمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْهُ نُوْرًا اضَائَتْ لَهُ قُصُوْرَالشَّامِ.

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ! قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ،مَاكَانَ بَدْءُ اَمْرِكَ؟ قَالَ دَعْوَةُ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَبُشْرٰى عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ،وَرَأَتْ اُمِّي اَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَانُوْرًا اَضَاءَ تْ مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ.

(دلائل النبوۃ ج اص ۸۴)

۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ ۴ اگست ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

غارِ حراء میں حلۂ نبوت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾

تُو فخرِ کون و مکان زبدۂ زمین و زمان
اَمیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہے
تیرا کمال کسی میں نہیں مگر دوچار

محترم حاضرین!

اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ ہے کہ کسی نبی کو جب نبوت عطا کرتا ہے تو چالیس سال عمر ہو جانے کے بعد عطا کرتا ہے کیونکہ چالیس سالہ عمر میں آدمی کی عقل کامل ومکمل اور پختہ ہو جاتی ہے اقوال وافعال میں قرار وسکون متانت وسنجیدگی اور ٹھہراؤ آجاتا ہے، مزاج میں تحمل اور برداشت پیدا ہوتا ہے اور شدائد سے مقابلے میں پختگی آجاتی ہے اس لئے ایک دو انبیاء کرام کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کو چالیس سال پورے ہو جانے پر نبوت عطا فرمائی ہے دوسری بات یہ کہ نبوت ایک وہبی چیز ہے جس کا تعلق عطائے الٰہی سے ہے یہ کوئی کسبی چیز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی نبی نبوت ملنے سے پہلے نبوت کا امیدوار نہیں ہوتا ہے اور نہ کسی مکتب میں بیٹھ کر کسی سے پڑھ کر نبی بنتا ہے، بلکہ ہر نبی براہ راست اللہ تعالیٰ کا شاگرد ہوتا ہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھنا جانتے تھے نہ شعر وشاعری سے واقف تھے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کی یہ اس لئے تاکہ کوئی اعتراض نہ کر سکے کہ لو جناب اس نے پڑھ لکھ کر نبوت حاصل کی، یا شعر وشاعری میں ترقی کر کے نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے، تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو نبوت کے لئے منتخب کیا ہے وہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں پورا اترا ہے، اس انتخاب میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ منتخب نبی نے فریضہ میں کوتاہی کی ہو۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کی جبروتی جلال اور رحمت الٰہی کے ظہور کا وقت قریب آپہنچا، کیونکہ نبی کریمؐ

کی عمر چالیس سال کی ہوگئی، چونکہ زمانہ کی کایا پلٹنے والی تھی اور عظیم انقلابات کا دور شروع ہونے والا تھا۔ کفر کی تاریکی کافور ہونے والی تھی۔ غلبہ اسلام کا غلغلہ برپا ہونیوالا تھا۔ سابقہ انبیاء کرام کی پیش گوئیاں صادق ہونے والی تھیں، مذاہب متفرقہ کے ذی ہوش موحِّد علماء، عبادت کیش صوفیاء، راہب منش اتقیاء اور اقوام عالَم کے زُہاد، کفر وشرک، ظلم وستم، اور مخلوق خدا کو مخلوق کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے اس عظیم پیغمبر کے منتظر تھے کہ اچانک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے فیضان اور برکات ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔

سب سے پہلے آپ کو صالح اور سچے خواب دکھائی دینے لگے رؤیائے صادقہ کی صبح صادق خبر دے رہی تھی، کہ عنقریب آفتابِ نُبوت طلوع ہونے والا ہے صبح کی روشنی کی طرح سچے خوابوں کی یہ روشنی بڑھتی رہی یہاں تک کہ آفتابِ نبوت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا، اور اس کے روشن تجلیات اور تیز کرنوں نے مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک عالَم کو روشن کردیا۔ صدیق اکبرؓ جیسے حقیقت پسند انسانوں نے دوڑ دوڑ کر اس روشنی کو سینے سے لگایا، اور ابوجہل جیسے ہٹ دھرم انسانوں نے اپنی رہنمائی کے لئے اِس روشنی سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اسے ٹھکرانے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ عادت مکہ مکرمہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر غارِ حرا میں غور وفکر اور تخلیہ کی عبادت وریاضت میں مستغرق بیٹھے تھے ۱۸ رمضان کا مبارک مہینہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ کا بزرگ فرشتہ حضرت جبریل بصورتِ انسان سامنے آیا اور ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں ابتدائی وحی کے طور پر پیش کیں اور آپ کو چھاتی سے لگا کر معانقہ میں خوب بھینچ کر چھوڑا اور کہا کہ پڑھیے۔

آپؐ نے چونکہ کسی فرد بشر سے کچھ پڑھا نہیں تھا، اس لئے آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبریل امین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ سینے سے لگا کر دبایا اور پھر کہا کہ پڑھو، آپؐ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا تیسری مرتبہ حضرت جبریل نے آپ کو خوب دبایا اور پھر فرمایا پڑھ لیجئے حضرت جبریلؑ نے سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں پڑھ لیں، پھر آپؐ نے بھی پڑھ لیں، ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے!

”(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے عَالَم کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا ان کو علم نہ تھا۔ (سورۂ علق)

تفسیر!

یہ پانچ آیتیں اِقْرَأ سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک قرآن کی سب آیتوں اور سورتوں سے پہلے اتریں، آپ غار حرا میں خدائے واحد کی عبادت کررہے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیلؑ وحی لے کر آئے اور آپ کو کہا اِقْـرَأ پڑھیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَـا اَنَـا بِقَـارِئٌ'' میں پڑھا ہوا نہیں، جبرئیلؑ نے کئی بار آپ کو زور زور سے دبایا اور بار بار وہی لفظ اقرأ کہا اور آپ وہی ''مَـا اَنَابِقَارِئٌ'' جواب دیتے رہے، تیسری مرتبہ جبرئیلؑ نے زور سے دبا کر کہا ''اقـرأ بـاسـم ربـک'' اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیئے، مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ سے کوئی بڑا کام لیا جانے والا ہے۔ (تفسیر عثانی ص ۷۹۶)

یہ اس امت کے ساتھ رب تعالیٰ کا پہلا کلام ہے جو ''اقـرأ'' سے شروع ہوتا ہے یعنی پڑھ جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کی شان پڑھنی والی امت کی ہے اوران کو پڑھنا ہے مگر قرآن وحدیث اور دین پڑھنا ہے، نہ کہ دوسرے خرافات۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ہیبت حاوی ہوگئی، جس سے پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی اور جاڑے کا بخار چڑھ آیا اور آپ اس عظیم الشان دولت کو غارِ حرا سے اپنے گھر لے آئے۔

اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آئے
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لائے

حضرت خدیجہؓ کے گھر پہنچ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا زملونی زملونی مجھے کمبل اوڑھا دو۔ حضور اکرمؐ نے سوچا کہ اگر وحی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور فرشتہ ہر دفعہ اسی طرح مجھے دباتا رہا تو اس سے میری جان نکل جائے گی، اس لئے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کے چلے جانے کا خوف لاحق ہوگیا۔ حضرت خدیجہؓ نے ایک خیر خواہ اور غم خوار بیوی کی حیثیت سے اس طرح جواب دیا، ہرگز نہیں! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوانہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں محتاجوں کے کام آتے ہیں مہمانوں کی ضیافت اور خاطر و مدارات کرتے ہیں راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ حضور اکرمؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تاکہ ایک عالم، تجربہ کار عمر رسیدہ، تاریخ دان سے اس واقعہ کی تصدیق کروا کر تسلی کرادے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سارا قصہ ورقہ بن نوفل کو سنا دیا۔

ورقہ بن نوفل چونکہ مذاہب عالم سے واقف تھے وہ عیسائی بن کر اہل کتاب اورآسمانی کتابوں سے اچھی طرح باخبر تھے، وہ نبوت کے مزاج اور انبیاء کے واقعات سے مکمل طور پرآگاہ تھے آپ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ سنا تو فرمانے لگے ''یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر آیا کرتا تھا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے آپ اس امت کے نبی ہیں ایک زمانہ آئے گا کہ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی اور ایذاء دیکر آپ کو مکہ سے نکالے گی اگر میری زندگی نے وفا کی تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ حضور اکرمؐ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں نکالے گی کیونکہ جو نظام و پیغام آپ لائے ہیں، جو بھی یہ پیغام لایا ہے اسکی قوم نے اس سے دشمنی رکھی ہے۔

تین سال تک خفیہ دعوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں دعوت کو گھر تک محدود اور مخفی رکھا۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کرلیا جس سے قیامت تک تمام عورتوں کو یہ تعلیم ملی کہ عورت دینی معاملات اور نیکیوں میں مردوں سے پیچھے نہیں ہے۔ بلکہ ابتداء اسلام میں تو اسلام کی آبیاری عورتوں کے زیورات اور دیگر قربانیوں سے ہوئی، آج کل عورتوں کا خیال صرف یہ رہ گیا ہے کہ بس وہ تو زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کے لئے پیدا ہوئیں ہیں اور دین پر چلنا یا اس کو اپنانا یا اس کی حفاظت کرنا یہ تو صرف مردوں کا کام ہے عورتوں کا یہ کام ہی نہیں۔

بہرحال اس ابتدائی دعوت میں اشراف قریش میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، غلاموں میں زید بن حارثہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے، اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے، تین سال تک اسی طرح خفیہ دعوت چلتی رہی کہ اچانک یہ آیت اتری ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ یعنی اپنے قریب تر رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور توحید کا مسئلہ سمجھائیں۔ (سورۂ حجرات)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ذریعہ سے سامان ضیافت مہیا کرا کر سرداران قریش کی دعوت فرمائی جس میں آپ کے قریبی رشتہ دار عباس، ابوجہل، ابولہب، ابوطالب، وغیرہ چالیس افراد نے شرکت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ کھانے کے بعد میں ان رشتہ داروں کے سامنے توحید کا مسئلہ پیش کردوں گا، لیکن جب ان لوگوں نے کھانا کھالیا تو ابولہب نے کہا کہ بھائیو! محمد نے کھانے پر جادو کیا ہے کہ ایک آدمی کا کھانا چالیس آدمیوں نے سیر ہوکر کھالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی بات شروع ہی نہیں فرمائی تھی کہ ابولہب نے سب کو اُٹھوایا، اور

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

چند دنوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اپنے رشتے داروں کو پھر بلایا اس میں بھی وہی لوگ کھانا کھانے آئے اور جب سیر ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ گفتگو اس طرح شروع کیا۔

اے بنی عبد المطلب! اللہ کے اس وسیع ملک میں اب تک مجھ سے بہتر دین اور دینِ اسلام سے بہتر آئین لے کر کوئی انسان نہیں آیا، میں تمہارے پاس اللہ کا وہ فرمان لیکر آیا ہوں جو تمہاری دینی ضروریات پر حاوی ہے اور تمہاری آخرت کے لئے کافی ہے، مجھے اللہ کا حکم ہے کہ میں اب وہ سب بہتر طریقے تم کو سکھاؤں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم میں سے کون اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور میرا کہنا مان کر اللہ کا پیارا اور رسول کا مددگار بنتا ہے؟؟۔

نصیحت کے یہ سیدھے اور واضح کلمات ایسے تھے جو ہر انصاف پسند طبیعت پر اثر کرنے والے تھے لیکن ازلی بد بخت ابولہب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ لو ابو طالب تمہارا بھتیجا جو تجھے اپنے بیٹے سے زیادہ پیارا ہے آج تمہیں کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابعدار بن جاؤ، اس پر سب نے مذاق اُڑانا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور اس طرف سے مذاق پر مذاق اور قہقہوں پر قہقہے لگائے جا رہے ہیں، کچھ دیر کے بعد وہ لوگ ابو طالب پر آوازیں کستے ہوئے چلے گئے اور اپنے کفر و شرک اور بت پرستی پر جمے رہنے کی ایک دوسرے کو خوب تلقین کرتے رہے۔

قرآن کریم نے اس پوری صورت حال کو سورۂ ص کی ابتدائی آیتوں میں اس طرح بیان کیا ہے۔ فرمایا!

﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۝ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝﴾

(سورئہ ص آیت نمبر ۴ تا ۷)

''اور (کفار قریش) اس بات پر تعجب کرنے لگے کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈر سنانے والا آیا، اور منکر کہنے لگے (کہ) یہ جھوٹا جادوگر ہے کیا اس نے اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی کر دی، بے شک یہ بڑی تعجب کی بات ہے اور ان میں سے کئی سردار چل کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو بے شک

اس بات میں کوئی غرض ہے، ہم نے اس پچھلے دین میں یہ نہیں سنا اور کچھ نہیں (بس) یہ بنائی ہوئی بات ہے۔

تفسیر

یعنی اور لیجئے! اتنے بے شمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا؟ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی اتنے بڑے جہاں کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے چلی آئی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے، گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بے وقوف تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سرِ عبودیت خم کرتے رہے!

روایت میں ہے کہ ابوطالب کی بیماری میں سرداران قریش نے ابوطالب سے آکر حضور اکرمؐ کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمیں طرح طرح سے احمق بتاتے ہیں آپ ان کو سمجھائیے۔ (ابوطالب نے آنحضرتؐ سے بات کی)

آپؐ نے فرمایا کہ اے چچا میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کے مطیع ہو جائیں گے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگیں گے، وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ تو ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک کلمہ ہے "لاالٰہ الااللّٰہ" یہ سنتے ہی وہ طیش میں آکر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا؟

چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے باز نہ آئیں گے یہ تو ہمارے ان معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں، تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈہ کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پُرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو جائے، ان کی انتھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر واستقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۰۳)

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی طور پر ایک نظام ان لوگوں کے سامنے رکھا جو ان کے باطل عقائد سے ٹکراتا تھا اس لئے جو لوگ پانچ منٹ پہلے حضور اکرم ﷺ کو جامع الکمالات اور جامع الصفات صادق الامین کہتے تھے پانچ منٹ بعد ایک دم پورے نقشے پر پانی پھیر دیا اور صادق کے بجائے کاذب کہا اور امین کے بجائے ساحر جادوگر کہا اور چیختے چلاتے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

چنانچہ تاریخ عالم کا یہی نقشہ ہے کہ حق کا ہمیشہ باطل کے ساتھ ٹکراؤ رہا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار ابولہبی

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العلمین

احادیث

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ الْحَارِث بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَأْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَاَشَدُّهٗ عَلَيَّ فَيَفْصِمُ عَنِّيْ وَقَدْوَعَيْتُ عَنْهُ مَاقَالَ وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًافَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَايَقُوْلُ. (بخاری ج ۱ ص ۲)

۲. وَعَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَاالصَّالِحَةُ فِى النَّوْمِ فَكَانَ لَايَرٰى رُؤْيَا اِلَّاجَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْا بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَالتَّعَبُّدُاللَّيَالِى ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلىٰ اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلىٰ خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَاحَتّٰى جَآءَ هُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَآءٍ. (بخاری ج ۱ ص ۲)

جمعہ ۱۳ اربیع الاول ۱۴۱۶ھ ۱۱ اگست ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

کوہ صفاء پر نبوت کا اعلان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ (سورۂ حجر آیت نمبر ۹۴)

پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا، فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ" (الحدیث)

محترم حاضرین!

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور نبوت کا عظیم سرمایہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچے تو آپؐ نے تین سال تک گھر اور اپنے خاندان میں خفیہ دعوت چلائی مکہ مکرمہ میں نبوت کا یہ دوسرا مرحلہ تھا کہ تین سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھلے الفاظ میں عوام الناس کے سامنے نبوت کے واضح اعلان کرنے کا حکم فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی عام عادت کے مطابق اس اعلان کا اہتمام فرمایا، عرب کی یہ عام عادت تھی کہ اگر کوئی اہم اعلان کرنا ہوتا یا کوئی خوفناک خبر قوم کے سامنے بیان کرنا ہوتی، تو اس کے لئے کسی پہاڑی یا کسی نمایاں مقام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے مخصوص انداز سے اعلان کیا کرتے تھے۔

اسی عادت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے سامنے صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور ایک پتھر پر کھڑے ہو کر اس طرح اعلان فرمایا **یا صباحاه واصباحاه** اے لوگو دشمن کے صبح کی لشکر کشی سے ہوشیار رہو ہوشیار رہو۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے معاشرے میں لوگوں کے ہاں صالح وقیع صادق الامین سمجھے جاتے تھے لہٰذا آپ کی اس آواز کو لوگوں نے بہت اہمیت کے ساتھ سن کر آپ کی طرف دوڑنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے صفا پہاڑی باشندگان مکہ سے بھر گئی جو سردار خود نہیں پہنچ سکا اس نے اپنی طرف سے کسی

کونمائندہ بنا کر بھیجا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو حضور اکرمؐ نے سب سے پہلے اپنی ذات اور سیرت و کردار کے متعلق قریش سے اس طرح سوال کیا لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمْرًا اَفَهَلْ وَجَدْتُمُوْنِىْ صَادِقًا اَمْ كَاذِبًا؟؟

''یعنی میں نے آپ لوگوں کے اندر ایک طویل عرصہ گزارا ہے پس اس عرصے میں تم لوگوں نے مجھے سچا پایا ہے یا جھوٹا؟'' یہ ایک حکیمانہ سوال تھا اور یہ ایک کٹھن سوال بھی تھا کیونکہ چالیس سالہ زندگی اور اس کا پورا کریکٹر اور سیرت و کردار قوم کے سامنے رکھنا اور اس پر انگلی اُٹھانے کے لئے ہر کہہ ومہہ سے رائے طلب کرنا اور بطور چیلنج ان کو حرف گیری کی طرف متوجہ کرنا کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔

قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی کے متعلق یک زبان ہو کر اس طرح اعلان کیا

قَالُوْا جَرَّبْنَاكَ مِرَارًا فَمَا وَجَدْنَا فِيْكَ اِلَّا صِدْقًا.

ہم نے بارہا آپ کو جانچا ہے مگر ہم نے آپ میں سچ ہی سچ پایا۔ اس توثیق وتائید کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں مجھے اس پہاڑ کے دونوں جانب نظر آرہے ہیں، اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے اس جانب سے ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہے تو کیا تم لوگ میری بات مانو گے؟ قریش نے کہا آپ سچے ہیں ہم آپ کی اس بات پر اعتماد کریں گے اور مانیں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا فَاِنِّىْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ

یعنی اے لوگو توحید کا اقرار کرو کامیاب ہو جاؤ گے اور خوب سمجھ لو کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرانے اور آگاہ کرنے آیا ہوں وہ عذاب بالکل تمہارے سامنے ہے یہ سن کر قریش کے سب لوگ اِدھر اُدھر منتشر اور متنفر ہو کر چلے گئے کسی نے غصہ کیا کسی نے مذاق اُڑایا حضور اکرمؐ کے چچا ابولہب نے آپ کی طرف پتھر پھینک کر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟؟

تجھے دن بھر ہلاکت کا سامنا ہو تم نے صرف اسی کے لئے ہم کو جمع کیا تھا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ لہب اتار کر عام منبروں محرابوں اور عید گاہوں میں ابولہب کو رسوا کیا جو اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ کی توہین کرتا ہے اللہ تعالیٰ دس گنا جواب دیتا ہے، جس طرح کہ ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

نبوت کے اس اعلان کے بعد حق و باطل کا ایک عظیم الشان مقابلہ شروع ہو گیا جس کا بیان کرنا اتنا مشکل ہے کہ اس کو سن کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

تو لیجئے وہ چند مظالم سنیں جو حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ مکرمہ میں ڈھائے گئے تھے۔

اعلانِ نبوت کے بعد مصائب کا آنا! کوہِ صفا پر جس حق کا علان ہو چکا تھا اس کے بعد حق و باطل کا ٹکراؤ شروع ہو گیا اور وہ شخص جن کو لوگ ابھی دس منٹ پہلے صادق الامین کے نام سے یاد کرتے تھے، اب ساحر، کاذب، مجنون وغیرہ کے نام سے پکارے جانے لگے اور مکہ مکرمہ کا جو شخص جس جگہ جس طرح جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا چاہتا دے لیتا۔

ابولہب تو بس حضور اکرمؐ کے ساتھ لگ گیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی عام مجمع یا عوامی مقامات پر یا کسی تجارتی بازار میں نو واردوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور فرماتے "یَآاَیُّھَاالنَّاسُ قُوْلُوْا لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ تُفْلِحُوْا" اے لوگو یہ اقرار کرلو کہ حاجت روا اور مشکل کشا ایک اللہ کی ذات ہے اس سے تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو ابولہب پیچھے سے آتا اور انہیں لوگوں سے کہتا کہ یہ میرا بھتیجا ہے یہ دیوانہ ہو گیا ہے یہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا ہے اس کی باتیں مت سنو اور کبھی کبھی حضور اکرمؐ کے سر مبارک پر مٹی ڈال کر لوگوں کو حضور اکرمؐ سے دور رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

☆ ابولہب کی بیوی ام جمیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے جانے کے راستے میں ہمیشہ کانٹے بچھایا کرتی تھی تا کہ آپ کو تکلیف پہنچے، ابولہب کے دو بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے ام جمیل نے دونوں کو حکم دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دیدو چنانچہ ان میں سے ایک بد بخت طلاق دینے کے لئے حضور اکرمؐ کے سامنے آیا اور اس نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اور پھر طلاق دے دی، حضور اکرمؐ نے ان کے لئے بد عادی جو قبول ہوئی اور شیر نے اس کو پھاڑ ڈالا۔

☆ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے حضور اکرمؐ کے گلے میں پھندا ڈالا اور اتنے زور سے کھینچا کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ چھڑاتے تو جان چلے جانے کا خطرہ تھا۔

☆ ایک دفعہ کفارِ قریش نے ایک ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حرم شریف میں حملہ کر کے آپ کو مارا چاروں طرف سے ایک ساتھ حملہ ہو چکا تھا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے آ کر آپ کو یہ الفاظ کہہ کر چھڑایا کہ! اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ یعنی تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب صرف اللہ ہے۔ کفار نے حضرت ابو بکرؓ کو بھی زدکوب کیا۔

☆ ایک دفعہ ابو جہل نے عقبہ ابن ابی معیط کو اس پر مامور کیا کہ جاؤ اور فلاں جگہ اونٹ کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے اس کو اُٹھا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیٹھ پر اس وقت ڈالدو جب وہ سجدے میں چلے

جائیں، چنانچہ عقبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اوجھڑی ڈالدی اب حضور سجدے میں پڑے ہیں اور ابوجہل اپنے ساتھیوں سمیت خوب ہنس ہنس کر لطف اٹھا رہا ہے۔ اتنے میں حضرت فاطمہؓ آئیں اور کفار کو سخت سست کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے اوجھڑی ہٹادی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس کھڑا تھا مگر مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ کچھ مداخلت کروں جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے نام لے لے کر کفار کو بددعا دی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے میدان میں ان لوگوں کو مردار پڑے ہوئے دیکھا۔

☆ ایک دفعہ ابوجہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کچلنے کے لئے حرم شریف میں بحالتِ نماز آپ پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔

☆ ایک دفعہ ابوجہل نے راستے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت گالی دی لیکن آپ خاموشی سے وہاں سے تشریف لے گئے اس کے بعد ایک عورت نے اس چشم دید واقعہ کو حضرت حمزہ کے سامنے غیرت دلا کر پیش کیا حضرت حمزہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ غصے سے بھرے ہوئے ابوجہل کے پاس پہنچے اور بغیر کسی تمہید کے ابوجہل کے سر پر کمان دے ماری جس سے خون بہنے لگا ابوجہل نے خفت مٹانے کے لئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ حمزہ نے اچھا کیا ہے کیونکہ آج میں نے اس کے بھتیجے کو سخت گالی دی تھی پھر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوگئے۔

☆ ایک دفعہ ابوجہل نے عمر فاروق کو غیرت دلا کر حضورؐ کے قتل کرنے کے لئے روانہ کر دیا، عمر فاروق اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ قتل کے ارادے سے آرہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو راستے میں اسلام کی توفیق دے دی جو مشہور واقعہ ہے۔ قریش اگرچہ سخت اقدام کرنا چاہتے تھے مگر ابوطالب آڑے آجاتے تھے اور وہ لوگ باز آجاتے۔

☆ ایک دفعہ قریش نے مل کر ابوطالب سے کہا کہ اب یہ قضیہ ختم ہونا چاہئے، یا تم محمد کے ساتھ ہوجاؤ یا ان کو کہو کہ ہمارے معبودوں کے بارے میں گستاخانہ رویہ اختیار نہ کرے، ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں آپ میرے بڑھاپے پہ رحم کرکے اپنی جوانی پر ترس کھاؤ اور قریش سے کوئی صلح صفائی کرلو یہ لوگ مختلف انداز سے آپ کو ہر چیز کی پیش کش بھی کررہے ہیں۔ حضور اکرمؐ روئے اور پھر فرمایا کہ چچا جان آپ آرام کریں اور آرام سے بیٹھیں میں اللہ تعالیٰ کے دین کی اس دعوت کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند

رکھدیں میں پھر بھی اپنے مدعا سے باز نہیں آؤں گا، حضور اکرمؐ یہ کہہ کر روتے ہوئے چچا کے پاس سے چلے گئے۔

ابوطالب نے آپ کو پھر بلایا اور فرمایا کہ میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا جو چاہو کہو میں دفاع کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر قریش کے لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو بنی مخزوم کا کوئی نوجوان دیدیں گے آپ اس کو محمد کی جگہ رکھ لیں اور محمد کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم ان کو قتل کردیں۔ ابوطالب نے کہا واہ واہ میرے لخت جگر کو تو تم قتل کردو اور تمہارا بیٹا میں کھلا پلا کر پال رکھوں یہ تو عجیب فیصلہ ہے۔

اس کے بعد قریش نے خاندان بنو ہاشم سے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا اور ایک دستاویزی معاہدہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کیا، جس میں بنو ہاشم سے تجارت پر پابندی، بات چیت اور سلام کلام پر پابندی، خرید فروخت پر پابندی، نکاح بیاہ پر پابندی، باہر سے غلہ اندر لے جانے پر پابندی، کسی نو وارد قافلے کی اندر جانے اور تجارت کرنے پر پابندی کا واضح فیصلہ کیا گیا تھا گویا کہ مکمل ناکہ بندی ہوگئی تھی اور شعب ابی طالب کے اندر بنو ہاشم کے مسلم اور غیر مسلم تمام افراد سوائے ابولہب کے محصور ہو کر رہ گئے، تین سال تک بھوک اور پیاس میں صحابہ کرامؓ اور حضور اکرمؐ اور بنو ہاشم نے وقت گزارا، کئی افراد بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے، گرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اٹھا کر تسلی دیتے کہ جو درجات اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر فرمالے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پیش نظر یہ تکالیف کچھ بھی نہیں۔

تین سال کے بعد سوشل بائیکاٹ کا یہ ظالمانہ معادہ ٹوٹ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بنو ہاشم باہر آگئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آپ کو قبائل عرب پر پیش کرنا

جب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب کے پہاڑ توڑنے شروع کردیئے۔ ابوطالب کی وجہ سے قریش کھل کر حضور اکرمؐ پر اس لئے حملہ آور نہیں ہوتے تھے کہ ابوطالب خود قریش کے دین پر تھا۔ مصائب کے بڑھنے کی وجہ سے آپؐ نے خیال کیا کہ قبائل عرب کے مختلف سرداروں سے رابطہ کیا جائے شاید کوئی سردار اسلام قبول کرلے اور پھر ان کے ہاں مجھے اور میرے ساتھیوں کو ٹھہرنے کی جگہ مل جائے۔ احادیث کی کتابوں میں اور اسی طرح تاریخ کی کتابوں میں اس طریق کو عَرْض عَلَى الْقَبَائِل کے نام سے یاد کیا گیا ہے، یعنی قبائل پر اپنے آپ کو پیش کرنا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی بکر میں گئے اور فرمایا بھائیو! قریش مکہ نے اس لازوال نعمت کو ٹھکرایا ہے تم

لوگ اس نعمت کو قبول کرلو اور میرے مددگار بنو، اس قبیلہ نے اس دعوت کو اہل مکہ کی وجہ سے رد کردیا، پھر اسی طرح آپ نے قوم قحطان میں جا کر اپنے آپ کو پیش کیا لیکن انہوں نے بھی سخت نازیبا جواب دیا۔

اس کے بعد شوال ۱۰ ؁ نبوی کو آپ اکیلے یا زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف کی طرف روانہ ہوئے، طائف مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے اس وقت وہاں تین بھائیوں کی حکومت تھی جس میں ایک کا نام عبد یالیل دوسرے کا نام مسعود اور تیسرے کا نام حبیب تھا، آپ نے دعوت اسلام کی غرض سے ان سے اس طرح گفتگو فرمائی۔

اے سردارانِ ثقیف !! اہل مکہ نے اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کیا اور اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچا کر ملک بدر ہونے پر مجبور کردیا ہے، اگر تم اسلام کے حامی بنو اور اللہ کے رسول کے مددگار بنو تو یہ تمہاری سعادت ہوگی، ان لوگوں نے قریش مکہ کے ڈر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ٹھہرانے کی زحمت کی، نہ کھانے کی بات کی اور نہ آپ کی بات پر غور کیا بلکہ الٹا مذاق اڑانے لگے، اور عادت عرب کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت برا بھلا کہہ کر ضلع بدری کا حکم دے دیا، ایک نے جواب میں کہا کہ کیا خدا نے کعبہ کے پردہ چاک کرنے کے لئے تجھ کو نبی بنا کر بھیجا ؟ دوسرے نے کہا کہ کیا خدا کو اپنے پیغمبر بنانے کے لئے تیرے سوا اور کوئی نہیں ملا ؟ تیسرے نے کہا کہ میں تجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اگر تم سچے نبی ہو تو پھر تیرا کلام ٹھکرانا خطرناک ہے اور اگر جھوٹے ہو تو جھوٹوں کے ساتھ بات ہی نہیں کرنی چاہئے۔

اس کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپ کے ستانے پر مامور کیا ان لوگوں نے گالیاں دیں شور مچاتے اور مٹی غبار اور پتھر پھینکتے ہوئے آپ کو شہر سے نکال دیا راستے کے دونوں طرف یہ اوباش لوگ کھڑے تھے اور قدم قدم پر آپؐ پر پتھر برساتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیروں تک لہولہان ہوئے۔ اس کے بعد آپؐ جا کر ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح التجا اور دعا کی!

مولائے کریم ! میں اپنی بے بسی اور بے کسی اور لوگوں میں رسوائی کی شکایت تیرے سوا کس سے کروں؟ اے اللہ تو میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے ؟ تو مجھے میرے دشمنوں کا شکار نہ بنا اور مخالفوں کو مجھ پر قابو نہ دے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہوا ہے تو یقیناً مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں، تیری رحمت مجھے درکار ہے اور تیری حفاظت میرے لئے کافی ہے، میں تیرے ذات کے اس نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے معاملے بن جاتے ہیں، کہ تو مجھ سے

ناراض نہ ہو اور میری مشکلوں کو جس طرح مناسب ہو حل فرما دے نیکی کی توفیق اور برائی سے بچانے کی طاقت صرف تیرے پاس ہے۔

اس جلالی اور جمالی دعا کے بعد اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا جو پہاڑوں کے امور پر مقرر تھا اور ساتھ جبرئیل امین بھی تھے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا آپ حکم فرمائیں یہ فرشتہ حاضر ہے، طائف والوں کی باتیں اللہ تعالیٰ نے سن لیں، اب آپ کی مرضی ہے اگر چاہیں تو یہ فرشتہ طائف والوں کو طائف کے دو پہاڑوں کے درمیان کچل کر رکھ دے گا اختیار آپ کو ہے۔

حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرے رب نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، میں بددعا نہیں کروں گا، ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کی اولاد میں کوئی مسلمان ہو جائے یہ لوگ میری قدر نہیں جانتے ہیں۔

اس کے بعد قریب کے باغ والوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور آپ کو انگور کا خوشہ طباق میں رکھ کر عطا کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں سے یہ درخواست کی کہ میرے اس سفر کی اطلاع مکہ والوں کو نہ کریں، کیونکہ وہ لوگ مجھے مزید تنگ کریں گے، لیکن طائف کے لوگوں نے آپؐ کے مکہ پہنچنے سے پہلے ان کو اطلاع دے دی کہ تمہارا بھاگا ہوا آدمی ہم نے اپنے شہر سے نکال دیا ہے، گویا ہم نے تمہاری خاطر ان کو پناہ نہیں دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو اب مکہ میں اپنے گھر میں داخل ہونا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ قریش مزید بھڑک اٹھے کہ یہ شخص ہمارے خلاف ہمارے قبائلی دشمنوں سے مدد طلب کر رہا ہے **''قالوا انہ رجل استعان علینا باداننا''** حضور اکرمؐ نے آدمی بھیجا اور ایک کافر سردار اخنس سے پناہ کی درخواست کی کہ مجھے اپنی پناہ میں رکھ کر مکہ لے جاؤ، مگر اس نے انکار کر دیا، پھر آپؐ نے سہل بن عمرو سے درخواست کی اس نے بھی انکار کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطعم بن عدی نے پناہ دے دی اور مسلح ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں پہنچا دیا اور اپنے امن میں رکھا۔

مکی دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مصائب ٹوٹے اور آپ نے صبر کیا، حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے پوچھا کہ کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی کوئی سخت دن آیا ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ہاں طائف کا دن میری زندگی کا سخت ترین دن تھا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے لئے قربانیاں دیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں

دیں آذانیں کبھی یورپ کی کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کے

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لئے
اور مرتے تھے تیرے نام کی عظمت کے لئے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے

احادیث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ! لَمَّانَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ،صَعِدَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّفَافَجَعَلَ يُنَادِىْ يَابَنِىْ فِهْرٍ يَابَنِىْ عَدِىٍّ مِنْ قُرَيْشٍ حَتّٰى اِجْتَمَعُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ اِذَالَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّخْرُجَ اَرْسَلَ رَسُوْلًا لِيَنْظُرَمَاهُوَفَجَاءَ اَبُوْلَهَبٍ وَقُرَيْشٌ، فَقَالَ اَرَاَيْتَكُمْ لَوْاَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًابِالْوَادِىْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْانَعَمْ مَاجَرَّبْنَاعَلَيْكَ اِلَّاصِدْقًا.قَالَ!فَاِنِّىْ نَذِيْرٌلَّكُمْ بَيْنَ يَدَىَّ عَذَابٍ شَدِيْدٍ،فَقَالَ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّالَكَ،سَائِرَالْيَوْمِ،اَلِهٰذَاجَمَعْتَنَافَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَااَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَااَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَاكَسَبَ﴾. (بخاری ص ۷۰۲ ج ۲)

جمعہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ ۱۸ اگست ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝﴾ (سورۃ قمر)

پاس آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو اعراض کر جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا.

محترم بزرگو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ایک گونہ اعجاز اور معجزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، حلیہ مبارکہ، قد و قامت، سونا، جاگنا، سفر حضر اور قیام و کلام سب ایک نوع معجزہ اور اعجاز ہے۔ جس سے عالم انسان اور کائنات کی جملہ مخلوق عاجز ہیں، میں اس سے بحث نہیں کروں گا بلکہ میں حضور اکرمؐ کے وہ واضح معجزات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو عام فہم اور عوام الناس کے لئے باعثِ تسلی و اطمینان اور ذریعہ مزید ایمان و ایقان ہے۔

معجزہ: اعجاز سے بنا ہے جس کے معنی عاجز بنانے کے ہیں اور اصطلاح میں معجزہ کی تعریف اس طرح ہے. اَلْمُعْجِزَةُ اَمْرٌ خَارِقٌ لِّلْعَادَةِ يُعْجِزُ الْبَشَرَ اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِهٖ

"یعنی معجزہ اس خارقِ عادت امر کا نام ہے کہ انسان اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہو، یعنی تمام انسان اس امرِ خارق عادت کے پیش کرنے سے عاجز ہوں"۔

ہاں البتہ اللہ کے دینے سے انبیاء کرام اپنی نبوت کی تصدیق کے لئے معجزہ کو عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا اور دائمی معجزہ قرآن پاک ہے جو ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ ہے اور جس میں واقعاتِ ماضیہ آفرینشِ عالم سے لے کر آج تک دوٹوک انداز میں ٹھوس حقائق کے ساتھ موجود ہیں اور واقعاتِ حالیہ پر یہ کتاب ہمہ جہات سے محیط ہے اور واقعات آتیہ لاحقہ کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس کے واقعات ماضیہ حالیہ اور لاحقہ علم المغیبات سے پُر ہیں، جس کے

ادراک سے جن وانس عاجز ہیں۔ اس کی بلاغت وفصاحت سے اقصائے عالم کے فصحاء عاجز تھے اور ہیں اور ہیں گے کفار عرب نے میدان کارزار میں ہر قسم کا مقابلہ کیا اپنی گردنیں کٹوادیں بیویوں کو بیوہ بنادیا اور بچوں کو یتیم بنایا ایک ایک ہو کر کٹ مرے لیکن وہ لوگ خشک وتر زبان سے چند کلمات کہہ کر کلام اللہ کا مقابلہ نہ کر سکے وہ قرآن جیسے قرآن یا اس کی دس سورتیں یا ایک چھوٹی سی سورۃ لانے اور بنانے سے جب سرِ عام علی الاعلان عاجز آگئے، تب جا کر انہوں نے تلواروں اور نیزوں کے سامنے اپنے سر اور سینے رکھ دیئے، اگر یہ قرآن ان کو کلام کے میدان میں عاجز نہ کرتا تو وہ لوگ جنگ کے میدان میں کبھی نہ اترتے عرب کے تمام بلغاء اور فصحاء کا اس طرح اس کلام کے سامنے عاجز آجانا اور آج تک عاجز رہنا حضور اکرمؐ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کی طرح امت محمدیہ کو کوئی فرمائشی معجزہ نہیں دیا، کیونکہ فرمائشی معجزہ دکھانے کے بعد انکار کرنے پر اجتماعی عذاب اتر کر امت کا استیصال ہو جاتا ہے، جیسا کہ قوم ثمود، قوم عاد، اور قوم فرعون وغیرہ کو جب ان کی فرمائش کے مطابق معجزے دکھائے گئے اور پھر بھی انہوں نے انکار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا مگر یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ اللعالمین تھے آپ کی امت اجتماعی طور پر عذاب سے آپ کی وجہ سے محفوظ ہے اس لئے فرمائشی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات سماعت فرمائیں تا کہ معجزات کی ہمہ گیری کا اندازہ ہو سکے۔

عالم سمٰوات سے متعلق معجزات

اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ "شق القمر" کا معجزہ ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہونا۔

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کوئی نشانی اور معجزہ دکھائیں تو آپ نے چاند کے دو ٹکرے ہونے کا معجزہ دکھایا یہاں تک کہ لوگوں نے دیکھا کہ جبل حراء چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان ہے۔

☆ اسی طرح عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر چلا گیا اور دوسرا ٹکڑا نیچے چلا گیا تو حضور اکرمؐ نے کفار قریش سے کہا کہ تم گواہ رہو۔ (بخاری ومسلم)

☆ علامہ عثمانی سورۂ قمر کی ابتدائی آیت کے متعلق اس طرح تفسیر فرماتے ہیں "ہجرت سے پیشتر نبیؐ

منیٰ میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی آپ نے فرمایا آسمان کیطرف دیکھو، ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا (تو) دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے، کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے چاند پر یا ہم پر جادو کر لیا ہے (اس معجزہ کو شق القمر کہتے ہیں)۔ تفسیر عثمانی ص ۷۰۱)

☆ علامہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو مفصل بیان کیا ہے خلاصہ ملاحظہ کریں۔

ہجرت مدینہ سے تقریباً پانچ سال قبل مشرکین مکہ حضور اکرمؐ کے پاس جمع ہو کر آئے اور آپ سے یہ درخواست کی اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلائیں، رات کا وقت تھا اور چودھویں کا چاند تھا آپ نے اللہ جل شانہ سے دعا کی اور انگشتِ مبارکہ سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر تھا، دیر تک لوگ دیکھتے رہے حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑوں سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے اور حضورؐ اس وقت فرما رہے تھے اے لوگو گواہ رہو گواہ رہو۔ (سیرت مصطفے ج ا ص ۲۳۷)

معجزہ ردالشّمس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ایک مشہور معجزہ ردالشّمس کا معجزہ بھی ہے، یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا۔

☆ حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس کا خلاصہ اور تلخیص اس طرح ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام صہباء میں تھے حضرت علیؓ کی گود میں آپ نے سر مبارک رکھا تھا کہ وحی کا نزول شروع ہوا عصر کا وقت تھا، حضرت علیؓ نے نماز نہیں پڑھی تھی آفتاب غروب ہوا اور وحی مکمل ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ نے نماز پڑھی ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ نہیں، حضورؐ نے اسی وقت دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے سورج کو دوبارہ لوٹا دیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز ادا کی۔

☆ امام طحاویؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے علامہ سیوطی نے بھی صحیح کہا ہے البتہ ابن تیمیہؒ اور ابن جوزیؒ نے اس واقعہ کو رد کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے تو اسکے اثبات پر ایک رسالہ لکھا ہے، زرقانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (سیرت مصطفے ج ا ص ۲۳۹)

☆ بعثت نبوی کے بعد جنات کا آسمان پر نہ جانا اور شہاب ثاقب کے ذریعہ سے ان کو مارنا یہ بھی حضورؐ کے معجزات میں سے ہیں اسی طرح رات کے تھوڑے سے حصے میں تمام آسمانوں کی سیر کر کے اسی رات مکہ

واپس آنا، جنت دوزخ کی سیر کرنا سدرۃ المنتہی سے آگے لامکان پر جانا، یہ معراج کا پورا واقعہ آپ کا معجزہ تھا پھر کفار کے سوالات پر بیت المقدس کا کھل کر سامنے آنا اور آپ کا ہر سوال کا جواب دینا قریش کے قافلے کی ٹھیک ٹھیک خبر دینا، یہ سب معجزے کا حصہ تھا، اسی طرح حجاب ہٹ کر نجاشی کا جنازہ سامنے آنا اور غزوۂ موتہ کے میدان کا نظارہ مسجد نبوی سے کرنا یہ سب معجزات النبی کا حصہ ہیں۔

☆ اسی طرح آسمان کے بادل کا آپ پر سایہ فگن رہنا یہ عالم علوی سماوی سے متعلق معجزات کا ایک حصہ ہے، اسی طرح ایک دیہاتی کا واقعہ بخاری وغیرہ احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے، جس کا مفہوم و مضمون اس طرح ہے کہ ایک دیہاتی نے آکر جمعہ کے روز عین منبر پر آپ کے سامنے عرض کیا کہ یارسول اللہ بارش بند ہے اہل وعیال اور مال مویشی پریشان ہیں آپ بارش کی دعا مانگیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی آسمان میں بادل کا نام ونشان بھی نہیں تھا، حضور اکرمؐ نے ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل اکٹھے ہوگئے اور بارش شروع ہوگئی، ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے نہیں تھے کہ آپ کی داڑھی مبارک سے بارش کا پانی گر رہا تھا اور موسلا دار بارش شروع ہوگئی تھی، ایک ہفتہ تک اسی طرح بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ آئندہ جمعہ پھر وہی دیہاتی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ بارش سے مکانات گر گئے اور اموال تباہ ہوگئے آپ دعا فرمائیں کہ بارش بند ہوجائے حضور اکرمؐ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف ہاتھ کا اشارہ فرماتے وہاں سے بادل چھٹ جاتے یہاں تک کہ ہم باہر آئے تو دھوپ نکل آئی تھی اسی سے متعلق ابوطالب نے یہ شعر پڑھا ہے۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

کھانے سے متعلق معجزات کا ظہور

☆ مکہ مکرمہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیدیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کا اہتمام کیا سرداران قریش میں سے چالیس آدمی اکٹھے ہوئے تھے اور کھانا صرف اتنا تھا کہ جس سے ایک آدمی صرف سیر ہوسکتا تھا وہی ایک آدمی کا کھانا پیٹ بھر کر چالیس آدمیوں نے کھایا اور خوب سیر ہوگئے، یہ واقعہ تفصیل سے پہلے گزر چکا ہے۔

☆ ہجرت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ام معبد نامی ایک عورت کے مکان پر ہوا یہاں یہ بوڑھی مہمان نواز عورت تھی، حضور اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں کو پیاس بھی لگی تھی اور بھوک بھی، رفقاء نے

جب ام معبد سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، حضور اکرمؐ نے ایک بکری دیکھی تو فرمایا کہ اے ام معبد! اگر تو اجازت دیدے تو میں اس بکری کا دودھ دھولوں، اس نے کہا یہ بکری بیماری اور لاغری وکمزوری کی وجہ سے چرنے کے لئے دوسری بکریوں کے ساتھ نہیں چل سکتی تو اس میں دودھ کہاں سے آئے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے تھنوں پر مبارک ہاتھ رکھا تو دودھ چھلکنے لگا اور آٹھ دس آدمیوں کے لئے کافی شافی دودھ مہیا ہوگیا سب نے پیا، پھر دوبارہ حضورؐ نے اسی برتن میں اتنا ہی دودھ نکالا اور وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی کو ہاتف غیبی نے اس طرح بیان کیا ہے

جَزَ اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهٖ
رَفِيْقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدٖ

اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمے میں اتر آئے.

سَلُوْا اُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَاِنَائِهَا
فَاِنَّكُمْ اِنْ تَسْأَلُوْا الشَّاةَ تَشْهَدٖ

تم اپنی بہن سے ان کی بکری اور برتن کا حال تو دریافت کرلو اگر تم بکری سے بھی دریافت کروگے تو بکری بھی گواہی دے گی.

☆ غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کو شدید بھوک کا سامنا ہوا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ تمام صحابہ میں اعلان فرمادیں کہ جن کے پاس جو کچھ خوراک ہے وہ ایک دسترخوان پر اکٹھا کریں پھر آپ اس پر برکت کی دعا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان منگوا کر اس پر لشکر کا بچا کچا کھجور یا روٹی کے ٹکڑے یا ستو جمع کروا کر برکت کی دعا مانگی اور فرمایا کہ سب لوگ اپنے اپنے برتن کھانے سے بھردیں چنانچہ سارے لشکر نے اپنے اپنے برتن بھردیئے اور کھانا اب بھی باقی تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

☆ ایک موقعہ پر حضرت ابو ہریرہؓ تقریباً اکیس دانے کھجور کے حضور اکرمؐ کے پاس لے آئے اور فرمایا اس میں برکت کی دعا کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجور لے کر برکت کی دعا مانگی اور پھر حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس کر کے فرمایا کہ اس کو تھیلی میں رکھو اور جب بھی کھانا چاہو تو تھیلی کے اندر سے نکالا کرو تھیلی کو مت جھاڑو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے منوں کے حساب سے کھجور اللہ کے راستے میں خرچ بھی کیں اور ہم سب اس سے خوب کھایا بھی کرتے تھے تھیلی میری کمر سے لگی رہتی تھی

یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو تھیلی خود بخود گم ہوگئی، شہادت عثمان کی وجہ سے اس برکت کے اٹھنے پر حضرت ابو ہریرہؓ اس طرح افسوس کیا کرتے تھے!

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِی هَمَّانْ

فَقْدُ جِرَابِی وَمَوْتُ عُثْمَانْ

یعنی شہادت عثمان پر لوگوں کو ایک صدمہ پہنچا ہے لیکن مجھے دو صدمے پہنچے ہیں ایک میری برکت والی تھیلی کا گم ہونا اور دوسرا عثمان کی موت''۔

☆ خیبر میں ایک یہودی عورت نے کھانے میں آپ کو زہر آلود گوشت کھلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گوشت کو منہ میں رکھا تو بکری کے گوشت نے بتادیا کہ مجھے مت کھایئے مجھ میں زہر ملا ہوا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا اور فرمایا کہ مجھے بکری کی اس دستی نے بتادیا۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے اور آپ نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہیں میں گھر لوٹ آیا اور ایک بکری کا بچہ جو ہمارے ہاں تھا ذبح کر دیا اور چپکے سے رسول اکرمؐ سے فرمایا کہ میں نے ایک صاع جو کا آٹا تیار کیا ہے اور بکری کا بچہ ذبح کیا ہے آپ اپنے ساتھ چند ساتھی لے کر ہمارے ہاں کھانا کھائیں، حضور اکرمؐ نے لشکر میں عام اعلان فرمادیا کہ جاؤ جابر نے کھانے کا انتظام کیا ہے وہ کھا کر آجاؤ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے آنے تک کھانے کو ہاتھ مت لگاؤ اور گوشت مت پکاؤ، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر آٹے میں لعاب دہن ڈال دیا اور اسی طرح گوشت کی ہنڈیا میں بھی اور فرمایا کہ آٹے پر کپڑا ڈال دو اور پکاتے جاؤ کپڑا نہ ہٹاؤ اور ہنڈیا کو چولہے پر رکھ کر اندر سے گوشت نکالتے جاؤ اور کھلاتے جاؤ۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار مجاہدین نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ہانڈی میں سالن اب بھی بھرا پڑا تھا اور آٹا بھی اسی طرح موجود تھا۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بھوک نے بہت زیادہ تنگ کیا تو میں راستے میں کھڑا ہوگیا، حضرت عمر فاروقؓ آئے تو میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تا کہ ان کو میری بھوک کا احساس ہو جائے لیکن ان کو اندازہ نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے میں نے ان سے بھی مسئلہ پوچھا مگر ان کو بھی میری بھوک کا احساس نہ ہوا اور چلے گئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا کیا بھوک کی وجہ سے راستے میں کھڑے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، حضور نے فرمایا آؤ چلتے ہیں میں ساتھ ہو گیا کہ اتنے میں اصحاب صفہ کے

لئے کسی نے دودھ کا پیالہ بھیجا، میرا خیال تھا کہ حضور مجھے پلائیں گے مگر حضورؐ نے فرمایا کہ جا کر اصحاب صفہ کے تمام طلبہ کو بلا لاؤ، میں گیا اور سب کو بلایا اور خیال آیا کہ اس میں سے مجھے کیا ملے گا، لیکن چلو پہلے کچھ نہ کچھ پی لوں گا، مگر حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے ان سب کو پلاؤ۔ میں نے خیال کیا کہ جب سب پی لیں گے تو مجھے کیا ملے گا لیکن حکم تھا میں نے سب کو پلانا شروع کر دیا، اصحاب صفہ کے تمام طلبہ نے پیٹ بھر کر پی لیا مگر پیالہ میں دودھ اب بھی چھلک رہا تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ اب پیو میں نے خوب پیا حضورؐ نے فرمایا کہ اور پیو میں نے پھر پیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ مزید پیو میں نے کہا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں نے اتنا پی لیا کہ دودھ ناخنوں تک جسم میں بھر گیا، تب حضورؐ نے پیالہ لے کر آخر میں خود نوش فرمایا اور دودھ ختم ہو گیا۔

یاد رہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد کم از کم اسی (۸۰) تک اور زیادہ سے زیادہ چار سو (۴۰۰) تک ہوتی تھی۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرے والد صاحب اُحد کی جنگ میں شہید ہو گئے اور بہت قرضہ چھوڑ گئے میں نے قرض خواہوں کے لئے کچھ کھجوریں جمع کر لیں، انہوں نے کم سمجھ کر لینے سے انکار کیا میں نے حضورؐ کے سامنے قصہ بیان کیا اور کہا کہ آپ وہاں آ جائیں تا کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر کچھ رعایت کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور کھجوروں کو کھلیان میں جمع کر کے رکھو، آپؐ کھلیان میں کھجور کے اردگرد تین بار گھومے اور پھر دینے کے لئے خود بیٹھ گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیمانہ بھرتے رہے اور قرض خواہوں کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب کا حق ادا ہو گیا اور کھلیان میں اب بھی اتنی کھجوریں باقی تھیں کہ قسم بخدا ایک دانہ بھی کم نہ ہوا تھا۔ (بخاری)

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی خانہ آبادی ہوئی میری والدہ ام سلیم نے کچھ حریرہ حلوا بنا کر ایک کاسہ میں رکھا اور مجھے کہا کہ اس کو حضورؐ کے ہاں لے جاؤ اور کہو کہ یا رسول اللہ یہ معمولی سا کھانا میری والدہ نے آپ کے لئے بھیجا ہے میں کھانا لے گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا، حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کھانا یہاں رکھو اور جا کر فلاں فلاں کو بلاؤ میں نے جب ان کو بلایا تو واپسی پر دیکھا کہ گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے جو تقریباً تین سو آدمی تھے حضورؐ نے اس حریرہ پر ہاتھ رکھا اور پھر دس دس آدمیوں کو کھانے کے لئے اندر بلایا سب نے کھانا کھایا پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اے انس یہ کاسہ اُٹھاؤ میں نے جب کاسہ اٹھایا تو مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ رکھتے وقت کھانا زیادہ تھا یا اب اُٹھاتے وقت زیادہ ہے۔ کھانے سے متعلق کچھ دیگر معجزات بھی ہیں لیکن میں نے چند کا تذکرہ کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔

پانی سے متعلق معجزات کا ظہور

☆ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر لوگوں کو شدید پیاس لگی تھی اور حضور اکرمؐ کے سامنے پانی کا صرف ایک لوٹا رکھا ہوا تھا، حضور اکرمؐ نے اس سے وضو فرمایا، اتنے میں صحابہ کرام آپ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے پاس ذرا سا بھی پانی نہیں ہے صرف وہ پانی ہے جو آپ کے پاس لوٹے میں ہے، حضورؐ نے لوٹے میں ہاتھ رکھا تو ایک دم آپ کی انگلیوں کے بیچ سے چشموں کی صورت میں پانی کے فوارے جاری ہوگئے، جس کو ہم نے پی لیا اور وضو بنایا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ کتنے تھے؟ فرمایا اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہو جاتا، لیکن ہم ڈیڑھ ہزار تھے۔

☆ حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ مقام حدیبیہ میں تقریباً چودہ سو آدمی تھے وہاں ایک کنواں تھا ہم لوگوں نے اس کا پانی استعمال کیا تو کنویں کا پانی ختم ہو کر ایک قطرہ بھی نہیں بچا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو آپ کنویں کے کنارے تشریف لے گئے اور بیٹھ گئے پھر آپ نے کچھ پانی منگوایا اور وضو بنا کر دعا مانگی اور کلّی کا پانی کنویں میں پھینکا اور فرمایا کچھ دیر صبر کرو اتنے میں پانی ابل پڑا اور سب نے خود بھی سیر ہو کر پیا اور اونٹوں کو بھی پلایا اور پھر چلے گئے۔ (بخاری)

☆ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام ''زوراء'' میں تھے کہ آپ نے ایک برتن میں ہاتھ رکھا، آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے سب لوگوں نے وضو بنایا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم تقریباً تین سو آدمی تھے۔ (متفق علیہ)

پانی سے متعلق کچھ دوسرے معجزات بھی ہیں لیکن میں نے چند معجزات کا تذکرہ آپ کے سامنے کیا۔

درختوں سے متعلق معجزات کا ظہور

☆ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ منبر نبویؐ بننے سے پہلے حضور اکرمؐ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران ایک درخت کے تنہ ''استن حنانہ'' سے تکیہ لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، جب منبر تیار ہوگیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو استن حنانہ زور زور سے چیخنے اور رونے لگا، قریب تھا کہ چیخنے کی وجہ سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا پھر حضورؐ منبر سے اتر گئے اور اس کو سینے سے لگایا، استن حنانہ ایسا رو رہا تھا جیسا کہ ایک بچہ ہچکیاں لے لے کر روتا ہے (حضورؐ اس کو دلاسہ دیتے رہے) یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگیا۔ یہ رونا حضور اکرمؐ کے فراق اور ذکر اللہ سے دور ہونے کی وجہ سے تھا۔ (بخاری)

کہ یہ اونٹ مجھ پر فروخت کردو، اس نے کہا یہ ایک ایسے گھرانے کا اونٹ ہے جن کا صرف یہی گزارہ ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا تو پھر اس کو اچھا کھلاؤ پلاؤ کیونکہ اس نے شکایت کی ہے کہ یہ لوگ کام مجھ سے زیادہ لیتے ہیں اور کھلاتے کم ہیں۔

☆ حضرت صحابی فرماتے ہیں پھر ایک جگہ حضور سو گئے تو ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا حضور اکرمؐ کے پاس آیا اور سلام کیا اور پھر چلا گیا، حضورؐ نے فرمایا کہ اس درخت نے مجھے سلام کرنے کے لئے اللہ سے اجازت مانگی تو اللہ نے اسے اجازت دے دی، صحابی فرماتے ہیں کہ پھر ہمارا گزر ایک چشمے پر ہوا جہاں ایک مجنون لڑکے کو اس کی ماں نے حضورؐ کے سامنے پیش کیا، حضورؐ نے اس کو ناک سے پکڑ کر کہا کہ نکل جاؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، واپسی پر حضورؐ نے اس عورت سے پوچھا تو وہ کہنے لگی خدا کی قسم وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔

☆ حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جنگ خیبر میں ٹانگ پر ایک کاری زخم لگا، لوگوں نے کہا سلمہ مر گیا ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نے تین بار میری ٹانگ میں دم کیا، اس کے بعد اب تک اس ٹانگ میں کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

☆ حضرت ابوقتادہؓ کی آنکھ جنگ احد میں تیر لگنے سے باہر آئی آپؓ ہاتھ میں آنکھ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور ٹھیک کرنے کی درخواست کی، حضور اکرمؐ نے آنکھ کو اسکی جگہ میں رکھ کر دعا کی اور ہاتھ پھیرا، ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ کبھی اس آنکھ میں درد نہیں ہوا۔ بہرحال معجزات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس سے ہمیں ایمان کی پختگی کی تعلیم ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذان روحِ بلالیؓ نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے ہے خوشی ان کو کہ کعبہ کے نگہبان گئے
منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خواں گئے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

احادیث

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشَرَةَ مِائَةٍ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَالْحُدَيْبِيَّةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَاءٍ فَتَوَضَّاً ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا ثُمَّ صَبَّهٗ فِيْهَا ثُمَّ قَالَ دَعُوْهَا سَاعَةً فَاَرْوَوْا اَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتّٰى اِرْتَحَلُوْا۔

(رواہ البخاری مشکوۃ ص ۵۳۲)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ هٰذَا جِبْرِيْلُ اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهٖ عَلَيْهِ اَدَاةُ الْحَرْبِ۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ ص ۵۳۱)

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ ۔

(رواہ مسلم مشکوۃ ص ۵۳۶)

جمعہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ ۲۶ / اگست ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نٓ ۝ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝﴾

"قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں اور آپ کے واسطے بدلہ ہے بے انتہا"۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِي خَلْقٍ وَفِي خُلُقٍ ۔۔۔ وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرا کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

محترم حضرات!

قرآن کریم میں حضور اکرمؐ کی صفاتِ جمالیہ اور کمالاتِ عالیہ کا جا بجا تذکرہ موجود ہے، لیکن سورۂ قلم میں اللہ تعالیٰ نے ایک منفرد انداز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور صفات و کمالات کا اثبات اور نقائص و عیوب کی نفی فرمادی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ محمدؐ اکمل البشر اور جامع الصفات نبی ہیں۔ یہ آیتیں اس وقت اتریں تھیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ابتدائی زمانہ تھا اور آپ پر مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ کبریٰؓ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹھ کر ان حضرات کو توحید و ایمان کا درس دیا کرتے تھے، تو قریش نے کہا کہ یہ شخص مجنون ہو گیا ہے اور اپنے گھر کے افراد کو جنون سکھا رہا ہے اور مجنون بنا رہا ہے۔

کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مجنون کہتے تھے کہ ایک شخص اکیلے پوری دنیا کے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور پوری انسانیت کا رخ ایک نئے رخ پر ڈالنا چاہتا ہے، سورۂ قلم کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس بہتان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ یعنی کفار جب قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس طرح دیا؟

﴿ن ﴾ یعنی سب سے پہلے تو تم اس طرح کلام پیش کرنے سے عاجز ہو کیونکہ جن مفردات، الف، با، تا وغیرہ سے یہ کلام بنا ہے اگر یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے اور محمدؐ نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے تو پھر تم بھی اس طرح کلام پیش کر دو، کیونکہ جس طرح محمدؐ، عربی ہیں اسی طرح تم بھی عربی ہو، اور جو مفرد حروف ان کے پاس ہیں وہ تمہارے پاس بھی ہیں، اگر یہ کسی بندے کا کلام ہے تو تم بھی بنا کر لاؤ اور دکھاؤ، ﴿والقلم ﴾ یعنی قلم گواہ ہے اور جو کچھ قلم کے ذریعے سے فرشتے لکھتے ہیں وہ اعلیٰ مضامین بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے فضل وکرم سے آپ مجنون نہیں ہیں بلکہ آپ کو مجنون کہنے والے خود مجنون ہیں۔ جس طرح کہ ایک سفید کاغذ پر جب کوئی عقلمند شخص خط لکھتا ہے تو بچے اور مجانین یہ خیال کرتے ہیں کہ اس شخص نے کس طرح اس سفید کاغذ کو خراب کر دیا۔ لیکن اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو یہ لکھنا اعلیٰ مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، اس کو جنون کہنا خود جنون ہے اور اس طرح خیال باندھنے والا درحقیقت خود مجنون ہے۔

ان آیتوں کے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس طرح تحریر فرماتے ہیں: مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔ کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا۔ حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما دی۔ یعنی جس پر اللہ کے ایسے فضل وکرم ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے، مثلاً اعلیٰ درجے کی فصاحت وحکمت اور دانائی کی باتیں، مخالف وموافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر، اور اتنے بلند وپاکیزہ اخلاق، کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟

دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں، اور کتنے عظیم الشان مصلحین گذرے ہیں، جن کو ابتداء قوم نے دیوانے کہہ کر پکارا ہے، مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے، وہ بانگِ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں، اور دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔

آج آپؐ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے، لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء ودوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعے سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم ومعارف کو ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گے۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت ودانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجتماعی عقیدے کی

تسلیم کرے گی۔

بھلا خداوند قدوس، جس کی فضیلت وبرتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوحِ محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہے پَرلے درجے کا مجنون ہے"۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۴۸)

محترم حاضرین!

اس وقت اس دنیا میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں مل سکتا ہے جو ابوجہل کا نام لیوا ہو اور اس کا پیروکار ہو، کافر تو بہت ہونگے لیکن کوئی شخص اس حوالے سے نہیں ملے گا جو فرعون، ہامان، شداد، نمرود یا ابوجہل کی پارٹی کا دعویٰ رکھتا ہو۔ مگر اس کے برعکس اس دنیا کا چپہ چپہ کسی نہ کسی حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر سے گونج رہا ہے۔ تو کیا ایسا عظیم انسان مجنون ہو سکتا ہے؟ مجنون یا دیوانے کی کیا مجالسِ عامہ وخاصہ میں تعریفیں ہوا کرتی ہیں؟؟

پھر اس کو دیکھا جائے کہ عرب اور مکہ کے وہ سنگ دل کفار جو شدت وسختی کے اعتبار سے سخت سے سخت پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے ان کا رخ یکسر اس طرح بدل دیا گیا کہ ان کی خدا ترسی اور عقل ودانش پر فرشتے بھی رشک کرنے لگے۔ کیا اتنا عظیم الشان انقلاب برپا کرنا مجنون کا کام ہو سکتا ہے؟ ایسے انسان کو مجنون کہنے والے خود مجنون ہیں بھلا جس انسان نے روزِ اول سے جو مدعا اُٹھا رکھا ہے تا آخر حیات وہ اپنے موقف سے ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹا، کیا مجنون ایسے ہوتے ہیں؟ ایسے کو مجنون کہنا خود پرلے درجے کا جنون وحماقت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت کے چند واقعات

عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ عقل کے کل سو حصے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں، اس میں ننانوے حصے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں اور صرف ایک حصے میں دنیا کے تمام عقلاء، دانشور مدبر اور علماء گھوم پھر رہے ہیں۔

واقعہ نمبر ۱

ایک دفعہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھ میں چار خراب خصلتیں ہیں میں ان خراب خصلتوں میں سے صرف ایک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ خصلتیں کیا ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ میں (۱) شراب پیتا ہوں

(۲) مجھے زنا کی عادت ہے (۳) میں چوری کرتا ہوں اور (۴) میں جھوٹ بولتا ہوں ۔ان میں ایک عادت کو چھوڑ سکتا ہوں اگر میرا اسلام قبول ہے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔حضور اکرم ؐ نے فرمایا کہ جھوٹ مت بولو یعنی صرف جھوٹ کی عادت چھوڑ دو، چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا اور جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کیا رات کو شراب کا شوق ہوا تو سوچنے لگا کہ اگر کل مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں پوچھیں کہ تم نے شراب پی تھی یا نہیں؟

اگر میں جواب میں کہوں گا کہ ہاں تو رسوا ہو جاؤں گا، سب لوگ لعن طعن کریں گے اور اگر کہوں گا کہ نہیں تو جھوٹ لازم آئے گا، چنانچہ اس نے شراب چھوڑ دی۔ پھر اس کو زنا کا جوش چڑھا لیکن پھر یہی خیال آیا کہ کل مجھ سے سوال ہو جائے تو کیا جواب دوں گا اگر اقرار کیا تو شرم ہے اور دشمنی کا خطرہ بھی ہے اور اگر انکار کروں گا تو جھوٹ لازم آئے گا، چنانچہ اس نے زنا کو بھی چھوڑ دیا۔اسی طرح رات کو اس نے چوری اور ڈاکہ ڈالنے کا سوچا لیکن پھر وہی خیال آیا کہ اقرار کروں گا تو شرم اور جھگڑے کا خطرہ بھی ،اور اگر جھوٹ بول کر انکار کروں گا تو جھوٹ نہ بولنے کا میں نے وعدہ کیا ہے۔اس طرح اس شخص نے تمام بری خصلتوں کو چھوڑ دیا اور صبح رسول اکرم ؐ کے پاس مسکراتے ہوئے آکر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ آپ نے ایسا نسخہ دیا تھا کہ سب گناہ چھوٹ گئے۔

واقعہ نمبر۲

قریش نے جب بیت اللہ کی عمارت مکمل کر لی تو اس بات پر جھگڑا اُٹھا کہ حجر اسود کو اپنے مقام پر کون رکھے گا۔ ہر سردار ضد پر تھا کہ میں رکھوں گا۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار ہو گئے کچھ لوگوں نے مصالحت کی اور یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہو جائے وہی فیصلہ کرے۔ چنانچہ صبح سویرے حضور اکرم ؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے ،اسوقت آپ کو نبوت بھی نہیں ملی تھی ،مگر لوگوں نے خوشی سے آپ کو قبول کر لیا، آپ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اس میں رکھا اور قریش کے تمام سرداروں سے فرمایا کہ چادر کو ایک ایک کونے سے پکڑ کر اوپر لاؤ اور سب مجھے اپنا وکیل مقرر کر لو، سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وکیل مقرر کیا۔آپ نے اپنے ہاتھ سے حجر اسود وہاں رکھ دیا اور فرمایا کہ میرا رکھنا سب کا رکھنا ہے، لہٰذا ہر سردار یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ شرف اس نے حاصل کر لیا ہے اس طرح ایک خونی جھگڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت کے فیصلے سے ٹل گیا یہی مطلب ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے آپ دیوانے نہیں ہیں۔

واقعہ نمبر ۳

ایک آدمی کو اس کا پڑوسی بہت تنگ کرتا تھا اس نے آ کر حضور اکرمؐ کے سامنے شکایت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا کہ جا کر اپنے گھر کا سارا سامان باہر راستے میں رکھدو اور جب کوئی گزرنے والا گزرے گا تو کہو کہ میرا پڑوسی مجھے تنگ کرتا ہے، اس لئے میں نے گھر چھوڑ دیا ہے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا، جب چند آدمیوں نے پوچھا تو سب نے لعن طعن شروع کر دی کہ اس کا پڑوسی کیسا آدمی ہے اتنے میں وہ پڑوسی خود آیا اور منت سماجت شروع کی کہ آئندہ کبھی تنگ نہیں کرونگا، برائے مہربانی واپس گھر چلے جاؤ میری بڑی بدنامی ہو رہی ہے، چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور آرام سے رہنے لگا۔

واقعہ نمبر ۴

غزوۂ احد کا جنگی نقشہ آپؐ نے خود تیار کیا تھا اور جنگ کا دارومدار جبل رماۃ پر رکھا تھا۔ آج تک دنیا کے تمام عقلاء اور جنگی ماہرین اس پر متفق ہیں کہ جنگ کا مرکزی نقطہ یہی پہاڑی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پر پچاس تیر انداز مقرر کئے تھے اور فرمایا تھا کہ حالت جنگ کیسی ہی ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا لیکن بعد میں وہ لوگ جب وہاں سے زیادہ تر ہٹ گئے تو ایک دم جنگ کا پانسہ بدل گیا اور فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

واقعہ نمبر ۵

ایک آدمی نے اس زمانے میں کسی دوسرے آدمی کو ناحق قتل کیا تھا حضور اکرمؐ اور قاتل کے وارثوں نے بڑی کوشش کی کہ مقتول کے وارث دیت قبول کریں یا معاف کریں، لیکن وارث نے کوئی بات نہیں سنی، تو حضور اکرمؐ نے قاتل کو اس کے حوالے کیا اور پھر فرمایا اگر یہ وارث اس قاتل کو قتل کرے گا تو یہ بھی قاتل بن جائے گا، اس وارث کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے معاف کر دیا، لفظ قاتل کے ظاہری الفاظ سے حضورؐ نے فائدہ اُٹھایا جس سے ایک آدمی کی جان بچ گئی، وارث کا قاتل کو قتل کرنا اگرچہ جائز تھا لیکن قتل تو بہر حال تھا۔

واقعہ نمبر ۶

ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی، آپؐ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کر دونگا، اس نے کہا کہ اونٹنی کے بچے سے میں کیا کروں گا؟ یعنی مجھے تو بڑی سواری چاہیئے جوان اونٹ چاہیئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اونٹ اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔

واقعہ نمبر ۷

ایک بوڑھی عورت سے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت نہیں جائے گی۔اس نے کہا کہ بوڑھیوں کا کیا قصور ہے کیوں نہیں جائیں گی؟ یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی لوٹ گئی تب حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اس کو بتادو کہ بوڑھیوں کو جوان بنا کر داخل کیا جائے گا۔جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ''ہم نے اُٹھایا ان عورتوں کو ایک اچھی اٹھان، پھر کیا ان کو کنواریاں''۔

واقعہ نمبر ۸

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک سخت شرط رکھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے تو کفار اس کو قید کریں گے اور اگر کوئی کافر مکہ سے مدینہ چلا جائے تو مسلمان اس کو اپنے پاس نہیں رکھ سکیں گے بلکہ واپس بھیج دیں گے،اس شرط پر عام مسلمان بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ بڑے پریشان تھے اور سب سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک اَن فہم فیصلہ ہے۔بعد میں حضورؐ نے فرمایا کہ دیکھو جو شخص میری مجلس کو چھوڑ کر مکہ جاتا ہے تو وہ منافق شخص ہوگا ہمیں اس کو خود نکالنا چاہئے،جب وہ خود جاتا ہے تو پریشانی کی کیا بات ہے اور کفار کے ہاں سے ہمارے پاس جو آدمی آتا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ جاسوس ہو ہمیں چاہئے کہ ان کو واپس کریں،جب قریش ان کو خود مانگتے ہیں تو پریشانی کی کیا بات ہے۔تب صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اس حکمت کو سمجھ گئے۔

بہر حال ایسے اَعقل البشر کو دیوانہ کہنا خود دیوانگی ہے،اس درس سے ہمیں یہ تعلیم ملی کہ مسلمان امت عقلمند ہے،کیونکہ ان کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے عقلمند تھے۔ایک روایت میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ لوگوں سے عقل چھین لی جائے گی،معلوم ہوا کہ جو لوگ دین پر عمل کرتے ہیں وہ باقی لوگوں سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں۔

الغرض ! ہمیں چاہیے کہ دین سے زیادہ وابستہ رہیں تاکہ ہم کامل طور پر اصحابِ عقل بن جائیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر قائم رکھے۔آمین یارب العلمین

؎ دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عقل اس کا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ ایک ہستی ُفوق الادراک

ہر مسلمان رگِ باطل کے لئے نشتر تھا
اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسہ تھا اسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

حیدری ضرب ہے نہ دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے حامل قرآن ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

احادیث

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُکَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِالنَّاقَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلُ اِلَّا النُّوْقُ . (شمائل ترمذی ص ۱۶)

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَتَتْ عَجُوْزٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُدْخِلَنِی الْجَنَّةَ فَقَالَ يَااُمَّ فُلَانٍ اِنَّ الْجَنَّةَ لَاتَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِیْ فَقَالَ اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَاتَدْخُلُهَا وَهِیَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُوْلُ اِنَّااَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا . (شمائل ترمذی ص ۱۶)

جمعہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ ۸ ستمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾

''اور یقیناً آپ بڑے عظیم اخلاق کے مالک ہیں''

قال علیہ السلام ''اِنَّمَابُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ''

حضورؐ نے فرمایا مجھے میرے رب نے اس لئے بھیجا ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچادوں۔

نَفْسِی الْفِدَآءُ لِمَنْ اَخْلَاقُہٗ شَھِدَتْ
بِاَنَّہٗ خَیْرُ مَوْلُوْدٍ مِّنَ الْبَشَرِ

میری جان اس ہستی پر قربان ہو جس کے اخلاق گواہی دیتے ہیں کہ وہ تمام انسانوں سے افضل ہیں

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ
اَبَدًا وَّ عِلْمِیْ اَنَّہٗ لَا یَخْلُقٖ

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو پیدا نہیں کیا ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ وہ آیندہ بھی آپ کی طرح کسی کو پیدا نہیں کرے گا

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

حضور اکرمؐ تمام انبیاء پر خلقت اور اخلاق میں سبقت لے گئے ہیں اور دیگر انبیاء نہ آپ کے علم کو پہنچ سکے، نہ کرم کو۔

محترم سامعین!

سورۂ قلم کی اس مختصر سی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں، اس جملے میں تاکید در تاکید موجود ہے اور ''علیٰ'' کا لفظ اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے کہ اخلاق آپ کے تابع ہیں اور آپ کو اخلاق پر مکمل کنٹرول حاصل ہے، آپ سے پہلے جملہ انبیاء کرام کی جملہ صفاتِ حمیدہ اکیلے آپ کی ذات بابرکات میں موجود تھیں،

ہر نبی کی ہر خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آراستہ فرمایا تھا۔

اسی کی طرف مولانا قاسم نانوتویؒ نے اشارہ کیا ہے ؎

تُو فخرِ کون و مکاں زبدہَ زمین و زمان

امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہ ابرار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں

تیرا کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اور سورۃ قلم کی اس آیت ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے، ایک دیوانے کے اقوال وافعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی، نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال واخلاق قرآن کی خاموش تفسیر ہے، قرآن جس نیکی، جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً موجود، اور جس بدی وزشتی سے روکتا ہے، آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب اور اعتدال سے ایک انچ ادھر اُدھر ہٹنے نہیں پاتی، آپ کا حسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں''۔

''جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمحِ نظر اتنا بلند ہو بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کرے گا''۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۴۸)

اس آیت کے متعلق صحابہ کرام نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ عظیم اخلاق کیا تھے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن) یعنی ابتدائے قرآن سے لے کر انتہائے قرآن تک آپ کے اخلاق ہیں۔ قرآن نے جس چیز کو پسند کیا ہے حضورؐ طبعاً اس چیز کو پسند فرماتے تھے۔ اور قرآن کریم نے جس چیز کو ناپسند کیا ہے آپؐ طبعاً اس چیز کو ناپسند فرماتے تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھے ؎

لَنَا شَمْسٌ وَلِلْآفَاقِ شَمْسٌ
وَشَمْسِیْ خَیْرُ مِنْ شَمْسِ السَّمَآءِ

ایک ہمارا سورج ہے اور ایک آسمان کا سورج ہے
مگر آسمان کے سورج سے میرا سورج بہتر ہے

فَشَمْسُ النَّاسِ تَطْلُعُ بَعْدَ فَجْرٍ
وَ شَمْسِی تَطْلُعُ بَعْدَ الْعِشَاءِ

لوگوں کا سورج تو فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے
لیکن میرا سورج عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے

لَوَاحِیُّ زُلَیْخَا لَوْرَاَیْنَ جَبِیْنَهٗ
لَاٰثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْیَدِ

(شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ ج۴ص۲۹۰)

زلیخا کی ملامت گر سہیلیاں اگر (یوسفؑ کے بجائے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہ جبین دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اخلاق وہی ہیں کہ بیک وقت آپؐ نے خالق کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق کو بھی نبھایا اور دونوں کو ایک ساتھ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چلایا۔ قرآن کریم کی آیت ﴿**خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ**﴾ جب اتری تو حضورؐ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا "**اُوْتِیْتَ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَکَ وَتُعْطِیْ مَنْ حَرَمَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ**"

یعنی آپ کو عظیم مکارم اخلاق عطا ہوئے ہیں اور وہ اس طرح کہ جو آپ سے صلہ توڑ دے آپ اسے جوڑے رکھیں، اور جو کوئی آپ کو محروم رکھے آپ اس کو عطیہ کیا کریں اور اس کو معاف کیا کریں جو آپ پر ظلم کرے۔ سچ ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے چند واقعات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے کبھی کسی غلام یا بیوی کو نہیں مارا اور نہ کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیا۔ ہاں جہاد میں اللہ کے لئے مارا ہے۔

واقعہ نمبر۱

حضرت عائشہ ؓ ایک اور حدیث میں فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا اور کپڑا خود سیتے تھے اور گھر میں اسی طرح کام کیا کرتے تھے جس طرح تم لوگ کرتے ہو۔ فرماتی ہیں کہ حضورؐ انسانوں میں سے ایک انسان تھے آپ اپنے کپڑوں میں جوؤں کو تلاش کیا کرتے تھے بکری کا دودھ نکالتے تھے اور گھر میں اپنا کام کاج خود کیا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو پھر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

نوٹ: آپ کے جسم و کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں آپ نے صرف اخلاقِ حسنہ کے تحت کپڑوں کو ٹٹولا ہے۔

واقعہ نمبر۲

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اس عرصہ میں مجھے کبھی حضورِ اکرمؐ نے اُف تک نہیں کہا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟

واقعہ نمبر۳

حضرت انسؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں ایک دفعہ حضور اکرمؐ کے ساتھ جا رہا تھا، حضور اکرمؐ پر ایک نجرانی موٹی چادر تھی کہ اچانک ایک دیہاتی نمودار ہوا اور اس نے حضور اکرمؐ کو اس چادر کے ذریعے سے اس زور سے کھینچا کہ حضور اکرمؐ کے گلے میں چادر کے کناروں کے نشان پڑ گئے، پھر اس دیہاتی نے کہا کہ اے محمد تیرے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دیدو، حضور اکرمؐ اس کی طرف دیکھ کر ہنسے اور پھر حکم دیا کہ اس کو اتنا اتنا عطیہ دے دو۔ اسی سے ملتا جلتا قصہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے اس دیہاتی سے کہا کہ مال تو اللہ کا ہے وہ میں دیدوں گا لیکن تو نے مجھے جو تکلیف پہنچائی ہے یہ تو میرا حق ہے اس کا بدلہ میں لوں گا، دیہاتی نے کہا کہ آپ بدلہ نہیں لیا کرتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اونٹ سامان بھروا کر اس کو دے دیئے۔

واقعہ نمبر۴

حضرت انسؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گفتگو فرماتے اور نہ

کسی پر لعنت بھیجتے اور نہ کسی کو گالی دیتے تھے، بلکہ سخت سرزنش کے وقت فرمایا کرتے تھے "مالہ ترب جبینه" "اس کا جبین خاک آلود ہو اس کو کیا ہو گیا"۔

واقعہ نمبر ۵

حضرت انسؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرمؐ جب فجر کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو مدینہ منورہ کے غلام اپنے اپنے برتن میں پانی بھر کر لاتے اور حضور اکرمؐ بطور تبرک اس میں ہاتھ ڈالتے، کبھی بھی آپؐ نے انکار نہیں کیا بسا اوقات تو سخت سردی ہوتی تھی مگر پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہاتھ رکھتے تھے اور انکار نہ فرماتے۔

واقعہ نمبر ۶

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ بیمار کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے، میت کے جنازے کے پیچھے چلتے، غلام کی دعوت کو بھی قبول فرماتے تھے، کبھی گدھے کی سواری کرتے تھے۔ میں نے غزوۂ خیبر میں دیکھا کہ آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی۔

نوٹ: یاد رہے کہ عربستان کے گدھے ہمارے ہاں کے گدھوں کی طرح نہیں ہوتے، بلکہ وہ خچر جیسے بڑے ہوتے ہیں۔

واقعہ نمبر ۷

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی سے مصافحہ فرماتے تو آپؐ اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے نہیں چھڑاتے، بلکہ اس کے ہاتھ کو پکڑ کر رکھتے یہاں تک کے خود وہ اپنے ہاتھ کو چھڑا دیتا، اسی طرح آپؐ اپنے چہرۂ انور کو اس شخص سے نہیں موڑتے تھے، حتیٰ کہ وہ آدمی خود چہرہ موڑ دیتا، اور آپ کو کبھی کسی مجلس میں گھٹنوں اور پیروں کو پھیلایا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

واقعہ نمبر ۸

حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آرہے تھے تو راستے میں دیہاتی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ سے مال مانگنا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ کو ایک کیکر کے درخت کے ساتھ ٹیک دیا، اور آپ کی چادر چھین لی۔ حضور وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میری چادر مجھے دیدو، قسم بخدا اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد کے مطابق جانور ہوتے تو میں تم پر تقسیم کرتا اور پھر تم مجھے بخیل اور جھوٹا نہ پاتے۔ بعض روایات

میں مذکور ہے کہ بسا اوقات مدینہ منورہ کی بعض پاگل عورتیں گھنٹوں گھنٹوں آپ کو روک لیتیں، اور ادھر اُدھر کی باتیں اُڑاتیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش سنتے رہتے۔

واقعہ نمبر ۹

ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرمؐ سے ایک معاملہ میں وعدہ کیا کہ آپ ادھر بیٹھ جائیں میں آ رہا ہوں حضور اکرمؐ بیٹھ گئے اور وہ آدمی آنا بھول گیا۔ جب وہ آدمی تین دن کے بعد آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم نے مجھے بہت تکلیف دی، میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ واقعی سچ اور حق ہے کہ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

واقعہ نمبر ۱۰

بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرمؐ مہمانوں کے ساتھ آخر تک بیٹھتے تھے، گھر کے افراد یا غلاموں اور دیگر اشخاص کے سوال پر آپ لبیک فرما کر جواب دیتے تھے، بچوں سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔

واقعہ نمبر ۱۱

ایک دفعہ ایک چھوٹے لڑکے عمیر کا پالا ہوا پرندہ مر گیا، جس کا نام نُغیر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور تعزیت اس بچے کے پاس گئے اور فرمایا "یَا اَبَا عُمَیْرُ مَافَعَلَ النُّغَیْرُ" اے ابوعمیر نغیر یعنی لال پرندے کو کیا ہو گیا۔ اس قافیہ اور سجع والے کلام سے حضورؐ اس کی خاطر داری کرنا چاہتے تھے۔

واقعہ نمبر ۱۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، وہ لڑکا حالت نزع میں تھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اے لڑکے کلمہ شہادت پڑھ لو، بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا باپ نے کہا کہ ابوالقاسم کی بات مان لو، چنانچہ اس بچے نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کی روح پرواز کر گئی، حضورؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میری عیادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو دوزخ سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ میرے پیارے پیغمبر آپ بڑے اخلاق پر فائز ہیں۔

اور حضورؐ نے سچ فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں اچھے اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچا دوں۔

واقعہ نمبر ۱۳

بیہقی، طبرانی اور حاکم نے ایک یہودی کے ایمان لانے کا قصہ بیان کیا ہے جس کا مفہوم اور خلاصہ

یہ ہے کہ، ایک یہودی عالم نے کہا کہ ''میں نے سابقہ کتابوں میں نبی آخر الزمان کے متعلق جو نشانیاں پڑھی تھیں، وہ سب حضور اکرمؐ میں موجود تھیں لیکن ایک نشانی کا اب تک مجھے مشاہدہ نہیں ہوا تھا وہ یہ کہ سابقہ کتابوں میں لکھا تھا کہ نبی آخر الزمان کی بردباری آپ کی جلد بازی پر غالب رہے گی۔

چنانچہ میں نے اس صفت کو معلوم کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لین دین کا معاملہ قائم کر دیا، میں نے کھجور کے لئے آپ کو کچھ رقم دیدی گویا بیع سلم کا معاملہ ہوا ابھی کچھ مدت باقی تھی کہ میں آیا اور مجلس میں حضور اکرمؐ کے ساتھ سخت لہجہ میں بات شروع کی جوں جوں بڑے بڑے صحابہ مجلس میں آتے گئے میں اپنے کلام میں سختی کرتا گیا یہاں تک کہ میں نے کہا اے عبد المطلب کی اولاد !! بس تم ٹال مٹول میں مشہور ہی ہو گئے ہو۔ پھر میں اٹھا اور حضور کو گریبان سے پکڑا اور گھور گھور کر دیکھا اور غلیظ گفتگو کی، حضرت عمر فاروق ؓ نے جب دیکھا تو کہا اے اللہ کے دشمن اگر حضور سے تیرا معاملہ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

حضور اکرمؐ حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے عمر تجھے یہ جواب مناسب نہیں تھا، بلکہ تجھے اس شخص سے کہنا چاہئے تھا کہ نرم طور پر قرض مانگے، اور مجھ سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ اس کے قرض کو ادا کرنا چاہیئے، اب چونکہ تم نے سخت جملے استعمال کئے اس لئے جاؤ اور بیس اوڑھی کھجور زائد اس شخص کو دو اور اس کا اصل حق بھی دیدو۔ یہ معاملہ دیکھ کر یہودی نے زور سے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ سچ ہے وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور یہ بھی سچ ہے

؎ نَفْسِی الْفِدَاءُ لِمَنْ اَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ
بِاَنَّهُ خَیْرُ مَوْلُوْدٍ مِنَ الْبَشَرِ

؎ جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرا کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک
سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

واقعہ نمبر ۱۴

ایک دفعہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ بعض اصحاب نے گوشت کھانے کی خواہش ظاہر کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک بکری خرید لو، اس کے بعد آپ نے ہر ساتھی کو اپنے اپنے کام پر مامور فرمایا کسی نے بکری ذبح کی، کسی نے گوشت بنایا، کسی نے پانی کا انتظام کیا، کسی

نے پکانے کا ذمہ لیا اسی دوران کچھ وقت کے لئے آپ بھی غائب ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد لکڑیوں کا ایک گھٹا اٹھائے ہوئے آپ واپس تشریف لائے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کام بھی ہم خود کر دیتے آپ نے کیوں زحمت اُٹھائی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو پسند نہیں کرتا جو خود تو آرام سے بیٹھا رہے اور دوسروں کو حکم دیتا رہے۔

بہر حال یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے اور یہی مکارم اخلاق تھے اور یہی قرآنی تعلیمات ہیں، ہمیں چاہیئے کہ جس طرح زبان سے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنے افعال و کردار سے بھی اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ یہ نہ ہو کہ زبان سے تو کہیں کہ آیئے تشریف رکھیئے، آرام کیجئے، اور پھر سگریٹ جلا کر اس بیچارے کو جلا کر رکھ دیں۔ یا عزت سے بلا کر بٹھائیں اور پھر ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ میں خوب گانا بجا کر اس کو عذاب میں ڈال دیں، یا اپنے گھر میں اتنے زور سے گانے بجائیں کہ پڑوس میں کوئی نیند نہ کر سکے، نہ تلاوت کر سکے، نہ نماز پڑھ سکے۔ اسلام شرعی اخلاق کا مطالبہ کرتا ہے، صرف تجارتی اخلاق تو انگریزوں میں بھی ہوتے ہیں اور عام تاجروں میں بھی گاہک کے لئے ہوتے ہیں۔ آخر میں یہ بھی یاد رکھیں کہ حضور اکرمؐ نے باطل سے جو ٹکر لی ہے اور کفار سے میدانِ کارزار میں جو جہاد کیا ہے وہ بھی آپ کے اخلاق کا ایک حصہ تھا حضور اکرمؐ کے جہاد کو اخلاق کے منافی سمجھنا گمراہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ حضور اکرمؐ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جہاد کر کے بد اخلاقی کی ہے؟ اگر نہیں تو خوب یاد رکھو کہ اسلام میں جہاد اعلیٰ درجے کے اخلاق میں سے ہے، اللہ ہم سب کو راہ حق پر قائم رکھے۔ آمین یا رب العٰلمین

قرآن وحدیث

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾. (القلم آیت ۵)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَسِنِیْنَ فَمَاقَالَ لِیْ اُفٍّ وَّلَالِمَ صَنَعْتَ وَلَااَ لَّاصَنَعْتَ. (متفق علیه. مشکوۃ ص ۵۱۸)

وعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًاوَّلَا مُتَفَحِّشًا وَلَاسَخَّابًا فِیْ الْاَسْوَاقِ وَلَایَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ وَلٰکِنْ یَعْفُوْا وَیَصْفَحُ. (رواہ الترمذی مشکوۃ ۵۱۹)

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ بِتَمَامِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ. (وفی روایة) بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ.

(المؤطا للامام مالک رقم الحدیث. ۹۰۴)

جمعہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ ۱۵ ستمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے لئے رحمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾ (سورۂ انبیا آیت ۱۰۷)

اور ہم نے تجھ کو جو بھیجا سو جہاں کے لوگوں کے لئے مہربانی کے لئے بھیجا۔

عن ابن عمرؓ قال رسول اللہ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ رَحْمَةً مُّھْدَاۃً بُعِثْتُ بِرَفْعِ قَوْمٍ وَخَفْضِ اٰخِرِیْنَ۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے مجھے ایک قوم (ماننے والوں) کی سربلندی اور دوسروں (نہ ماننے والوں) کی سرنگونی کے ساتھ بھیجا گیا۔

محترم سامعین!

ہمارے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، راجح یہی ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں خواہ عالم انسان ہو یا عالم جن ہو، یا عالم ملائکہ ہو یا عالم حیوانات یا عالم چرند و پرند ہو۔ اسی اجمال کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ یہ حقیقت سمجھ جائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے کس طرح اور کس انداز سے رحمت ہیں،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانوں کے لئے رحمت ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فیضان ربانی اور انعامات خداوندی کے لئے واسطہ اور ذریعہ تھے۔ اپنی اپنی قابلیت اور قبولیت کے تناسب سے پورے عالم انسانیت کے لئے آپ ایک مشعلِ کامل بن کر آئے آپ نے علوم کے خزانے انسانوں کے سامنے رکھدیئے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی فرمائی انسان کی پیدائش سے لیکر وفات تک اور وفات کے بعد حیات تک اور حیاتِ ثانیہ سے لیکر حیات جاودانی تک وہ کونسا پہلو اور کونسا شعبہ ہے جس کی آپ نے پوری پوری رہنمائی نہ کی ہو؟

روح المعانی نے علامہ ابن قیمؒ کے حوالے سے اس مقام پر لکھا ہے کہ اگر عالم میں نبوت کا سلسلہ نہ ہوتا تو نہ علم نافع کا وجود ہوتا اور نہ عملِ صالح کا تصور ہوتا اور نہ معیشت و معاشیات کا کوئی صحیح رخ ملتا اور نہ

حکومت چلانے کے کوئی صحیح ضابطے ملتے بلکہ لوگ جانوروں، درندوں اور باولے کتوں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹتے رہتے۔

الغرض عالمِ کائنات میں جہاں کہیں خیر و بھلائی نظر آتی ہے تو وہ نبوت حقہ کا پَرتَو اور اثر ہے اور جہاں کہیں عالَم میں برائی اور شرارت نظر آتی ہے یا آیندہ آئے گی وہ نبوتِ حقہ کے آثار کے مخفی اور کمزور ہونے کی وجہ سے ہے، گویا کہ عالَم ایک جسم ہے اور نبوتِ حقہ اس کی روح ہے لہٰذا زمانۂ نبوت جتنا دور ہوتا جائے گا عالَم میں بگاڑ پیدا ہوگا''۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۰۰)

بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات عالَم انسانیت کی ہدایت و کامیابی اور دینی و دنیوی ترقی کے لئے رحمت ہی رحمت ہے۔

غیر مسلموں کیلئے رحمت ہونا

اس موقع پر ذہن میں ایک سرسری سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالمِ انسانیت میں تو غیر مسلم کفار بھی ہیں، حضور اکرمؐ ان کے لئے کیسے رحمت ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی وجہ سے نیز آپ کی عام دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابقہ غیر مسلم امتوں کے عذاب کی طرح عام عذاب سے اس امت کے کفار کو محفوظ بھی رکھا ہے، کہ آسمان سے آگ ان پر برس پڑے یا پانی و ہوا کا ایسا طوفان آجائے کہ روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ رہ جائے، عذاب کا ایسا سلسلہ کہ جس سے کفار صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں موقوف ہوگیا ہے۔ اس لحاظ سے کفار کو دنیوی لحاظ سے امن کی زندگی بھی ملی اور توبہ کرنے کا ایک وسیع میدان بھی ملا جو یقیناً حضور اکرمؐ کے رحمت للعٰلمین ہونے کا اثر ہے۔ سورۂ انفال کی آیت نمبر ۳۲ اور ۳۳ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اور جب کفار کہنے لگے کہ اے اللہ اگر یہی دین تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی عذاب لا۔ اور جب تک تو ان میں رہتا ہے اللہ ہرگز ان پر عذاب نہ کریگا۔ اور ہرگز ان پر عذاب نہ کرے گا جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے''۔

تفسیر عثمانی میں علامہ عثمانیؒ نے اس ایت کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے: ''مشرکین جس قسم کا خارقِ عادت عذاب طلب کر رہے تھے جو قوم کی قوم کا استیصال کردے ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں۔ ایک حضورؐ کا وجود ہے کیونکہ اس کی برکت سے اس امت پر خواہ امت دعوت ہی کیوں نہ ہو ایسا خارقِ عادت مستأصل عذاب نہیں آتا، البتہ یوں کسی وقت افراد یا آحاد پر (آئے تو) وہ اس کے

منافی نہیں، دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔'' (ص ۲۳۹)

اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق انسانیت کے حقوق کا جو تعین کیا ہے اور انسان کو انسان پر ظلم وزیادتی سے جو روکا ہے اس میں بھی آپ غیر مسلموں کے لئے کامل اور مکمل رحمت ہیں، پھر خصوصاً کفار کے حق کا جو تعین کیا ہے ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ کفار کے لئے بجا طور پر ایک رحمت ہے، ہاں کچھ شریر عداوت کیش اور بغاوت پسند سرکش کفار جو خدا کی زمین پر انسانوں اور حیوانوں کے لئے ایک طرح کے عذاب بنے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے خلاف جہاد کرنا ان کی سرکشی کو توڑنا اور ان کی بغاوت کا خاتمہ کرنا تاکہ امن پسند انسان امن سے رہیں اور آزادانہ طور پر دین اسلام کو قبول کر کے ابدی کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی رحمت کا حصہ ہے ،آپ نے اپنے ارشادات عالیہ میں بھی مہربانی، رحمت وشفقت ،ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت، عدل وانصاف اور ترس وترحم پر بہت زور دیا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا ''لَایَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّایَرْحَمُ النَّاس'' جو شخص لوگوں پر مہربانی نہیں کریگا اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی نہیں کریگا۔ ایک اور حدیث میں ہے ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ'' یعنی زمین والوں پر تم مہربانی کرو تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہوگا، ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کی دو بچیاں ہوں اور وہ اس کی رعایت کے ساتھ پرورش کرے تو وہ شخص جنتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے بچوں پر مہربانی نہ کرے ہمارے بڑوں کی قدر نہ کرے اور ہمارے علماء کی تعظیم نہ کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کیلئے ماں باپ کو رحمت اور کامیابی کا ذریعہ قرار دیا، ماں باپ کے چہرے کو رحمت کی نگاہ سے دیکھنے کو عمرہ کے برابر قرار دیا، ماں باپ کا اپنی اولاد کا بوسہ لینا باعث شفقت ورحمت قرار دیا، عام انسانوں کے راستے میں تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کو بہترین ثواب کا کام قرار دیا۔

ایک مزدور کے ہاتھ مزدوری کی وجہ سے سخت ہو گئے تھے آپ نے اس کے حوصلہ افزائی کیلئے اس کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ یہ اور اس قسم کے تمام اصول وقواعد عام وخاص انسانوں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کے دلائل وشواہد ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک
سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کیلئے رحمت

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ عالم کیلئے میرے رحمت ہونے کا تجھے کیا فائدہ پہنچا ہے؟ یعنی اس رحمت کا تجھ پر کیا اثر ہوا ہے۔

جبرئیل امینؑ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے یہ ضمانت مل گئی کہ میرا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضرت جبرئیلؑ کا یہ جواب دوسرے فرشتوں کے لئے بھی عام کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بواسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کریم میں تمام فرشتوں کی معصومیت کا تذکرہ فرمایا ہے، ان کی اطاعت وعظمت کے اعلانات فرمائے، جبریل امین کی اطاعت و دیانت انکے صاحب قدر و منزلت ہونے اوران کی شان و رفعت کا اعلان فرمایا اور تمام فرشتوں کو مقربینِ بارگاہ خداوندی قرار دیا، فرشتوں سے محبت کا حکم دیا، اوران سے عداوت کو اپنے ساتھ دشمنی قرار دیا۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے معلوم ہوا۔ سچ ہے ؎

سَلِّمُوْا یَا قَوْمُ بَلْ صَلُّوْا عَلٰی صَدْرِ الْاَمِیْنَ
مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کے لئے رحمت ہونا

جنات کے لئے بھی شرعی قواعد وقوانین وہی ہیں جو انسان کے لئے ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن وجوہات سے انسانوں کے لئے رحمت ہیں انہی وجوہات کے تحت آپ جنات کے لئے بھی رحمت ہیں، مزید یہ کہ حضورؐ نے انسانوں کو (اس سے منع کیا ہے کہ وہ ہڈیوں سے استنجا کریں) کیونکہ اس سے جنات اپنی غذا کا کام لیتے ہیں اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر سے استنجا کرنے کو ممنوع قرار دیا کیونکہ اس سے بھی جنات فائدہ اُٹھاتے ہیں، اسی طرح گھر کے سانپ کو فوراً مارنے سے منع فرمایا ہے بلکہ حکم دیا کہ اس کو اعلان کرکے چلے جانے کا کہا جائے تاکہ سانپ کی صورت میں کوئی جن نہ مارا جائے۔

نیز آپ نے جنات کے کئی تنازعات کے فیصلے کرکے صلح کرائی ہے۔ اور ہدایت وایمان کا عظیم سامان فراہم کیا ہے جو جنات کے لئے رحمت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانوروں کے لئے رحمت ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس کائنات میں جانوروں اور حیوانوں کے لئے بھی باعث رحمت تھی۔ چنانچہ آپ نے مختلف شعبہائے حیات میں جانوروں پر مہربانی اور نرمی وترس کھانے کے

ارشادات فرمائے ہیں۔آپ نے سواری کے جانور کے متعلق فرمایا ، کہ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں خدا کا خوف کرو جب تک وہ صحیح وسالم ہوں ان پر سواری کیا کرو اور پھر صحیح حالت میں ان کو چھوڑ دو۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ کسی حیوان کو بیٹھنے کے لئے منبر مت بناؤ۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کسی زندہ جانور کو نشانہ مت بناؤ، ایک اور حدیث میں حیوان کے ذبح کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ذبح میں زیادتی نہ کرو چھری کو خوب تیز رکھو اور جہاں تک ذبح ضروری ہے اسی پہ اکتفا کرو، ایک اونٹ نے آپ کے سامنے اپنے مالک کی شکایت کی کہ چارہ کم کھلاتا ہے اور بوجھ زیادہ لادتا ہے، حضورؐ نے اونٹ کے مالک سے فرمایا کہ اس اونٹ کو اچھا چارہ کھلایا کرو اور اس پر بوجھ کم رکھا کرو۔بغیر کسی ضرورت کے جانور کے شکار کو منع فرمایا جبکہ کھانا وغیرہ مقصود نہ ہو بلکہ صرف تفریحاً مار رہا ہو۔

ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ کسی نے چیونٹیوں کے پورے بل کو آگ لگائی تھی آپ نے اس سے منع فرمایا۔

ایک واقعہ میں نے حضرت مولانا اجمل خان لاہوریؒ سے تقریر کے دوران سنا تھا کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا، اس شخص کے ناخن بڑے تھے اور ایک ناخن کا حصہ ٹوٹا ہوا تھا جونوک دار تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص بکریوں کا دودھ نکالتا ہے، تو آپ نے اس شخص کو حکم دیا کہ ناخن تراشو تاکہ دودھ نکالتے وقت بکری کے پستانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ایک کتے پر ترس کھانے والی عورت کو آپ نے جنتی بتایا اور بلی پر ظلم کرنے والی عورت کو آپ نے دوزخی بتایا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

ایک ہرن کا واقعہ

یہ واقعہ میں نے چند سال قبل ''خدام الدین لاہور'' میں پڑھا تھا اسی کو نقل کر رہا ہوں واقعہ اشعار میں ہے لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شکاری نے ایک ہرن کا شکار کیا ہرن کے چھوٹے بچے رہ گئے۔ہرن نے حضور اکرمؐ سے درخواست کی کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں آپ سفارش کریں تاکہ شکاری مجھے صرف اپنے بچوں سے ملنے اور دودھ پلانے کی اجازت دے تاکہ میں بچوں سے مل کر واپس آجاؤں گی چنانچہ حضور نے سفارش فرمائی اشعار یہ ہیں۔

وَاسْتَعَانَتْ ظَبْيَةٌ قَدْ شَدَّهَا
جَاهِلٌ دَامَ اقْتِنَاصٍ فَاحْتَبَلْ

ایک ہرن نے آپ سے اس وقت رہائی طلب کی جبکہ ایک گنوار شکاری نے اسے شکار کیا تھا۔

یَـــا نَبِـیَّ الـلّٰـــہِ اَطْـلِـقْـنِـی اَعُـدُ
بَــعْــدَ اِرْضَــاعِــیْ لِـحَشْفٍ مُـنْهَــزِلُ

ہرن نے کہا کہ اے اللہ کے نبی مجھے اتنے وقت کے لئے چھڑوا دیجئے کہ میں اپنے کمزور بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں۔

حَـلَّهَـــا تَـعِـدُوْ وَتَـتْـلُـوْ اَنَّـــهٗ
خَـــاتَـــمُ الـــرُّسُـلِ وَحَلَّالُ الْــعُـضَــلُ

حضورؐ نے سفارش کر کے اسے چھڑا دیا تو ہرن دوڑ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ حضور خاتم الرسل ہیں اور مشکل دور کرنے والے ہیں۔

ثُــمَّ عَـــادَتْ تَـــقْتَـفِـــی اٰثَـــارَهَـــا
لِلْاِسَـــارِ مَـــا اَخَـــلَّـــتْ بِـــالْاَجَـــلُ

ہرن کچھ دیر بعد اپنے نشان قدم پر واپس گرفتاری کے لئے آئی اور وقت مقررہ میں کوئی نقصان نہ کیا

ثُــمَّ حَلَّاهَـــا تَـــصِيْـــحُ فِـــی الْـــفَلَا
تُـــعْـلِـــنُ التَّــوْحِيْـــدَ جَهْـــرًا الْاَتَـــمُـــلُ

پھر شکاری سے حضورؐ نے سفارش کر کے ہرن کو مکمل آزاد کرا دیا تو وہ جنگل میں زور زور سے مسلسل توحید کا اعلان کرتی ہوئی چلی گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پرندوں کیلئے رحمت ہونا

ایک سفر میں حضور اکرمؐ نے دیکھا کہ ایک صحابی نے کسی پرندے کے چند چوزوں کو چادر میں لپیٹ رکھا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولنے کا حکم دیا جب کھولا تو چوزوں کے ساتھ ان کی ماں بھی بیٹھی ہوئی تھی اور واپس نہیں جا رہی تھی۔ حضورؐ نے صحابی سے ان چوزوں اور ان کی ماں کے پکڑنے کا قصہ سنا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر چوزوں کی ماں سے بھی زیادہ مہربان ہیں، اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جاؤ اس پرندے کو ان چوزوں کے ساتھ وہیں چھوڑ آؤ جہاں سے پکڑا ہے، صحابی نے جا کر وہیں پر سب کو چھوڑ دیا۔ اس طرح شفقت و رحمت کے دوسرے کئی واقعات ہیں جو پرندوں سے متعلق ہیں جن سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سچ ہے۔

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ ﴾

آخر میں اس آیت کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر!

یعنی آپ تو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، اگر کوئی بد بخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے آفتاب عالم سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے۔ لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کرے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی، آفتاب کے عموم میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی حصہ میں بے اختیار حصہ پہنچ ہی جاتا ہے۔

چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب وانسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم وکافر اپنے اپنے مزاج کے موافق فائدہ اٹھاتے ہیں، نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام ومستأصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا، میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں سے آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی۔ ایک حدیث کا ترجمہ اس طرح ہے" اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں یقیناً ان کفار کو قتل کرونگا ان کو سولی پر لٹکاؤں گا اور اس طرح ان کو ہدایت پر لاؤں گا اگرچہ ان کو ناگوار ہو کیونکہ مجھے میرے رب نے رحمت بنا کر بھیجا ہے وہ مجھے اس وقت تک موت نہیں دے گا جب تک اس کا دین غالب نہیں ہو جاتا"۔ (الحدیث)

ان الفاظ کے ساتھ آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب اور زیادہ سمجھ میں آسکتا ہے۔

(تفسیر عثمانی ص ۴۴۱)

واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم رحمت وشفقت ہے کہ دس سالہ مسلح جہاد میں اور ستائیس جنگوں اور چھپن چھاپہ مار دستوں کے نتیجے میں طرفین کے صرف ایک ہزار اٹھارہ آدمی کام آئے ہیں۔ جن میں دو سو انسٹھ (۲۵۹) صحابہ کرام شہید ہو گئے اور ساتھ سو انسٹھ (۷۵۹) کفار واصل جہنم ہوئے اور مکمل جزیرۂ عرب پر اسلام غالب آگیا، جبکہ جدید دور کی ایک ایک جنگ میں بے مقصد لاکھوں آدمی مارے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا وافر حصہ ہمیں عطا فرمائیں۔ آمین

سَلِّمُوْا یَا قَوْمُ بَلْ صَلُّوْا عَلٰی صَدْرِ الْاَمِیْنِ
مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

دی روز در بستان • سرا
سب طوطیاں شریں زبان
کہتی تھیں نعت مصطفٰے
بَلَغَ الْعُلٰے بِکَمَالِہٖ

بلبلیں سب سُو بہ سُو
لیتی تھیں ہر ایک گل کی بو
کرتی تھیں باہم گفتگو
کَشَفَ الدُّجٰے بِجَمَالِہٖ

قُمری بھی اپنے ذوق میں
ڈالے تھی گردن طوق میں
کہتی تھی اپنے شوق میں
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

چڑیوں کے سن کر چہچہے
انسان بھلا کیوں چپ رہے
لازم ہے اس کو یوں کہے
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نزعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ ۔ (متفق علیه مشکوۃ ص ۴۲۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ وَجَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فَعَلَیْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِكُمْ ۔ (رواہ ابوداؤد مشکوۃ ۳۴۰)

جمعہ ۷ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
حضور اکرمؐ سے مسلمانوں کی محبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (سورۂ احزاب آیت ۶)

''ایمان والوں کو نبی سے لگاؤ (محبت) ہے اپنی جانوں سے زیادہ اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں''۔

قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

''حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے ہاں ان کے والدین واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

محترم سامعین!!

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت دل میں پیوست ہو۔ اگر کوئی شخص اللہ کی محبت وعقیدت کے بغیر عبادت کرتا ہے تو وہ عبادت معتبر نہیں ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ حضورؐ سے عقیدت ومحبت ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر نہ اطاعت رسول کا کوئی اعتبار ہے اور نہ سنت نبوی پر چلنے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ایمان کامل ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ نبی کی ذات مسلمانوں کے ہاں مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ محبوب ہے یعنی مسلمانوں کو اپنی جانوں سے زیادہ نبی کی ذات سے لگاؤ اور محبت ہونی چاہیئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ والدین واولاد اور اپنی جانوں اور تمام انسانوں سے زیادہ محبت حضور اکرمؐ سے ہونا تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا مضمون اُس روایت کی وجہ سے مزید مؤکد ہوجاتا ہے جس میں حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ!! آپ مجھے اپنے والدین اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارے ہیں، لیکن اپنی جان سے زیادہ پیارے کس طرح ہونگے؟

حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اپنی جان سے زیادہ پیارا نہ بن جاؤں تو ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، پھر

حضورؐ نے عمر فاروقؓ کی طرف توجہ کی توجہ کا اثر پڑنے پر عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! اب اپنی جان سے بھی زیادہ آپ پیارے ہوگئے، اس پر حضورؐ نے فرمایا''الآن یاعُمَرُ''اے عمر اب تیرا ایمان کامل ومکمل ہوگیا۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے کہ اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت ہو جو اپنی جان اور اپنے چھوٹوں اور بڑوں بلکہ تمام انسانوں سے زیادہ بڑھ کر ہو۔

عام طور پر محبت یا بڑوں سے ہوتی ہے یا چھوٹوں سے ہوتی ہے اور یا مساوی اور برابر والوں سے ہوتی ہے اس حدیث میں ان تینوں درجات کو جمع کرلیا گیا ہے، کیونکہ''والـــــده''کا اشارہ بڑوں اور بزرگوں کی طرف ہے، اور''وَلَدِہ''سے اشارہ چھوٹوں کی طرف ہے اور''والـنـاس اجـمـعـین'' میں برابر کے لوگ مراد ہوسکتے ہیں۔

علامہ ابن بطالؒ نے محبت کو تین انواع پر تقسیم کیا ہے (۱) محبت اِجلال وتعظیم جیسے والدین اور بزرگوں کی محبت (۲) محبت شفقت جیسے اولاد کی محبت (۳) محبت لذت جیسے میاں بیوی کی محبت۔

تو یہاں پر اس حدیث میں ان تینوں محبتوں کی طرف اشارہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ن تمام محبتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیئے اور قرآنی آیت مندرجہ بالا میں''وَاَزْوَاجُـــهٗ اُمَّهَـــاتُهُـمْ''کے .عد حضرت اُبی ابن کعب کی قرأت میں ہے''وَهُوَاَبٌ لَّهُمْ''یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ .سلم مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں۔

تفسیر!

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عثمانی لکھتے ہیں. یقیناً امتی کا ایمانی وروحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے، اور جو شفقت وتربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کی ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی، لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے، نبی کریمؐ ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت وتربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کرسکتا، اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان ومال میں تصرف کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان ومال میں اپنا تصرف نہیں چلتا

جتنا بس کا چلتا ہے اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دیدے تو فرض ہے ، انہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں ۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۵۶)

سوال: یہاں پر ایک سوال اٹھتا ہے اور وہ یہ کہ آدمی کی محبت اولاد والدین اور بیوی سے بعض اوقات ایسی ہوتی ہے جو تڑپا کر رکھ دیتی ہے یہ تڑپانے والی محبت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بڑھ کر ہوتی ہے تو پھر تو کوئی آدمی مؤمن نہ رہا؟

جواب: محبت کی بڑی دو قسمیں ہیں ۔ اول: محبت طبعی ہے جو مزاج اور طبعیت میں رچ بس گئی ہوتی ہے اور جو انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہے ، بلکہ غیر اختیاری ہوتی ہے جیسے والدین یا اولاد یا بیوی وغیرہ کی محبت غیر اختیاری ہوجاتی ہے ، یہ محبت چونکہ بندے کے اختیار میں نہیں ہوتی ہے اس لئے یہ محل بحث نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف مالایطاق نہیں دیتا اور یہ محبت طاقت بشری کے اختیار سے باہر ہے، لہٰذا حدیث میں ہم سے محبت کی اس قسم کا مطالبہ نہیں کیا ہے ۔

دوم: محبت عقلی وشرعی ہے ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز نامناسب ہے اس کے کرنے کا نفس تقاضا کرتا ہے لیکن شریعت کہتی ہے کہ مستقبل کے اعتبار سے یہ کام مناسب نہیں ہے ، تو یہ آدمی نفس کے تقاضے کو دبا کر عقلِ صحیح اور شریعت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے اور اس ناجائز کام کو چھوڑ دیتا ہے ۔ مثلاً ایک طرف اولاد یا بیوی کا تقاضا ہے ، کہ گھر میں ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ ناجائز کام ہو ، مگر اس کے برعکس محبت رسول اور شریعت کا تقاضا ہے کہ یہ چیزیں نہیں ہونی چاہئے ، تو یہ شخص اگر اولاد کی بات پر چلتا ہے تو مؤمن نہیں ہوسکتا ، یہ کامل مؤمن اس وقت ہوگا کہ عقل اور شریعت اور محبت رسول کی بات کو ترجیح دیدے ، تو ہم سے اس حدیث میں جس محبت کا مطالبہ ہے یہ نفس اور شریعت کے ٹکراؤ کے وقت معلوم ہوجاتی ہے اگر کوئی شخص نفس وخواہش کی بات پر چلا تو محبت نہیں اور اگر شریعت کی بات پر چلا تو محبت ہے ۔ یا مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے کہ جہاد فرض ہے اور بیوی کا حکم آگیا یا والدین کا حکم آگیا کہ مت جاؤ تو ایمان اور محبت رسول کا تقاضا ہے کہ بیوی اور والدین کا حکم چھوڑ کر حضورؐ کے حکم پر چلے ، کیونکہ یہ شخص عقلاً وشرعاً جانتا ہے کہ حضورؐ کے حکم میں کامیابی ہے ، بہر حال حدیث میں محبت عقلی اور شرعی مراد ہے ۔

محبت کے تین اسباب

عالم اسباب میں محبت کے تین اسباب ہوتے ہیں (۱) جمال (۲) کمال (۳) نوال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال تو احادیث میں شمائل سے معلوم ہوتا ہے، ایک صحابی نے فرمایا کہ میں رات کے وقت ایک نظر چودھویں کے چاند پر ڈالتا تھا اور ایک نظر حضورؐ پر تو میں نے دیکھا کہ حضورؐ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ ایک اور صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے جب حضورؐ کے چہرے پر نظر ڈالی تو چہرہ اتنا خوبصورت تھا گویا کہ سورج آپ کے چہرہ انور میں دوڑ رہا ہے۔

حسن کے بارے میں ابو علی سینا نے لکھا ہے کہ حسن ظاہری اعضاء کے تناسب کا نام ہے نہ کہ سفیدی وغیرہ کا، پھر لکھا ہے کہ شمائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ مبارکہ مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرمؐ تک جتنے انسان آئے ہیں، صرف حضور اکرمؐ کے اعضاء میں مکمل تناسب تھا لہٰذا انسانوں میں سب سے خوبصورت حضور اکرمؐ تھے اسی کو حضرت حسان نے اس طرح ادا کیا ہے۔

وَاَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ

وَ اَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ خوبصورت کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ آپ سے زیادہ جمال آراکسی خاتون نے جنم لیا ہے

علامہ محمد بوصیریؒ نے فرمایا

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ

فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

اپنے حسن و جمال میں آپ ثانی نہیں رکھتے کیونکہ حسن کا جوہر جو آپ کو ملا ہے وہ ناقبل تقسیم ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے اشعار اس سے پہلے گزر چکے ہیں، معلوم ہوا کہ اس کائنات میں آپ سب سے زیادہ حسین تھے اور ہر حسین کے ساتھ محبت ایک فطری امر ہے، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کی محبت اور محبوبیت کا ذاتی استحقاق رکھتے ہیں۔

محبت کا دوسرا سبب کمال ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو تو کوئی انسان گن ہی نہیں سکتا ہے وہ سید الاولین والآخرین ہیں، جیش الانبیاء والمرسلین ہیں امام المتقین اور خاتم النبین ہیں، تمام انبیاء کرام کے متفرق کمالات آپ میں یکجا موجود تھے

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں

تیرا کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

تو فخرِ کون ومکاں زبدۂ زمین و زمان
امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہ ابرار

ان تمام کمالات کے بعد آپ کے ختم نبوت کا جو کمال ہے یہ تمام کمالات کو شامل ہے جو انسانیت کے لئے ایسا مرجع ہدایت ہے کہ آپ کے بعد کسی ہدایت ورہنمائی کے کسی مرکز کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد اگر کوئی کمال کسی میں ہوسکتا ہے وہ آپ میں جمع ہوگیا ہے، اب کمال کا مکمل اِکمال ہوگیا ہے۔ سچ ہے ؎

مَضَتِ الدُّھُوْرُ وَمَا اَتَیْنَ بِمِثْلِہٖ
وَلَقَدْ اَتٰی فَعَجِزْنَ عَنْ نُظَرَائِہٖ

زمانے گزرتے گئے لیکن محمد عربیؐ جیسے انسان کو نہ لاسکے
اور وہ آگئے تو آیندہ زمانہ اس کی نظیر لانے سے عاجز ہوگیا

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

الغرض کمال کے میدان میں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حق بنتا ہے کہ آپ سے محبت ہو۔

محبت کا تیسرا سبب نوال یعنی سخاوت وعطایا ہیں، اس میں اگر روحانی عطایا کو دیکھا جائے تو اربوں کھربوں انسانوں کو آپ نے اللہ کے حکم سے ہدایت کی دولت عظیم سے مالا مال کیا ہے اس سے بڑھ کر کیا سخاوت ہوگی؟۔

اس کے علاوہ مادیات کی مزاج سخاوت میں بھی آپ کی نظیر نہیں مل سکتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کی تشبیہ تیز رفتار آندھی سے دی ہے۔ ایک شخص نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے فرمایا جاؤ اور اس وادی میں جتنے اونٹ اور بکریاں ہیں وہ لے جاؤ، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے ایک سو اونٹ بطور قربانی پیش کئے عبادت کے حوالے سے اتنی بڑی قربانی اور اتنی بڑی سخاوت کی نظیر نہیں ملتی، پھر محبوبیت کا اندازہ لگایئے کہ ساٹھ اونٹوں کو جو آپ نے خود ذبح فرمایا تھا سب ایک دوسرے کو دھکے دیکر آگے بڑھتے تھے کہ مجھے حضور پہلے ذبح کریں۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ حضور نے کبھی ''لا'' (نہیں) کا جملہ استعمال نہیں کیا۔

مَاقَالَ ''لَا'' قَطُّ اِلَّافِیْ تَشَھُّدِہٖ

لَـوْ لَا التَّشَهُّـدُ لَـكَـانَ لَا ئُـهُ نَـعَـمُ

الغرض اس جمال وکمال اورنوال کے پیش نظرحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حق بنتا ہے کہ کائنات میں سب سے زیادہ محبت آپ سے ہو۔

حضور اکرمؐ کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت

میں نے محبت کی جو تقسیم بتائی ہے، علماء کرام نے یہ تقسیم کی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں سے جس محبت کا حدیث میں تقاضا کیا گیا ہے وہ محبت طبعی نہیں بلکہ عقلی اور شرعی ہے، لیکن آیئے اور دیکھئے کہ صحابہ کرام کی محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس قدر تھی اور کونسی قسم کی تھی۔ میں اس سلسلہ میں چند واقعات وحکایات پیش کرتا ہوں تاکہ پتہ چل جائے کہ صحابہ کرام کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی تھی، جو تڑپانے والی تھی۔ ان واقعات کے بعد ہمیں بھی غور کرنا پڑے گا کہ ہماری محبت کیسی ہونی چاہئے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ابتداء تو عقلی اور شرعی ہو، لیکن اس کی انتہاء طبعی ہونی چاہئے تو ہر مسلمان کو یہی درجہ حاصل کرنا چاہئے تاکہ ہم صرف لفاظی والے عاشق نہ بن بیٹھیں۔

دودھ پینے والے نہیں خون دینے والے عاشق بنو

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ لیلیٰ کو پتہ چلا کہ ان کے قریب جنگل میں مجنون آکر بیٹھ گیا ہے لیلیٰ نے دودھ بھیجنا شروع کردیا۔ اتفاق سے وہاں ایک مصنوعی مجنون بھی آکر بیٹھ گیا اب ہر روز خادم دودھ لاکر پیش کرتا ہے اور یہی جھوٹا مجنون پی جاتا ہے ایک دفعہ لیلیٰ نے خادم سے کہا کہ آج دودھ کا پیالہ خالی لے جاؤ اور مجنون سے کہدو کہ لیلیٰ نے اس پیالہ میں تیرا خون مانگا ہے، خادم نے جب جھوٹے مجنون کے پاس جاکر خون کا پیغام دیا تو جھوٹا مجنون پریشان ہوگیا، کافی سوچ کے بعد اس نے کہا کہ دیکھو مجنون دو ہیں ایک دودھ پینے والا مجنون، اور ایک خون دینے والا مجنون، دودھ پینے والا مجنون تو میں ہوں لیکن خون دینے والا مجنون اُس طرف فلاں درخت کے نیچے بیٹھا ہے خادم جب اس کے پاس گیا اور خون مانگا تو اصلی مجنون اچھلنے لگا کہ لیلیٰ نے میرے جسم کا خون مانگا ہے؟ چنانچہ اس نے جسم کے مختلف حصوں سے خون نکال کر دیا کہ ممکن ہو کہ لیلیٰ نے اس حصے کا خون مانگا ہو۔ اس کے بعد لیلیٰ نے جھوٹے مجنون کو بھگا دیا۔

تو مقصد یہ ہے کہ کہیں ہم جھوٹے عاشق ثابت نہ ہوں۔ اب صحابہ کرامؓ وغیرہ کے چند قصے سن

لیجئے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ صحابہ کرام کی محبت طبعی تھی.

حکایت نمبر ا

تاریخ میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے مدینہ منورہ میں رہنا اس لئے چھوڑ دیا کہ اب محبوب نظر نہیں آ رہا ہے۔ اب یہاں کیا زندگی گزارونگا یہ کہہ کر آپ شام چلے گئے کافی عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، حضورؐ نے فرمایا بلال تو نے بالکل ہمیں بھلا دیا کبھی ملاقات کے لئے بھی نہیں آتے ہو؟ خواب سے بیدار ہو کر حضرت بلال دوڑتے ہوئے روتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لائے، مدینہ میں صحابہ کرامؓ نے درخواست کی کہ آذان دیدیں، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، حسنین کے اصرار پر اذان کے لئے کھڑے ہو گئے جب آذان شروع کی تو مدینہ منورہ میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا صحابہ کو حضورؐ کا زمانہ یاد آیا اور رونے لگے ادھر حضرت بلال نے جب اشھدان محمدا کا لفظ زبان پر لایا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آذان نہ دے سکے یہی طبعی محبت تھی۔ حضرت بلالؓ کا شام کی طرف چلا جانا اور حضرت ابو بکرؓ سے اجازت مانگنا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے دیکھئے (مشکوۃ ص ۵۸۰) لیکن اس کے بعد شام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا اور مدینہ آنا اور اذان دینا اور بے ہوش ہو کر گرنا یہ قصہ ملا علی قاریؒ کے قول کے مطابق ثابت نہیں ہے بے اصل ہے میں نے ایک معتمد خطیب صاحب کی خطبہ کی وجہ سے لکھا ہے اور وضاحت کر دی ہے۔

حکایت نمبر ۲:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو اس صدمے کو صحابہ کرام برداشت نہ کر سکے، عمر فاروقؓ نے وقتی طور پر وفات کا انکار ہی کر دیا، حضرت عثمانؓ غم کی وجہ سے کسی کے سلام کے جواب کے قابل نہ رہے، اور عام صحابہ کے سامنے روشن دنیا اندھیری ہو گئی، اسی حالت میں جب ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دیدی، جو اپنے باغ میں کام کر رہے تھے تو اس نے اپنے آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس طرح دعا مانگی، اے اللہ تیری کائنات میں ان آنکھوں سے میں حضورؐ کو دیکھتا تھا جب حضورؐ نہ ہو تو مجھے نگاہ کی ضرورت نہیں، اے مولا!! میری نگاہوں کو چھین لے چنانچہ وہ نابینا ہو گئے۔ یہ طبعی محبت تھی۔

حکایت نمبر ۳

جنگ احد میں جب کفار نے حضور اکرمؐ پر ایک ہجومی حملہ کیا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کون ہے

جو اس وقت میرا دفاع کرے اور وہ میرے ساتھ جنت میں رہے، قربانی اور جان کی بازی لگانے کے اس اعلان پر انصار میں سے یکے بعد دیگرے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر جام شہادت نوش کیا اور حضورؐ پر کوئی آنچ آنے نہ دی۔ یہ طبعی محبت تھی۔

حکایت نمبر ۴

اسی غزوۂ احد میں جب مدینہ منورہ میں یہ وحشت ناک خبر پھیلی کہ حضورؐ شہید کر دیئے گئے تو مدینہ منورہ سے عورتیں بے ساختہ میدانِ احد کی طرف دوڑ پڑیں اسی میں ایک خاتون کلثوم بنت رافع بھی تھیں جن کو راستے میں کسی نے کہا کہ تیرا شوہر مارا گیا ہے، کہنے لگی کہ شوہر کی بات چھوڑ دو حضورؐ کی خیریت کا بتاؤ، پھر کسی نے کہا کہ تیرا باپ بھی شہید ہو گیا ہے، فرمانے لگی کہ میں باپ کا نہیں پوچھتی ہو بلکہ حضورؐ کا بتاؤ پھر کسی نے کہا کہ تیرا بھائی بھی جنگ میں شہید ہو گیا، وہ پھر کہنے لگی کہ حضورؐ مجھے دکھا دو جب اس نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح سالم دیکھا تو کہنے لگی" كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ جَلَلٌ "یعنی اے اللہ کے رسول جب آپ صحیح سالم ہیں تو میری تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔ یہ طبعی محبت تھی۔

حکایت نمبر ۵

ایک روایت میں آیا ہے اور میں نے بعض علماء سے دوران وعظ سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور امتحان ایک نوجوان صحابی سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی ماں کا سر قلم کر کے لاؤ وہ صحابی بغیر چوں و چرا دوڑنے لگے، پیچھے سے حضورؐ نے آدمی بھیج کر اسے واپس کرا دیا کہ سر قلم کرنا مقصود نہ تھا بلکہ آزمائش اور فرمانبرداری اور عشق و محبت کا ایک امتحان مقصود تھا یہ طبعی محبت تھی۔

حکایت نمبر ۶

جنگ بدر میں میدان بدر تک ابھی صحابہ کرام نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں حضورؐ نے جنگ کے متعلق صحابہ کرام کی رائے معلوم کی، تو جواب میں بعض صحابہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول آپ کو ہماری جانوں اور مالوں کا مکمل اختیار حاصل ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں گے تو ہم تیار ہیں، جہاں آپ کا پسینہ گرے گا وہاں ہم خون بہانے کے لئے تیار ہیں آپ ہمیں جہاں لے جانا چاہیں ہم حاضر ہیں حکم فرمائیے ہم لبیک کہتے ہوئے حاضر ہیں، یہ جذبہ طبعی محبت کا نتیجہ تھا۔

حکایت نمبر ۷

مدینہ منورہ میں ایک منافق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کچھ

زبان درازی کی جس کا پتہ حضور کو چلا، حضورؐ نے اس کے بیٹے کے سامنے تذکرہ کیا، تو بیٹے نے حضورؐ سے اجازت مانگی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، تاہم صحابی نے جا کر باپ سے کہا کہ یہ کہد و کہ ''حضور اکرمؐ معزز اور بزرگ اور برتر ہیں اور تو ذلیل ہے'' ورنہ قتل کر دونگا۔ اس نے کہد یا کہ حضورؐ اور مسلمان معزز ہیں اور میں ذلیل ہوں، تب بیٹے نے اسے چھوڑ دیا، یہ سب طبعی محبت کے کرشمے ہیں۔

حکایت نمبر ۸

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے سینگی لگوا کر خون نکلوایا اور پھر ایک صحابی ابوطیبہؓ کو دیا کہ جا کر کسی پوشیدہ جگہ میں اس کو گرا دو اس نے جا کر سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون زمین پر کیسے گراؤں گا ؟ لہٰذا اس نے وہ خون پی لیا اور آ کر حضور اکرمؐ سے عرض کیا کہ ''اَلْقَیْتُ اَخْفٰی مَکَانَہٗ'' میں نے ایک پوشیدہ مقام میں ڈال دیا (مشکوٰۃ ص ۴۷ حاشیہ نمبر ۱) یہ سب طبعی محبت کے آثار تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

درد لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی
امت احمد مرسل بھی وہی تو بھی وہی

تجھے چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا ؟
بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا ؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟
رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشیؓ رکھتے ہیں

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

گل از رُخت آموختہ
نازک بدنی را بدنی را بدنی را بدنی را

بلبل زِ تُو آموختہ شیریں
سخنی را سخنی را سخنی را

ہر کس کہ لب تو را دیدہ بہ دل گفت
حقا کہ چہ خوشکندہ عقیق
یمنی را یمنی را یمنی یمنی را

خیاط ازل دوختہ برقامت زیبا
در قدِ تو ایں جامۂ سرو
چمنی را چمنی را چمنی را چمنی را

در عشق تو دندان شکستہ است بااُلفت
تو جامہ رسانید اویسِ
قرنی را قرنی را قرنی را قرنی را

از جامی بیچارہ رسانید سلامی
بردرگہ دربار رسول
مدنی را مدنی را مدنی را مدنی را

ترجمہ نعت:

(۱) اے نبی مکرم! پھولوں نے آپ کے چہرۂ انور سے نازک بدنی سیکھ لیا ہے۔

(۲) اور بلبلوں نے آپ کی باتوں سے چہکنے میں شیرین کلامی سیکھ لیا ہے۔

(۳) جس شخص نے بھی آپ کے گوہر نما ہونٹوں کا مشاہدہ کیا تو اس نے دل کی گہرائیوں سے کہہ دیا کہ یقیناً یمن کے اس عقیق کو تراشنے والے نے کیا ہی خوب تراش کر بنایا ہے۔

(۴) خیاط ازل! یعنی اللہ تعالیٰ نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ، سرو چمن کا خوشنما لباس آپ کے قد و قامت کو پہنا دیا ہے۔

(۵) آپ کی الفت اور عشق و محبت میں اویس قرنی نے اپنے دانت توڑ دیئے، تو آپ نے اپنا عبا اویس تک پہنچا دیجئے۔

(۶) اے مدینہ جانے والے! عبدالرحمٰن جامی بے چارے کا سلام، رسول مدنی محمد عربی کے دربار میں پہنچا دو۔

حدیث

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَايُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ .

(مسلم کتاب الایمان) رقم الحدیث ٦٧)

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَوْلَادِنَا وَاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَاِ.

(المواهب ج ۲ ص ۴۸۱)

جمعہ ۲۴ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ ۲۰/اکتوبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

واقعہ اِسراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ (سورئہ بنی اسرائیل)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکتوں نے تا کہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے وہی ہے سننے والا دیکھنے والا"

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلًا اِلٰی حَرَمٍ
کَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

آپ رات کے تھوڑے حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ایسے گئے جیسے چودھویں شب کا چاند اندھیری رات میں چمک کر جاتا ہے

وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی ان نِلْتَ مَنْزِلَۃً
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ معراج کی رات ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ رتبۂ قاب قوسین تک جا پہنچے جس کا نہ ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ارادہ۔

محترم سامعین!

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے متعلق مختلف موضوعات کا سلسلہ چل رہا ہے ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں واقعہ اسراء و معراج بہت بڑا واقعہ ہے اور آپ کی نبوت کا ایک ممتاز درخشاں باب ہے۔ لہٰذا سیرت کے ضمن میں اس کا ذکر ضروری ہے۔ اس واقعہ کے لئے شریعت نے دو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ایک لفظ "اسراء" کا ہے، یہ رات کے وقت سیر اور چلنے اور سفر کرنے کو کہتے ہیں' اور چونکہ آپ کا یہ سفر رات کو ہوا تھا اس لئے قرآن کریم نے اس کو اسراء کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ لفظ عام طور پر زمین پر چلنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس لئے علماء کرام نے اسراء اور معراج کو دو الگ

الگ حصوں میں تقسیم کیا ہے وہ اس طرح کہ مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک حصہ کو اسراء کا نام دیا ہے اور وہاں سے آسمانوں کے سفر کو معراج کہا ہے، چونکہ اس میں عروج کا معنی پڑا ہوا ہے اور عروج چڑھنے کو کہتے ہیں اور یہ سفر بھی آسمانوں پر چڑھنے سے متعلق تھا اس لئے اس حصہ کو معراج کہتے ہیں، تاہم اس میں کوئی خاص قانونی یا شرعی پابندی نہیں ہے بلکہ کبھی دونوں حصوں کو اسراء اور کبھی معراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں بھی اس واقعہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دوں، آپ غور سے سنیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۱ یا ۵۲ سال کی ہوئی تھی، مکہ مکرمہ میں کفار کے ہاتھوں آپؐ نے تمام تکلیفیں برداشت کی تھیں، انسانی تصور سے بالاتر مظالم کے پہاڑ آپ پر توڑے گئے تھے شعب ابی طالب میں تین سال قید و بند اور سوشل بائیکاٹ کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کا ایک سفر ہوا اس سفر میں آپ پر کفار کی طرف سے وہ مصائب ڈھائے گئے جس کا بیان کرنا دشوار ہے، زمین پر بسنے والا ایک مغرور انسان نبی آخر الزمان سے کہتا ہے کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ تم اس قابل نہیں کہ تم سے گفتگو کی جائے، صرف اس پر بھی بس نہیں بلکہ پاگلوں اور بچوں کے ذریعے سے شہر بدر کرنے کے لئے گالیاں دی گئیں اور سخت ترین پتھراؤ کیا گیا، خلاصہ یہ کہ آپؐ تکالیف کے تمام گذرگاہوں سے پار ہو چکے تھے، اب آپ کی ذات بابرکات اس کے لئے نہایت مناسب تھی کہ احکم الحاکمین سے راز و نیاز کی باتیں ہو جائیں، کیونکہ لوہے سے جب اعلیٰ زیور بنانا مقصود ہوتا ہے تو گرمی کی تمام بھٹیوں سے اسے گزار دیا جاتا ہے اور ہتھوڑیوں سے اس پر وار کئے جاتے ہیں پھر جا کر وہ اعلیٰ زیور میں تبدیل ہو کر عزت و شرف کے مقام کو حاصل کرتا ہے، بالکل اسی طرح جب طائف کے سفر سے مصائب کی انتہاء ہو گئی اور دنیا کے حقیر انسان نے خاتم النبیین سے گفتگو کرنے سے انکار کیا تو اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلایا تاکہ آپ کو تمام رفعتوں، عظمتوں اور برکتوں سے نواز دے اور دنیا والوں کو بتا دے کہ جس سے تم کلام کرنا نہیں چاہتے ہو خالق کائنات خود انہیں بلا کر ہم کلام ہونا چاہتا ہے تو لیجئے کچھ تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک

طائف کے دل خراش اور اندوہناک سفر سے واپس ہونے کے بعد ۱۱ھ نبوی میں راجح قول کے مطابق ماہ رجب ۲۷ ویں شب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو راز و نیاز کے لئے عالم بالا اور ملأ اعلیٰ کی طرف بیداری میں جسدِ عنصری کے ساتھ اُٹھایا، جبرئیل امینؑ اور میکائیلؑ نے آکر آپ کو حضرت ام ہانی کے گھر سے جگا کر کعبۃ اللہ میں حطیم کے پاس لے آئے، حطیم میں آپ لیٹ گئے اور سو گئے پھر جبرئیل

امینؑ اور میکائیل علیہما السلام نے آکر آپ کو جگایا، زمزم کے پاس آپ کو لے گئے آپ کا سینہ چاک کیا قلب اطہر کو نکالا اور زمزم کے مبارک پانی سے دھو کر ایمان وایقان اور انوارات سے بھر دیا اور پھر قلب اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ مبارک کو سی دیا اور ایک براق جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا لایا گیا یہ براق اتنا تیز رفتار تھا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا براق پر آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پیچھے حضرت جبرئیل امینؑ سوار ہو گئے، جب آپ کا گزر ایک نخلستان پر ہوا تو جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یہاں اتر کر دو رکعت نفل نماز پڑھ لیجئے، حضور نے جب نماز پڑھی تو جبرئیلؑ نے فرمایا کیا آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی؟ جب حضورؐ نے نفی میں جواب دیا تو جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آپ نے یثرب یعنی مدینہ منورہ میں نماز پڑھی ہے جہاں آپ ہجرت کر کے تشریف لائیں گے، اس کے بعد پھر سفر شروع ہوا جبرئیل امینؑ نے ایک دوسرے مقام پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اترنے اور دوگانہ پڑھنے کا اشارہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز پڑھی تو جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ آپ نے کوہ طور میں شجر موسیٰؑ کے پاس نماز پڑھی، اس کے بعد پھر سفر شروع ہوا حضرت جبرئیلؑ نے ایک اور مقام پر اترنے اور نماز پڑھنے کا اشارہ کیا آپ نے نماز پڑھی تو جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ آپ نے مدین میں شعیب علیہ السلام کے علاقے میں نماز پڑھی ہے پھر آپ کا گزر ایک زمین پر ہوا جہاں جبرئیلؑ نے اسی طرح اترنے کو کہا حضور نے اتر کر دو رکعت نفل ادا کئے حضرت جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ یہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

اس عظیم الشان سفر میں آپ نے دیگر عجائبات بھی دیکھے تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) سفر کے دوران راستے میں ایک بڑھیا نے آپ ؐ کو آواز دی حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آگے چلئے اس کی طرف التفات نہ کیجئے اس کے بعد راستے میں ایک بوڑھا کھڑا نظر آیا اس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی لیکن حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ التفات نہ کیجئے آگے چلئے، آگے نکلنے کے بعد حضرت جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ یہ جو بوڑھی عورت تھی یہ دنیا تھی اب دنیا کی اتنی ہی قلیل عمر باقی رہ گئی ہے جتنی اس بوڑھی عورت کی باقی ہے اور جو بوڑھا مرد کھڑا تھا وہ شیطان تھا، دونوں کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو آواز دیکر اپنی طرف مائل کر دے۔

(۲) اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے حضورؐ نے جبرئیل امینؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ

ہیں آپ نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے، اور لوگوں کی آبرو پر حرف گیری کرتے تھے، اسی طرح حضورؐ نے اس سفر کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے اور پتھروں کو لقمہ بنا کر کھا رہا ہے آپ نے حضرت جبرئیل امینؑ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ سود خور ہے، اسی طرح آپ کا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا اور کچلا جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے تھے اور یہ غیر متناہی سلسلہ جاری تھا، جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ یہ فرض نماز چھوڑنے اور اس میں سستی کرنے والے لوگ ہیں۔

(۳) اس سفر میں آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر بھی ہوا جو ایک ہی دن میں کاشت کرتے ہیں اور ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں کاٹنے کے بعد کھیتی پھر ویسی ہی ہو جاتی تھی جیسے پہلے تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لوگ ہیں ان کی ایک نیکی سات سو سے بھی بڑھ کر ہے اس کے بعد آپ کا گزر کانٹوں اور پتھر کھانے والے لوگوں پر ہوا یہ وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔

(۴) پھر آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا اور دوسری ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا بدبودار گوشت پڑا تھا اور ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ کچا اور سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے اور پکا ہوا نہیں کھا رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل امینؑ نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں کہ جو حلال بیوی یا شوہر کو چھوڑ کر حرام کاری اور زنا میں مبتلا رہتے ہیں، یعنی زنا کار مردوں اور زنا کار عورتوں کی مثال ہے۔

(۵) پھر آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جنہوں نے لکڑیوں کا ایک بڑا گٹھا جمع کر کے رکھا ہوا ہے اور اسکے اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود مزید لکڑیاں جمع کر کے لا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر حقوق اور امانتوں کا بارِ گراں موجود ہے اس کے باوجود وہ مزید بوجھ اپنے اوپر لادتے جا رہے ہیں، اس کے بعد آپ کا گزر ایک اور قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور لبیں لوہے کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی ہیں اور جب کٹ جاتی ہیں تو پھر پہلے کی طرح صحیح اور سالم ہو جاتی ہیں، اور یہ سلسلہ جاری ہے آپ نے پوچھا تو جبرئیل امینؑ نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب اور وعظ بیان کرنے والے لوگ ہیں جو دوسروں کو تو نصیحت کیا کرتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا کرتے تھے۔

یہ سارے واقعات راجح قول کے مطابق مکہ اور بیت المقدس کے درمیانی سفر میں پیش آئے ہیں۔

نزولِ اقدس در بیت المقدس

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلاً اِلٰی حَرَمٍ
کَمَا سَرَا الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک گئے ایسے گئے جیسے چودھویں کا چاند اندھیری رات میں چمک کر جاتا ہے، اس سفر میں آپ کا زمینی مرحلہ اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچا جبکہ آپؐ بمعہ جبریل امینؑ مسجد اقصٰی کی سرزمین بیت المقدس میں جا اترے، جبریل امینؑ نے براق کو اس حلقہ سے باندھ لیا جہاں سارے انبیاء کرام اپنے اپنے زمانے میں اپنی سواریاں باندھ دیا کرتے تھے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے مسجد اقصٰی کے اندر تشریف لے گئے اور دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرمائی پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دے دی، اقامت ہوگئی اور صفیں سیدھی ہوگئیں، انبیاء کرام اپنے اجسام مثالیہ کے ساتھ مسجد اقصٰی میں تشریف لے آئے تھے فرشتے بھی آسمانوں سے آئے ہوئے تھے، سب اس انتظار میں تھے کہ نماز کون پڑھائے گا اتنے میں حضرت جبرئیل امینؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بننے اور اور نماز پڑھانے کا اشارہ کیا، آپ نے امامتؐ کرائی تو جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آپ کے پیچھے تمام انبیاء نے نماز ادا فرمائی، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اپنی نبوت اور اپنی حیثیت و مقام اور اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان بیان کی، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی رفعتِ شان اور اپنا اپنا مقام ظاہر فرمایا اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی تحمید اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا تذکرہ کیا، پھر حضورؐ نے نہایت جامع انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس امت کی خصوصیت اور خاتم النبیین کی منقبت بیان کی جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضائل و برکات کے ذریعے سے تم سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

دودھ، نہ شراب

مسجد اقصٰی سے جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ کو دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب، آپ نے شراب کو چھوڑ کر دودھ کا پیالہ لے کر پی لیا، اس پر جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ آپ نے دودھ لے کر فطرت کو اختیار کیا، اگر آپ شراب کا پیالہ لے کر پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ

ہوجاتی ۔بعض دوسری روایات میں چار پیالوں کا ذکر آیا ہے ،یعنی ،دودھ ،شراب ،پانی ،شہد۔آپ نے شراب اور پانی دونوں کو چھوڑ دیا اور دودھ کا پیالہ اختیار کیا اور کچھ شہد بھی پی لیا جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ اگر شراب اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی اور اگر پانی لیتے تو آپ کی امت غرق ہوجاتی ۔اس کے بعد آپ کے سفر کا دوسرا مرحلہ عروج الی السمٰوات شروع ہوا ،جس کو میں انشاءاللہ آئندہ جمعہ عرض کروں گا تاہم اس سفر پر چند اعتراضات کے جوابات بھی سماعت فرمائیں تاکہ باطل پرست آپ کو راہ راست سے ڈگمگا نہ سکیں۔

واقعۂ معراج پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر:۱

واقعہ معراج کوئی جسمانی اور بیداری کا واقعہ نہیں تھا بلکہ روحانی اور عالمِ خواب کا سفر تھا۔

جواب:

اگر یہ خواب کا سفر تھا تو قرآن مجید نے اس کو اتنے اہتمام کے ساتھ کیوں بیان کیا کہ وہ ذات ہر عیب اور عجز وکمزوری سے پاک ہے، جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی ،خواب میں تو ہر آدمی دنیا کے کونے کونے کا سفر کرتا ہے کبھی سمندروں میں تیرتا ہے اور کبھی آسمانوں پر چڑھتا ہے اس میں عجیب امر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بیداری میں جسمانی سفر ہی امر عجیب تھا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ثُمَّ اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ" کہ پھر میں نے مکہ میں صبح کی ،اگر یہ روحانی سفر تھا اور خواب کا معاملہ تھا پھر آنحضرتؐ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے تھے؟ ہاں البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معراج ہوئے ہیں ان میں بعض خوابی اسفار بھی ہوئے ہیں لیکن قرآن کریم نے سورۂ اسراء میں جس معراج کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً جسد عنصری کے ساتھ بیداری میں ہوئی تھی اور لفظ "عبدہ" اس کی واضح دلیل ہے کیونکہ عبد نہ صرف روح کو کہا جاسکتا ہے اور نہ صرف بدن کو کہہ سکتے ہیں، بلکہ روح مع البدن ہی عبد ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر۲:

ہمیں جو آسمان نظر آرہا ہے کیا ثبوت ہے کہ یہ واقعی آسمان ہو، ممکن ہے کہ یہ صرف ایک نیل گونی ہو؟ یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اس کے آسمان ہونے کا انکار کرتے ہیں لہٰذا آسمان کا یہ سفر بے معنی ہوا۔

جواب:

ہمیں قرآن کریم نے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کا حکم دیا ہے کہ اس کی بلندی کو دیکھو بغیر ستونوں کے کس طرح کھڑا ہے، ستاروں اور شمس وقمر کو دیکھو یہ کس طرح چمک رہے ہیں اگر یہ آسمان نہیں تو پھر ہم کس چیز کو دیکھ کر اللہ کا حکم مان لیتے ہیں؟ نیز اگر یہ نیل گونی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اوپر آسمان ہے اس کی نفی کا تمہارے پاس ثبوت کیا ہے؟ آج کل تو خود اس ماڈرن طبقے نے تسلیم کرلیا ہے کہ آسمان ہے، بلکہ وہ آسمان پر بسنے بسانے کا سوچ رہے ہیں اب تو یہ بحث مہمل ہو کر رہ گئی ہے کہ آسمان ہے یا نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

سائنس دان کہتے ہیں کہ آسمانوں پر کوئی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ اوپر طبقۂ ناریہ اور طبقۂ زمہریریہ ہے یعنی آگ کا گرم طبقہ ہے اور برف کا ٹھنڈا طبقہ ہے۔

جواب:

تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے سبحان کے نام سے اس واقعہ کو شروع کیا ہے جس میں واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کے عجز اور عیب وکمزوری اور نقص سے پاک ہے دوسری بات یہ بھی ہے کہ آج کل دنیا میں بسنے والے انسانوں نے ان طبقات سے بچنے کے آلات واسباب بنائے ہیں انہیں استعمال کر کے ان طبقات سے بقول ان کے محفوظ ہو کر اوپر چلے جاتے ہیں اگر ایک کمزور مخلوق حیلہ سازی کر کے ان طبقات سے بچ کر نکل سکتی ہے تو خالق و مالک اور قادر بادشاہ اپنے شاہی مہمان کو ان طبقات سے کیا نہیں گزار سکتا ہے یقیناً جواب اثبات میں ہے۔

اعتراض نمبر ۴:

ایک اعتراض جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ایک ماہ کا سفر ہے اور زمین سے آسمانِ دنیا تک اور وہاں سے اوپر تک کئی سو سالوں کا سفر ہے اتنا لمبا سفر ایک رات میں کیسے ہوا؟؟

جواب:

قدیم زمانے کے فلاسفہ نے لکھا ہے کہ سرعت سیر اور حرکت کی تیزی کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہے۔ ہر سریع الحرکت چیز کے بعد ممکن ہے کہ اس سے بھی کوئی حرکت سریع تر ہو جائے زیادہ تیز حرکت والی چیز آجائے۔

آپ خود دیکھیں کہ آج سے چند سال قبل کوئی شخص تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہوائی جہاز سے چند گھنٹوں میں سفر ہوگا لیکن آج وہ مشاہدہ بن گیا ہے، نیز ہم اپنے

جسم میں اپنی نگاہ پر غور کریں کہ اس کا سفر کتنا تیز ہے، میرے خیال میں ایک سیکنڈ میں تین دفعہ نظر آسمان تک جاتی آتی ہے۔ چند سیکنڈ میں فرشتہ آسمان سے اتر کر زمین پر آتا ہے، تو صاحب معراج کے لئے کیا مشکل تھا کہ چند لمحوں میں اوپر آسمان پر چلے جائیں جو شاہی مہمان بھی تھے؟

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ''براق'' کی جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا، نیز سورج کی شعاعوں کو سوچ لیجئے کہ منٹوں میں دنیا کے کس کونے سے کس کونے تک جا پہنچتی ہیں اسی طرح بجلی کو دیکھیں کہ اگر مشرق سے اس کا بٹن دبا دو گے تو مغرب میں بغیر وقفہ کے بلب روشن ہو جاتا ہے۔ ریڈیو کے اس لاسلکی نظام پر نظر ڈالیں کہ مغرب سے مشرق تک کس سرعت سے آواز پہنچتی ہے جس میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا ہے اگر سرعت حرکت اور سرعت سیر کے یہ شواہد ہمارے مشاہدے میں ہیں تو پھر اس میں شک کی کہاں گنجائش ہے کہ سید الاولین والآخرین کے اس مبارک سفر میں رفتار کی پیچیدگی آئے۔

یہ سوال وجواب میں نے اس لئے بتائے تاکہ آپ حضرات ملحدین کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر اپنے اسلامی احکام کا انکار نہ کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ **آمین یا ربَّ العالمین**

نوٹ: براق کے متعلق کچھ تصاویر چھپتی رہتی ہیں اور مختلف جگہوں پر چسپاں کی جاتی ہیں، جس میں ایک گھوڑا دکھایا گیا ہے جس کے ساتھ پر لگے ہوئے ہیں اور جس کا سر ایک لڑکی کا سر دکھایا گیا، یہ سب اسلام کی دشمنوں کی قبیح حرکتیں ہیں کسی مسلمان کو اس طرح کی تصاویر شائع کرنا جائز نہیں ہے اور نہ خریدنا جائز ہے اور نہ گھر یا ٹرک پر آویزاں کرنا جائز ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی گستاخی اور توہین ہے کچھ بدعت پسند حضرات بھی اس قباحت کو پسند کرتے ہیں ایک عام شریف آدمی بھی اس طرح ماڈرن لڑکی پر سوار ہو کر اپنی تصویر جاری نہیں کر سکتا ہے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس طرح تصویر کیسے برداشت کی جاسکتی ہے؟ **معاذ اللّٰہ ھذا بھتان عظیم**

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پر نظر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک میرا
آسمان چیر گیا نالۂ بے باک میرا

جمعہ ۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ ۱۷/۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء　　　مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

واقعہ معراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشٰى مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰى لَقَدْرَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (سورئہ نجم)

''اور اس کو اس نے دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہٰی کے پاس، اس کے پاس آرام سے رہنے کی جنت ہے، جب چھار ہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھار ہا تھا، نگاہ نہ حد سے بڑھی اور نہ بہکی، بیشک دیکھے اس نے اپنے رب کے نمونے''

وَبِتَّ تَرقٰى اِلٰى ان نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ معراج کی رات ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ رتبہ قاب قوسین تک جا پہنچے جس کا نہ ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ارادہ۔

مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہٰی تک

محترم سامعین!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم سفر کے متعلق میں نے گزشتہ جمعہ بھی کچھ عرض کیا تھا ،معراج کا وہ حصہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے حالات پر مشتمل تھا اب یہ اسی سفر کا دوسرا حصہ ہے جو مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہٰی اور اس سے بالا تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔

مسجد اقصیٰ سے جب حضور اکرمؐ باہر تشریف لائے تو آسمان پر جانے کے لئے آسمان سے ایک خود کار سیڑھی لائی گئی جو نہایت خوبصورت زمرد و زبرجد اور جواہرات پر مشتمل تھی، اس پر آپ بمعہ ملائکہ بیٹھ گئے اور آسمانِ دنیا کی طرف عروج وصعود فرمایا آج کل زمانے کے مطابق اگر آپ اس سیڑھی کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ''لفٹ'' کو دیکھیں جو بجلی کے ذریعے سے چند آدمیوں کو منٹوں میں سطح زمین سے بیسویں منزل تک

لے جاتی ہے، بہرحال براق مسجد اقصیٰ میں رہ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ جبرئیل امین اور دیگر ملائکہ اس برق رفتار سیڑھی کے ذریعہ سے آسمان کے دروازے پر پہنچ گئے۔

کن کن انبیاء سے کون کونسے آسمانوں پر ملاقات ہوئی

مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام اجسام مثالیہ کے ساتھ حاضر ہوئے تھے پھر ہر آسمان میں جو نبی متمکن تھا ان کے مستقر میں بھی حضورؐ سے ملاقات ہوئی چنانچہ مسلم شریف کی حدیث میں جو ترتیب مذکور ہے اس کے مطابق اول آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام دوسرے میں حضرت عیسیٰؑ تیسرے میں حضرت یوسفؑ چوتھے میں حضرت ادریسؑ پانچویں میں حضرت ہارونؑ چھٹے میں حضرت موسیٰؑ اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس ترتیب کو یاد کرنے کے لئے آپ "اعیاھما" کا کلمہ یاد کرلیں اس کلمہ میں جو حرف پہلے واقع ہے وہی حرف اس نبی کے نام کا پہلا حرف ہے کہ جس نبی سے پہلے ملاقات ہوئی مثلاً ہمزہ حضرت آدم علیہ السلام کے نام کا پہلا حرف ہے تو آسمان اول میں ان سے ملاقات ہوئی، کیونکہ حضور اکرمؐ جب آسمان اول کے دروازے پر پہنچے تو جبرئیل امینؑ نے وہاں متعین محافظ فرشتے سے دروازہ کھولنے کو کہا، محافظ فرشتے نے کہا کون ہے؟ جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ جبرئیل، محافظ فرشتہ نے کہا کہ ساتھ کون ہیں فرمایا محمدؐ، محافظ فرشتے نے پوچھا کیا ان کے بلانے کے لئے پیام بھیجا گیا ہے، حضرت جبریل نے فرمایا ہاں، دربان نے جب دروازہ کھولا تو سب فرشتوں نے آکر سلام استقبال کیا اور خوش آمدید کہا مرحبا مرحبا کی آوازیں بلند ہوئیں پھر حضرت جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ یہ آپ کے ابا جان حضرت آدم ہیں ان کو سلام کیجئے حضور اکرمؐ نے جب سلام کیا تو حضرت آدم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا" **مَرْحَبًا بِالابن الصالح والنبی الصالح**" فرزند صالح اور نبی صالح کو مرحبا اور خوش آمدید ہو پھر حضرت آدم نے دعائے خیر کی۔

حضرت آدمؑ کے دائیں طرف کچھ صورتیں تھیں جب اس کو دیکھتے تو ہنستے اور کچھ بائیں طرف صورتیں تھیں جب اس پر نظر پڑتی تو روتے تھے، حضرت جبرئیل امینؑ نے بتایا کہ دائیں طرف اہل جنت ہیں اور بائیں طرف اہل دوزخ ہیں، جنتیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دوزخیوں کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں۔

اس آسمان کے استقبال والوداع کے بعد آپ بمعہ جبرئیل امینؑ دوسرے آسمان کے دروازے پر پہنچ گئے کیونکہ یہ حقیقت ہے۔

وَبِتَّ تَرْقٰى اِلٰى ان نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تدرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ معراج کی رات ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ رتبہ قاب قوسین تک جا پہنچے جس کا نہ ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ ارادہ۔

دوسرے آسمان کے دربان فرشتوں سے حضرت جبرئیلؑ نے دروازہ کھولنے کو کہا تو جس طرح گفتگو آسمان اول پر ہوئی تھی اسی طرح کا مکالمہ آسمان ثانی پر ہوا۔

جبرئیل امینؑ۔ دروازہ کھول دیجئے

محافظ۔ آپ کون ہیں؟

جبرئیل امینؑ۔ میں جبرئیلؑ ہوں

محافظ۔ آپ کے ساتھ کون ہیں؟

جبرئیل امینؑ۔ محمد رسول اللہ

محافظ۔ کیا ان کے بلانے کے لئے پیغام بھیجا گیا ہے؟

جبرئیل امینؑ۔ ہاں

محافظ فرشتے نے دروازہ کھول کر کہا "**مرحبا نعم المجی جآء**" مرحبا مرحبا مبارک مبارک کیا ہی اچھے آنے والے ہیں۔

آنا تیرا مبارک تشریف لانے والے
خوشیاں منا رہے ہیں سب تیرے چاہنے والے

کلمہ "**اعیاھما**" کے اصول کے مطابق دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا "**مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح**" علیک سلیک اور استقبال والوداع کے بعد شاہی مہمانوں کا یہ وفد تیسرے آسمان پر جا پہنچا اور قواعد کے مطابق اندر داخل ہوا تو "اعیاھما" کے اصول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا ایک بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے، اس کے بعد یہ معزز جماعت چوتھے آسمان میں داخل ہوئی اور "اعیاھما" کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد "اعیاھما" کے مطابق پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پھر یہ معزز وفد چھٹے آسمان پر گیا وہاں "اعیاھما" کے مطابق حضرت موسیٰؑ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ملاقات کے بعد یہ عظیم جماعت آگے بڑھی اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

ملاقات ہوئی جو آسمانی کعبہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے، جبرئیل امینؑ نے آپ کو کہا یہ آپ کے جدامجد ہیں ان کو سلام کیجئے۔

حضورؐ نے سلام کیا تو حضرت ابرہیم نے فرمایا "مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح" نبی صالح اور صالح بیٹا مبارک ہو۔

آپ کے عروج اور معراج کا یہ پہلا آسمانی مرحلہ ہے، یہاں سدرۃ المنتہٰی واقع ہے جس سے اوپر زمین کا کوئی حکم نہیں جاتا ہے اور اسی طرح اوپر کا حکم بھی ادھر تک آتا ہے، اسی مقام پر حضورؐ نے حضرت جبرئیل امینؑ کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، اسی مقام پر آپ نے جنتوں کی سیر کی اور پھر دوزخ کا معائنہ کیا یہ معاینہ اس لئے کرایا گیا تاکہ دنیا کا کوئی انسان یہ نہ کہہ سکے کہ اے نبی آپ جنت اور دوزخ کی باتیں ہمارے سامنے کرتے ہیں کیا آپ نے کبھی خود جنت ودوزخ دیکھی ہے، سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے سفر کا یہ حصہ نمایاں طور پر ذکر فرمایا ہے دیکھنے پڑھنے والے وہاں دیکھ کر پڑھ لیں سدرۃ المنتہٰی میں حضورؐ نے دیگر بڑے بڑے عجائبات قدرت بھی دیکھے جس کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا ہے ﴿ولقد رای من ایات ربه الكبرى﴾ یعنی حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کے بڑے نمونے دیکھے۔ سچ ہے ؎

وَبِتَّ تَرقٰی اِلٰی ان نِلْتَ مَنزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تدرک وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ معراج کی رات ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ رتبہ قاب قوسین تک جا پہنچے جس کا نہ ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ ارادہ۔

اس مقام پر آپ نے عجیب وغریب ایک عظیم حوض کو دیکھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حوض کوثر ہے یہیں پر بیری کے درخت کے ہر ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آیا جو تسبیح میں مشغول تھا اور اس درخت کو چاروں اطراف سے انوار الٰہی اور تجلیات رحمانی نے گھیر رکھا تھا، اسی کے نیچے سے چار نہریں جاری تھیں جن میں سے دو باطنی نہریں جنت جانکلتی ہیں اور دو ظاہری نہریں دنیا میں دریائے نیل اور دریائے فرات کے نام سے جاری ہیں۔

نورانی مخلوق سے بشر آگے بڑھ گیا

سدرۃ المنتہٰی پر جبرئیل امینؑ نے رخصتی سلام کیا اور کہا کہ یہاں سے آگے قدم رکھنا سوائے آپ

کے دوسرے کا کام نہیں ہے بابا سعدیؒ نے اس مکالمے کو اپنے اشعار میں اس طرح نقل کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

چون در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی

یعنی جب تو نے مجھے اپنی دوستی میں مخلص پایا تو ہمراہی سے لگام سفر کیوں کھینچ لیا؟

جبرئیل علیہ السلام:

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں گا تو تجلیات الٰہی میرے پروں کو جلا کر رکھ دیں گی۔

اب نورانی پیچھے رہ گئے اور سید البشر آگے بڑھتے چلے گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر لامکان کا وہ سفر ہے جس میں نہ کوئی سواری ہے نہ رہبر ہے بلکہ پاپیادہ تن تنہا رب ذوالجلال کے دربار بے کیف کی طرف آپ نے غیبی رہبری کی مدد سے قدم آگے بڑھایا، آپ پر مشتاقانہ بے خودی طاری تھی اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے والے کے دل پر جو جبروتی شان اور عظمت و کبریائی کے حیرت انگیز آثار ظاہر ہونے چاہئے وہ آپ کے قلب اطہر پر ظاہر تھے عالم لامکان اور عالم غیب سے یہ آواز آئی، "ادن یاخیر البریه ادن یااحمد ادن یامحمد" اے خلائق میں سب سے بہتر اے احمد اے محمد قریب آجایئے،

چنانچہ سفر بھی مکمل ہوا اور حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی کیا بعض وعظ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ سے سوال کیا کہ جب ایک محبوب دوسرے محبوب کے پاس جاتا ہے تو کوئی تحفہ لے جاتا ہے، تو نے کیا تحفہ لایا ہے؟ حضورؐ نے دوزانوں ہو کر پڑھا "التحیات لله والصلوٰة والطیبات "، یعنی میری جانی زبانی اور مالی عبادت تیرے لئے ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته " یعنی تجھ پر سلامتی ہو اور رحمتیں ہوں اور برکتیں ہوں، حضورؐ نے اس رحمت کو امت کے لئے عام کر کے فرمایا "السلام علینا وعلیٰ عباد الله الصالحین" کہ ہم پر اور آنے والے صالحین بندوں پر بھی سلامتی ہو، اس پر حضرت جبرئیل امینؑ نے اپنے مقام پر یہ کلمہ سن کر فرمایا "اشهد ان لااله الاالله واشهد ان محمدا عبده ورسوله " اس کے بعد اللہ کریم اور اس کے عظیم بندہ کے درمیان راز و نیاز کی وہ باتیں ہوئیں جن سے عام کان اور راز داں ناآشنا ہیں۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغبان
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صباچہ کرد

ترجمہ: اب کس میں یہ ہمت ہے کہ باغبان سے یہ پوچھ لے کہ بلبل نے کیا کہا گل نے کیا سنا اور باد صبا نے کیا کردار ادا کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تیری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، حضور اکرمؐ چونکہ تجلیات الٰہی میں مستغرق تھے اس لئے سب کو قبول کر کے واپس تشریف لائے، جب حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ اللہ نے کیا حکم دیا ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کی ہیں، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا ہے یہ نمازیں بہت زیادہ ہیں آپ واپس جا کر کم کرائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نو مرتبہ گئے اور ہر بار پانچ پانچ نمازیں کم کرائیں، آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں پڑھنے کے لحاظ سے ہیں، مگر ثواب کے اعتبار سے پچاس ہیں، چنانچہ یہ عظیم فریضہ لے کر حضور اکرمؐ واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے جبکہ اب تک رات کا تھوڑا سا وقت گذرا تھا۔

انکار کفار اور تصدیق صدیق

واقعہ معراج کو کفار نے بہت اُچھالا اور صدیق اکبرؓ سے کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں پہلے سے کہتے رہے کہ یہ شخص مجنون ہے اب تو تم بھی مانو گے کہ واقعی ایسا ہی ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک رات میں مسجد اقصیٰ اور پھر آسمانوں کی سیر کی اور اسی رات واپس آیا۔ صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر محمدؐ یہ بات کہتے ہیں تو پھر سچ ہے، کیونکہ جب میں نے یہ مان لیا ہے کہ چند ساعات میں اوپر سے فرشتہ اتر کر وحی لا سکتا ہے تو چند ساعات میں محمدؐ کو اوپر لے جانا کیا بعید ہے۔ پھر صدیق اکبرؓ نے کفار کی مجلس میں حضورؐ سے بیت المقدس کے متعلق چند سوالات کئے تا کہ کفار سن کر اعتماد کریں، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر جواب پر آپ فرماتے **صدقت یارسول اللہ** یعنی آپ نے سچ فرمایا، اس پر آسمانوں سے آپ کو صدیق کا لقب ملا، آپ کی تصدیق سے کفار کو اطمینان نہیں ہوا اور انہوں نے خود حضور اکرمؐ سے دوراز کار سوالات شروع کئے اور پوچھا کہ مسجد اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں کھڑکیاں کتنی ہیں وغیرہ وغیرہ، آپؐ نے گزرتے ہوئے کھڑکیاں کہاں گنی تھیں اس لئے آپ سخت پریشان ہوئے، روایات میں **"فکربت کربۃ شدیدۃ"** کے الفاظ آئے ہیں، یعنی میں شدید دباؤ کا شکار رہا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی مسجد کو سامنے لا کھڑا کیا۔ اس کو آنحضرتؐ دیکھتے جاتے اور جواب دیتے جاتے تھے، پھر کفار نے اپنے ایک قافلے کے

متعلق پوچھا، حضورؐ نے فرمایا کہ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ فلاں جگہ سے نمودار ہوگا اور ایک مٹیالے رنگ کا اونٹ آگے آگے ہوگا، چنانچہ قریش نے وہاں آدمی بٹھلا دیئے جونہی طلوع آفتاب ہوا تو ایک شخص نے کہا وہ سورج طلوع ہوا تو دوسرے نے کہا وہ قافلہ آرہا ہے۔

معراج کے اس سارے واقعہ سے اہل بدعت پر ایک رد تو وہاں ہے کہ بشر آگے نکلا اور نورانی پیچھے رہ گیا دوسرا رد السلام علیک ایہا النبی میں ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے تھے آج ہم اسی کو نقل کرتے ہیں یہ آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

بہر حال معراج کے اس واقعہ سے کچھ کافر تو مسلمان ہو گئے اور بعض کفار کی مخالفت مزید بڑھ گئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

قرآن وحدیث

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى .... ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْاَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَايَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ (سورة النجم)

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرٰى بِاِيْلِيَآءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَّلَبَنٍ فَنَظَرَ اِلَيْهِمَا فَاَخَذَ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرِيْلُ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاکَ لِلْفِطْرَةِ لَوْاَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُکَ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورة بنی اسرائیل)

الحمد للہ کتاب کا پہلا حصہ جو اٹھارہ موضوعات پر مشتمل ہے مکمل ہوا

اب اس کے بعد دوسرا حصہ ملاحظہ فرمائیں

مسافر راستہ دیکھے نہ دیکھے
چراغ رہ گزر جلتا رہے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ دوم

عرض حال

میرے محترم قارئین کرام! آپ کو معلوم ہوگا کہ اس سے قبل بندۂ ناچیز نے علمی تقریریں کے نام سے ایک مجموعہ آپ کے سامنے پیش کیا تھا اس سے میرا مقصد ایک تو یہ تھا کہ میں اپنی طویل محنتوں کا وہ نتیجہ محفوظ کرلوں جس کا مجھے ایک عرصہ سے انتظار تھا کہ کم از کم ''داشتہ بکار آید'' کے اصول کے تحت بوقت ضرورت میں خود اس کاوش سے فائدہ اٹھاسکوں دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس ایٹمی دور میں زمانہ نے جس برق رفتاری سے رفتار شروع کی ہے اور اس نے ہر صاحب علم وعمل پر تنگی دامن کا جو جال بچھا رکھا ہے اور جس نے فرصت اوقات کو درجہ عنقاء تک پہنچادیا ہے اور جس نے ہر چیز سے ست نکالنے اور خلاصہ ونچوڑ پیش کرنے پر انسانوں کو مجبور کیا ہے اور جس نے حفاظت اوقات کو قیمتی بلکہ بیش بہا بنا دیا ہے اور جس نے انسان کو ہر تیز سے تیز تر رفتار کا خوگر بنا دیا ہے اور جس نے ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' کا قاعدہ ایجاد کیا ہے اور جس نے کمپیوٹر سسٹم سے وقت کم اور کام زیادہ کا فلسفہ عملا انسانوں کو دکھا دیا ہے اور جس نے ''کم خرچ بالانشین'' کا قاعدہ عقلاء کو سمجھا دیا ہے۔ اسی کے پیش نظر میں نے اپنے احباب کے سامنے تیار اور بنی بنائی چند تقاریر رکھدی ہیں جو تر لقمہ کی حیثیت رکھتی ہیں جس کو میں نے ایک موضوع کے تحت متعلقہ اکثر مواد پر مشتمل آسان تر بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے حصہ اول کے بعد حصہ دوم اسی نقش اول کا نقش دوم ہے جو انشاء اللہ ''نقاش نقشہ ثانی بہتر کشد زاوّل'' کا مصداق بنے گا۔ ہاں البتہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ مجھ میں جو کمزوریاں ہیں وہ یقیناً ان معروضات میں بھی آگئی ہونگی لیکن احباب کرام سے عفو ودرگزر کی استدعا ہے۔

"والعفو عند کرام الناس مامول"

خطبہ وخطیب وخطابت کے متعلق حصہ اول میں جو کچھ عرض کرچکا ہوں اسے دیکھ لیا جائے باقی میں اپنے دل میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے یہ تقریریں لکھ کر احباب کے سامنے پیش کرکے اطباء اور حکماء کے اصول کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ ان کے ہاں طب کے خاص خاص نسخہ جات کسی کو بتانا سکھانا لکھانا اپنے اوپر ظلم کے مترادف ہے بالکل اسی طرح یہ تقریریں میری کمتر، بے بس اور گمنام وجود کے لئے حرز جان کی حیثیت رکھتی تھیں مگر میں نے اپنی ذات پر احباب کو ترجیح دے کر ان تقاریر کو خواص

وعوام کے فائدے کی غرض سے عام کردیا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے نہایت عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے مقبول خاص وعام بنائے۔

آمین یا رب العلمین

شَرِبْنَا شَرَابًا طَيِّبًا عِنْدَ طَيِّبٍ
كَذَاكَ شَرَابُ الطَّيِّبِيْنَ يَطِيْبُ
شَرِبْنَا وَاَهْرَقْنَا عَلَى الْاَرْضِ جُرْعَةً
وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاسِ الْكِرَامِ نَصِيْبُ

مسافر راستہ دیکھے نہ دیکھے
چراغ رہ گذر جلتا رہے گا
کوئی اس خیر کو مانے نہ مانے
خطیبوں کا خطاب ہوتا رہے گا

العبد الضعیف فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی
استاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، ۵ نومبر ۱۹۹۶ء

نوٹ:

اب ''علمی تقریریں'' نئے انداز سے ''علمی خطبات'' کے نام سے ترمیم واضافہ کے ساتھ ایک ہی جلد میں مکمل کتاب کی صورت میں کمپوز ہو کر پیش کی جارہی ہے۔

فضل محمد یوسف زئی
۵ جنوری ۲۰۰۵ء

جمعہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ ۱۰ نومبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

اسلام میں طہارت کا مقام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (سورة توبہ ۱۰۸)

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ لائق ہے کہ تو اسمیں کھڑا ہو اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

وقال علیہ السلام ''اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

محترم سامعین !!

اس سے پہلے اسلام میں نماز کا مقام'' کے متعلق گزشتہ جمعہ کو کچھ عرض کر چکا ہوں، اب آپ کے سامنے ''اسلام میں طہارت کا مقام'' کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

اسلام میں چونکہ نماز ایک عظیم عبادت ہے جو اکثر علماء کے نزدیک ایمان کے بعد سب سے افضل عمل ہے لیکن اسلام کا مزاج پاکیزگی اور طہارت ہے اس لئے ہر عبادت سے پہلے اسلام نے پاکیزگی اور طہارت کا حکم دیا ہے، چنانچہ نماز بغیر طہارت کے جائز نہیں ہے بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قصداً و عمداً بغیر وضو کے نماز پڑھنے لگتا ہے تو اس کے کافر ہونے کا خطرہ ہے نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے اگر کوئی شخص معذور ہے اور وضو پر قادر نہیں ہے تو وہ تیمم کر سکتا ہے جو طہارت کی ایک قسم ہے۔

وضو میں سب سے پہلے آدمی کو ہاتھ دھونا پڑھتا ہے، ایک مسنون حکم ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی پانی کو معلوم کرلے کہ آیا یہ قابل استعمال بھی ہے یا نہیں، کہیں زیادہ گرم نہ ہو کہ جس سے چہرہ جلنے کا خطرہ پیدا ہو یا زیادہ ٹھنڈا نہ ہو جو نقصان پہنچائے یا تیزاب وغیرہ نہ ہو کہ جس سے آنکھیں اور چہرہ جل جائے۔ جب وضو کرنے والے نے یہ جان لیا کہ یہ قابل استعمال پانی ہے تو پھر وہ کلی کرتا ہے تا کہ یہ معلوم کر سکے کہ اس پانی میں کوئی ایسی چیز تو ملی ہوئی نہیں ہے کہ جو پانی کے مطہر ہونے کے

منافی ہو مثلاً شربت، شوربہ وغیرہ نہ ہو تین دفعہ کلی کرنے سے جب یہ پتہ چل گیا کہ یہ پانی ہی ہے تو پھر وضو کرنے والا اس کو ناک میں ڈالتا ہے کہ کہیں یہ پانی سڑا ہوا نہ ہو بدبودار نہ ہو جب یہ سب مراحل طے ہو جاتے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ اب چہرہ پر ڈالدو تو پہلے وہ کان کی ایک لو سے دوسرے کان کی لو تک اور پیشانی سے ٹھوڑی تک تین بار دھولیتا ہے پھر کہنیوں سمیت ہاتھ کی کلائی کو تین بار دھوتا ہے اور چونکہ سر بلد العلماء ہے کیونکہ قوت شامہ، باصرہ، سامعہ، ذائقہ وغیرہ سب اس میں جمع ہے اور یہ جسم کا بادشاہ ہے لہٰذا اس کو پانی میں ڈبونا مناسب معلوم نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے صرف تر ہاتھ بطور مسح کافی سمجھا گیا۔ فریضہ مسح سے فارغ ہو کر وضو کرنے والا پاؤں دھوتا ہے، ٹخنوں سمیت مکمل طور پر پاؤں دھو کر یہ شخص مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اب یہ شخص اس قابل ہو گیا کہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر راز و نیاز میں مشغول ہو جائے۔ اس شخص کے اعضائے وضو میں ایک ناخن برابر جگہ بھی اگر خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ تنگ انگوٹھی کو ہلانا پڑتا ہے عورتوں یا مردوں کے اعضائے وضو پر ایسا رنگ اور پالش نہ ہو جس کی تہہ جمتی ہو اور جس کا چھلکا اکھڑتا ہو اور جو کھرچا جا سکتا ہو اس قسم کے روغن اور پالش کو جب تک اعضائے وضو ہونٹ اور ناخن وغیرہ سے ہٹایا نہ گیا تو وضو نہ ہوا اور نہ نماز ہوئی۔ پاکیزگی اور طہارت کے اس عظیم تصور کو صرف اسلام پیش کرتا ہے، اقوام عالم کے دیگر مذاہب میں اس کا تصور نہیں دوسرے لوگ صفائی کے تو قائل ہیں مگر طہارت اور پاکیزگی ان کے ہاں نہیں اسلام نے طہارت پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ پاکیزگی نصف ایمان ہے پاکیزگی میں صفائی بھی آتی ہے لیکن صفائی میں پاکیزگی نہیں ہوتی ہے مثلاً ایک شخص عمدہ لباس پہنا ہوا ہے، پتلون ہے کوٹ ہے اعلیٰ قسم کی ٹائی بھی ہے اور ظاہری طور پر عمدہ خوشبو بھی استعمال کر چکا ہے وہ بالکل فریش ہے۔ مگر وہ جنابت میں ہے یا بغیر وضو کے ہے یا اس کے جسم پر اندر سے پیشاب کے دھبے لگے ہوئے ہیں یا کپڑوں پر شراب یا پیشاب لگا ہوا ہے تو یہاں صفائی تو ہے مگر پاکیزگی نہیں ہے یہ شخص اس قابل نہیں کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھے یا تلاوت کرے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد آپ یہ سمجھیں کہ ہم جو یہ لکھتے ہیں کہ ''صفائی نصف ایمان ہے'' یہ بے موقع اور بے محل لکھا جاتا ہے شریعت نے پاکیزگی کو نصف ایمان کہا ہے صفائی کو نہیں کہا۔ عربی میں صفائی کو ''النظافۃ'' کہتے ہیں اور لفظ ''الطہور'' پاکیزگی کے معنی میں ہے تو پاکیزگی میں صفائی بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہے لیکن صفائی میں پاکیزگی نہیں ہوتی اس لئے شریعت نے طہارت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر معاملہ صفائی کا ہی لیا جائے اور حدیث کا معنی صرف ظاہری صفائی ہو تو پھر یہود و نصاریٰ اور دیگر صفائی پسند غیر مسلم نصف ایمان میں ہم سے زیادہ آگے ہو گئے کیونکہ ظاہری طور پر وہ عمدہ صفائی حاصل کر لیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک رحمان کا نظام ہے اور ایک شیطان کا نظام ہے رحمان کے نظام میں ہر شعبہ بلکہ ہر گوشہ میں پاکیزگی کا لحاظ رکھا گیا ہے رحمان خوبیوں والا ہے اور خوبیوں کو پسند فرماتا ہے اور شیطان گندہ ہے اس لئے وہ ہر گندگی کو پسند کرتا ہے رحمٰن نے غسل کا حکم دیا ہے وضو کا حکم دیا ہے اور پیشاب سے بچنے کا حکم دیا ہے خون کو نجس قرار دیا ہے شراب کو نجس اور حرام قرار دیا ہے حالت حیض اور جنابت میں اپنی عبادت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ تلاوت کو منع کیا ہے مسجد میں داخل ہونے سے روکا ہے اسی طرح گندی جگہ میں نماز اور دیگر عبادات سے روکا ہے گندہ لباس پہن کر نماز کو نامقبول قرار دیا ہے ہر اس جانور کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے جس میں غلیظ اور قبیح عادات ہوں کہ کہیں یہ قبیح صفات انسان میں منتقل نہ ہو جائیں مثلاً کتا خنزیر، گدھا لومڑی ریچھ، شیر، چیل اور کوا وغیرہ سب کا گوشت حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس مردار گوشت میں ایک گندگی ہے جس سے گندی صفت پیدا ہوتی ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب سے روکا ہے کہ جسم پر گندی چھینٹیں نہ پڑیں بیٹھ کر بھی سخت زمین کو کرید کر نرم کرنے کی تعلیم دی ہے کہ گندے قطرے گندا نہ کر دیں دائیں ہاتھ کو ہر قسم کی گندگی سے بچانے کا حکم دیا ہے اس کے لئے بائیں ہاتھ کو مختص کیا ہے پھر بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کو منع کیا ہے کیونکہ یہ گندگی میں استعمال ہوتا ہے، پھر شراب پینے سے منع کیا ہے کہ یہ گندی چیز ہے بلکہ ماں کے پیٹ میں بچے کی غذا چونکہ ماہواری کا خون ہوتا ہے تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ناف کے ایک نالے اور تسمہ کے ذریعے سے غذا پہنچانے کا انتظام فرمایا ہے تاکہ اس انسان کا منہ گندا نہ ہو جائے کیونکہ پیدائش کے بعد اس منہ سے اس کو اللہ کا نام لینا ہوگا تلاوت کرنی ہوگی تو اس کے منہ کو وہاں بھی محفوظ فرمایا یہ رحمانِ کا نظام ہے جس کی طرف وہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے جو پاکیزگی اور طہارت کا نظام ہے جس کے تحت حقیقی معنوں میں صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس شیطان کے نظام میں ہر جگہ گندگی ہے جہاں جہاں گندگی ہے وہاں وہاں شیطان خوش ہوتا ہے لیٹرین میں یہ خوش ہوتا ہے کوڑا خانے میں خوش رہتا ہے مذبح خانے کے خون میں خوش ہوتا ہے، شراب خانے چنڈو خانے قحبہ خانے فلم خانے اور کنجر خانے میں خوش رہتا ہے، پاک چیز کے بجائے ناپاک چیز کا حکم دیتا ہے انسان کے شراب پینے سے خوش ہوتا ہے اگر کوئی شخص کتے کا گوشت کھائے گدھے، خچر، شیر اور ریچھ لومڑی کوے اور چیل کا گوشت کھائے تو ان نجس اشیاء کے استعمال سے شیطان کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔

انسان اگر ذلت و پستی کے گہرے گڑھے میں الٹا لٹک جائے تو شیطان اس پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ کوشش کرتا ہے کہ انسان اس سے بھی زیادہ ذلیل اور رسوا ہو جائے۔ حیض اور نفاس کا خون آتا ہے

تو یہ خوشیاں مناتا ہے، بائیں ہاتھ سے اگر کوئی مسلمان کھانا کھاتا ہے اور دائیں ہاتھ سے پاخانہ صاف کرتا ہے تو یہ خوشیاں مناتا ہے۔ مسلمان کے جسم پر پیشاب کے چھینٹے پڑ جائیں یا زیادہ دیر تک مسلمان جنابت کے ساتھ رہ جائے تو شیطان خوشی سے بغلیں بجاتا ہے مردار کھلاتا ہے اور میلا کچیلا بناتا ہے، حلال راستوں کے بجائے حرام نجس راستوں میں لگاتا ہے زنا کرواتا ہے اغلام بازی اور لواطت میں مبتلا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ انسانی زندگی میں ہر جگہ فحاشی پھیل جائے جو گندگی ہی گندگی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رحمان کا نظام پاکیزگی اور شیطان کا نظام گندگی پر مشتمل ہے تو مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے مکمل شعبہ حیات میں طہارت کے نظام کو اپنائے. حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور غسل کرے. ایک حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد میں آئے اگر تیل یا عطر مہیا ہو تو وہ استعمال کر کے آئے. ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان کو جمعہ کے دن کے لئے خاص لباس رکھنا چاہیئے جو محنت اور مشقت والا لباس نہ ہو .اسلام طہارت اور پاکیزگی کے حوالے سے حکم دیتا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھولو، پاک اور صاف برتن میں سیدھے سادے انداز سے کھانا کھاؤ اور برتن کو خوب چاٹ کر صاف کرلو اور پھر ہاتھ دھولو اور کلی اور مسواک کر کے خوب صفائی حاصل کرلو، بال اگر رکھے ہوں تو اسکا خیال رکھا کرو تیل لگاؤ اور کنگھی کرو. چنانچہ طہارت اور پاکیزگی کے متعلق قرآن وحدیث میں بہت زیادہ احکامات موجود ہیں اسی سلسلے میں قرآن کریم میں مسجد قباء کے لوگوں کی اللہ تعالی نے تعریف کی ہے اور انکی طہارت کو پسند فرمایا اور دیگر مسلمانوں کو اسکی ترغیب دی ارشاد باری تعالی کا ترجمہ اسطرح ہے.

''البتہ وہ مسجد جسکی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے لائق ہے کہ تم اسمیں کھڑے ہو، اسمیں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالی پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے

تفسیر عثمانی: مذکور الصدر آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اسطرح لکھتے ہیں:

''آپکی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جسکی بنیاد اول دن سے تقوی اور پرہیزگاری پر قائم ہوا سکے نمازی گناہوں اور شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک وصاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے خدائے پاک انکو محبوب رکھتا ہے. حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قباء سے دریافت فرمایا کہ تم پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی، انہوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں یعنی عام طہارت ظاہری و باطنی کے علاوہ وہ لوگ اس

چیز کا معتاد سے زائد اہتمام کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۷۰)

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک منہ کی پاکیز گی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے اسلام نے منہ صاف کرنے اور پاک رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً کچا پیاز لہسن وغیرہ کے کھانے کے بعد اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تک منہ میں بدبو موجود ہو یہ شخص مسجد نہ آئے کیونکہ اس سے فرشتوں اور انسان دونوں کو تکلیف پہنچتی ہے، اسی پر قیاس کر کے دوسری بدبودار اشیاء مثلاً سگریٹ، بیڑی، نسوار، مولی، پان وغیرہ ان اشیاء کے استعمال سے اگر منہ بدبودار ہو جاتا ہے تو جب تک بدبو کو دور نہ کیا جائے نماز میں جانا اور عام مسلمانوں سے میل جول رکھنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح شریعت نے صفائی کی غرض سے خلال استعمال کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر دانتوں کے درمیان بوٹی دیر تک باقی رہے تو بدبو اٹھنے لگتی ہے لہٰذا دانتوں کے درمیان خلال کرنے کا حکم ہوا تاکہ پاکیزگی حاصل ہو۔ اگر دانت پیلے ہو جائیں یا بدبودار ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ مسواک کرنے کا حکم دیا ہے یہ سب پاکیزگی کے راستے ہیں جس کو رحمان پسند کرتا ہے ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ رحمان کے پسندیدہ طریقوں کو اپنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پاک وصاف بنائے آمین یارب العٰلمین

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

قرآن وحدیث

﴿یاایھاالذین امنوا اذاقمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا﴾ .(سورۃ المائدہ)

عن ابی ھریرۃ یرفعه قال لولا ان اشق علی امتی لأمرتھم بتاخیر العشاء وبالسواک عند کل صلوۃ. (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب السواک ص۸ ج۱)

جمعہ ۹ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ ۳ نومبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

اسلام میں نماز کا مقام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَأْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَانَسْأَلُکَ رِزْقًانَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَةُلِلتَّقْوٰی﴾ (طٰہٰ ۱۳۲)

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی اس پر قائم رہو ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہیں (بلکہ) ہم تجھ کو روزی دیتے ہیں اور بھلا انجام پرہیزگاری کا ہے"۔

قال علیہ السلام "اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔

محترم سامعین!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ساری کائنات کو انسان کی خدمت میں لگا دیا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے اور انسان کو روزی کمانے کا حکم بھی دیا ہے لیکن روزی دینے کھلانے پلانے کی ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لی ہے اور انسان کو اپنی عبادت وطاعت کا پابند بنا دیا ہے۔ عبادات اور طاعات میں علماء کے نزدیک سب سے افضل عبادت نماز ہے اگرچہ بعض علماء نے جہاد کو بعض احادیث کی بناء پر سب سے افضل عمل قرار دیا ہے، لیکن عام علماء نے عمومی اعتبار سے نماز کو افضل عمل قرار دیا ہے اسی وجہ سے تمام آسمانی کتابوں میں نماز کا حکم مسلسل آتا رہا ہے تعداد اور اوقات میں اگرچہ فرق رہا ہو لیکن کوئی آسمانی مذہب نماز سے خالی نہیں رہا ہے۔

چنانچہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں لیکن میں نماز نہیں پڑھونگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ اقامت صلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنے کا حکم آیا، اللہ تعالیٰ نے نماز کو تقویٰ کی نشانی قرار دیا اور خوف خدا اور توحید کی علامت قرار دیا ہے۔

انسان کی کامیابی نماز میں رکھی نماز کو اپنی یاد کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا، نماز کو اللہ والوں کی علامت

قرار دے دی، مشکلات کے حل میں نماز کو بطور وظیفہ قرار دیا، نماز کو مسلمانوں کے بھائی چارہ اور آپس کا رشتہ قرار دیا نماز کو فحاشی اور منکرات سے باز رکھنے والی بتایا، نماز کو مخلص مؤمن کا شیوہ قرار دیا، نماز کی حفاظت اور اس پر مداومت کی بہت تاکید فرمائی اور نماز نہ پڑھنے والے کو مشرکین کے ساتھ جوڑ دیا، نماز سے غافل رہنے والے کو دوزخ کی بددعا دی ہے اور نماز چھوڑنے کو دوزخ میں داخل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔

الغرض قرآن عظیم نے نماز کو ایک عظیم مقام عطا کیا ہے۔ فریضہ نماز کو تمام عبادات پر یہ ممتاز حیثیت بھی حاصل ہے کہ باقی فرائض تو زمین پر فرض ہوئے جبکہ فریضہ نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش عظیم پر ساتوں آسمانوں کے اوپر براہ راست خود اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں بطور تحفہ عطا فرمایا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں اپنی امت سے مخاطب ہوکر آخری کلمہ بھی نماز کے متعلق تھا یعنی ”**الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم**“ نماز کو لازم پکڑو اور ماتحتوں پر ظلم مت کرو۔

نماز کی فضیلتیں

احادیث مبارکہ میں نماز کی بہت ساری فضیلتیں وارد ہیں ساری حدیثیں تو ذکر کرنا ناممکن ہے تاہم میں چند احادیث کا ترجمہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ فرض نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک یہ اعمال بیچ کی گناہوں کے لئے کفارہ ہے بشرطیکہ بڑے گناہوں سے آدمی اجتناب کرے (یعنی نماز سے صغیرہ گناہ سب معاف ہوجاتے ہیں اور کبائر سے اگر توبہ کی تو وہ بھی معاف ہوجائیں گے اور اگر توبہ نہ کی تو پھر بھی وہ کمزور ہوجائیں گے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی کے دروازے کے پاس پانی کی نہر جاری ہو اور وہ آدمی روزانہ پانچ مرتبہ اس سے غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہ سکتی ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو محو کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کے ہاں سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا، میں نے پوچھا کہ پھر کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ والدین سے نیک سلوک رکھنا، میں نے پوچھا کہ پھر کونسا عمل

افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی پانچ نمازیں پابندی کے ساتھ پڑھو اور اپنے رمضان کے روزے رکھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دیا کرو اور نماز چھوڑنے پر ان کو مارا کرو جبکہ وہ دس سال کے ہوں اور اس زمانہ میں ان کے بستر الگ الگ کر کے رکھو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جاڑے کے موسم میں باہر نکلے جبکہ درختوں کے پتے گر رہے تھے حضورؐ نے دو ٹہنیوں کو پکڑ کر فرمایا کہ جب مسلمان آدمی رضائے الٰہی کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے درخت کے ہلانے سے جھڑتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں کو اس طرح سرکاری فرمان بذریعہ خط جاری کیا "میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو وہ دوسرے کاموں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا"۔

نوٹ:

مندرجہ بالا حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں اگر عربی میں دیکھنا ہو تو وہاں دیکھ لیا جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کی حفاظتی ذمہ میں آ گیا۔ ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا اگر نماز کا حساب درست رہا تو باقی اعمال کا بھی درست ہوگا اور اگر نماز کا حساب برباد ہوا تو باقی اعمال بھی برباد رہیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ طہارت کے بغیر نماز درست نہیں اور جس کی نماز نہیں اس کا دین نہیں دین میں نماز کی حیثیت جسم میں سر کی طرح ہے یعنی جس طرح سر کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں اسی طرح نماز کے بغیر دین کی حیثیت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی وہ حالت سب سے زیادہ پسند ہے جبکہ وہ سجدے کی حالت میں چہرہ کو خاک آلود کر رہا ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ اپنی نماز میں سے گھروں کا کچھ حصہ مقرر کر لیا کرو اور گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے عصر اور فجر کی دو ٹھنڈی نمازیں پڑھ لیں تو وہ جنت میں داخل ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی گویا کہ اس نے آدھی رات تک

تہجد پڑھ لی اور جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی گویا کہ اس نے رات بھر تہجد پڑھ لی۔

نماز چھوڑنے پر وعیدیں

نماز جس طرح بڑی عبادت ہے اوراس کے ادا کرنے سے جس طرح بڑا ثواب ملتا ہے اسی طرح اس کے چھوڑنے سے بڑا عذاب بھی ملتا ہے۔

قرآن کریم نے اس کے چھوڑنے اور غفلت برتنے پر سخت وعیدیں سنائی ہیں، اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی نماز چھوڑنے یا اس میں سستی کرنے پر سخت وعیدیں موجود ہیں، چند احادیث پیش کروں گا امید ہے اس سے آپ اندازہ کرلیں گے کہ نماز کی کتنی اہمیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ اور کفر کے درمیان بس صرف نماز چھوڑنا ہے یعنی جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس کے اور کفر کے درمیان حد فاصل ختم ہو جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان جو معاہدہ اور ذمہ داری ہے وہ نماز ہے پس جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز کی حفاظت کی تو قیامت کے روز نماز اس کے لئے دلیل وحجت نور اور نجات ہوگی اور جس نے نماز کی حفاظت نہیں کی تو اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ دلیل ہوگی اور نہ نجات ہوگی بلکہ قیامت کے روز وہ شخص قارون وفرعون اور ہامان وابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافقین پر فجر وعشاء کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز بھاری اور بوجھل نہیں اگر ان کو ان کی فضیلت کا پتہ ہوتا تو وہ گھٹنوں کے بل آجاتے۔

عبداللہ ابن شقیق تابعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اعمال میں سے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے سوائے فرض نماز کے۔یعنی فرض نماز کے چھوڑنے والے کو کافر سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان نہیں ہوگا اس لئے نماز نہیں پڑھتا ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ اگرچہ اس پر تم ٹکڑے ٹکڑے کردئے جاؤ یا آگ میں ڈالے جاؤ۔دوسری بات یہ کہ جان بوجھ کر فرض نماز ہرگز نہ چھوڑو کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اٹھ جاتی ہے۔تیسری بات یہ کہ شراب مت پیو کیونکہ یہ ہر گناہ کی جڑ ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جان بوجھ

کر نماز چھوڑ دی پس اس نے کھل کر کفر کیا۔ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کی نماز قضاء ہوگئی (تو اس کا اتنا نقصان ہوا) گویا کہ اس کا اہل وعیال اور اس کا سارا مال تباہ ہوگیا۔ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھا تو اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔(مشکوٰۃ شریف)

مندرجہ بالا احادیث کو دیکھ کر امت کے فقہاء کرام نے ضابطہ اور فتویٰ کی شکل میں یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ امام محمد بن حنبل کے نزدیک اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے یعنی کافر ہو جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہے اس کا قتل کرنا ارتداد کی وجہ سے لازم ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں بھی اگر وہ شخص توبہ نہیں کرتا تو اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ اس کو بطور سزا کے قتل کر دے ہاں یہ قتل ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف سزا ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر بے نمازی توبہ نہیں کرتا ہے تو اس کو جیل میں ڈال دیا جائے تاکہ وہاں مر جائے یا توبہ کر کے آزاد ہو جائے۔حضرت سعدی باباؒ فرماتے ہیں کہ بے نمازی کو قرض مت دو کیونکہ جو شخص اللہ کا قرض ادا نہیں کرتا وہ تیرا قرض کیا ادا کرے گا، سلطان باہو نے فرمایا کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں مت دفناؤ۔بعض علماء نے لکھا ہے کہ بے نمازی سے خنزیر بھی پناہ مانگتا ہے اور شیطان ان کے ساتھ سفر میں نہیں جاتا وہ کہتا ہے کہ میں ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ملعون ٹھہرا اور یہ شخص سجدوں پر سجدے چھوڑ رہا ہے۔

محترم حاضرین!

یہ مقام ہے نماز کا اور یہ شان ہے نماز کی کہ پڑھنے میں کتنی فضیلتیں ہیں اور نہ پڑھنے میں کتنی وعیدیں ہیں، ترغیب وترہیب ج۱ ص۳۹۲ پر ایک حاشیہ لگا ہوا ہے اسمیں لکھا ہے کہ نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نمازی کو پانچ انعامات سے نوازتا ہے (۱) دنیا میں تنگی عیش دور ہوتی ہے (۲) عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔(۳) پل صراط پر بجلی کی طرح گزریگا۔(۴) داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا۔(۵) بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔اور جو شخص نماز میں کوتاہی اور لا پرواہی کرتا ہے اس کو یہ سزا ہوتی ہے۔ (۱) عمر سے برکت اٹھتی ہے (۲) چہرہ سے صالحین کا نشان اٹھایا اور مٹایا جاتا ہے۔(۳) کسی بھی عمل پر ثواب نہیں ملے گا۔(۴) دعا قبول نہیں ہوگی۔(۵) نیک لوگوں کی دعاؤں میں اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا (۶) ذلت کے ساتھ موت آئے گی (۷) بھوکا مرے گا۔(۸) پیاسا مرے گا۔(۹) قبر اتنی تنگ ہو جائے گی کہ اس کی پسلیاں چور چور کر دے گی۔(۱۰) دن رات قبر میں انگاروں پر الٹا پلٹتا رہیگا۔(۱۱) قبر میں اس

پر ایک خوفناک اژدھا مسلط کر دیا جائے گا (۱۲) قیامت میں اس پر سخت عذاب اور اللہ کا غضب ہوگا۔ (۱۳) جہنم میں داخل ہو جائے گا۔

کہتے ہیں کہ جو نماز کو ضائع کرتا ہے قیامت کے روز اس کی پیشانی پر تین سطر کی یہ عبارت لکھی ہوگی۔ (۱) اے اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے، (۲) اے اللہ کے غضب کے ساتھ مختص آدمی، (۳) جس طرح تم نے دنیا میں اللہ کا حق ضائع کیا تھا آج تُو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جا۔

میرے دوستو بھائیو اور بزرگو! حالات جیسے بھی ہوں سروس کیسی بھی ہو نماز کو کسی صورت میں مت چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازی بنا کر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

قرآن وحدیث

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (سورة المؤمنون)

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (سورة اعلی)

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةُ عِمَادُالدِّیْنِ

وَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ

وَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَثْقَلُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمُنَافِقِیْنَ اَلْفَجْرُ وَالْعِشَاءُ

جمعہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ ۱۷ نومبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

نماز کے آداب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ O﴾ (سورہ مؤمنون)

''ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرنے والے ہیں''

روز محشر کہ جان گداز بود
اولین پُرسش نماز بود

یعنی انسان جب میدان محشر میں دوبارہ اٹھ کر آئیگا تو سب سے پہلے سوال نماز کے متعلق ہوگا.

محترم سامعین

نماز چونکہ ایک عظیم عبادت ہے اسلئے اسکے بہت سارے آداب بھی ہیں اور یہ ایک قاعدہ ہے کہ ''الدین کله ادب '' یعنی دین سارے کا سارا ادب ہی ہے. یہی وجہ ہے کہ نماز کے آداب کی طرف قرآن کریم میں اللہ تعالی نے واضح اشارہ فرمایا ہے. چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿ یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾

اے آدم کی اولاد: ہر نماز کے وقت اپنی آرائش لے لو۔

علامہ عثمانیؒ اس مقام پر لکھتے ہیں: خدا کی دی ہوئی یہ پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر اور آرائش ہے یہ عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہے تا کہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اسکی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۰۵)

ایک اور آیت میں ارشاد ہوا ''قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ '' ترجمہ: اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے.

علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں: اور فرمایا کھڑے رہو ادب سے یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ نماز نہیں پڑھتے ایسی باتوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کھانا پینا یا کسی سے بات کرنا یا ہنسنا۔ (ص ۴۹)

آداب نماز بیان کرنے سے پہلے آپ حضرات ادب کے متعلق ایک اصولی بات سمجھ لیں اور وہ یہ

کہ بعض لوگ کہتے رہتے ہیں کہ اگر ہم نے آداب کا لحاظ نہ بھی کیا تو نمار ہو جائیگی اور پھر کہتے ہیں کہ سر پر ٹوپی اگر نہ بھی ہو پھر بھی نماز ہو جاتی ہے کپڑے نا تمام و ناقص بھی ہو نماز تو ہو جاتی ہے جلدی جلدی بھی پڑھ لی نماز تو ہو جائیگی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ایک نماز کا ہو جانا ہے اور ایک قبول ہو کر اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے تو نماز پڑھنے سے اصل مقصود تو اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے اگر وہ حاصل نہ ہو تو صرف نماز ہو جانے سے کیا فائدہ جبکہ اصل مقصود فوت ہو جائے اسکی آپ یہ مثال سمجھ لیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہدیا کہ جا کر بازار سے سیب خرید کر لاؤ۔ اب غلام اس حکم کو دو طرح سے پورا کرتا ہے۔

اولاً یہ کہ غلام گیا اور سیب خرید کر اپنی جھولی میں پکڑ کر لے آیا اور اپنے مولا کے سامنے زمین پر ڈال دیا اور کہا کہ لیجئے میں نے آپکے حکم کی تعمیل کر دی۔

ثانیاً یہ کہ غلام گیا اور بازار سے سیب خرید کر اسے دھولیا اور پھر ایک بڑے برتن ٹرے وغیرہ میں رکھ کر اسکے اوپر گلاب کے چند پھول بھی رکھ دیئے اور پھر لا کر مالک کے سامنے میز پر نہایت سلیقے سے رکھا، اب آپ خود سوچیں کہ دونوں صورتوں میں غلام نے حکم کی تعمیل کی ہے لیکن حکم بجا آوری میں کتنا فرق ہے تعمیلِ حکم کے دوسرے طریقے سے مالک کتنا خوش ہوا ہوگا اور پہلے طریقے سے کتنا ناراض ہوا ہوگا۔ یہ غلام کا مالک ہی بتا سکتا ہے حالانکہ دونوں صورتوں میں مالک کا یہ حکم کہ ''سیب خرید کر لاؤ'' پورا ہو گیا ہے بالکل اسی طرح معاملہ اس نمازی کا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پیش کرتا ہے اگر آداب کا لحاظ نہیں رکھا تو نماز تو ہو جائیگی مگر خوشنودی کا ذریعہ نہیں بنے گی اور مکمل آداب کا لحاظ رکھا تو نماز بھی ہو جائیگی اور خوشنودی کا ذریعہ بھی بن جائیگی۔ اس مثال کے سمجھنے کے بعد آپ نماز میں لباس کے متعلق چند آداب سماعت فرمائیں۔

نماز میں لباس کے آداب

حالت نماز میں اتنا کپڑا استعمال کرنا فرض ہے جس سے ستر چھپا رہے مردوں کے لئے ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر حصے کا چھپانا فرض ہے اور عورتوں کے لئے چہرہ اور ہاتھوں کے سوا پورے بدن کا ڈھانکنا فرض ہے عورت کے سر کے بال اور کان بھی نماز میں ڈھانکنا ضروری ہے جس حصے کا چھپانا فرض ہے اگر نماز میں اس کا چوتھا حصہ کھل گیا اور اتنی دیر تک کھلا رہا جس میں ایک رکن ادا ہو سکتا ہے تو نماز فاسد ہو جائی گی۔

اس کے بعد آپ یہ سمجھیں کہ مردوں کے لباس میں اس ضروری لباس کے علاوہ کیا کیا آداب ہیں چند چیزیں حاضر خدمت ہیں۔

(۱) سر پر پگڑی یا ٹوپی رکھنا نماز کے آداب میں سے ہیں اور ننگے سر نماز پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب سر کے بال انگریزی فیشن پر ہوتو یہ کراہت اور شدید ہو جاتی ہے سب سے اعلیٰ ادب تو پگڑی ہے اس کے بعد ٹوپی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کی نمازیں تو پگڑی کے ساتھ تھیں گاہے گاہے ٹوپی سے نماز پڑھنا بھی ثابت ہے، ننگے سر نماز پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہیں تھی اگر بوجہ مجبوری پوری عمر میں ایک آدھا مرتبہ سفر وغیرہ میں نماز پڑھی ہو تو اس کو ایک عام قاعدہ تو نہیں بنایا جا سکتا ہے جبکہ بلاد اسلامیہ میں تمام مسلمان اس سنت پر برابر چلے آرہے ہوں۔

قرآن کریم کی آیت ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ میں زینت کامل مراد ہے اور کامل زینت قمیص شلوار اور سر پر عمامہ یا ٹوپی ہے ننگے سر والا کامل زینت کو اپنانے والا نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے غلام نافع کو دیکھا کہ ایک لباس میں نماز پڑھ رہا ہے آپؓ نے فرمایا کیا میں نے تجھے کپڑے پہننے کے لئے نہیں دیئے؟ اس نے کہا جی ہاں دئے ہیں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اگر میں تجھے کسی کام سے باہر بھیجوں تو تم اسی حالت میں جا سکتے ہو؟ غلام نے کہا نہیں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے لئے مکمل زینت اختیار کی جائے۔

ایک اور روایت میں مزید یہ الفاظ ہیں "اگر میں تجھے مدینہ منورہ کے بعض لوگوں کے پاس بھیج دوں تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے کہا نہیں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل زینت اختیار کرنا زیادہ ضروری ہے یا لوگوں کے سامنے؟۔

علامہ ماوردیؒ نے فرمایا ہے کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ سے مراد سب سے عمدہ لباس اپنانا ہے۔ ابوحیان نے فرمایا کہ زینت سے مراد نماز میں وہ لباس اپنانا ہے جو سب سے زیادہ باعث جمال ہو صرف ستر عورت مراد نہیں یہ اور اسطرح کی دوسری تشریحات زاہد الکوثری نے اپنی کتاب مقالات کوثری میں ص ۱۷۱ پر خوب تفصیل سے بیان کی ہیں۔

امام بخاریؒ نے بخاری ج ۱ ص ۵۹ پر ابو اسحاقؒ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ نماز کی حالت میں ٹوپی زمین پر رکھ کر پھر سر پر رکھا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں سر سے ٹوپی ہٹنے ہٹانے کے بعد سلف صالحینؒ بڑے اہتمام سے سر کو ڈھانک لیا کرتے تھے اگر یہ کوئی بے کار بات ہوتی تو نماز میں اتنا اہتمام کیوں کرتے تھے؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ہاں عادت ہے کہ وہ اپنی عبادت میں سر ننگا کر کے رکھتے ہیں، مسلمانوں کو انکی مشابہت سے بھی بچنا ضروری ہے۔ ویسے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ

فیشن نہیں ہے اور تواضع کے لئے سر ننگا رکھتے ہیں تو پھر سر پر استرا پھیر کر زندگی میں ایک بار یہ گنجا صاحب آکر جامع مسجد میں ننگے سر نماز پڑھ کر دکھائیں تو ہم مان لینگے کہ واقعی تواضع ہے، باقی حج میں احرام کے دوران جو سر ننگا کر کے نماز پڑھتے ہیں تو وہ احرام کی حالت کا خصوصی مسئلہ ہے، احرام کے مسائل پر غیر احرام کے مسائل قیاس کرنا ایک لغو تصور ہے اسلام نے جس لباس کو پسند کیا ہے وہ یہ کہ لباس ایسا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جس میں اعضاء کی نمائش نہ ہوتی ہو۔

نماز میں مکمل لباس اور زینت اختیار کرنے سے ایسے لباس کی بھی ممانعت معلوم ہوتی ہے جو زینت کے برعکس محنت و مزدوری کا لباس ہو چنانچہ استطاعت رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص میلے کچیلے اور مزدوری و محنت کے لباس میں نماز پڑھتا ہے تو فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اسی طرح نیم آستین قمیص بنیان کہ جس میں کہنیاں اور بازو کھلے ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے نیز از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچے پاجامہ دھوتی لٹکانا سخت مکروہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کو وضو دوبارہ بنانے کا حکم دیا تھا جو ازار بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ شریعت مطہرہ نے بے ڈھنگے انداز سے لباس پہننے کو بھی نماز میں مکروہ قرار دیا ہے چنانچہ سدل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یہ چند آداب لباس کے متعلق تھے۔

نماز میں خشوع خضوع کے آداب

خشوع خضوع یعنی جھکنا، عاجزی اور تواضع اختیار کرنا ظاہری اعضاء کو پر سکون رکھنا نظریں جھکا کر رکھنا سجدہ گاہ پر نظریں جمائے رکھنا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا بھی نماز کے آداب میں داخل ہیں۔ یہ چیزیں اگر نہ ہوں تو نماز اگرچہ ہو جائے گی لیکن اس کا مقبول ہونا مشکل ہو جائے گا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو خود بخود جسم کی شہوت کو توڑتی ہے اس میں خشوع خضوع کی حاجت ہی نہیں، اسی طرح حج اپنی مشقتوں کی وجہ سے نفس کو روندڈالتا ہے چاہے خضوع و خشوع دل میں آئے یا نہ آئے اسی طرح زکوٰۃ بغیر دھیان اور خشوع خضوع کے اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن نماز تو صرف زبانی ذکر اور اقوال ہیں جب تک اس میں دھیان اور خشوع خضوع اور یکسوئی اور قلبی توجہ نہ ہو تو پورا فائدہ ہی فوت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک نمازی کیطرف متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر دیکھنا شروع نہ کر دے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز تو فروتنی عاجزی تواضع پشیمانی

اور ہاتھ پھیلا کر اے اللہ اے اللہ کر کے گڑ گڑاہٹ کا نام ہے جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کی نماز ناقص ہوگی، ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کی نماز برائی اور فحش سے نہ روکے تو وہ نماز اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری کا سبب بنتی ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف نہیں دیکھتا ہے جس میں آدمی جسم اور دل دونوں سے داخل نہ ہو۔حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو حالت نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس آدمی کا دل ڈر کر یکسو ہوتا تو اس کے اعضاء بھی پرسکون رہتے۔حضرت سعید تنوخیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک نماز میں رہتے مسلسل رخسار اور ڈاڑھی پر آنسو بہتے رہتے۔خلف بن ایوبؒ سے کسی نے کہا کہ اس زخم پر مکھیاں بیٹھ کر آپ کو تکلیف دے رہی ہیں آپ ان کو بھگاتے کیوں نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نماز میں ایسی چیز کی عادت نہیں ڈالنا چاہتا جو نماز کو باطل کرتی ہو، کہا گیا کہ آپ کیسے صبر کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ فساق وفجار لوگ کوڑے برداشت کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو کمزور نہ سمجھیں تو میں اپنے رب کے سامنے ایک مکھی کی وجہ سے کیسے حرکت کروں۔

مسلم بن یسارؒ جب نماز شروع کرتے تو گھر والوں سے کہتے کہ تم خوب باتیں کرو کیونکہ میں تمہاری باتیں سن نہیں پاتا انہی کا ایک واقعہ ہے کہ بصرہ کی مسجد کا ایک حصہ نیچے آ کر گرا مگر ان کو اس وقت پتہ چلا جبکہ نماز سے فارغ ہوگئے۔کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نماز کے وقت آنے پر تڑپنے لگتے اور چہرے کا رنگ فق ہوجاتا تھا،علی بن حسینؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وضو کے وقت چہرہ پیلا پڑ جاتا تھا جب وجہ پوچھی جاتی تو فرماتے کیا تمہیں معلوم بھی ہے کہ مجھے اب کس بادشاہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے خشوع کو اٹھالیا جائے گا حتیٰ کہ تجھے ان میں ایک بھی خشوع والا نظر نہیں آئے گا۔

تفسیر!!

مذکورہ آیت کے متعلق علامہ عثمانی فرماتے ہیں جب نماز میں قلب خاشع وخائف اور ساکن وپست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے،ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے پھر خوف وہیبت اور سکون وخضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونگے مثلاً باز واور سر جھکانا اور نگاہ پست رکھنا ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا ادھر ادھر نہ تاکنا کپڑے یا ڈاڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا انگلیاں نہ چٹخارنا اور اسی قسم کے بہت سے افعال واحوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔الخ (ص ۱۵۵)

نماز میں تعدیل ارکان کے آداب

نماز میں ہر رکن کو اپنی جگہ پر مکمل کرنا تعدیل ارکان کہلاتا ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ فرض ہے اور کم از کم ایک سبحان اللہ کی مقدار تک رکوع قومہ، جلسہ اور سجدہ میں رکنا لازمی حکم ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ ائمہ احناف کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے اگر کسی نے نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی البتہ فرض ادا ہو جائے گا۔

احادیث میں تعدیل ارکان کی بڑی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز کو نہیں دیکھتا جس میں وہ اپنی پیٹھ کو رکوع اور سجدے میں سیدھا نہیں رکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے لیکن ان کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ کبھی رکوع تو ٹھیک کرتا ہے لیکن سجدہ صحیح نہیں کرتا ہے اور کبھی سجدہ صحیح ہے لیکن رکوع صحیح نہیں ہوتا ہے۔

حضرت بلالؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع اور سجدہ صحیح نہیں کر رہا تھا، حضرت بلالؓ نے فرمایا اگر یہ آدمی مر گیا تو ملت محمدیہ کے علاوہ کسی اور ملت پر اس کی موت آئی گی۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو نماز سے چوری کرتا ہے. کسی نے پوچھا کہ نماز سے کیسے چوری کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہ رکوع صحیح کرتا ہے اور نہ سجدہ صحیح کرتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز میں رکوع اور سجدہ صحیح نہیں کرتا تھا اس نے نماز مکمل کر لی تو حضرت حذیفہؓ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی. راوی کا کہنا ہے کہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم اسی حالت پر مر گئے تو فطرت اسلام پر نہیں مرو گے. بہر حال مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی نمازوں کو درست رکھیں۔ جب قیام میں ہوں تو ٹھیک ٹھیک کھڑے ہوں جب سجدہ میں جائیں تو ہر وہ عضو پہلے زمین پر ٹیک کر جمائیں جو عضو قیام کی حالت میں زمین سے قریب تر ہو مثلاً نمازی پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر ناک اور پھر پیشانی، ناک اور پیشانی دونوں زمین پر خوب جمائے رکھے اگر صرف ناک کے ساتھ سجدہ کیا تو نماز نہیں ہوگی اگر صرف پیشانی سے کیا تو نماز مکروہ ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز نہیں ہوگی. سجدہ میں دونوں پاؤں کا نیچے زمین پر جما رہنا ضروری ہے اور اگر پورے سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھے رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی. سجدہ میں پیٹ سے ران الگ رہے اور بازو بھی پہلو سے الگ رہے بازو زمین پر نہ پھیلائے اور ہتھیلی زمین سے خوب چپکائے رکھے. پھر کھڑے ہونے میں

ہر اس عضو کو پہلے اٹھائے جو زمین سے قیام کی حالت میں دور ہو۔ مثلاً پیشانی پھر ناک وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالی ہماری نمازیں درست فرمائے۔ آمین

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

قرآن وحدیث

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝﴾ (سورہ مؤمنون)

(اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَاْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَیْكُمُ السَّكِیْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا) (رواہ ابوداود)

﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ یُرَاؤُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الماعون)

﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰی﴾. (سورۃ التوبۃ آیت ۵۴)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ السَّدْلِ فِی الصَّلٰوةِ وَاَنْ یُّغَطِّیَ الرَّجُلُ فَاهُ. (سنن ابی داؤد)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَی الصَّلٰوةِ وَنَهَاهُمْ اَنْ یَّنْصَرِفُوْا قَبْلَ اِنْصِرَافِهٖ فِی الصَّلٰوةِ. (سنن ابی داؤد)

☆☆☆☆☆☆☆☆

جمعہ یکم رجب ۱۴۱۶ھ ۲۴ نومبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ ط﴾

''پھر اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں تو ان کی راہ بند نہ کرو بلکہ ان کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَام بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَلَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ (مَنْ اِسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں (۱) یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے. (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرتے رہنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) اور بیت اللہ کا حج کرنا (بشرطیکہ وہ مالی استطاعت رکھتا ہو.)''

محترم سامعین!!

زکوٰۃ لغت میں بڑھنے وطہارت وپاکیزگی کے معنی میں ہے.

علامہ میر سید سند شریف اپنی کتاب تعریفات (ص ۱۰۱) پر لکھتے ہیں:

الزکاۃ فی اللغۃ الزیادۃ وفی الشرع عبارۃ عن ایجاب طائفۃ من المال فی مال مخصوص لمالک مخصوص.

یعنی زکوٰۃ لغت میں بڑھوتری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شرع میں مخصوص مالک کے مخصوص مال میں سے ایک مخصوص حصہ مال کے واجب ہونے کا نام زکوٰۃ ہے.

زکوٰۃ ۲ھ میں مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی قرآن مجید میں لفظ زکوٰۃ کو لفظ صلوٰۃ کے ساتھ تقریبا ۳۲ مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اور صلوٰۃ سے علیحدہ بھی کئی جگہوں میں قرآن نے اسکو ذکر کیا ہے. جس سے زکوٰۃ کی عظمت اور اسکی فرضیت اور رکنیت کا پتہ چلتا ہے کلمہ توحید اور نماز کے بعد یہ اسلام کا تیسرا عظیم الشان رکن ہے اسکا انکار کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا اور ادا نہ کرنے والا بہت بڑا گناہ گار ہوتا ہے دنیا میں

اسکا مال وبالِ جان بن جاتا ہے اور آخرت میں عذاب جحیم کا سامان ہو جاتا ہے اور اس کے ادا کرنے والا مسلمان اور مؤمن شمار ہوتا ہے انکے مال میں برکت آجاتی ہے اور آخرت میں بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کی فضیلت

زکوٰۃ کے فضائل تو بہت زیادہ ہیں جسکو ایک نشت میں پیش کرنا بہت مشکل ہے تاہم میں چند احادیث ''ترغیب وترہیب'' سے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ گوش ہوش سے سماعت فرمائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ دیا کرو کیونکہ وہ زکوٰۃ تجھے پاک کریگی اور تیرے رشتہ داروں سے تیرا صلہ رحمی قائم رکھے گی۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زکوٰۃ اسلام کا پل ہے، مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ دوزخ کے اوپر پل بنے گی اور دینے والا اس پر گذر کر پار نکلے گا اور جس نے زکوٰۃ نہیں دی وہ دوزخ میں گر جائیگا۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام آٹھ حصوں پر مشتمل ہے. ایک حصہ نماز ہے دوسرا حصہ زکوٰۃ ہے تیسرا حصہ روزہ ہے چوتھا حصہ حج ہے پانچواں حصہ امر بالمعروف ہے چھٹا حصہ نہی عن المنکر ہے. ساتواں حصہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور آٹھواں حصہ ایمان واسلام ہے جو سب سے مقدم ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کے اموال کی حفاظت کے لئے زکوٰۃ کا قلعہ بناؤ اور اپنے بیماروں کے علاج کے غرض سے صدقہ دیا کرو. ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نے زکوٰۃ ادا کردی تو تیری مالی ذمہ داریاں تو نے پوری کرلی اور جس شخص نے حرام کا مال اکھٹا کیا اور پھر صدقہ کیا تو اس میں کچھ بھی ثواب نہیں اور جمع کرنے کا گناہ الگ ہوگا.

(ترغیب وترہیب از ص ۵۱۶ تا ۵۳۵)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں

جو شخص صاحب نصاب مالدار ہے لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے اسکے لئے احادیث اور قرآن میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ترغیب وترہیب سے وعیدوں پر مشتمل چند احادیث کا ترجمہ پیش کرنا چاہتا ہوں

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں سب سے پہلے یہ تین آدمی

داخل ہوں گے (۱) ظالم بادشاہ (۲) وہ مالدار آدمی جو مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ (۳) مفلس متکبر۔

ایک اور حدیث میں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم تھا اور یہ بھی حکم تھا کہ جس نے زکوٰۃ ادا نہ کی اسکی نماز قبول نہیں۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو یہ مال قیامت کے دن ایک اژدھے کی شکل اختیار کرلے گا جسکی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے وہ اسکے گلے میں پڑ جائے گا اور ڈستے ہوئے کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا وہ مال ہوں جسکی تو نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے روز جہنم میں ہوگا۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ جس شخص کے مال کے ساتھ مل گئی تو وہ اسے ہلاک کردے گی۔ مطلب یہ کہ مالدار آدمی نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اور زکوٰۃ کو اپنے مال کے ساتھ ملائے رکھا تو زکوٰۃ اسکے مال کو تباہ کردے گی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص خود مالدار ہے لیکن وہ دوسروں کی زکوٰۃ لے کر اپنے مال میں شامل کرتا ہے تو زکوٰۃ اس کے مال کو تباہ کردے گی۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے زکوٰۃ کو بند کردیا تو اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کردیگا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس قوم نے زکوٰۃ دینی بند کردی تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حلال مال کمایا لیکن اسکی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ مال ''خبیث'' بن جائے گا اور جس نے حرام مال کمایا تو زکوٰۃ دینے سے وہ پاک نہیں ہوسکتا۔

مطلب یہ کہ ذمہ فارغ کرنے کی نیت سے کسی کو زکوٰۃ دے دی ثواب کی نیت سے نہیں اور اگر کسی نے ثواب کی نیت سے کسی غریب وغیرہ کو حرام مال دیدیا تو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ کفر کا خطرہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ دو عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انکے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم اسکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو انہوں نے کہا نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کے دو کنگن تم کو پہنادے، خواتین نے کہا نہیں بالکل نہیں، تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکی زکوٰۃ ادا کردیا کرو۔

نظام زکوٰۃ قائم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے

اسلامی حکومت کی جہاں اور ذمہ داریاں ہیں وہاں انکی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ سرکاری طور پر زکوٰۃ وعشر کا نظام قائم کرے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی دنیا میں جتنی حکومتیں موجود ہیں تقریباً

سب اس غفلت کا شکار ہیں کہ دینی اقدار کو فروغ دینا بھی انکی کوئی ذمہ داری ہے ان برائے نام اور نام نہاد اسلامی سلطنتوں نے تو بس یہی سمجھا ہوا ہے کہ انکا کام صرف کرسئ اقتدار تک پہنچنا ہے اور پھر اس کرسی پر برقرار رہنا ہے کرسی پر برقرار رہنے کے لئے جو حربے استعمال ہو سکتے ہیں ان سب کو استعمال کر کے دھونس اور دھاندلی سے مسلط رہنا ان سب کا اوّلین فریضہ ہوتا ہے لیکن ان نام نہاد حکمرانوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ قیامت کے روز سارے حکمران بندھے ہوئے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے حضور جائیں گے اگر انھوں نے انصاف قائم کیا ہو تو عدل وانصاف ان کے ہاتھ کھول دیگا ورنہ اسی طرح بندھے ہوئے ہاتھ جہنم کی طرف گھسیٹ کر آگ میں ڈالے جائیں گے۔ مسلمانوں کی کرسی اقتدار ایک خطرناک چیز ہے کیونکہ اس کرسی کی بہت بڑی اسلامی ذمہ داریاں ہیں. یہ کوئی عیش وعشرت کے لئے نہیں ہے اور نہ اپنی خواہشوں کی برآری کے لئے ہے بلکہ یہ کروڑوں عوام کو راہ راست پر چلانے کے لئے ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے تو فرمایا کہ اگر دجلہ وفرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مرتا ہے تو میں اسکا ذمہ دار ہوں. مجھ سے اس کا سوال ہوگا. وہ تو رات بھر رعایا کی خبر گیری کیلئے اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد وہمدردی کیلئے گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے اور اپنے کندھوں پر خود غلہ کی بوری اٹھا کر غریبوں تک پہنچاتے تھے، پھٹے پرانے کپڑے استعمال کرتے تھے اور دسترخوان پر کبھی بھی دو قسم کا کھانا استعمال نہیں کرتے تھے، مظلوم کو فوری طور پر انصاف مہیا کرتے تھے چاہے ظالم کتنا با اثر کیوں نہ ہو. اسلامی احکام مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کی سرکاری طور پر سرپرستی فرمایا کرتے تھے انھوں نے مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک دنیا کے اکثر حصوں پر حکومت کی لیکن ہر جگہ اسلامی قوانین کو نافذ کیا اور تنفیذ شریعت کو حکومت کی اولین ذمہ داریوں اور فرائض میں سے شمار کیا کرتے تھے اسی لئے ان کی حکومتیں کامیاب رہیں اور ان حضرات سے عوام خوش رہی اور ان کا نام روشن رہا لیکن آجکل یہ نام نہاد اسلامی حکومتیں اسلام کو اپنی ذمہ داریوں اور فرائض میں شمار ہی نہیں کرتی ہیں یہ سمجھتی ہیں کہ اسلامی اقدار کو فروغ دینا نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ قائم کرنا اور عوام الناس کو اسلامی خطوط پر چلانا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے. یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ناکام ہیں ان کی حکومتیں ناکام ہیں اور عوام ان سے ناخوش ہے اور ان سے بھرپور نفرت کرتے ہیں اب تک تو یہ حکمران مغرب اور یورپ سے پیسے لے کر برائیوں کو درآمد کیا کرتے تھے کوئی ایسی برائی برطانیہ میں نہیں جو کسی نہ کسی صورت میں پاکستان میں موجود نہ ہو. جب برائیوں سے یہ ملک بھر گیا تو اب یہ حکمران پیسے لے کر اچھائیوں کو ختم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اس ملک سے مدارس ومساجد اور علماء کو کس طرح ختم

کیا جائے اور علماء کو کس طرح دبایا جائے اور عام معاشرے میں بے دینی اور الحاد کو کس طرح عام کیا جائے .اسی کے بدلے میں ان کو مغرب کی طرف سے شاباش کے پیغامات موصول ہورہے ہیں اور یہ خوش ہورہے ہیں اور دین کی سرپرستی نہیں کرتے .صدیق اکبرؓ کے دور خلافت کو دیکھئے کہ صرف ایک اسلامی حکم زکوٰۃ سے کچھ لوگوں نے سرتابی کی وہ لوگ نماز ادا کرتے تھے روزہ وحج اور اسلام وایمان کا اقرار کرتے تھے صرف زکوٰۃ کا اس طرح انکار کرتے تھے کہ زکوٰۃ کا حق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے ،ہم ابوبکر صدیقؓ کو زکوٰۃ نہیں دیں گے .اس پر صدیق اکبرؓ نے انکے خلاف مسلح جہاد کا اعلان کیا اور سخت جنگیں ہوئیں اور بڑی خونریزی کے بعد اسلام کا یہ حکم دوبارہ نافذ العمل ہوا بعض حضرات نے صدیق اکبرؓ کو نرمی کرنے کی تلقین کی تو آپؓ نے فرمایا:

"اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ"

"نئی وحی اب بند ہو چکی ہے اور دین اسلام ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا ہے، کیا دین مٹتا جائیگا اور میں زندہ رہوں گا ؟'' یہ نہیں ہوسکتا ہے .آج کل حکمرانوں نے زکوٰۃ کا ایک نظام اپنی پسند اور فائدہ کے لئے نافذ کیا ہے .مسلمانوں کے اموال کو برباد کرتے ہیں اور لوگ نظام کی وجہ سے اپنے آپ کو غیر مسلم لکھتے ہیں قادیانی ،رافضی اور ہندو لکھتے ہیں تاکہ زکوٰۃ سے بچ جائیں شرعی حکم تو یہ تھا کہ غیر مسلم پر زکوٰۃ کے نسبت ڈبل ٹیکس لگ جاتا .پھر معلوم ہو جاتا کہ کون مسلم اور کون غیر مسلم ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

بعض ملحد قسم کے لوگ زکوٰۃ کو بھی ٹیکس سمجھتے ہیں اور دین اسلام کے حکم زکوٰۃ کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ زکوٰۃ اور ٹیکس میں بہت بڑا فرق ہے چند امتیازات میں بتائے دیتا ہوں۔

(۱) زکوٰۃ عبادت ہے اور ٹیکس عبادت نہیں (۲) زکوٰۃ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے اور ٹیکس لوگوں کا حکم ہے (۳) زکوٰۃ مالداروں سے لے کر غریبوں کو دیجاتی ہے لیکن ٹیکس غریبوں سے لے کر مالداروں کو دیا جاتا ہے (۴) زکوٰۃ کے لئے مال نصاب اور طاقت ضروری ہے جبکہ ٹیکس کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں (۵) زکوٰۃ کا تعلق لینے دینے دونوں میں مسلمان کے ساتھ ہے جبکہ ٹیکس مسلم اور غیر مسلم دونوں پر نافذ ہوتا ہے (٦) زکوٰۃ کا ایک مقرر کردہ حصہ اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعین ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی ہے جبکہ ٹیکس کا تعین انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور کبھی

کم کبھی زیادہ ہوتا رہتا ہے (۷) زکوٰۃ کے نظام سے غریب اور مالدار کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ ٹیکس سے مالدار اور غریب کے درمیان نفرت کی خلیج وسیع تر ہو جاتی ہے اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر ایک مالدار صحیح طور پر زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو ہر وہ غریب جن تک اس مالدار کی زکوٰۃ پہنچ جاتی ہے وہ مالدار کا ہمدرد، خیر خواہ، دعا گو اور اس کے مال کا محافظ بن جاتا ہے کیونکہ غریب یہ جانتا ہے کہ اس مالدار کے مال میں میرا بھی حصہ ہے تو وہ اس مال کی ترقی اور مالدار کی زندگی کا متمنی رہتا ہے لیکن اس کے برعکس جب زکوٰۃ کا نظام قائم نہ ہو اور ظالمانہ ٹیکس غریبوں پر لگایا جاتا ہو تو وہ لوگ لامحالہ اس احساس کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یہ مال تو سارا اس سانپ کا ہے جو مجھے کچھ بھی نہیں دیتا ہے اس جذبہ کے ابھرنے کے بعد غریب مالدار کا دشمن ہو جاتا ہے اور ان کے مال کا ڈاکو بن جاتا ہے۔ یہیں سے ایک طبقاتی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ جس نے دنیا میں کمیونزم، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی طبقاتی جنگ برپا ہو جا ہوتی ہے۔

تفسیر!!

اوپر کی لکھی ہوئی آیت کے تحت علامہ عثمانی لکھتے ہیں ''اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں امام احمدؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے، امام احمدؒ کے نزدیک رِدّۃً اور مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک تعزیراً :

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زدکوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے بہرحال آزاد کر کے چھوڑنا کسی کے نزدیک نہیں، رہے مانعین زکوٰۃ تو انکے اموال سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادۂ جنگ ہوں تو راہ راست پر لانے کے لئے جنگ کی جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۴۹)

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے آمین یا رب العالمین۔

قرآن

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (سورۃ التوبۃ آیت ۱۰۳)

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ (سورۃ اللیل آیت ۱۷، ۱۸)

﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ .سورۃ البقرہ آیت ۱۷۷) ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (ایضاً ۳)

جمعہ ۸ رجب ۱۴۱۶ھ یکم دسمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
مسائل زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ٥ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ٥﴾

''یعنی (قرآن کریم) ان پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھا کرتے ہیں اور جو ہم نے انکو دیا ہے اس سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں.''

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کیا کرو.

محترم سامعین

اس سے قبل گذشتہ جمعہ کو میں نے آپ کے سامنے زکوٰۃ کی رکنیت اور فرضیت کے متعلق کچھ عرض کیا تھا اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے مسائل زکوٰۃ کے متعلق کچھ ذکر کردوں، ان مسائل میں اگرچہ بعض مسائل ایسے بھی ہوں گے جو کراچی کے رہنے والوں کو زیادہ درپیش نہیں ہوں گے لیکن چونکہ یہ دین اسلام کے احکامات ہیں فرائض اور واجبات ہیں تو انکا سیکھنا سمجھنا اور محفوظ رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہوگا اور بہت سارے احباب ایسے بھی ہوں گے جن کے رشتہ دار اور تعلق دار دوسرے علاقوں میں ہوں گے جہاں یہ مسائل درپیش ہوں گے جب یہ حضرات ان سے ملیں گے تو لامحالہ زکوٰۃ کا مسئلہ سامنے آئے گا۔

زکوٰۃ اور عشر میں فرق

شریعت مقدسہ میں ایک زکوٰۃ کا لفظ ہے اور دوسرا لفظ عشر کا ہے عشر دسویں حصّے کو کہتے ہیں. اغلباً ایسا ہی ہوتا ہے تاہم بعض اوقات نصف عشر بھی واجب ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی یہ لفظ عشر کے نام سے مشہور ہے. عشر کو زکوٰۃ بھی کہتے ہیں چنانچہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ عشر ہے زیادہ تر لوگ اس کو زکوٰۃ ہی کہتے ہیں. بہرحال زمین سے جو پیدوار حاصل ہوتی ہے چاہے وہ کھیتی کا غلہ ہو یا درختوں کا پھل ہو یا اس زمین

میں شہد کی مکھیوں کے چھتے کا شہد ہو ہر حاصل شدہ چیز پر عشر فرض ہے۔

اب اس عشری زمین کو آسمانی بارانی پانی نے سیراب کیا ہو تو اس میں دسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا فرض ہے اگر عشری زمین بارانی نہیں ہے بلکہ رہٹ کے ذریعے سے یا ٹیوب ویل کے ذریعہ سے یا نہروں اور کنوؤں کے ذریعہ سے سیراب ہوئی ہے تو اس میں (زکوۃ کا بیسواں حصہ ہے) کیونکہ اس پر پیسہ خرچ ہوا ہے اور مزید محنت ومشقت ہوئی ہے اس لئے شریعت نے مالک پر آسانی کر کے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ مقرر کیا ہے۔ جمہور علماء نے فرمایا ہے یہ عشر کہ اس وقت واجب ہوگا جبکہ زمین کا غلہ (۳۰) من حاصل ہو جائے اس سے کم میں عشر نہیں ہے لیکن ائمہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ زمین سے جو بھی غلہ یا پھل حاصل ہو جائے اس میں عشر واجب ہے پاکستان میں اسوقت عشر کا جو نظام قائم کیا گیا ہے وہ جمہور علماء کے مسلک کے مطابق ہے لیکن عوام الناس فقہ حنفی کے مطابق عشر ادا کرتے ہیں قرآن مجید نے عشر کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ﴾ ''یعنی زمین کی پیداوار کا حق دے دو جو اس کے کٹنے کے وقت تم پر واجب ہو جاتا ہے۔

تفسیر:

یعنی جو غلے اور پھل حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان کے کھانے سے بدون سند کے مت رکو، ہاں دو باتوں کا خیال رکھو ایک یہ کہ کاٹنے اور اتارنے کے ساتھ ہی جو اللہ کا حق اس میں ہے وہ ادا کر دو، دوسرا یہ کہ فضول اور بے موقع خرچ مت کرو اللہ کے حق سے یہاں کیا مراد ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن کثیر کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتداً مکہ معظمہ میں کھیتی اور باغ کی پیداوار میں سے کچھ حصہ نکالنا واجب تھا جو مساکین وفقراء پر خرچ کیا جاتا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر ۲ ھ ہجری میں اس کی مقدار وغیرہ کا تعین و تفصیل کر دی گئی یعنی بارانی کی پیداوار میں (بشرطیکہ وہ خراجی نہ ہو) دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۹۵)

اب آیئے عشر وزکوٰۃ میں کچھ بنیادی فرق بھی ملاحظہ فرمائیں جو چند وجوہ سے ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر میں کوئی نصاب مقرر نہیں بلکہ جو کچھ زمین سے حاصل ہو جائے اور وہ چار سیر سے کم نہ ہو اس پر عشر ہے جبکہ زکوٰۃ کے لئے ایک مقرر نصاب ضروری ہے۔ (۲) عشر میں سال گذرنے کا دورانیہ ضروری نہیں بلکہ سال میں اگر دو فصلیں تیار ہوئیں تو دو دفعہ عشر ہوگا جبکہ زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ اس پر سال کا دورانیہ گزرا ہو۔ (۳) عشر کا تعلق چونکہ زمین سے ہے اس لئے مجنون کی زمین کی

پیداوار میں بھی عشر ہے جبکہ اس کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے .(۴) اسی طرح نابالغ بچے پر احناف ؒ کے ہاں زکوٰۃ واجب نہیں لیکن عشر واجب ہے۔

اموال سائمہ میں زکوٰۃ

سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو اکثر سال چراگاہوں میں چرتے رہتے ہیں اور ان کے چارہ اور گھاس کا بوجھ مالک پر نہیں پڑتا ہے اور غیر سائمہ جانور وہ ہوتے ہیں جو اکثر سال گھر کے چارہ پر گذارہ کرتے ہیں شریعت مقدسہ نے زکوٰۃ کا فریضہ صرف ان جانوروں پر عائد کیا ہے جو اکثر سال چرتے ہیں اور جن کا بوجھ مالک پر نہیں پڑتا ہے ہاں البتہ اگر یہ جانور تجارت کے لئے رکھے گئے ہیں تو پھر ان پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض ہے.

جن جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم کے الگ الگ احکامات ہیں اول قسم اونٹ، دوم گائے بھینس، سوم بھیڑ بکری،.

اونٹوں کا نصاب

اکثر سال چرنے والے اونٹ جب تک پانچ نہیں ہوجاتے اس میں زکوٰۃ نہیں پانچ اونٹوں میں ایک بکری زکوٰۃ میں دینی واجب ہے پھر نو تک یہی طریقہ قائم ہے دس اونٹوں میں دو بکریاں، پندرہ میں تین، اور بیس میں چار بکریاں بطور زکوٰۃ واجب ہیں چوبیس تک یہی بکریاں ہیں اور پچیس اونٹوں میں ایک ایسی اونٹنی فرض ہے جسکو دوسرا سال شروع ہو چکا ہو. پھر چھبیس سے پینتیس تک کچھ نہیں ہے. چھتیس اونٹوں میں ایک ایسی اونٹنی فرض ہے جس کو تیسرا سال شروع ہو چکا ہو. اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جس کو احادیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے وہاں پر دیکھ لیا جائے.

گائے بھینس کا نصاب

گائے اور بھینس زکوٰۃ کے نصاب میں ایک ہی حکم رکھتی ہیں اگر تیس گائے یا تیس بھینس اکثر سال چرنے والی ہوں تو اس میں ایک سال کا بچہ دیا جائے گا پھر انتالیس تک کچھ نہیں اور چالیس میں دو سالہ بچہ واجب ہے. اسی طرح آخر تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا جس کو احادیث وفقہ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے، گائے اور بھینس ملانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً بیس گائے ہیں اور دس بھینسیں ہیں تو تیس کی

مشترکہ عدد سے نصاب پورا ہو جائے گا ان میں جس قسم کے جانور تعداد میں زیادہ ہوں اس قسم کے جانور کا بچہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا مثلاً اوپر کی مثال میں گائے زیادہ ہیں تو گائے کا بچہ دیا جائے گا اور اگر بھینسیں بیس ہیں اور گائے دس ہیں تو بھینس کا بچہ دیا جائے گا اور اگر دونوں قسمیں برابر ہیں تو مالک کو اختیار ہے جس نوع سے چاہے دیدے جائز ہے تیس سے کم میں کچھ بھی نہیں ہے۔

بھیڑ بکریوں کا نصاب

بھیڑ اور بکری زکوٰۃ کے اعتبار سے یکساں ہیں اگر علیحدہ علیحدہ نصاب پورا ہو جاتا ہے تو ہر نوع پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اگر ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہے تو دونوں کو ملایا جائے گا مثلاً بیس بھیڑیں بیس بکریاں ہیں تو ایک سالہ بکری واجب ہو جائے گی جس قسم کے جانور تعداد میں زیادہ ہوں تو اسی قسم سے زکوٰۃ دی جائے گی اگر دونوں برابر ہوں تو مالک کو اختیار ہے جس قسم سے ادا کرے۔

انتالیس بکریوں میں کچھ نہیں چالیس میں ایک بکری ہے پھر ایک سو بیس تک کچھ نہیں ۔ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں اور پھر ہر سو کے بعد ایک بکری یا بھیڑ زکوٰۃ میں بڑھتی جائے گی ۔بھیڑ اور بکری کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ کی کوئی قید نہیں ، البتہ ایک سال سے کم کا بچہ جائز نہیں۔

سونے چاندی کا نصاب

اموال نقدیہ دو قسم پر ہے سونا اور چاندی ، اصل مال تو سونا اور چاندی ہے یہ جو نوٹ ہے یہ تو حقیقت میں اس مال کی رسید ہے یہی وجہ ہے کہ نوٹوں پر لکھا ہے ”بینک دولت پاکستان پانچ سو روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا“ اس عبارت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ کاغذ اس مالیت کی رسید اور وثیقہ ہے ، اب اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا ہے جو بیس مثقال کے وزن کے برابر ہے تو اس شخص پر سونے میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دینا ہے تو نصف مثقال دینا ہوگا اور اگر قیمت لگا کر روپیہ سے زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو ہر چالیس میں ایک روپیہ ادا کرنا ہوگا۔اگر ساڑھے سات تولے سے سونا کم ہے اور چاندی بھی نہیں ہے تو اس شخص پر زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اگر اس سے کم چاندی ہے اور سونا بھی ساتھ نہیں ہے تو اس شخص پر چاندی کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا جب کسی کے پاس ہو تو پھر اس کی جنس سے زکوٰۃ اس طرح دی جائے گی کہ بیس مثقال سونے میں نصف

مثقال دیا جائے گا اور ساڑھے باون تولہ چاندی جو دوسو دراہم کے برابر ہے اس میں پانچ دراہم چاندی کے ادا کئے جائیں گے اور اگر قیمت کا اعتبار کریں گے تو اس قیمت کے لئے چاندی معیار ہے یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت جو اسوقت قریباً ساڑے چھ ہزار روپے بنتے ہیں اور چاندی ہی کی وجہ سے اس کی قیمت اور روپے میں کمی بیشی ہوتی ہے ہاں جب نصاب مکمل ہو جائے اور اس کی قیمت سامنے آجائے تو پھر دینے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے بلکہ ہر چالیس روپے میں ایک روپیہ زکوٰۃ کا ہے۔

مثال کے طور پر اگر ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت ۳۵ ہزار روپے بنتے ہیں تو پھر چالیس روپے سے ایک روپیہ نکالنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اسی طرح ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت مثلاً ساڑھے چھ ہزار روپے ہے تو چالیس روپے سے ایک روپے زکوٰۃ کا نکالا جائے گا۔ دوسو میں پانچ چارسو میں دس آٹھ سو میں بیس اور ایک ہزار میں ۲۵ روپے دیئے جائیں گے۔ اموال نقدیہ میں سال کے ابتداء اور انتہاء میں نصاب کو دیکھا جائے گا سال کے وسط میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں اگر کسی کا مال سمندر میں گر گیا یا ایسے مقروض کے ذمہ دین میں پھنس گیا ہے جو انکار ہی کرتا ہے اور گواہ موجود نہیں ہے تو ایسے صورت میں اس مال میں زکوٰۃ نہیں آئی گی۔ ایک شخص صاحب نصاب ہے اور اس نے کئی سال کے لئے پہلے سے زکوٰۃ نکال دی ہے تو یہ جائز ہے۔

تجارتی اموال میں زکوٰۃ کا اعتبار قیمت کے لحاظ سے ہوگا اگر وہ مال تجارت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوا تو اس میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں اور تجارت کے لئے جس چیز کو بھی استعمال میں لایا جائے یعنی جس چیز کی بھی تجارت ہو اس میں زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔ چاہے حیوانات کے قبیلے سے ہو یا جمادات کے قبیلے سے ہو جب تجارت کے عنوان سے ہو بس اس پر زکوٰۃ آئی گی ساڑھے باون تولے کی چاندی کی قیمت وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ بازار میں سنار سے قیمت پوچھ کر زکوٰۃ ادا کریں۔

ادائیگی زکوٰۃ کی چند شرائط

زکوٰۃ چونکہ عبادت ہے اس لئے اس کی چند شرائط بھی ہیں مختصر عرض کرتا ہوں۔

(۱) بالغ ہونا ضروری ہے لہٰذا نابالغ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۲) زکوٰۃ دینے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے لہٰذا کافر پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۳) عاقل ہونا لہٰذا مجنون پر زکوٰۃ نہیں جبکہ جنون اصلی محیط ہو۔ (۴) نصاب کا مالک ہونا اور اس نصاب پر سال کا گزر جانا۔ (۵) اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس

کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوسکتا ہے۔(٦)اس مال کا ضرورت اصلیہ سے زائد ہونا،ضرورت اصلی کے لئے جو مال ہو اس میں زکوٰۃ نہیں۔مثلاً پہننے کے کپڑے،علم کی کتابیں،سواری کے گھوڑے،خدمت کے غلام،حفاظت و جہاد کے اسلحے اور اسی طرح ہر پیشہ والے کے پیشہ کے اوزار وغیرہ یہ چیزیں اصلی ضروریات میں داخل ہیں جس کا مختصر الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز جان یا آبرو کی حفاظت کے لئے ضروری ہو وہ ضروریات اصلی ہے۔(٧)ظالم یا غیر مسلم حکمران کو زکوٰۃ اکٹھا کرنے کا حق نہیں اگر اس نے زبردستی کیساتھ زکوٰۃ وصول کرلی تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ مستحقین پر اس نے خرچ کیا ہے یا کہ نہیں،اگر تقسیم کیا تو ٹھیک ورنہ دوبارہ صحیح مصرف میں زکوٰۃ دینی پڑے گی۔یہ چند مسائل آپ نے سماعت فرمالئے اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العٰلمین

۱۵ رجب ۱۴۱۶ھ ۸ دسمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
مصارف زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (توبہ۔۶۰)

''یعنی صدقات تو صرف غریبوں کا اور محتاجوں کا اور تحصیل زکوٰۃ پر متعین کارکنوں کا حق ہے اور جن کی دل جوئی مقصود ہے ان کا حق ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے اور جہاد والوں کے سامان میں صرف کیا جائے اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی حکمت والے ہیں۔

وعن عطاء بن یسار مرسلا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ (۱) لِغَازٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (۲) اَوْلِعَامِلٍ عَلَيْهَا (۳) اَوْلِغَارِمٍ (۴) اَوْلِرَجُلٍ اِشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ (۵) اَوْلِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۱)

حضرت عطا بن یسار ایک مرسل روایت میں نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ کسی مالدار آدمی کے لئے حلال نہیں ہے، ہاں پانچ قسم کے مالداروں کے لئے جائز ہے۔ اول: مجاہدین اور غازیان اسلام کے لئے، دوم: زکوٰۃ کے کارکنوں کے لئے، سوم: قرضداروں اور تاوان اٹھانے والوں کے لئے۔ چہارم: ایسے شخص کے لئے جو اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال خرید لے، پنجم: اس مالدار کے لئے جس کو اس کا غریب پڑوسی بطور ہدیہ زکوٰۃ کا قبض شدہ مال دیدے۔

محترم حاضرین!!

جس طرح مالدار کے لئے زکوٰۃ دینا فرض اور اہم حکم ہے اس طرح اس کے مصرف میں لگانا بھی لازم اور ایک اہم حکم ہے اگر کوئی شخص بڑی سے بڑی رقم دیتا ہے مگر اس کا مصرف صحیح نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور فریضہ کی ذمہ داری بھی پوری نہیں ہوئی اور ایک شخص ایک معمولی سی رقم ادا کرتا ہے اور صحیح مصرف میں

لگا دیتا ہے تو ذمہ بھی ساقط ہو جاتا ہے اور مال کو شرف قبولیت بھی حاصل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ سورۃ بقرہ آیت ۲۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ مال جتنا اور جس قسم کا بھی خرچ کرو اس میں کوئی پابندی نہیں بلکہ:

اس سوال سے بڑھ کر اہم سوال ہونا چاہئے کہ مال صَرف کرنے کا صحیح مصرف کیا ہے، صحابہؓ نے مال کے متعلق سوال کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے اہم بات کی طرف توجہ دلائی کہ یہ پوچھو مال کہاں کہاں خرچ کیا جائے؟ اس سے معلوم ہوا کہ مصارف زکوٰۃ میں ہی زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر مصرف صحیح نہیں نکلا اور زکوٰۃ غلط جگہ میں چلی گئی تو زکوٰۃ اگرچہ ادا نہیں ہوئی لیکن ثواب تو خرچ کرنے کی وجہ سے بہرحال مل جاتا ہے زکوٰۃ دوبارہ ادا کردے گا۔ مثلاً ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک آدمی نے رات کو زکوٰۃ چور کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ دن کو لوگوں نے شور کیا کہ لو بھائی چور کو زکوٰۃ دے دی گئی ہے دوسری رات اس نے پھر زکوٰۃ ادا کردی مگر وہ ایک بدکار عورت کے ہاتھ میں جا لگی لوگوں نے شور مچایا کہ بدکار عورت کو زکوٰۃ دے دی گئی، تیسری رات اس نے پھر زکوٰۃ ادا کی تو وہ اتفاق سے مالدار کے ہاتھ میں چلی گئی لوگوں نے پھر شور مچایا کہ زکوٰۃ مالدار کو دے دی گئی، اس شخص نے ہر دفعہ اللہ کا شکر ادا کیا اور تین مرتبہ مال لوٹا دیا، پھر اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک کہنے والا اسے کہتا ہے کہ تم نے چور کو جو زکوٰۃ دی تو ہو سکتا ہے کہ وہ چوری سے باز آجائے اور بدکار عورت بدکاری سے باز آجائے کیونکہ ممکن ہے یہ لوگ مجبوری کی وجہ سے اس میں مبتلا ہوں اور مالدار کو شاید یہ احساس ہو جائے کہ مالدار آدمی اس طرح چپکے سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ بھی اسی طرح زکوٰۃ دینے لگ جائے۔

آٹھ مصارف زکوٰۃ

مشکوٰۃ شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصرف اگر غلط بھی ہو اور زکوٰۃ ادا نہ بھی ہو پھر بھی ثواب مل جاتا ہے، بہرحال قرآن و حدیث میں مصرف کی بہت تاکید آئی ہے، ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم زکوٰۃ کا مسئلہ اپنے نبی پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ خود اس کے مصارف بتا کر تقسیم فرما دیا، چنانچہ سورت توبہ کی اس آیت میں کل آٹھ مصارف کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور خوب تاکید سے فرمایا کہ زکوٰۃ غریبوں، فقیروں، مسکینوں، اور محتاجوں کا حق ہے یعنی جتنا مال زکوٰۃ میں جاتا ہے وہ مالک کے مال کا حصہ ہی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو محتاجوں کو دیا جائے گا لہٰذا مالدار آدمی کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جو حصہ زکوٰۃ میں نکل کر جاتا ہے یہ اس کا مال نہیں تھا لہٰذا اس کو غریب پر غرور و تکبر و بڑائی اور اسکو ذلیل کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ یہ غریب کا احسان ہے کہ اس نے اس مال کو قبول کرکے مالدار کو ایک ذمہ داری سے عہدہ برآ کردیا۔

اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے کہ اپنے صدقات کو احسان جتانے اور ایذا پہنچانے سے باطل نہ کرو۔ اب ان آٹھ مصارف کی مختصر سی تفصیل بھی سماعت فرمائیں

فقیر اور مسکین

یہ دو لفظ ہیں اور دونوں کا مفہوم احتیاج ہے ایک ذرا زیادہ محتاج ہوتا ہے اور دوسرا کچھ کم محتاج ہوتا ہے۔ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہر وہ مسلمان ہوتا ہے جس کے پاس ضرورت اصلیہ سے فارغ اتنا مال نہیں جو کسی ایک نصاب تک پہنچ جائے، مثلاً وہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر مال کا مالک نہیں ہے۔ ضرورت اصلیہ میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا تعلق حفاظت جان یا حفاظت آبرو سے ہو یعنی زندہ رہنے کے لئے کھانا پینا مکان اور کپڑا موجود ہو سواری کے لئے گھوڑا وغیرہ موجود ہو اور حفاظت جان و آبرو میں بندوق وغیرہ معمولی اسلحہ ضرورت اصلیہ میں داخل ہے، اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹی وی، وی سی آر وغیرہ تفریحی اشیاء ضروریات اصلیہ سے خارج ہیں، لہٰذا جس شخص کے پاس ٹی وی موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار سے زیادہ ہے تو وہ شخص صاحب نصاب ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے چاہے وہ بیوہ عورت کیوں نہ ہو اور چاہے وہ شخص بھوکا کیوں نہ ہو۔ انہیں چاہئے کہ پہلے ٹی وی فروخت کر کے رقم کھالے پھر زکوٰۃ وصول کرلیا کریں، یہ بات یاد رکھیں کہ ہر صاحب پیشہ آدمی کے اپنے پیشہ کا جو سامان ہوتا ہے وہ اس شخص کے ضروریات اصلیہ میں داخل ہے پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ سواری کے لئے جو گاڑی ہوتی ہے وہ چاہے پانچ لاکھ کی کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں وہ ضرورت اصلی میں داخل ہے تاہم جو چیز تجارت کے لئے ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے صدقات واجبہ میں سے غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے ہاں صدقات نفلیہ اور ہدیہ دینے میں حرج نہیں ہے۔ (خلاصہ از معارف القرآن ص ۳۹۶)

والعاملین علیھا

زکوٰۃ و صدقات، عشر اور اموال سائمہ کے اکٹھا کرنے پر جو کارکن مقرر کئے جاتے ہیں وہ لوگ وقت بھی دیتے ہیں محنت بھی کرتے ہیں آنے جانے کا خرچہ بھی کرتے ہیں اس لئے شریعت مطہرہ نے ایسے لوگوں کو حق الخدمت زکوٰۃ کے اموال سے لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ عامل لوگ چونکہ حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں تو یہ لوگ خود بخود فقراء کے وکیل بن جاتے ہیں یہ لوگ جب مال ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو گویا غریب تک مال پہنچ گیا اب ان کو جو حق الخدمت ملتا ہے تو یہ حقیقت میں زکوٰۃ سے نہیں ہے بلکہ یہ

تو فقراء کی طرف سے ہے۔

کسی تنظیم کے سربراہ یا مدرسہ کے مہتمم کو عاملین پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں بلکہ اصحاب اموال کے وکیل ہوتے ہیں تو جب تک یہ حضرات اس مال کو مستحق تک نہیں پہنچائیں گے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اگر یہ لوگ دو سال تک اس مال کو اپنے پاس رکھے تو زکوٰۃ مالدار کے ذمہ اب بھی باقی رہے گی نیز یہ لوگ اپنا حق الخدمت اس زکوٰۃ سے نہیں لے سکتے ہیں بلکہ ان کو مستقل تنخواہ غیر زکوٰۃ سے ادا کرنا ضروری ہے اور جو تنظیمیں زکوٰۃ کی مد کو ہر جگہ استعمال کرتی ہیں ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جیسے عبدالستار ایدھی ٹرسٹ ہے یہ لوگ کسی طور پر کسی مد کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں یا اسی طرح دیگر رفاہی ادارے ہیں جو ہسپتالوں، پلوں اور سڑکوں پر زکوٰۃ کی رقم لگاتے ہیں، یاد رکھیں زکوٰۃ جب مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں نہیں لگائی جاسکتی ہے تو ہسپتالوں اور دیگر رفاہی اداروں میں کیسے لگ سکتی ہے جہاں امیر اور غریب کا امتیاز ہی نہیں۔

مؤلفة القلوب

اسلام کے ابتدائی دور میں کچھ نومسلم لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم سے کچھ دیا جاتا تھا تاکہ ان کی دل جوئی ہو اور وہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام سے پھر نہ جائیں یا کم از کم کسی شرارت پر نہ اتر جائیں، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب میں غیر مسلم نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ کمزور مسلمان ہوتے تھے کہ جن کے مرتد ہونے کا خطرہ ہوتا تھا یا شرارت کا خطرہ ہوتا تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کیا تو یہ مصرف احناف ؒ کے مسلک کے مطابق ختم ہوگیا اب تالیف قلب کے تحت کسی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے بعض دوسرے علماء اور فقہاء نے تالیف قلب کے اس مصرف کو مسلم اور غیر مسلم کے لئے عام مانا ہے اور مشہور یہی ہے۔

وفی الرقاب

رقاب رقبۃ کی جمع ہے گردن کو کہتے ہیں عرف عام میں اس سے مراد مکاتب غلام ہے یعنی کسی شخص نے اپنے غلام کو کہا کہ تم مجھے اتنے پیسے ادا کردو میں تم کو آزاد کردوں گا اس رقم کو بدل کتابت کہتے ہیں اب وہ مکاتب گلوخلاصی کے لئے پیسہ مہیا نہیں کرسکتا ہے تو شریعت نے اس کو مال زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے تاکہ اس کی گلوخلاصی ہو۔ میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ کراچی وغیرہ جیلوں میں بعض غریب لوگ جو سالہا سال سے جیلوں میں پڑے رہتے ہیں صرف چند سو یا چند ہزار کی وجہ سے وہ جیل کاٹ رہے ہیں اگر ان لوگوں کو زکوٰۃ دیکر رہا کیا جائے تو بڑا ثواب ہوگا ان میں بعض بنگلہ دیش کے لوگ صرف جہاز کے ٹکٹ نہ

ہونے کی وجہ سے کئی کئی سال سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ اپنے مکاتب کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے اور نہ کسی غیر مسلم کو دی جاسکتی ہے۔

والغارمین

غارم اس شخص کو کہتے ہیں جو قرض کے بوجھ کے تحت دب گیا ہو خواہ یہ قرض اس کی ضرویات زندگی کی وجہ سے ان پر آپڑا ہو یا اس نے کسی کی ضمانت میں تاوان اٹھار کھا ہو یا کسی حادثہ ناگہانی کے وجہ سے قرض تلے دب گیا ہو، ان تمام صورتوں میں وہ شخص غارم مقروض اور مدیون ہے اسکو زکوٰۃ کی مد سے دیا جائے تاکہ وہ قرض کے بوجھ سے آزاد ہو جائے ہاں ناجائز کاموں میں قرض لینے والے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے اسی طرح تجارت بڑھانے کے لئے شوقیہ مقروض مستحق زکوٰۃ نہیں۔

وفی سبیل اللہ

یعنی اللہ کی راہ میں۔ اس سے مجاہدین اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے میدان کارزار میں کفار سے لڑنے والے غازیان اسلام مراد ہیں، قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ کے استعمال کے تین مواقع ہیں۔

(۱) مطلق دین میں استعمال ہوا ہو قرآن کریم میں ۲۵ مقامات پر یہ لفظ اسی عموم کے ساتھ استعمال ہوا ہے، عام کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کے ہر اچھے عمل اور ہر نیکی کو یہ لفظ شامل ہے کسی خاص شعبہ کے لئے اس کو خاص کرنا صحیح نہیں ہوگا مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دعوت وتبلیغ،، جہاد اور دیگر تمام نیکیوں کو شامل ہوگا جیسے ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں یہ کسی خاص شعبہ یا حکم کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

(۲) اس لفظ کا دوسرا استعمال خاص ہے یعنی صرف جہاد پر بولا گیا ہے قرآن کریم میں یہ لفظ اس خاص مفہوم کے لئے ۳۶ بار استعمال ہوا ہے جیسے یقاتلون فی سبیل اللہ، یجاہدون فی سبیل اللہ وغیرہ وغیرہ اس اطلاق کو جہاد کے علاوہ دوسرے احکامات میں استعمال کرنا یا اس کو عام کرنا تحریف معنوی کے مترادف ہے جس سے بہت سے مفاسد رونما ہو جاتے ہیں۔ فی سبیل اللہ کی اسی تقسیم اور تخصیص وعموم کی طرف فقہاء حنفیہ نے اشارہ کیا ہے، ابن حجر شافعیؒ اور دیگر فقہاء نے بھی اس کو واضح طور پر ذکر کیا ہے۔

زاہد الکوثریؒ نے مقالات کوثریہ میں اس پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے تو لیجئے چند عبارات کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ ابن حزمؒ نے محلی ج ۶ ص ۱۵۱ پر فرمایا ہے کہ ''سبیل اللہ'' سے مراد جہاد ہے۔

(مقالات کوثری ص ۱۸۹) علامہ نوویؒ المجموع ج۶ ص۲۱۲ پر فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' سے متبادر اور عام فہم معنی ''جہاد'' ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی زیادہ تر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اہل شرع کے نزدیک حقیقت شرعیہ وہی ہوتی ہے جو اقرب الی الفہم اور متبادر الی الذہن ہو پس ایک لفظ جو شرعی معنی و مفہوم میں مشہور ہوا سے چھوڑ کر لغوی معنی کی طرف جانے کے لئے ایسے قرینہ کی ضرورت ہے جو شرعی حقیقی معنی کے ارادہ کرنے سے روکتا ہو۔

علامہ ابن حجرؒ فتح الباری ج۶ ص۲۳ پر فرماتے ہیں کہ ابن بطالؒ نے سبیل اللہ کا اطلاق عام طاعات پر کیا ہے ان کا کہنا اپنی جگہ پر ہے لیکن جب ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ مطلق طور پر آجائے تو وہاں ''سبیل اللہ'' سے مراد جہاد لینا متبادر ہے۔ امام بخاری نے باب المشی الی الجمعۃ میں لفظ سبیل اللہ کو عام معنی میں استعمال کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس لفظ کو عام مفہوم میں لے کر نماز وغیرہ میں استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن وہ اسکا حقیقی مفہوم نہیں ہوگا اس کا حقیقی مفہوم جہاد ہی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ ''لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' کی تشریح میں فرماتے ہیں، اے ''الجہاد'' یعنی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ امام بخاری نے اس لفظ کو جس عموم میں استعمال کیا ہے ابن حجرؒ پھر فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے فرمایا کہ ''لفظ سبیل اللہ'' جب مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج۶ ص۳۶)

ابن دقیق العید نے فرمایا ہے کہ عرف عام میں ''سبیل اللہ'' کا لفظ جہاد میں استعمال ہوتا ہے کتاب الزکوٰۃ میں صاحب ہدایہ نے لفظ فی سبیل اللہ کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد غازی اور مجاہدین ہیں اور پھر فرمایا کہ ''لِاَنَّهُ الْمُتَفَاهَمُ عِنْدَ الْاِطْلَاقِ'' یعنی جب یہ لفظ مطلق استعمال ہو جائے تو اس سے جہاد، مجاہدین اور غازی مراد ہوتے ہیں، بہرحال اس تفصیل کے بعد ہر شخص کو جان لینا چاہئے کہ زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک اہم مصرف جہاد و مجاہدین ہیں۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو چند مواقع کو چھوڑ کر باقی عام مواقع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی جو اپیلیں فرمائی ہیں وہ جہاد ہی کے مواقع میں ہیں۔ اب اللہ کی راہ کی عموم سے جو لوگ مساجد اور مدارس کی تعمیر میں یا دعوت تبلیغ کے مصارف میں غیر غریب کو زکوٰۃ دیتے ہیں یا تعمیرات میں لگاتے ہیں وہ ناجائز ہے۔ غیر مقلدین کے ہاں یہ کمزوریاں بہت ہیں۔ لفظ فی سبیل اللہ کا تیسرا اطلاق قرآن کریم میں مشترک آیا ہے یعنی کبھی جہاد اور کبھی مطلق بولا گیا ہے جیسے ﴿اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اس اطلاق پر قرآن کریم میں یہ لفظ سات مرتبہ دہرایا گیا ہے جو عام طور پر انفاق کے ساتھ آیا ہے۔

وابن السبیل

اس سے مراد مسافر ہے اگر چہ مسافر گھر میں مال جائداد رکھتا ہو لیکن حالت سفر میں وہ غریب ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یہ کل آٹھ قسم کے مصارف ہیں اس میں ایک اصولی بات آپ یہ سمجھیں کہ جن لوگوں کے ساتھ آپ کا اصول وفروع کا رشتہ ہو ان کو آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے جیسے باپ، دادا، پردادا، دادی، نانی، اوپر تک۔ اسی طرح بیٹا، پوتا، پڑپوتا نیچے تک ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی اس سے بہن بھائی وغیرہ خارج ہو گئے ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اسی طرح جن دو آدمیوں کے منافع بالکل مشترک ہوں اور مفادات ایک ہوں وہ ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ہیں جیسے میاں بیوی آقا غلام وغیرہ کیونکہ مفادات ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستہ کی رہنمائی فرما کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟

حیدریؓ فقر ہے نہ دولت عثمانیؓ ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

۲۲ رجب ۱۴۱۶ھ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

کسب حلال کی اہمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ ﴿یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (مؤمنون)

''اے پیغمبرو!! تم حلال وپاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو''۔

وقال اللہ تعالیٰ ﴿یَا اَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلَالًا طَیِّبًا﴾ (بقرۃ ۱۶۸)

''اے لوگو!! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال وپاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ''۔

وقال علیہ السلام(طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ) (مشکوۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسب حلال کی تلاش وجستجو دیگر فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

قال علیہ السلام طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔ (ترغیب وترھیب ج۲ ص۵۴۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال رزق کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔

یَحُجُّوْنَ بِالْمَالِ الَّذِیْ یَجْمَعُوْنَہٗ
حَرَامًا اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ الْمُحَرَّمِ

لوگ بیت اللہ شریف کا حج اس حرام مال سے کرتے ہیں جو انہوں نے ناجائز طریقہ سے کمایا ہے۔

مَا یَقْبَلُ اللّٰہُ اِلَّا کُلَّ طَیِّبَۃٍ
مَا کُلُّ مَنْ حَجَّ بَیْتَ اللّٰہِ مَبْرُوْرٌ

اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ اور حلال مال کو قبول فرماتے ہیں بیت اللہ شریف کا ہر حج مقبول حج نہیں ہوا کرتا ہے۔

محترم حاضرین!!

انسانی زندگی بڑے بڑے دو پہلوؤں پر مشتمل ہے ایک اس کا عبادتی پہلو ہے دوسرا اس کا معاملاتی معاشرتی ومعاشی پہلو ہے یعنی انسان کی زندگی پر دو چیزیں حاوی ہیں۔ (۱) معاملات (۲) اور عبادات لیکن انسان کو پرکھنے کے لئے جو کسوٹی اور معیار ہے وہ اس کی زندگی کا معاملاتی پہلو ہے اس پہلو میں انسان کی دیانت وامانت، اس کی شرافت ومتانت، اسکی عزت وعظمت، اس کے جود وسخاوت اس کے تقویٰ

وطہارت نیز اس کے حسد وخیانت اس کے حرص وعداوت اوراس کی لالچ اور ذالت کا اندازہ ہوجاتا ہے ۔چنانچہ ولایت وتقویٰ اور کرامت وفتویٰ کا اعلیٰ معیار معاملات ہی سے قائم ہوتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کیا آپ نے تصوف میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تصوف میں جامع صغیر کی کتاب البیوع لکھی ہے،یعنی کامل صوفی وہ ہوتا ہے جس کے مالی معاملات صاف اور درست ہوں اوراس کے درست رکھنے کے لئے میں نے خرید وفروخت کے صحیح مسائل لکھدئے ہیں۔اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ ایک گاڑی ہے اس میں اگر آپ خالص پٹرول ڈال کر چلائیں گےتو وہ صحیح چلے گی لیکن اسی گاڑی کی ٹینکی میں اگر آپ نے پانی اور کچرے سے مخلوط پٹرول ڈالدیا تو گاڑی یاتو بالکل نہیں چلے گی یا گڑبڑ اورڈزڈز کے ساتھ معمولی مسافت تک ناقص رفتار کے ساتھ چلے گی، بالکل اسی طرح انسان کا پیٹ انسانی جسم کی رفتار کے لئے ٹینکی ہے اب اگر آپ نے اس ٹینکی میں حلال رزق ڈالاتو یہ جسم اپنی رفتار میں لحہ بہ لحہ صحیح سمت اور درست صورت اختیار کرے گا اوراپنے ہر نقل وحرکت میں اچھے اعمال اوراچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے گا۔لیکن اس پیٹ میں اگر آپ نے حرام مال بھردیا تو پورا جسم اپنے احساسات وخیالات اپنے عقائد واعمال اپنے اخلاق وکردار میں صحیح رخ کے بجائے غلط رخ پر چل پڑے گا اور جسم کے ظاہر وباطن میں گڑبڑ اور ڈزڈز شروع ہوکر پورا جسم تباہ وبرباد ہوجائے گا اور جس سمت پر یہ شخص جائے گا سامنے والے کو ضرور نقصان پہنچائے گا کیونکہ حرام لقمہ جب پیٹ میں پہنچتا ہے تو اس سے حرام خون بنتا ہے اور خون انسان کی تمام رگوں اور شریانوں میں جا پہنچتا ہے اس لئے پاؤں سے لے کر ہاتھوں تک اور دلوں سے لے کر دماغوں تک جسم کے تمام حصے متاثر ہوجاتے ہیں اور گویا یہ حرام مال پیٹ میں لاتیں مارتا ہے جس کی وجہ سے ظاہری جسم ناشائستہ حرکات پر اتر آتا ہے، چنانچہ میں نے طالبعلمی کے زمانے میں مدرسہ کی مسجد میں ایسے دو بوڑھوں کو دیکھا جن کی آنکھیں کام کرنے سے عاجز تھیں اور دونوں بذریعہ عصاء بمشکل مسجد میں نماز کے لئے تشریف لاتے تھے دونوں بوڑھے جماعت کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ کسی بات پر ایک بوڑھے نے دوسرے بوڑھے کو تھپڑ مارا میرے استاد نے دیکھا تو فرمانے لگے کہ یہ عاجز بوڑھے کہاں مارنے کے قابل ہیں یہ حرکت ان کی نہیں ان کے پیٹوں میں ایک حرام غذا پہنچی ہے جو اندر اندر لاتیں ماررہی ہے اوران کو بھڑکارہی ہے سامری کا بچھڑا حرام وحلال کی اسی کشمکش میں پاں پاں کرنے لگا تھا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے لکھا ہے کہ اسّی فیصد گناہ کے اسباب حرام اورناپاک غذا ہے

اور بیس فیصد گناہ دیگر خواہشات کی وجہ سے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے حلال کمائی پر زور دیا ہے اور اس کو فرض قرار دیا ہے تاکہ انسان حرام خوری اور چوری سے بچ جائے نیز دوسروں کے حقوق کی پامالی اور سودخوری سے بچ جائے، عزت سے کمائے اور عزت سے کھائے نہ اپنوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور نہ غیروں سے چمٹ چمٹ کر کچھ نکلوائے، اسی سلسلہ کسب حلال کے متعلق قرآن وحدیث کے چند ارشادات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

کسب حلال قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں جابجا حلال کھانے کا ذکر آیا ہے اسی طرح طیب اور طیبات کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ حلال کھانے کمانے کی ترغیب دی ہے اور حرام سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ بقرۃ کی آیات نمبر ۵۷، ۱۶۸، ۱۷۲، ۲۶۷ میں حلال طیب اور پاکیزہ چیزوں کے کھانے کمانے اور حرام وناپاک چیزوں سے اجتناب کرنے کی تاکید کی ہے۔ سورۃ اعراف میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے حلال کھانے اور استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے۔ سورۃ انفال کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حلال کھانے اور حلال میسر ہونے پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ یونس میں رزق حلال عطا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان وعطیہ قرار دیا ہے۔ سورۃ نحل میں دو آیتوں میں رزق حلال کو اللہ تعالیٰ نے بطور احسان ذکر کیا ہے اور اس پر شکر بجالانے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ایک جگہ حلال وطیب کا ذکر آیا ہے۔

سورت طٰہٰ میں ایک جگہ رزق حلال کھانے کا حکم دیا ہے، سورت مؤمنون میں انبیاء کرام کو حلال کھانے اور نیک کام کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، سورۃ سبا میں حلال کھانے اور شکر بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ غافر میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورت شکل اور رزق حلال دینے کا بطور احسان وانعام ذکر فرمایا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ جاثیۃ میں انسانی فضیلت اور اس کو رزق حلال کی نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ تو طیب اور طیبات کے حوالے سے چند آیتوں کی نشاندہی کی گئی۔ اس کے علاوہ کسب حلال اور رزق حلال کے عنوان سے مزید کئی آیتیں اور سورتیں ہیں جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق حلال کے کھانے کمانے کی کتنی اہمیت ہے اور حرام سے کس طرح نفرت ہے۔ ان آیتوں کے تحت علامہ عثمانیؒ اور دیگر تفاسیر میں بڑی تفصیلات ہیں۔ علامہ عثمانیؒ کی تفسیر سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں سے کھاؤ بشرطیکہ وہ شرعاً حلال وطیب ہو۔ نہ تو وہ فی نفسہ حرام ہو جیسے مردار اور خنزیر اور غیر اللہ کا نامزد، اور نہ کسی امر عارضی سے اس میں حرمت

آ گئی ہو جیسے غصب، چوری، رشوت، سود کا مال کہ ان سب سے اجتناب ضروری ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۱)

علامہ مزید فرماتے ہیں کہ صدقہ مقبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمائی کا ہو، حرام کا مال اور شبہ کا مال نہ ہو اور اچھی سے اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے بُری چیز خیرات میں نہ لگائے۔ (ص ۵۷)

علامہ مزید لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام چیز سے بہتر ہے عقلمند کو چاہئے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے گند اور خراب چیز کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔ (ص ۱۶۵)

ایک اور مقام پر علامہ مزید لکھتے ہیں یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے نیک کام سب خلق جانتی ہے، چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال، صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی امتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ (ص ۴۶۰)

قرآنی آیات و تفسیرات کے بعد رزق حلال کے متعلق چند احادیث بھی سماعت فرمائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَفْضَلُ الاَعْمَالِ الْکَسْبُ مِنَ الْحَلَالِ''

حلال طریقے سے روزی کمانا تمام اعمال میں افضل ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے ''طَلَبُ الحَلَالِ وَاجِبٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ''

حلال روزی تلاش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ کی کمائی کے کھانے سے بڑھ کر کسی نے اچھا کھانا نہیں کھایا اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک وہ کھانا سب سے عمدہ اور بہتر ہے جو تم نے اپنے کمائی سے کھایا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے افضل ذریعہ معاش کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نیک تجارت اور اپنے ہاتھ کی کمائی۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک وہ کھانا سب سے بہتر اور عمدہ ہے جو تم نے اپنے کمائی سے کھایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص حلال مال کما کر خود کھائے یا اللہ کے بندوں میں سے کسی کو کپڑا پہنائے تو اس سے اس شخص کے گناہ کی تطہیر ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے بشارت اور مبارک باد ہے جس کی کمائی پاکیزہ ہو اور اس کا باطن عمدہ اور اعلیٰ ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ و مامون ہوں۔

طبرانی میں مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا'' جو شخص محنت و مزدوری سے تھک کر شام کرتا ہے تو اس کی وہ شام مغفرت کی شام ہوتی ہے۔ دیلمی سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے کو کسب حلال میں تھکا ہوا دیکھے۔

طبرانی اور بیہقی میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسب حلال میں پیشہ ور اور کاریگر مسلمان کو محبوب رکھتا ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ کوئی بھی شخص رزق حلال کی طلب سے بے ہمت ہو کر نہ بیٹھے۔

(احیاء العلوم ج ۱ ص ۵۷)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذاؤں سے محفوظ رہے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

حضرت سعدؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات بنائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے سعد اپنا کھانا پاکیزہ اور حلال بنالو تو مستجاب الدعا ہو جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ)

نوٹ: مذکورہ احادیث یکجا طور پر حضرت مولانا اجمل خان صاحب کی کتاب ''اسلام اور رشوت'' میں حوالہ کے ساتھ درج ہیں۔

کنز العمال ج ۴ میں ایک حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے سب سے پاکیزہ اور حلال کمائی مال کا وہ حصہ ہے جو اللہ کے راستے جہاد میں مالِ غنیمت سے حاصل ہو جائے۔

اوپر والی حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ سب سے افضل کمائی جہاد کے راستے میں کفار سے حاصل شدہ مال غنیمت ہے علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں سورۃ بقرہ ص ۳۴۷ پر لکھا ہے کہ علماء نے کسب معاش میں ترجیح کے متعلق لکھا ہے کہ بہترین کسب جہاد وغزوہ میں حاصل شدہ مال ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر نبی کو ایک پیشہ دیا گیا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا پیشہ دیا ہے۔

انبیاء کرام کے پیشے

حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ زراعت تھا، حضرت نوح علیہ السلام کا پیشہ نجار اور بڑھئی کا تھا حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کیا کرتے تھے، حضرت ہود علیہ السلام وحضرت صالح علیہ السلام دونوں کا پیشہ تجارت تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیشہ اور ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام کا ذریعہ معاش بکریوں کے پالنے سے تھا اسی طرح کا ذریعہ معاش حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی تھا حضرت لوط علیہ السلام کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کا پیشہ زرہ بنانے کا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام ٹوکریاں بنا کر کماتے تھے، حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش جہاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روزی کو آپؐ کے نیزہ کے سایہ میں رکھا تھا چنانچہ بالآخر مدنی دور میں آپ کو یہ روزی عطا کی گئی۔ (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۲۴۵)

حکایت ۱ : حضر سعد بن معاذؓ ایک محنت کش صحابی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا تھا چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ سے مصافحہ کیا تو ان کے ہاتھوں میں سختی محسوس فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی جس پر انہوں نے جواب دیا کہ بچوں کے لئے بیلچہ اور کسلہ چلاتا ہوں اس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا اور فرمایا کہ ان ہتھیلیوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ (مبسوط سرخسی ج ۳)

حکایت ۲ : امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں مہمان ہوئے، امام احمدؒ نے نہایت اہتمام سے بیٹی سے کھانا تیار کروایا اور کہا کہ یہ میرا عظیم استاد یکتائے روزگار ہیں متقی و پرہیز گار ہیں، بیٹی نے کھانا بھجوایا اور پانی کا لوٹا برائے نماز تہجد رکھوایا۔ امام شافعی نے خوب کھانا کھایا اور صبح تک مطالعہ میں وقت گزارا۔ بیٹی نے باپ سے کہا کہ یہ کیسا پرہیز گار ہے؟ اس نے ایک تو کھانا بہت زیادہ کھایا دوسرا یہ کہ تہجد نہیں پڑھی اور صبح کی نماز کے لئے وضو بھی نہ کیا کیونکہ پانی کا لوٹا بھرا پڑا ہے۔ دریافت پر امام شافعی نے جواب دیا کہ یہ کھانا حلال وطیب تھا جس میں حلال کی نورانیت تھی، میں نے اسی لئے زیادہ کھایا اور اسی کی وجہ سے رات بھر مسائل میں غور کرتے ہوئے صبح کی اور عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی۔ امام احمدؒ نے فرمایا اے بیٹی ان لوگوں کو اللہ نے کسی اور کام کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ (تقریر مدنی)

حکایت ۳ : دیوبند میں عبداللہ شاہ نامی ایک شخص تھا جو گھاس بیچ کر پیسہ کماتا تھا کچھ پیسہ بچا بچا کر دیوبند کے مدرسین کی دعوت کیا کرتا تھا، حضرت علماء کرام اس شخص کی معمولی سے دعوت کا انتظار کیا کرتے تھے

کیونکہ مہینہ بھر تک اس کھانے کی نورانیت باقی رہتی تھی۔

اللہ تعالیٰ حلال کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العٰلمین

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلمان نا بود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہے جنہیں دیکھ کر شرمائے یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

قرآن وحدیث

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (سورة الجمعة ۱۰)

﴿وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ (سورة نبأ آیت ۱۱)

﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (الاعراف آیت ۱۰)

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ.

اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ.

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرَائِضِ. (رواه الطبرانی والبیهقی فضائل تجارت ص ۲۳)

۲۹ رجب ۱۴۱۶ھ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

کسب حرام کی تباہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے“ (نساء ۲۹)

وقال علیه السلام "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جسم حرام مال سے پلا ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوۃ)

یَحُجُّوْنَ بِالْمَالِ الَّذِیْ یَجْمَعُوْنَهُ
حَرَامًا اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ الْمُحَرَّمِ

لوگ بیت اللہ شریف کا حج اس حرام مال سے کرتے ہیں جو انہوں نے ناجائز طریقے سے کمایا ہے۔

مَا یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا كُلَّ طَیِّبَةٍ
مَا كُلُّ مَنْ حَجَّ بَیْتَ اللّٰهِ مَبْرُوْرٌ

محترم حاضرین!!

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے روکا ہے اور یہ بھی ایک ظلم ہے کہ کوئی شخص ناجائز طریقہ سے کسی کا مال کھائے حرام لقمہ پیٹ میں پہنچنے سے آدمی کا پورا جسم بگڑ جاتا ہے کیونکہ اس لقمہ سے خون بنتا ہے اور خون جسم کی تمام رگوں اور شریانوں میں دوڑتا ہے اگر یہ خون حرام مال سے بنا ہو تو پورا جسم حرام لقمہ کھانے سے متاثر ہوگا جس کا اثر دماغ اور دل پر بھی پڑتا ہے اور دل و دماغ جب فاسد ہوگئے تو پورا جسم تباہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے قرآن عظیم کی کئی آیات میں مالِ حرام کے کھانے کمانے سے منع کیا گیا ہے احادیث مقدسہ میں مال حرام کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

قرآن وحدیث میں جو اجمال رہ گیا اس کی تشریح وتوضیح فقہاء کرام نے فقہ میں کردی ہے کیونکہ فقہ جو فتویٰ اور دفعات کی شکل میں ہمارے پاس ہے وہ قرآن وحدیث کی تشریح اور وضاحت ہی ہے کوئی الگ

چیز نہیں ہے۔حرام کمائی سے قرآن نے بھی منع کیا ہے حدیث میں بھی ممنوع ہے فقہ میں بھی اس کو ناجائز کہا گیا ہے اور ہم دن رات اسی میں لگے ہوئے ہیں کھا پی رہے ہیں مزے اڑا رہے ہیں یاد رکھو حرام مال منہ میں اگرچہ مزیدار لگے گا مزہ آئے گا لیکن وہ انجام کے اعتبار سے تباہ کن ہوگا کیونکہ اس کی پاداش میں کمانے والا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی اولاد کو بھی جہنم میں پہنچادے گا۔ سچ ہے ۔

ہے کیا اچھا کہ وہ بت بات میری مان جاتا ہے
مزہ بے حد تو آتا ہے مگر ایمان جاتا ہے

آج کل آپ دیکھیں کہ پوری دنیا کا اقتصادی نظام ایک طرز پر چل رہا ہے اور جو طرز وطریقہ تجارت میں کفار کا ہے وہی طرز وطریقہ مسلمانوں کا ہے حالانکہ مسلمانوں کے پاس اپنا اسلامی اقتصادی نظام موجود ہے لیکن مسلمانوں کے جو حکمران ہیں یہ غیر مسلموں کے ایجنٹ اور کارندے ہیں انہوں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ہمارے اس ملک کے لئے اسلامی طرز کی تجارت اور معیشت کی ضرورت ہے بلکہ جو کچھ نظام تجارت کفار نے وضع کیا ہے مسلمانوں نے من وعن اس کو قبول کرلیا ہے۔ظاہر بات ہے کہ کفار نے اس نظام کو ہمارے لئے کوئی اسلامی اصولوں پر وضع تو نہیں کیا ہے بلکہ سارا نظام حرام پر چلایا ہے جس سے ہم بھی تباہ ہورہے ہیں ہمارا ملک بھی تباہ ہورہا ہے اور ہمارے حکمران بھی تباہ ہوچکے ہیں۔عوام الناس کو صحیح رخ پر ڈالنا اور چلانا حکومت وقت کی اسلامی ذمہ داری ہے۔حضرت عمر فاروقؓ نے تاجروں کے لئے ایک سرکاری فرمان جاری کیا تھا کہ جو تاجر اسلامی اصولوں کے مطابق خرید وفروخت نہیں جانتا اس کی دکان بند کردی جائے اس حکم کی وجہ سے لوگوں نے اسلامی طرز پر خرید وفروخت کے مسائل سیکھے اور ہر دکان ایک اسلامی مدرسہ بن گیا دین بھی ہاتھ آیا اور دنیا بھی ہاتھ آئی مگر ہمارے حکمرانوں نے آج کل عوام کو سیکولرازم کے راستے پر ڈال دیا ہے کہ جو شخص جو کچھ کرنا چاہے وہ آزاد وخود مختار ہے اس طرح معاشرہ بگڑ گیا اور لوگ تباہ ہوگئے۔

ہمارے ملک کے بینکوں کا پورا نظام سود پر چل رہا ہے اور پورا معاشرہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان بینکوں کی وجہ سے سودخوری میں مبتلا ہے، بینک میں کرنٹ اکاونٹ کے علاوہ تمام کاروبار دوطرفہ سودی کاروبار ہے کرنٹ میں بھی صرف مالک کو سود نہیں دیا جاتا ورنہ آگے مالک کا پیسہ پھر بھی کسی اور شعبہ میں سود میں لگا رہتا ہے اس پوری تباہی کی ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے حالانکہ سودی کاروبار سے نجات کے لئے شریعت کے پاس مکمل نظام معیشت اور اقتصادی معاشی نظام موجود ہے۔صرف اس کو درست

کرنے کی ضرورت ہے اور درست کرنا کوئی مشکل بھی نہیں ہے کیونکہ مضاربت یعنی نفع ونقصان کے اصول کے تحت پورا نظام حلال کمائی کا بن سکتا ہے۔ سودی کاروبار اور مضاربت میں فرق صرف اتنا ہے کہ سود میں نفع لگا بندھا رہتا ہے چاہے نفع کم ہو یا زیادہ ہو نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا اصلی مال ہلاک ہو جائے یا باقی رہے مالک کا مال اور اس کا پورا نفع اس کو ہر حال میں ملے گا لیکن مضاربت میں "اَلْغُنْمُ بِالْغُرْمِ وَالْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ" یعنی نفع اس صورت میں حلال ہے کہ نقصان کی ذمہ داری بھی مالک پر ہو نفع ونقصان میں طرفین شریک ہو مثلاً مالک کا مال تاجر نے تجارت میں لگا دیا ہے تاجر کی محنت ہے اور مالک کا مال ہے لیکن منافعہ کبھی گھٹتا ہے کبھی بڑھتا ہے اور اگر کوئی نقصان متوجہ ہو جائے تو پہلے منافع کی طرف متوجہ ہوگا اور پھر اصل مال کی طرف متوجہ ہوگا اسلام میں یہ جائز نہیں کہ مالک کا مال ہر حالت میں باقی رہے اور اس کو صرف منافع ہی ملتا رہے نقصان کا منہ کبھی دیکھنا ہی نہ پڑے یہی وجہ ہے کہ قرض کی رقم پر کسی کا منافع وصول کرنا عین سود ہے۔

حدیث میں ہے "كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبَوا" یعنی ہر قرض جو مقروض و مدیون سے کوئی فائدہ حاصل کرے وہ سود ہے اسی لئے گروی کے طور پر جو چیز راہن کی طرف سے مرتهن کے پاس رکھی جاتی ہے وہ قرض کے وصولی کے لئے ایک وثیقہ ہوتا ہے اور اطمینان اور تسلی کے لئے ہوتا ہے تاکہ مدیون بھاگ نہ جائے یا بھاگنے کی صورت میں گروی رکھی ہوئی چیز سے قرض کے حصول کا انتظام ہو سکے، لہٰذا گروی چیز سے کسی طور پر کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا حرام اور سود ہے جو اسلام میں حرام ہے۔ میں آپ کو صرف اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ کم از کم ہمارے دل و دماغ میں حلال وحرام کی تمیز باقی رہے ہمیں صرف اتنا احساس ہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے اور مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ حلال کو کمائے اور حرام سے اجتناب کرے دیکھئے کتنے ایسے بیوعات اور معاملات اور خرید و فروخت اور کاروبار ہیں جس میں ہم مبتلا ہیں اور اس کے حلال وحرام کی ہمیں بالکل تمیز نہیں اور نہ سمجھنے سوچنے اور احتیاط کرنے کی فکر ہے ان بیوعات کی فہرست ابھی آنے والی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آجائے گا کہ کوئی شخص کسی قسم کی پرواہ نہیں رکھے گا کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے آیا وہ حلال سے ہے یا حرام سے، آج کل وہی دور ہے بس اتنا سوچتے ہیں کہ مال چاہئے۔ آگے یہ نہیں سوچتے کہ حلال سے ہے یا حرام سے ہے مثلاً دیکھئے ایک آدمی یہاں کراچی میں بیٹھا ہوا ہے اور فرانس جاپان جرمنی یا انگلینڈ سے ٹیلیفون کے ذریعہ سے مال خرید تا ہے

اور بغیر دیکھے ٹیلیفون کے ذریعہ سے دوسرے پر وفروخت کردیتا ہے وہ بن دیکھے تیسرے اور چوتھے پر فروخت کرتا ہے اور پھر کہیں جا کر وہ مال کراچی پہنچ جاتا ہے یہ پورا کاروبار غلط ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں اس کو اسلامی اصولوں کے مطابق کرنا کوئی مشکل بھی نہیں ہے صرف اتنا کرنا ہے کہ جہاں سے مال خریدا ہے وہاں اپنا وکیل دلال یا نمائندہ مقرر کرلے تاکہ وہ خریدا ہوا مال دیکھ لے اور پھر قبضہ میں لے لے اس کے بعد مالک کسی اور جگہ فروخت کردے، اتنی سی بات سے پورا کاروبار حلال ہوجاتا ہے لیکن اس کی کون اور کیوں احتیاط کرے گا جبکہ ذہن میں حلال وحرام کی تمیز ہی نہ ہو۔ اسی طرح فاسد خرید وفروخت کے ذریعہ سے مختلف ملکوں سے مال آتا ہے اور ہم اس کو استعمال کرتے ہیں۔

اب آپ چند بیوعات کے نام سنیں یہ ایسے نام ہیں کہ جس کو سن کر آپ حیران ہوجائیں گے کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ یہ خرید وفروخت کی وہی صورتیں ہیں جس میں ہم روزمرہ کے کاروبار میں مصروف کار ہیں مثلاً **بیع مزابنہ، بیع منابذہ، بیع ملامسہ، بیع بالرقم، بیع کالئی بالکالئی، بیع بالخرص، بیع محاقلہ، بیع بشرط خیار العیب، بیع بشرط خیار الرؤیۃ، بیع اقالہ، بیع مرابحہ بیع تولیہ، بیع ثنیا، بیع مناجشہ، بیع تصریہ، بیع حاضر لباد، بیع العربان، بیع المضطر، بیع الغرر، بیع شرکۃ الصنائع، بیع شرکۃ الوجوہ، بیع الرھن، بیع السلم، بیع الصرف اور بیع المعاومۃ**۔ یہ اور اس قسم کے بیوعات جس میں بعض جائز اور اکثر ناجائز ہیں مگر ہم بالکل اس سے ناآشنا ہیں حالانکہ ہم مسلمان تاجر ہیں اسلام کا دعویٰ ہے اور پھر بھی یہ حال ہے۔ میں ان سے آخر کے دو ناموں کی تشریح کرتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ واقعی ہم اس میں ملوث ہیں اور غلطیاں کررہے ہیں۔ مثلاً بیع صرف یہ نقود کے بدلے نقود کا سودا ہے یعنی سونے کے بدلے سونا یا چاندی کے بدلے چاندی یا نوٹوں کے بدلے نوٹ اس میں ادھار حرام ہے ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہئے اور برابر برابر ہونا چاہئے، کمی بیشی اور ادھار نہ ہو ورنہ سودی کاروبار بن جائے گا۔ اب دیکھیں دن بھر ہم ایک دوسرے سے کھلا پیسہ لیتے دیتے رہتے ہیں اور اس میں نئے نوٹ اور پرانے میں فرق کرتے ہیں یا فقط کھلا پیسہ دینے میں سو کے نوٹ میں تین چار روپے زیادہ لیتے ہیں یہ خالص سود ہے یا صبح کو نوٹ دیا اور کہا کہ شام کو کھلا دیجئے یہ سب حرام ہے اور ہم اس کا خیال نہیں رکھتے ہیں اسی طرح **بیع معاومہ** اور **بیع بالسنین** ایک ہی چیز ہے یعنی کئی سال کے لئے ایک باغ کا سودا کرلیا کہ پانچ سال تک یہ باغ تمہارا ہوگیا مجھے تم پانچ لاکھ روپے دے دو یہ ناجائز ہے اور اس کے جائز کرنے کا آسان طریقہ یہ کہ ہر سال جب کچا پھل نمودار ہوجائے تو بیا

سودا لگایا جائے، کیونکہ پھل ظاہر ہونے سے پہلے اگر سودا ہو گیا تو ممکن ہے کہ پھل ہی نہ آئے اور بائع نے دوسرے آدمی کا پیسہ اس طرح مفت میں کھالیا۔ اکثر و بیشتر باغات کا مال اسی طرح ٹھیکہ سسٹم پر بازار تک آتا ہے اور ہم دکانوں سے خریدتے ہیں اور کھاتے ہیں حالانکہ وہ باغ ہی سے دکان تک غلط طریقے سے پہنچا ہوا ہے اسے کھا کر ایمان بنے گا یا بگڑے گا؟ ایمان میں نور آئے گا یا تاریکی آئے گی؟ اس پورے نظام کو درست کرنے کی ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے لیکن حکومت اسلامی تو ہو؟ اس طرح غلط حکمرانوں نے ہمیں بھی ڈبو دیا اور خود بھی ڈوب گئے اور ملک بھی تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ حلال کما کر کھانا اتنا مشکل ہو گیا جتنا کمہار کے پاس کانچ کا برتن تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مال حرام سے متعلق چند احادیث

وعن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم لَا يَدْ خُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلیٰ بِهٖ (رواہ احمد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گوشت کی نشو و نما حرام مال سے ہوئی ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا اور حرام مال سے پیدا شدہ گوشت کے لئے آگ ہی مناسب ہے۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی درجۂ تقویٰ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اس حلال کو ترک نہ کرے جس سے حرام میں پڑنے کا خطرہ ہو۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص نے دس درہم میں ایک کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا آیا تو جب تک وہ کپڑا اس شخص کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص گناہ اور ناجائز طریقے سے مال کماتا ہے پھر وہ اس سے عزیزوں کی امداد کرتا ہے یا راہ خدا میں اس کو خرچ کرتا ہے یہ سب قیامت کے روز جمع کر کے اس آدمی سمیت دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو آدمی حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈال دیتا ہے اس کے چالیس دنوں کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا اور جو جسم حرام مال سے پرورش پائے آگ اس کے لئے بہتر ہے۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ جب آدمی حرام مال کے ذریعہ حج کو جاتا ہے

اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ آسمان سے کہتا ہے کہ نہ تیرا لبیک مقبول ہے نہ سعدیک مقبول ہے تیرا توشہ حرام کا ہے تیرا خرچہ حرام ہے تیرا حج نامقبول اور معصیت ہے۔

ایک طویل حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کھانے کمانے اور خرچ کرنے کا ذکر کیا ہے اور پھر ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا کہ جس نے طویل سفر کیا ہو غبار آلود اور پراگندہ بال ہو دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر اس طرح دعا مانگتا ہو کہ اے میرے رب! اے میرے رب!! لیکن اس کا کھانا پینا حرام سے ہو لباس حرام کا ہو اور حرام مال سے اس کی پرورش ہوئی ہو تو اس کی یہ دعا کیونکر قبول ہوگی؟؟ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز محشر میں کوئی بندہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکے گا جب تک اس سے چار سوالوں کا جواب نہ لیا جائے۔ (۱) اپنی عمر کس کام میں فنا کی؟ (۲) جوانی کس شغل میں برباد کی؟ (۳) مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا؟ (۴) اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا ہے؟

حکایت ا: ایک اللہ والا شخص حلال کمانے والا آدمی تھا ان کے پاس ایک دنیا دار آدمی آیا اور کہا میرا یہ مال کسی صحیح اور مستحق شخص کو صدقہ کر دیں، شیخ نے جواب دیا کہ مال کو پہلے حلال بناؤ پھر وہ خود صحیح جگہ میں خرچ ہوگا۔ دنیا دار نے اصرار کیا تو شیخ نے کہا یہاں سے نکل کر راستے میں جو شخص سامنے آ کر ملے اسے دے دو دنیا دار جب نکلا تو سامنے سے ایک نابینا شخص آیا جو فقیر بھی تھا اور نابینا بھی تھا اس دنیا دار نے یہ رقم اس کو دے دی اور خوش ہوا کہ صدقہ اچھی جگہ چلا گیا دوسرے دن اس مالدار کا اسی نابینے پر گذر ہوا جو اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ گذشتہ رات ایک شخص نے مجھے اتنی رقم دی تھی جس سے میں نے خوب شراب پی لی اور رنڈی کے پاس مزے کی رات گذار دی۔ دنیا دار نے یہ داستان سنی تو شیخ کے پاس آیا اور پریشانی کا اظہار کیا، شیخ نے اپنے جیب سے ایک درہم دے دیا اور کہا کوئی راستے میں تجھے ملے یہ درہم اس کو دے دینا، دنیا دار کے سامنے راستے میں ایک سفید پوش خوش پوشاک وخوش منظر شخص آیا دنیا دار نے کچھ تأمل کیا مگر شیخ کے حکم کے مطابق درہم ان کو دے دیا وہ شخص ایک ویران مکان سے جلدی جلدی گذر گیا یہ دنیا دار بھی اس کے پیچھے گیا اس نے دیکھا کہ آگے کھنڈر میں ایک مردار کبوتر پڑا ہے مالدار نے اس شخص کو قسم دے کر حقیقت حال معلوم کرنا چاہی تو اس شخص نے کہا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے پریشان تھے میں نے یہ مردار کبوتر اٹھا لیا تھا کہ اس کو کھا لیں گے لیکن جب آپ نے درہم دے دیا تو میں نے کبوتر پھینک دیا کہ اب میرے لئے مردار کبوتر کھانا حلال نہیں ہے۔ (مرقات شرح مشکوۃ)

حکایت ۲! حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام نے ایک دفعہ آپ کو مشتبہ مال کا ایک لقمہ کھلایا معلوم ہونے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حلق میں انگلی ڈالی تاکہ قے ہو جائے مگر خالی پیٹ سے ایک لقمہ کہاں باہر آ سکتا تھا لہٰذا آپ نے پیٹ بھر پانی پی لیا اور پھر وہ لقمہ قے کے ذریعہ سے نکالا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت! ایک لقمہ کے لئے اتنی تکلیف اٹھا رہے ہو؟ فرمایا اگر میری جان کے ساتھ یہ لقمہ نکلتا میں پھر بھی نکالتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بدن مال حرام سے پرورش پائے اس کے لئے آگ ہی بہتر ہے مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ لقمہ بدن کا حصہ نہ بن جائے۔ (مشکوٰۃ)

حکایت ۳! ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ کو صدقہ کے اونٹوں کا دودھ پلایا پینے کے بعد آپ نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا تھا، اس شخص نے کہا کہ صدقہ کے اونٹوں سے وہاں کے لوگوں نے مجھے دے دیا تھا، حضرت عمر فاروقؓ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرمایا۔ (مؤطا)

حکایت ۴! حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ نے اپنا ایک قصہ سنایا ہے کہ ایک رئیس کے گھر سے کچھ لڈو آئے تھے اس میں سے ایک لڈو میں نے کھالیا جس کا یہ برا اثر ہوا کہ مجھے بار بار وسوسہ آتا رہتا تھا کہ نعوذ باللہ کوئی خوبصورت عورت ملے اور میں اس سے متمتع ہو جاؤں میں سخت پریشان ہوا اور خدا خدا کر کے ایک ماہ بعد اس کا اثر زائل ہوا۔ (دعوت عبدیت حصہ ہشتم)

محترم سامعین دیکھیں یہ ہے حرام خوری کی تباہ کاریاں کہ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔ ہمیں چاہئے کہ سوکھی روٹی کھائیں لیکن حرام غذا سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں۔

آمین یا رب العٰلمین

حیدری ضرب ہے نہ دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

پَر تیرے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ کرسکا

احادیث

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِیْ جَوْفِہٖ مَایُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا. (الترغیب والترهیب ۲۰۷/۳)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ. (حواله بالا)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اِشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِیْہِ دِرْهَمٌ مِنْ حَرَامٍ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَهٗ صَلٰوةً مَادَامَ عَلَیْہِ. (الترغیب والترهیب ۲۰۸/۳)

۶ شعبان ۱۴۱۶ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۹۵ء
مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

حرام آمدن کی صورتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (بقرہ ۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ درانحالیکہ تم جان رہے ہو''.

وقال علیہ السلام اَلرَّاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ فِی النَّارِ .

''حضورؐ نے فرمایا رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے.

وقال علیہ السلام مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا

''حضور اکرمؐ نے فرمایا جس شخص نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے''.

محترم سامعین:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حلال کھانے، حلال کمانے کا حکم دیا ہے تاکہ انسان کا جسم حرام کی گندگی سے بچ جائے، ہر مسلمان کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ جس لقمے کو ہاتھ میں اٹھا رہا ہے آیا وہ حلال کا ہے یا حرام کا ہے تاکہ کل قیامت کے دن اس کو کوئی پریشانی نہ ہو. اللہ تعالیٰ نے تمام حدود متعین فرمادی ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام حدود کی تشریح فرمادی فقہائے کرام نے حلال اور حرام کے امتیازات کو واضح طور پر بیان کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل دی ہے اس عقل سے ہر آدمی جائز اور ناجائز کے فرق کو محسوس کر سکتا ہے کسی بے ہوشی یا مدہوشی میں حرام لقمہ خود بخود پیٹ میں نہیں اترتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے منہ کے سامنے ہونٹوں کا پہرہ رکھا ہے پھر اسکے بعد منہ کے لئے دانتوں کی چہار دیواری ہے پھر اسکے بعد حلق سے لقمہ اتارنے کے لئے مستقل گلے پر دباؤ ڈال کر لقمہ کو پیٹ تک پہنچایا جاتا ہے یہ کوئی انجانی کا معاملہ نہیں بلکہ قصد اور ارادہ کے ساتھ ایک حرام خور قرآنی حکم اور فرمان نبویؐ کو توڑتا ہے اور روحانی حد بندی کے ساتھ ساتھ وہ حسی حد بندی کو بھی توڑ رہا ہے اور حرام لقمہ پیٹ تک پہنچاتا ہے. یہ اس انسان کا قصدی اور عمدی فعل

ہے۔یہ شخص اپنے اس فعل کا جوابدہ اور ذمہ دار ہے۔ ۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی
اس حرام لقمہ کو کسی نے زبردستی اس کے حلق میں نہیں اتارا ہے کہ کل قیامت کے دن یہ کہدے کہ میں مجبور تھا معذور تھا میرا کیا قصور تھا؟

رشوت

(۱) علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبیؐ ج ۶ ص ۱۰۷ پر رشوت کی اس طرح تعریف لکھی ہے کہ.
''رشوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ کو پورا کرنے کیلئے کسی ذی اختیار اور کارپرداز شخص کو کچھ دے اور فیصلہ اپنے موافق کرالے.

(۲) بعض نے یہ تعریف کی ہے: اَلرِّشْوَۃُ مَایُعْطیٰ لِاِبْطَالِ حَقٍّ اَوْ لِاِحْقَاقِ بَاطِلٍ .

''رشوت وہ چیز ہے جو کسی حق کے باطل کرنے یا کسی ناحق کو حق ثابت کرنے کے لئے دی جائے''.

(۳) بعض نے رشوت کی تعریف اس طرح کی ہے۔رشوت وہ چیز ہے جو اپنے حق میں فیصلہ لینے کے لئے یا اپنی موافق کرنے کے لئے کسی حاکم وغیرہ کو پیش کی جائے.ان ساری تعریفات کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے.اسلام نے رشوت لینے اور دینے کو حرام قرار دیا ہے اور رشوت کے علاوہ بھی ناجائز طور پر کسی کے مال دبانے کو حرام قرار دیا ہے.ایک حدیث میں ہے۔

"لَایَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ خَاطِرٍ مِنْہُ"

اس حدیث کا مفہوم انتہائی وسیع ہے جو رشوت کے تمام صورتوں کے علاوہ دیگر تمام ناجائز صورتوں کو بھی شامل ہے.جس کا تذکرہ میں آیندہ کروں گا.بہر حال اسلام میں رشوت ایک گھناؤنا جرم ہے جو معاشرہ کو جڑ سے کھوکھلا کرتا ہے اور ہر قانون چاہے وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہو ہر ایک کو بے اثر معطل اور مہمل بناتا ہے جس قوم میں رشوت کی لعنت پھیل جاتی ہے اس قوم میں رشتہ اخوت ختم ہو جاتا ہے،مروت اور کردار کا جنازہ نکل جاتا ہے اور معاشرہ کا ہر فرد کسی نہ کسی طریقے سے رشوت میں ملوث ہو جاتا ہے اور پھر احساس مایوسی کا شکار ہو کر وطن سے نفرت کرنے لگتا ہے.وطن کی سرزمین کی قیمت ختم ہو جاتی ہے اور قوم حکومت وقت کی ذہنی دشمنی میں مبتلا ہو جاتی ہے اگر میری یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں تو کسی محکمہ میں جا کر خود دیکھ لیں اور فیصلہ کرلیں.

حرمت رشوت اور قرآن کریم

سورۃ بقرہ کی جو آیت میں نے پڑھی ہے اس کی تفسیر میں مفسرین اس طرح لکھتے ہیں.

(۱) ابوحیانؒ نے بحر محیط میں لکھا ہے کہ لفظ باطل لوٹ کھسوٹ جوا، کاہن کی شیرینی، رشوت، نجومیوں کی اجرت اور ہر وہ چیز جس کے لینے کی شریعت نے اجازت نہیں دی (ان سب کو شامل اور ان سب پر حاوی ہے)۔

(۲) تفسیر روح المعانی میں باطل سے مراد حرام اور ہر وہ چیز مراد لی ہے جس کے لینے کی اجازت شریعت نے نہیں دی ہے۔

(۳) تفسیر قرطبی میں ہے وہ مال بھی باطل کے حکم میں آتا ہے جو اس کے مالک سے اس کی خوش دلی کے بغیر حاصل کیا جائے۔ ﴿وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ﴾ کے جملہ میں ''اِدْلَا'' کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنا اور کھینچنا ہے۔ عام مفسرین نے اس کو رشوت سے کنایہ قرار دیا ہے، چنانچہ ابوحیان بحر محیط میں لکھتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ حکام کو مال رشوت نہ دو تا کہ وہ تمہارے موافق فیصلہ کر دے۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں حکام ہی رشوت لینے میں زیادہ بدنام ہیں مگر جسے اللہ محفوظ رکھے وہ بہت کم ہیں۔

(۴) تفسیر مدارک میں ہے یعنی برے حکام کو مال رشوت کے طور پر مت دو۔

(۵) عبدالماجد دریا آبادیؒ لکھتے ہیں اسلامی حکومت کا قائم ہونا اور اسلام کے سارے قوانین دیوانی، فوجداری کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے قرآن مجید کی صرف اس آیت پر اگر آج عمل درآمد ہو جائے تو جھوٹے دعوؤں، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں، عہدداروں کی رشوت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حکام کی خدمت میں نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی نہ رہے۔

(تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۷۳)

حرمت رشوت اور احادیث

قال عليه السلام "لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِىْ وَالْمُرْتَشِىْ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ (ابن حبان)

قال عليه السلام " لَعَنَ اللّٰهُ الْاٰكِلَ وَالْمُطْعِمَ الرِّشْوَةَ "

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رشوت کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (کنز العمال)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے اور جو شخص بیچ میں واسطہ اور دلال بنے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں سود پھیل جائے اس پر رعب ڈالا جاتا ہے یعنی رشوت کی نحوست پوری قوم کو بزدل بنا کر کافر

اقوام کی ہیبت ورعب ان پر بٹھا دیتی ہے۔

قال علیه السلام "اَلرَّاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ فِی النَّارِ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشوت دینے اور لینے والا دونوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

ان احادیث واحکام سے رشوت کی حرمت خوب واضح ہوگئی اب ان محکموں کو سنئے جو رشوت کے اس عذاب میں مبتلا ہیں۔

محکمہ پولیس

پاکستان میں پولیس کو کافی اختیارات حاصل ہیں اور قانون کی رُو سے یہ لوگ معاشرتی اور سماجی برائیوں کے ختم کرنے کے پابند بھی ہیں اور ختم کر بھی سکتے ہیں لیکن ان لوگوں نے قانون پاکستان کو صرف اس حد تک پہچان لیا ہے کہ اس کو صبح سے شام تک بیچ بیچ کر کون کتنا کماتا ہے، لہٰذا اب عوام کے سامنے قانون کی حکمرانی نہیں پیسے کی حکمرانی ہے تو جس کے پاس پیسہ زیادہ ہو وہ زیادہ آسانی سے قانون پاکستان کا ایک بڑا حصہ پولیس سے خرید سکتا ہے اور یہاں روزمرہ یہی ہوتا ہے ایک آدمی جب کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے پیسے جمع کر کے پولیس کو دیتا ہے اور پھر جا کر قتل کرتا ہے قانون اسی وجہ سے حرکت میں نہیں آتا کیونکہ وہ پہلے پولیس کے ہاتھوں بک چکا ہوتا ہے جن کے پاس اس سے بھی زیادہ پیسہ ہوتا ہے وہ پورے پولیس اسٹیشن اور تھانے کو خرید لیتا ہے چنانچہ اکثر وبیشتر تھانے کثیر رقم کے عوض بک چکے ہوتے ہیں اب جرائم پیشہ افراد پر پولیس ہاتھ نہیں ڈالتی ہے اس لئے وہ جرائم کا ارتکاب قانونی تحفظ کے تحت کرتے ہیں۔ پھر خانہ پُری کے لئے پولیس بے گناہ افراد کو گرفتار کر کے ان سے مزید رشوتیں وصول کر کے رہا کرتی ہیں۔

منشیات کے تقریباً تمام اڈے پولیس کی نگرانی میں بھتہ پر چلتے ہیں اگر کوئی توبہ کر کے منشیات کے کاروبار کو چھوڑ کر کوئی نیک کاروبار اختیار کرتا ہے تو پولیس اس پر جھوٹا کیس ڈال کر اسے جیل بھیج دیتی ہے، جیب کترے اکثر وبیشتر پولیس کو بھتہ دے کر اپنا کاروبار چلاتے ہیں فحاشی کے سارے اڈے پولیس کی نگرانی میں چلتے ہیں جیل کے اندر جو لوگ خاص پولیس کی تحویل میں ہوتے ہیں اور دوسرے آدمی کی ہوا بھی ان کو نہیں لگتی ہے وہ لوگ سب سے زیادہ جرائم پیشہ ہو جاتے ہیں، جیلوں میں جو کالے دھندے ہوتے ہیں سب کے سب پولیس کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ لوگ قانون کے شکنجے میں آنے کے بعد اچھے ہو جاتے لیکن تجربہ شاہد ہے کہ وہ مزید بگڑ جاتے ہیں باجے گاجے، ڈش انٹینا، وی سی آر، نائٹ کلب،

سینما گھر اور دیگر اخلاق سوز بے ضابطگیاں سب پولیس کی چشم پوشی اور نگرانی میں ہوتی ہیں جہاں پولیس کے اختیارات کم ہوتے ہیں یا بالکل نہیں ہوتے ہیں جیسے قبائلی علاقہ جات وہاں ہر قسم کا امن ہوتا ہے ان قبائلی علاقوں میں ایک بھی آدمی روزہ نہیں کھاتا ہے لیکن اسی علاقہ میں جب پولیس کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے تو ان کی شہ پر لوگ روزہ کھانا شروع کر دیتے ہیں، اگر کوئی شخص ان کو پکڑ کر روکنے کی کوشش کرتا ہے تو پولیس کے ہاں روزہ خور مجرم نہیں بلکہ روزہ کی پابندی کرنے والا مجرم ہوتا ہے، دو ہزار ماہانہ تنخواہ اگر پولیس کی ہوتی ہے تو ماہانہ خرچ اس کا دس ہزار کا ہوتا ہے یہ باقی خرچہ سارا رشوت اور ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔
پولیس میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن وہ شاید ایک ہزار میں ایک خوش قسمت آدمی ہوگا۔ پھر پورا محکمہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس ایک نیک کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے آخر کار ان کو ختم کیا جاتا ہے۔ یہ سارا نقصان رشوت کا ہے پھر پولیس کے بعد عدالتوں میں بھی وکلاء اور بالائی حکام تقریبا تمام مقدمات رشوت کی بنیاد پر نمٹاتے ہیں ہاں جس کو اللہ بچائے وہ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

ایک مظلوم آدمی جسکا باپ بھائی قتل ہو چکا ہوتا ہے جب رپوٹ درج کرانے جاتا ہے تو اس مظلوم سے پولیس منہ مانگے پیسے وصول کرنے کے بعد رپوٹ درج کرتی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ محکمہ پولیس خیر اور بھلائی ختم کرنے اور جرائم کو تحفظ دینے ولا ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ محکمہ پولیس کی بدعنوانی چونکہ متعدی ہوتی ہے اس لئے رشوت ستانی اور بدعنوانی حکومت کے ہر شعبہ میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر سرکاری اہلکاروں کے کردار کی روشنی میں غیر سرکاری ادارے بھی بدعنوان افسران وملازمین کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔

ریلوے کا محکمہ

ریلوے کے اس محکمہ میں اگر آپ دیکھیں گے تو قلی سے لیکر بڑے سے بڑے افسر تک گھپلے کرتے ہیں عوام بے چارے ڈبل کرایہ دے کر ٹکٹ وصول کرتے ہیں اور قلی لوگ افسران بالا اور پولیس کی مدد سے اکثر ٹکٹ خود خرید لیتے ہیں اور پھر کھلے عام بیچتے ہیں چیکنگ کے لئے جو ٹی ٹی صاحبان آتے ہیں اور پلیٹ فارم پر گاڑی رخصت کرنے والے جو افسران ہوتے ہیں رشوت اور بدعنوانی کے تحت یہ لوگ کیا کچھ نہیں کرتے ہیں؟ اس لوٹ کھسوٹ کے باوجود ریل میں پانی اور دیگر ضروریات کا بالکل فقدان رہتا ہے اور اس بھاری رقومات کے وصول کرنے کے باوجود محکمہ ریلوے خسارہ پر چلتا ہے یہی ناگفتہ بہ حالت وطن عزیز کے محکمہ پی ائی اے کی ہے، جس کو بدعنوانیوں نے تباہ کر دیا ہے۔

ٹرانسپورٹ کا نظام

غیر سرکاری ٹرانسپورٹ نظام میں کچھ بدعنوانیاں ہوتی ہیں وہ ظلم اور دھوکہ دہی اور چوری کے زمرے میں آتے ہیں کہ کسی ناواقف سے زیادہ کرایہ وصول کیا مقرر شدہ میٹر سے زیادہ رکشہ اور ٹیکسی والوں نے زیادہ تیز میٹر رکھا یہ ایک ناجائز کاروبار ہے جو اس حدیث کے تحت آتا ہے ''من غشنا فلیس منا ''جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کا پیسہ اس کے خوشدلی کے بغیر ہڑپ کرنا حلال نہیں ہے لیکن سرکاری ٹرانسپورٹ نظام میں جو گھپلے ہوتے ہیں وہ بے انتہاء ہیں ایک ایک سال تک ڈرائیور ڈیوٹی سے غیر حاضر رہتا ہے اور اس کی حاضری رشوت کی بنیاد پر لگتی ہے اور وہ گھر بیٹھے بیٹھے آدھی تنخواہ وصول کرتا رہتا ہے اور آدھی رشوت میں دیتا ہے۔ اور جو ملازمین ڈیوٹی پر آتے ہیں وہ گاڑی کے عمدہ پرزوں میں چوری کا دھندہ شروع کر دیتے ہیں اور گورنمنٹ ٹرانسپورٹ خسارے پر چلتا ہے۔

تشکیل حکومت

خود تشکیل حکومت رشوت کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے پہلے سودے بازی غیر ملکی آقاؤں سے ہوتی ہے جب وہ راضی ہو جاتے ہیں تو پھر ملک کے اندر اسمبلی کے ممبران کو خریدا جاتا ہے اور فوج کے حساس اداروں سے گٹھ جوڑ کر کے حکومت پر قبضہ جمالیا جاتا ہے تو جو حکومت خود رشوت کی بنیاد پر وجود میں آئی ہو وہ دوسرے اداروں سے رشوت کیا خاک ختم کریں گے بلکہ ان کی تقلید میں ہر نااہل رشوت کے زور پر عہدہ حاصل کر لیتا ہے۔

محکمہ کسٹم

کسٹم کا یہ محکمہ عظیم ظلم پر قائم ہے اس کی بدعنوانیاں اس حد تک ہیں کہ اس کا بیان کرنا مشکل ہے بعض مسافر تو اس ظلم کے سامنے چیخ اٹھتے ہیں لیکن ان کی فریاد کون سنے گا، عورتوں کے ہاتھوں سے انگوٹھیاں تک چھینی جاتی ہیں اور پھر بازاروں میں آکر نیلام کی جاتی ہیں جسم کے کپڑے اور زیورات تک اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے جوتے تک چھین کر بازار میں نیلام کیا جاتا ہے اور اس کے خرید و فروخت کے لئے بڑی بڑی دکانیں قائم کی جاتی ہیں جو سب کے سامنے ہے۔

دیگر ادارے

اس بدعنوانیوں سے تعلیمی ادارے بھی محفوظ نہیں، اسکول، کالج اور جامعات میں رشوت کے

زور پر داخلے دئے اور لئے جاتے ہیں پھر سندات اور عہدہ جات بھی رشوت کے ساتھ مربوط ہیں۔ امتحانی نتائج بھی رشوت سے متاثر ہوجاتے ہیں ادھر رشوت کی بھی مختلف قسمیں ہیں کہیں سفارش یا نقد پیسہ چلتا ہے کہیں حسن چلتا ہے اور کہیں تحفے تحائف چلتے ہیں۔

دھوکہ دہی

حرام آمدن کے بعض ذرائع رشوت کے بجائے دھوکہ دہی پر مبنی ہوتے ہیں مثلاً کسی چیز پر مارکہ جاپان کا لکھ کر دیا اور وہ چیز کراچی لانڈھی کی بنی ہوتی ہے، یا اصلی نام پر نقلی مال بیچ دیا، یا مال میں ملاوٹ کر کے غلط مال فروخت کیا، یا ناپ تول میں کمی بیشی کی، یہ سب صورتیں ''من غشنا فلیس منا'' کی وعید میں داخل ہیں اسی طرح مذہبی جماعتیں یا مدارس اسلامیہ میں مالی غبن اور چندہ میں دھوکہ دہی سب ''من غشنا فلیس منا'' میں داخل ہیں اور ناجائز وحرام آمدن کی صورتیں ہیں اہل بدعت کے ہاں کونڈے تیجہ گیارھویں اور مزارات پر چڑھاوے سب ناجائز صورتیں ہیں۔

سرکاری ہسپتال

سرکاری ہسپتال جیسے ہمدرد اداروں میں بھی ڈاکٹروں نے خدمت کی جگہ تجارت کا بازار گرم کر رکھا ہے، مریض دواؤں سے محروم ہیں اور بروقت رشوت ورشتہ داری اور سفارش کے ذرائع نہ ملنے پر بہت سے مریض سسک سسک کر مرجاتے ہیں اور ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا ہے۔ غلط رپوٹ بنانے پر ڈاکٹر زمنہ مانگے پیسے لیکر جعلی رپورٹ تیار کر کے دیتے ہیں اور اگر بن پڑے تو سرکاری دواؤں کو پولیس کی مدد سے ہڑپ کر جاتے ہیں اپنی ڈیوٹی پر سرکاری ہسپتال میں برائے نام حاضری ہوتی ہے۔ اصل مقصود ان ڈاکٹروں کا اپنے کلینک چمکانے اور اس کی ایشوز ہوتے ہیں پھر وہاں بھاری فیس لیتے ہیں اور سرکاری دواؤں کو بھی اس طرف منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اِلّا یہ کہ کسی ڈاکٹر کی اللہ حفاظت کر کے اسے قوم کا ہمدرد بنادے۔

انگلینڈ کا سفارت خانہ

سفارت خانہ کسی بھی ملک کا ہو وہ ملک وقوم کی نیک نامی اور بدنامی کا آئینہ دار ہوتا ہے، سفارت خانہ ہی سے آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ملک وقوم کی اندرونی حالت کیسی ہے ہمیں دنیا کے مختلف ملکوں کے مختلف سفارت خانوں سے محدود پیمانے پر واسطہ پڑا ہے لیکن ہم نے انگلینڈ کا سفارت خانہ جو دیکھا تو ہم

چیخ اٹھے کہ یہ سفارت خانہ نہیں بلکہ مہذب جُوا خانہ ہے کیونکہ وہاں ایک مسافر جب پہنچتا ہے تو نہایت سلیقہ سے وہ لوگ اس کو بٹھا دیتے ہیں پھر فارم پر ہوتا ہے جب فارم جمع کرانے کے لئے مسافر جاتا ہے تو اس سے فارم جمع کرانے سے پہلے فیس لیتے ہیں اور وہاں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ جمع شدہ فیس کی رقم واپس نہیں کی جائے گی، یہ رقم بعض مسافروں سے اٹھارہ سولی جاتی ہے بعض سے تین یا چار بلکہ چھ ہزار تک لی جاتی ہے اور پھر ان کو انٹرویو کے نام سے تاریخ دیکر دوبارہ بلاتے ہیں انٹرویو میں دُور از کار باتیں پوچھی جاتی ہیں جس کا کسی ملکی قوانین سے تعلق نہیں ہوتا اور پھر کہتے ہیں کہ چلو جی ہم آپ کو ویزہ نہیں دیتے ہیں اس طرح چند منٹوں کی باتوں کے بدلے روزانہ کئی کئی لوگوں سے بھاری رقوم حاصل کی جاتی ہیں میرا اندازہ ہے کہ صرف کراچی میں روزانہ پاکستانی قوم سے انگلینڈ کی ایمبیسی ایک لاکھ سے زیادہ رقم ہتھیا لیتی ہے اصول تو یہ ہے کہ جب تم اپنے ملک کا ویزہ نہیں دیتے ہو تو اس شخص کی رقم واپس ان کو دے دو۔ میں پاکستانی حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے عوام کو اس لُوٹ مار سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ حرام کمائی سے بچائے اور حلال رزق سے مالا مال فرمائے آمین۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

حدیث

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا.
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَکْرُ وَالْخِدَاعُ فِی النَّارِ.

(الترغیب والترھیب ج۳ص ۲۳۲)

وَعَنْ عَمْرِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامِنْ قَوْمٍ یَظْهَرُ فِیْهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَامِنْ قَوْمٍ یَظْهَرُ فِیْهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ.

(مشکوۃ ص ۳۱۳)

۱۴ شعبان ۱۴۱۶ھ ۵ دسمبر ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

روحانیت سے مالا مال امت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ (سورۃ کوثر)

''بے شک ہم نے تجھ کو کوثر دی ہے، پس نماز پڑھ اپنے رب کے لئے اور قربانی کر بے شک جو تیرا دشمن ہے وہی رہ گیا پیچھے کٹا''۔

وقال علیہ السلام اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ بَهَاءً وَبَهَاءُ اُمَّتِي الْقُرْآنُ.

''ہر چیز کے لئے ایک زینت ہوتی ہے اور میری امت کے لئے قرآن کریم زینت ہے''۔

محترم سامعین!

سورۃ کوثر قرآن عظیم کی ان مختصر سورتوں میں سے ہے جو مختصر ترین آیتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی آیت میں ''کوثر'' کا ذکر ہے۔ دوسری میں ''نحر'' کا ذکر ہے اور تیسری میں ''ابتر'' کا ذکر ہے، انتہائی جامع صورت ہے جو دنیا و آخرت کی مادی اور روحانی برکات کی بشارت اور اعلان پر مشتمل ہے۔ بعض علماء نے اسے مدنی سورت قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر کے ہاں یہ مکی سورت ہے۔ سورت کا خلاصہ اس طرح ہے کہ اے میرے پیارے پیغمبر ہم نے تجھ کو خیر کثیر سے نوازا ہے لہٰذا اس احسان وانعام کا حق ہے کہ آپ کثرت سے نمازیں پڑھا کریں یعنی بدنی عبادت میں آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اسی طرح آپ قربانی کرلیا کریں یعنی مالی عبادت میں خوب رغبت رکھیں اس سے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کے نام کو روشن کرے گا باقی ان امور میں اور دین اسلام کے بارے میں جو آپ کی مخالفت کرے گا یا عداوت رکھے گا تو وہ دم کٹا بے نام ونشان اور گمنام رہ جائے گا۔

تفسیر عثمانی

علامہ عثمانیؒ سورت کوثر کی تشریحات میں فرماتے ہیں ''کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری، یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے؟ البحر المحیط میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کئے ہیں اور آخر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی سہولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں

داخل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا آپ کے طفیل امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت وہ حوض کوثر بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو روز محشر میں سیراب فرمائیں گے۔ (تفسیر عثمانی ص ۸۰۴)

تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر کے مطابق کوثر کے تین معنی زیادہ مشہور ہیں اول خیر کثیر دوم حوض کوثر سوم قرآن عظیم، مگر حوض کوثر کا مفہوم زیادہ مشہور ہے اور خیر کثیر کا مفہوم زیادہ جامع ہے جس کے تحت آخرت کا حوض کوثر بھی آتا ہے اور دنیا کا حوض کوثر جو قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے یہ بھی داخل ہے اور اس کے علاوہ دیگر تمام بھلائیاں بھی اس میں داخل ہیں۔

خاتم النبیین خیر کثیر کی صورت میں

خیر کثیر اور بہت بھلائیوں میں سے چند چیزیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں سب سے اول تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور آپ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنے بڑے رسول کا امتی بنایا جس کے امتی بننے کے لئے سابقہ انبیاء کرام نے تمنائیں کیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے مفت میں یہ دولت عطا فرمائی حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا و تمنا کی وجہ سے آسمانوں پر زندہ اٹھالیا پھر وہ قیامت کے قریب دنیا میں اتر کر حضور اکرمؐ کے امتی بننے کا شرف حاصل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز تجھے اتنا عطا کرونگا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا قسم بخدا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں باقی رہے گا۔ حضورؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ وہ امت ہرگز گمراہ نہیں ہوسکتی جس کی ابتداء میں میں ہوں، درمیان میں مہدی ہو اور آخر میں عیسی ہو۔

حضور اکرمؐ ہی کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسی سہولتوں، نعمتوں، رحمتوں اور برکتوں سے نوازا ہے جس سے سابقہ امتیں مالا مال نہ تھیں، مثلاً سابقہ امتوں پر یہ تنگی تھی کہ پانی کے سوا وضو بنانے کی کوئی صورت نہیں تھی اس امت کو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے ذریعے سے طہارت حاصل کرنے کی سہولت سے نوازا (یعنی تیمم)۔

یہودیوں پر یہ تنگی تھی کہ جماعت کے بغیر نماز ہی نہیں ہوسکتی تھی اور جماعت بھی صرف مسجد میں جائز تھی مسجد کے علاوہ زمین کے کسی حصہ پر نماز جائز نہیں تھی۔ یہ کتنی بڑی تنگی تھی اور کتنا بڑا بوجھ تھا جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ سے حضور اکرم کی برکت سے اٹھالیا اسی طرح ان کی ایک نیکی کو دس کے

برابر قرار دیا۔ یہود میں سے اگر رات کی تاریکی میں کوئی گناہ کا ارتکاب کرتا تو صبح اس کے دروازے پر گناہ لکھا جاتا اور جو عضو گناہ میں آلودہ ہوتا اسے بطور سزا کے کاٹنا پڑتا کپڑے پر گندگی لگتی تو دھونے کے بجائے اسے کاٹنا لازم تھا جانوروں کی چربی استعمال کرنا ان پر حرام کیا گیا تھا، قربانی کا گوشت استعمال کرنا ان کے لئے ناجائز تھا میدان جہاد میں حاصل شدہ مال غنیمت کو اپنے کام میں لانا ممنوع تھا یہ ساری چیزیں حضور اکرمؐ کی برکت سے امت مرحومہ کے لئے حلال قرار پائیں، قلبی وساوس اور بھول چوک کی غلطیاں معاف قرار دے دی گئیں یہ سب اس امت کے لئے خیر کثیر کی صورتیں ہیں خود حضور اکرمؐ پر نبوت کے تمام کمالات مکمل کر دئے گئے جس کے طفیل امت مرحومہ کو آخری امت ہونے کا عظیم شرف حاصل ہو گیا گویا انسانی کمالات اس امت پر مکمل ہو گئے کسی اور کے آنے کی گنجائش باقی نہیں رہی حتی کہ اس امت کو اسی شرافت، متانت اعتدال اور وقار کی وجہ سے تمام سابقہ امتوں پر بطور گواہ مقرر کر لیا گیا اور پھر بطور تزکیہ حضور اکرمؐ کو اپنی امت پر گواہ بنا دیا گیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (بقرہ ۱۴۳)

دیکھ جا قرآن میں اے محترم
مصطفےٰؐ کی امت ہے خیر الامم

بیت اللہ الحرام خیر کثیر کی صورت میں

اسی خیر کثیر کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ الحرام اس امت کو عطا کیا سابقہ امتوں اور انبیاء کرام جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا سب کا قبلہ بیت المقدس تھا اگر چہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام نے بھی بیت اللہ کی زیارت کی ہے عمرے ادا کئے ہیں لیکن قبلہ کی حیثیت سے ان کے لئے بیت المقدس ہی مقرر تھا بیت اللہ کے قبلہ ہونے کا یہ شرف عظیم اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم کو عطا کیا اور آپؐ کے طفیل آپ کی امت کو ملا اس سے اندازہ کیجئے کہ بیت اللہ ذریعۂ بقاء عالم ہے جب تک بیت اللہ قائم رہے گا قیامت نہیں آئی گی جو شخص اس کا طواف کرتا ہے تو ساٹھ خصوصی رحمتیں اس پر برستی ہیں جو شخص نفل نماز وہاں ادا کرتا ہے اس پر چالیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جو شخص صرف بیٹھا ہوا بیت اللہ کو دیکھ رہا ہو اس پر بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں بیت اللہ میں حجر اسود ہے جو اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے جو شخص حجر اسود کو چومتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا بوسہ لیتا ہے جس جگہ پر حضور اکرمؐ کے مبارک ہونٹ لگے ہیں وہاں ایک امتی

منہ لگاتا ہے جہاں کروڑوں اولیاء اللہ نے منہ لگا کر بوسہ لیا ہے اس مقام کا یہ شخص بوسہ لیتا ہے اور حجر اسود اس کے ایمان پر گواہ بن کر شفاعت کرنے والا بن جاتا ہے اس کے قریب ملتزم ہے جہاں حضور اکرم اور صحابہ کرام کے علاوہ کروڑوں اللہ والوں نے چپک کر دعائیں مانگی ہیں اور زار وقطار روئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول فرمائی ہیں۔

پھر اس کے ساتھ ہی بیت اللہ کا دروازہ ہے جب اس کی چوکھٹ پر ایک مسلمان آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے دروازے پر سر رکھ کر رحمتیں اور برکتیں حاصل کر لیتا ہے تو وہ آخرت کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے پھر حطیم کا حصہ ہے جو غریبوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ سے تکوینی طور پر باہر رکھا تا کہ کسی غریب بے بس گمنام مسلمان کو بیت اللہ کے اندر نماز نہ پڑھنے کا غم اور افسوس نہ رہے کیونکہ جو مسلمان حطیم شریف میں نماز پڑھے گا گویا اس نے کعبۃ اللہ کے اندر ہی نماز پڑھ لی۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حطیم سے باہر آکر فرمانے لگے قسم بخدا ابھی جنت میں نماز پڑھ کر آگیا ہوں، لوگوں نے جب دیکھا تو انہوں نے حطیم میں نماز پڑھی تھی اسی طرح بیت اللہ کی ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہے۔

پھر اس کے بعد مقام ابراہیم ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشان بالکل واضح طور پر موجود ہے جہاں دو رکعت نماز پڑھ کر عظیم برکتوں سے آدمی مالا مال ہوجاتا ہے، پھر زمزم کو دیکھ لیجئے مزیدار اور ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ہے جس نے جس مقصد کے لئے پیا وہ مقصد پورا ہوگیا۔ بھوکے نے بھوک دور کرنے کے لئے پیا پیاسے نے پیاس دور کرنے کے لئے اور بیمار نے بیماری سے شفایابی کے لئے پی لیا تو یہ مقاصد پورے ہوجاتے ہیں۔ حدیث میں ہے ''الزمزم لما شرب له'' زم زم جس مقصد کے لئے پیا گیا تو وہ مقصد پورا ہوجاتا ہے پھر بیت اللہ کے اطراف میں صفا ومروہ کی برکات ہیں، پھر منیٰ اور عرفات کی برکات کو دیکھ لیجئے، حدیث میں ہے کہ عرفات کے میدان میں بڑا گناہ گار وہ آدمی ہوتا ہے جس کا خیال ہو کہ اس کے رب نے اسے آج کے دن معاف نہیں کیا۔ اس کے بعد مزدلفہ ہے اس کی برکات کو دیکھئے، یہ ساری چیزیں خیر کے تحت داخل ہیں جو بواسطہ حضور اکرمؐ اس امت کو عطا کی گئی ہیں۔ سچ ہے ﴿انا اعطیناک الکوثر﴾ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا ہے۔

مدینۃ الرسول خیر کثیر کی صورت میں

پھر مدینہ منورہ کی بھلائیوں اور برکتوں کو دیکھ لیجئے کہ اس شہر میں جو شخص ایمان کے ساتھ مرجاتا ہے اور جنت البقیع میں دفن ہوجاتا ہے ان کی شفاعت کی حضور اکرمؐ نے گارنٹی دی ہے گویا کہ وہ آدمی جنتی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک نماز ایک ہزار یا پچاس ہزار کے برابر ہے وہاں حضور اکرمؐ کا روضہ اطہر ہے دوسری امتیں اپنی نبیوں کی قبروں کی زیارت سے محروم ہیں لیکن امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کے لئے روضہ اطہر آنکھوں کے سامنے زیارت کے لئے موجود ہے امتی جا کر اپنے نبی کو سلام پیش کرتا ہے اور درود پیش کر کے برکتیں حاصل کرتا ہے ایک امتی کے سامنے اپنے پیارے پیغمبرؐ کا مکان موجود ہے ان کی مسجد موجود ہے نماز پڑھنے کا محراب موجود ہے منبر موجود ہے آنے جانے کا راستہ معلوم ہے نبیؐ کے شاگردوں کا مدرسہ موجود ہے نبی پر وحی لانے والے فرشتے جبریل امینؑ کے آنے جانے کی کھڑکی موجود ہے نبی کے یاروں کی قبریں موجود ہیں ازواج مطہرات اور بنات رسولؐ اور اعمام پیغمبر کی قبریں موجود ہیں۔ یہ زندہ و تابندہ دین ہے جس کے تمام نشانات صحیح سلامت موجود ہیں کیا دنیا کا کوئی مذہب اپنے مذہب کے اس طرح خدوخال پیش کر سکتا ہے یا اپنے نبی اور اس کے صحابہ کا اس طرح پتہ فراہم کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ مسجد نبویؐ میں منبر نبوی سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف کے بیچ میں جو حصہ ہے حضور کے فرمان کے مطابق یہ جنت کا باغیچہ ہے لہٰذا جو شخص وہاں نماز پڑھتا ہے یا تلاوت کرتا ہے یا ذکر کرتا ہے تو گویا سب کچھ جنت میں کرتا ہے اس طرح عظیم دولتوں سے مالا مال امت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ان بھلائیوں سے غافل رہے اور اپنی زندگی میں اس سے محروم رہ جائے۔ عید الفطر بقر عید اور جمعات کے ایام اور اس میں مخصوص قبولیت دعاء کے اوقات اور دیگر عبادات دولت ہی دولت ہیں ، سرمایہ ہی سرمایہ ہیں خاص کر جب حرمین شریفین میں ہوں۔

خیر ہی خیر

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ امت سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور اس کے پاس کمائی کے لئے تھوک کے حساب سے منڈیاں موجود ہیں ہر آنے والا زمانہ گزشتہ زمانے سے بڑھ کر خیر اور بھلائی کا بہترین سیزن لا کر پیش کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے رمضان کا مہینہ اول سے لیکر آخر تک خیر و بھلائی کا مجموعہ ہے اس کا آخری عشرہ اور اس میں لیلۃ القدر خیر کثیر ہی کثیر ہے پھر نصف شعبان کی برکات کوثر ہی کوثر ہے کہ بے تحاشا گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں۔ سال آئندہ کے بڑے بڑے واقعات کے فیصلے نصف شعبان میں ہوتے ہیں، نصف شعبان کے دیگر کافی فضائل بھی ہیں اگرچہ اکثر فضائل کو علماء کمزور بتاتے ہیں لیکن پھر بھی فضائل موجود ہیں، البتہ اس میں آتش بازی یا چراغاں کرنا ہندوؤں کے رسم و رواج ہے جو بالکل ناجائز ہے نیز لوگوں کا قبرستانوں میں رسم و رواج کے تحت جانا رسم ہی رسم ہے کوئی عبادت نہیں لہٰذا اس خیر و برکت

کی رات میں ان فضولیات سے بچنا ضروری ہے۔ ہر ماہ کے تین روزے رکھنا خیر کثیر میں داخل ہیں یعنی ایام بیض ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کا ایک ایک روزہ دس دس روزوں کے برابر ہے جو خیر ہی خیر ہے۔ اسی طرح عرفہ کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہے جو کوثر ہی کوثر ہے۔ اسی طرح محرم الحرام کی دس اور گیارہ تاریخوں کے روزے بڑے باعث ثواب ہیں۔

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے عید الفطر کے بعد بہت زیادہ ثواب اور صیام الدہر کے درجے میں ہیں یہ بھی خیر کثیر کے تحت آتا ہے اسی خیر کثیر میں بقرعید کے دس دن روزے اور پھر قربانی بڑے باعث ثواب امور ہیں اور آخر میں ایک عظیم الشان بھلائی وہ قرآن عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے واسطہ سے اس امت مرحومہ کو عطا کیا ہے۔

حدیث میں ہے:

"اِنَّ لِکُلِّ شَئیٍ بَهَاءً وَبَهَاءُ اُمَّتِی الْقُرْآن"

"یعنی ہر چیز میں زینت کا ایک حصہ ہوتا ہے اور میری امت کی زینت تو قرآن ہے"

یہ عظیم کتاب ہے جو خیر کثیر کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کی ہے اس کے متعلق انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان برکات سے مالا مال فرمائے۔

آمین یا رب العٰلمین

ہم تو مائل بکرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ راہ رو منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں

قرآن وحدیث

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبَارَکًا وَّهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ﴾

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَایُدْرٰی اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ. ﴿مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۸۵﴾

۲۰ شعبان ۱۴۱۶ھ ۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

فضیلت قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (سورہ حشر ۲۱)

''اگر ہم یہ قرآن ایک پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھ لیتا کہ وہ اللہ کے خوف سے دب کر پھٹ جاتا''.

وقال اللّٰه تعالیٰ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (بنی اسرائیل ۲۱)

''یہ قرآن وہ راستہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری سناتا ہے''۔

وقال علیه السلام "اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَاماً وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ".

''حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے سبب ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسروں کو گرا دیتا ہے''.

وقال علیه السلام "اِنَّ اَشْرَافَ اُمَّتِىْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ"

''حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت کے معزز لوگ حاملین قرآن ہیں''۔

وَخَيْرُ جَلِيْسٍ لَايُمَلُّ حَدِيْثُهٗ
وَتَرْدَادُهٗ تَزْدَادُ فِيْهِ تَجَمُّلا

ترجمہ: قرآن کریم ایسا بہترین ہمنشین ہے کہ جس کی باتوں سے کوئی اکتاتا نہیں اور جتنا اس کو دہرایا جائے اتنا اس میں جمال آتا ہے۔

قَرَّتْ بِهَا عَيْنُ قَارِيْهَا فَقُلْتُ لَهٗ
لَقَدْ ظَفَرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمِ

ترجمہ: قرآنی آیتوں سے جب قاری نے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلیں تو میں نے ان سے کہا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی مل گئی اب اسے مضبوط پکڑلو۔

سنتے سنتے محفلِ بدعات کو
کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ توحید بھی

پارہ جس کی لحن سے طورِ ھدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خاشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

قرآن ہادی ہے

محترم سامعین!

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہے جس میں سابقہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی معتدل اور مناسب تعلیمات درج ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی اور گزشتہ برحق نبیوں اور رسولوں کی تائید وتصدیق کرتی ہے یہ کتاب کائنات کی روح اور انسان کے لئے حقیقی حیات ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس طرح وراء الورا ہے اسی طرح اس کی کتاب وراء الورا اور بالا واعلیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف اسی کو کتاب قرار دیا ہے اور فرمایا ﴿ذالک الکتاب﴾ کتاب یہی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی کتابیں کتابیں نہیں کیونکہ حدیث وفقہ کی کتابیں تو مستقل نہیں بلکہ اسی کتاب اللہ کی تشریحات وتفسیرات وتوضیحات ہیں اور اگر دنیاوی فنون کی کتابیں ہیں تو وہ تو ہمارے ہاں کتابیں ہوں گی لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اس قابل نہیں کہ اس کو کتاب کا نام دیا جائے کتاب تو صرف ''کتاب اللہ'' ہے اسی کی شان ہے کہ یہ سرکاری وغیر سرکاری طور پر معظم ومکرم ہو اور یہی کتاب معیار ومحترم ہو۔ چنانچہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے درخواست کی کہ میں سرکاری فرمان جاری کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کی تصنیف ''مؤطا مالک'' سرکاری طور پر ہر دفتر میں استفادے کے لئے پڑی رہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ایسا نہ کریں کیونکہ یہ حیثیت صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی ہے کسی دوسری کتاب کی نہیں ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو قیامت تک کے لئے آنے والے ایسے انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنایا جن کی قسمت میں ایمان کی دولت ہو یعنی ﴿ھدی للمتقین﴾ یعنی تقویٰ پر اگر کوئی اب تک آیا ہے تو اس کے لئے ذریعہ یہ قرآن بنا ہے اور آیندہ بھی بنے گا آپ حضرات ذرا اس بات کو غور سے سن کر سوچیں کہ نزول قرآن کے زمانے سے لیکر آج تک اربوں کھربوں انسانوں کو اگر اللہ نے ایمان کی دولت سے مالا مال کیا ہے تو وہ صرف اس کتاب کے ذریعے سے ہدایت پر آئے ہیں۔

سرزمین مکہ میں یہ قرآن ایسا گونجا کہ مکہ کے پہاڑوں اور چٹانوں سے زیادہ سخت انسانوں کو اس

کتاب نے اللہ کے حکم سے فرشتہ صفت اور موم کی طرح نرم اور خداترس انسان بنادیا اور قیامت تک نہ جانے کتنے انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنے گی۔آپ حضرات صرف اس کو دیکھیں کہ اس وقت دنیا میں سوا ارب مسلمان موجود ہیں اس میں آپ کم ازکم پچاس کروڑ مسلمانوں کے متعلق یہ سوچیں کہ وہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور ہر مہینہ میں چار جمعے آتے ہیں یہ پچاس کروڑ مسلمان مسجدوں میں آتے ہیں اور خطباء حضرات کے خطبے سنتے ہیں ان خطبوں اور وعظوں میں قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کی آیات ہوتی ہیں یہ مسلمان اس کو سنتے ہیں اور اپنے دین وایمان اور اپنی ہدایت واسلام سے وابستہ رہتے ہیں اور بغیر کسی اعلان، بغیر کسی خرچ، بغیر کسی جلسہ وجلوس خود بخود عمومی ہدایت کا ایک عظیم موقع ہاتھ آجاتا ہے۔

عرب لوگ عربی زبان میں براہ راست سمجھ جاتے ہیں اور عجم کے لئے مختلف زبانوں میں تراجم وتشریحات ہوجاتی ہیں اس طرح ایک آزاد خیال گناہ گار مسلمان بھی قرآن کریم کی ہدایت کی گرفت میں مضبوط جکڑا ہوا ہے اور وہ اپنے ایمان پر مطمئن ہے، پھر خاص کر رمضان میں تو کائنات عالم میں قرآن ایسا گونجتا ہے کہ اگر پوری دنیا کی قرأت کی آوازوں کو ایک ساتھ فضاؤں میں چھوڑا جائے تو مختلف آوازوں اور قرأتوں سے زمین وآسمان ہل جائیں گے اور گونج اٹھیں گے۔

قرآن کریم بااختیار مقام چاہتا ہے

قرآن کریم کو جس طرح ڈیڑھ ہزار سال پہلے ایک بااختیار اور باحیثیت مقام ملا تھا اگر آج بھی قرآن کریم کو وہ مقام مل جائے تو قرآن وہی تاثیر آج بھی دکھا سکتا ہے جو تاثیر اس وقت دکھا چکا ہے مثلاً جزیرۂ عرب کے سنگدل انسانوں کو قرآنی تعلیمات نے ایسا انسان بنادیا کہ جس پر فرشتے رشک کرنے لگے اور جورہتی دنیا کے لئے نمونہ ہے، مثلاً قرونِ اولیٰ یعنی صحابہؓ کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو معاشرہ کے ہر شعبے میں اور انسانی زندگی کے ہر پہلو میں کو ایک بااختیار اور نمایاں مقام عطا کیا تو اس نے اپنا اثر دکھایا، چنانچہ حضور اکرمؐ جب جہاد کے لئے لشکروں کو روانہ فرماتے تو آپ مجاہدین پر اس شخص کو امیر مقرر فرماتے جس کے پاس زیادہ قرآن محفوظ ہوتا اور وہ قرآن کا زیادہ عالم ہوتا اس طرح فوج میں قرآن کریم کو ایک مقام ملا تو اس نے اپنا اثر ظاہر کیا اسی طرح حضور اکرمؐ نے محلوں اور علاقوں میں ان لوگوں کو امام بنانے کا اعلان فرمایا جس کے پاس زیادہ قرآن ہو، بہرحال محلوں اور علاقوں میں قرآن کریم کو ایک اعزازی مقام ملا تو قرآن کریم نے وہاں اپنا اثر دکھایا شادی وبیاہ میں حضور اکرمؐ نے بعض صحابہ کا مہر نکاح قرآنی آیات اور تعلیمات قرآنی کو قرار دیا کہ اپنی بیوی کو قرآن کریم کی اتنی آیات سکھادو بس یہی مہر

نکاح ہے اس طرح عام معاشرہ میں قرآن کریم کو ایک امتیازی مقام ملا، جنگ احد کے میدان میں ۷۰ صحابہ شہید ہو گئے تھے جن کے لئے اجتماعی قبریں کھدوائی گئیں ایک ایک قبر میں دو دو تین آدمی دفنائے جاتے تھے اس میں حضور اکرمؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ جس کے پاس زیادہ قرآن محفوظ ہو اس کو قبلہ کی طرف رکھ کر دفنایا جائے تا کہ حافظ قرآن کا اعزاز ہو اس طرح قرآن کریم کو جب بااختیار شرف کا مقام ملا تو اس نے صحابہ کرامؓ میں اللہ کے حکم سے اپنی تاثیر کی ایسی اسپرٹ بھردی کہ بس وہ قرآن ہی کے ہو گئے اور پھر دنیا انہی کی ہوگئی۔آج کل آپ حضرات دیکھیں کہ مدارس اسلامیہ میں وہاں کے منتظمین نے قرآن کریم کو ایک آزاد مقام دیا ہے اور نو وارد نوجوانوں کو وہ لوگ قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں ایک حد تک چلاتے ہیں تو آپ وہاں جا کر دیکھیں کہ کراچی سے گلگت تک آپ کو دینی مدارس کا ایک طالبعلم داڑھی منڈا نظر نہیں آئیگا کوئی روزہ خور نہیں ملے گا کوئی بے نمازی نہیں ملے گا کوئی زنا کار، شراب خور اور چور نہیں ملے گا اس کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہاں قرآن کریم کو ایک حد تک بااختیار مقام دیا گیا ہے تو قرآن کریم نے اپنی تاثیر ظاہر کردی کہ ظاہراً کوئی طالبعلم شریعت کیخلاف ایک دن ان مدارس میں نہیں گزار سکتا ہے خفیہ گناہ اگر کوئی خفیہ سازش سے خفیہ مقام پر کرتا ہے تو اس کی الگ نوعیت ہے۔

ہم نے سرکاری طور پر قرآن کو کیا مقام دیا؟

اب ہم نے اس عظیم الشان کتاب کے ساتھ کیا حشر کیا کہ سرکاری اداروں میں تو ''کتاب'' کے حوالے سے کوئی شخص قرآن کو جانتا ہی نہیں وہاں جب کوئی کسی سے بک یا کتاب کی بات کرتا ہے تو سننے والا سمجھتا ہے کہ سائنس یا الجبرہ، جمیٹری، یا ریاضی کی کوئی کتاب مراد ہوگی۔اسی طرح سرکاری محکمہ جات میں قرآن عظیم کے قوانین پر پابندی ہے اسی طرح عدالتوں میں مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کی کتاب کے قوانین اور دفعات ممنوع ہیں اگر کسی محلے سے ۲۰۰ آدمی قرآن کریم کے پرانے پرانے نسخے لے کر کسی عدالت میں جائیں اور جج صاحب سے منت سماجت کر کے یہ درخواست کردیں کہ ہم اس کتاب کے مطابق اپنا فیصلہ عدالت سے چاہتے ہیں تو وہ دوسو آدمی عدالت کے سامنے توہین عدالت کے مجرم ٹھریں گے۔ پاکستان کے جتنے بھی سرکاری محکمے ہیں یا پارلیمنٹ یا سینٹ کے بڑے قانون ساز ادارے ہیں کسی جگہ سرکاری طور پر قرآن کا کوئی حکم نافذ نہیں گویا کہ ''الف لام'' سے لے کر ''والناس'' تک پورے قرآن کریم میں حکمرانوں کے سامنے ایک آیت بھی ایسی نہیں جو اس قابل ہو کہ اسے سرکاری طور پر نافذ کیا جائے۔ پھر اس طرح پابند سلاسل کتاب اپنا اثر عام معاشرہ پر کیا ڈالے گی کیا ۱۰۰ دروازوں کے پیچھے ۱۰۰ تالوں میں بند یہ کتاب آزاد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

قانون پاکستان اور قرآن

قرآن کریم کے قوانین کی تنفیذ اور نفاذ کا مسئلہ یہاں اتنا پریشان کن نہیں. پریشان کن صورت یہ ہے کہ یہاں قرآن کے مقابلے میں ایک اور قانون کھڑا کر دیا گیا ہے جس کے سامنے قانون قرآن ممنوع بلکہ قانون ہی نہیں.

(۱) مثلاً قرآن کریم کہتا ہے کہ چور کی سزا یہ ہے کے اس کا ہاتھ کاٹا جائے مگر قانون پاکستان کہتا ہے کہ ایسا قطعاً نہیں ہوسکتا ہے.

(۲) قرآن کہتا ہے کہ پاک دامن عورت کو گالی دینے والے کو ۸۰ کوڑے مارو مگر قانون پاکستان کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں.

(۳) قرآن کریم کہتا ہے کہ شرابی کبابی کو ۸۰ کوڑے لگادو لیکن قانون پاکستان کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا.

(۴) قرآ مجید کہتا ہے کہ زنا کار مرد و عورت اگر غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے مارو شادی شدہ ہیں تو سنگسار کرو قانون پاکستان کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے نہ سنگسار کریں گے نہ کوڑے ماریں گے چنانچہ قرآن کریم کی یہ سزائیں آج تک کسی نے پاکستان میں نہیں دیکھی.

(۵) قرآن کریم کہتا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، اور ہر زخم کے بدلے زخم ہے مگر قانون پاکستان کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا.

(۶) قرآن عظیم کہتا ہے کہ سود حرام ہے مگر قانون پاکستان کہتا ہے کہ حرام نہیں سود جاری رہنا چاہیئے.

(۷) قرآن کہتا ہے کہ باجے گاجے شیطان کی اغوائی آوازیں ہیں یہ منع ہیں مگر قانون پاکستان کہتا ہے کہ پروا نہیں اس کو جاری رکھو.

(۸) قرآن کہتا ہے حلال کماؤ حلال کھاؤ مگر قانون پاکستان کہتا ہے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جیسے چاہو کرو.

محترم سامعین! اپ خود دیکھ لیں کیا یہ صورتِ حال اللہ تعالٰے سے کھلا اعلان جنگ نہیں؟ اگر ہے تو پھر ہم کیا خاک ترقی کرلیں گے؟

قرآن کریم کا معتدل نظام

جیسا کہ ابتداء میں ایک آیت میں نے پڑھی ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ بتلاتا ہے جو سیدھا ہے واقعی قرآن کریم کا پورا نظام انتہائی معقول، معتدل اور متوازن ہے. جو بڑی حقیقت پسندی پر مبنی ہے اور جو ہر قسم

کے افراط وتفریط سے پاک ہے قرآن کریم نے جو عقائد سکھائے ہیں وہ افراط وتفریط سے پاک ہیں اس نے جو عبادات دیئے ہیں انتہائی مناسب اور متوازن ہیں اس نے جو نظام معیشت دیا ہے وہ ظلم واستبداد سے پاک ہے. اس نے جو سیاست وثقافت دی ہے وہ انتہائی موزوں فطری اور پُرسکون ہے اس نے جو صلح وجنگ کا نظام دیا ہے نہایت انصاف پر مبنی ہے اس نے جو واقعات سابقہ وحاضرہ ولاحقہ کی تاریخ دی ہے وہ خالص ٹھوس حقیقتیں ہیں جو سچائی ہی سچائی پر استوار ہیں زمین وآسمان اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں مگر یہ تاریخی حقائق سرِ مُو خلاف واقعہ ثابت نہیں ہوسکتے ہیں. اہل تاریخ اور باذوق سیاحین آثار قدیمہ اور تاریخ کے شہ پاروں کے پیچھے کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں کچھ ناقابل اعتماد چیزیں حاصل کردیتے ہیں لیکن یہاں قرآن بغیر پیسے خرچ کئے انسان کی تخلیق سے بھی پہلے کی تاریخ مہیا کرتا ہے پھر حالتِ حاضرہ کی پوری نشاندہی کرتا ہے اور مستقبل کے صرف حیات انسانی تک نہیں بلکہ بعد الموت تاریخی احوال ایسی ٹھوس بنیادوں پر پیش کرکے دیتا ہے جس میں انگلی اٹھانے کی کوئی جرأت ہی نہیں کرسکتا ہے اور لطف یہ کہ سب مفت میں دے رہا ہے۔ سچ ہے ﴿ان هذا القران يهد للتي هي اقوم ويبشر المؤمنين﴾ یعنی جو کچھ دے رہا ہے سیدھا ہی سیدھا ہے ٹھوس ہی ٹھوس ہے سچ ہی سچ ہے کوئی کجی اور ٹیڑھ کا نام ونشان تک نہیں کسی نے شان قرآن کے بارے میں سچ ہی کہا ہے۔

آن کتاب زندہ قرآنِ حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

اللہ تعالیٰ کی اس زندہ کتاب قرآن کریم کی حکمتیں دائمی اور قدیم ہیں

حرف او راریب نے تبدیل نے
آیتش شرمندۂ تاویل نے

اس کے کسی ایک حرف میں نہ شک ہے اور نہ تبدیلی ممکن ہے اور اس کی آیتوں میں کوئی ابہام نہیں

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ او رحمۃ للعالمینؐ

یہ نوع انسان کے لئے آخری پیغام ہے جو رحمۃ للعالمین پر اُترا ہے

شانِ قرآن کریم

قرآن کریم میں خود قرآن کی شان میں بڑی آیتیں موجود ہیں، ۷۰ دفعہ قرآن نے اپنا نام قرآن کے لفظ سے یاد کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے ناموں سے کئی کئی دفعہ اپنا تذکرہ کیا ہے اور یہ شان اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں قرآن کی بیان فرمائی ہے۔ احادیث مقدسہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کریم کی بڑی شان اور فضیلت بیان کی ہے جو صرف مشکوٰۃ شریف میں گیارہ بڑے صفحات پر مشتمل ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کا ماہر معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو اٹک اٹک کر مشقت کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے اس کو دگنا اجر ملے گا۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں وہ سینہ ویران گھر کی طرح ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا روشن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے تیز ہوگی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر قرآن کو کسی کھال میں رکھا جائے اور پھر اس کھال کو آگ میں ڈالا جائے تو وہ کھال آگ میں نہیں جلے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے قرآن یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا تو اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس واجب جہنم آدمیوں کے لئے اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات سے ایک ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ اور یٰس کو پڑھا فرشتوں نے جب سنا تو کہنے لگے اس امت کو مبارک باد ہو جس پر یہ قرآن نازل ہوگا اور وہ سینے مبارک ہوں جو اس قرآن کو محفوظ کر کے اٹھائیں اور وہ زبانیں مبارک ہوں جو اس قرآن کو پڑھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ دل ایسے زنگ آلود ہوتے ہیں جیسے کہ لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول!! یہ دل اس زنگ سے صاف کیسے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ موت کو زیادہ یاد رکھنے اور تلاوت کلام پاک سے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس قرآن کو ایک رسی کی شکل میں انسانوں کی طرف پھینک کر پھیلا دیا ہے اس رسی کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا انسانوں کے پاس ہے، پس جس نے اس رسی کو مضبوطی سے تھام لیا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا۔ بہر حال میں نے کئی موضوعات کو ایک ہی موضوع میں آپ کے سامنے رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم سے وابستگی عطا فرمائے۔ (آمین)

حیدری ضرب ہے نہ دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر

احادیث

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ. (الترغیب الترهیب للمنذری کتاب قراءة القرآن ۲/۳مصر)

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهٗ اَمَامَهٗ قَادَهٗ اِلَی الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ سَاقَهٗ اِلَی النَّارِ.

(الترغیب والترهیب۳/۹)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَالْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِهٖ اُلْبِسَ وَالِدَهٗ تَاجًایَوْمَ الْقِیٰمَةِ ضَوْؤُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِی بُیُوْتِ الدُّنْیَا. (۳/۱۰ الترغیب والترهیب)

یکم جنوری ۱۹۹۶ء درس قرآن شمیم مسجد دہلی کالونی کراچی

موضوع

قرآن شفاء ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ o وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (بنی اسرائیل ۸۲)

"اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء اور رحمت ہے اور ناانصافوں کو اس سے الٹا نقصان بڑھتا ہے۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس: ۵)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور دلوں کی بیماری کی شفا آئی ہے اور مسلمانوں کے واسطے ہدایت اور رحمت ہے"۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ يَسْتَشْفِ بِالْقُرْآنِ فَلَا شَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى. (روح المعانی، ج۵ ص ۱۴۵ سورہ بنی اسرائیل)

"ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کریم سے شفا حاصل نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا ہی نہ دے۔"

واخرج ابن مردویه عن ابی سعید الخدریؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَ اِنِّي اَشْتَكِيْ صَدْرِيْ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ اِقْرَءِ الْقُرْآنَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ. (روح المعانی ج۴ ص ۱۴۰ سورة یونس)

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اکرمؐ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے سینے میں درد ہے، حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن شفا ہے ان امراض کے لئے جو سینوں میں ہے۔

محترم حضرات!

قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے برکات اور روحانیت سے مالا مال ہے اس کے ظاہری الفاظ بھی برکات سے پُر ہیں اور اس کے باطنی معانی بھی روحانیت و برکات سے بھرے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم کلام ہے جو انسانوں کے ظاہری امراض و مصائب کے لئے بھی شفا ہے اور انسانوں کے باطنی عقائد، بغض و عناد، کینہ و حسد اور دیگر امراض باطنیہ اور اخلاق رذیلہ قبیحہ کے لئے بھی شفا ہے اس کے پڑھنے سے دل نرم ہو جاتا ہے تو عجب و تکبر اور شقاوت قلبی ختم ہو کر خوف خدا اور خدا ترسی آجاتی ہے، میں آپ کے سامنے پہلے قرآن عظیم کا روحانی اخروی پہلو مختصر انداز سے رکھنا چاہتا ہوں اور پھر انشاءاللہ قرآن کا ظاہری پہلو جو ظاہری شفا سے متعلق ہے اور جس کا تعلق دنیاوی فوائد سے ہے وہ آپ کے سامنے رکھوں گا تاکہ دونوں پہلوؤں سے ہم مستفید ہو جائیں۔

قرآن عظیم کا اخروی پہلو

قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا عظیم کلام ہے اور بہت بڑا وفادار کلام ہے جن لوگوں نے اس دنیا میں اس کلام اللہ سے وفاداری کی تو یہ کلام مرنے کے بعد تنہائی میں قبر سے لیکر حشر نشر بلکہ جنت تک اس آدمی کیساتھ وفاداری کرتا ہے۔

سورت یٰسین

چنانچہ حالت نزع میں اگر کوئی شخص خود اس سورت کو پڑھتا ہے یا کوئی دوسرا پڑھ کر سناتا ہے تو جان کنی کی تکلیف سے وہ آدمی بچ جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کو دنیا میں ایک دفعہ پڑھتا ہے تو اس کو دس قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی)

سورت ملک

اور جو شخص سورت ملک پڑھتا ہے تو قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا ہے چنانچہ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے بچاتی ہے جس شخص نے اسے رات میں پڑھا اس نے نیکی کا کام کیا۔ (ترمذی)

حضرت طاؤس کی ایک روایت میں ہے کہ سورت الٓمٓ سجدہ اور سورہ تبارک الذی بیدہ الملک یہ باقی سورتوں پر ستر گنا نیکی کی فضیلت رکھتی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ایک سورت ہے جو تیس آیتوں پر مشتمل ہے سورت ملک ہے۔ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی اس وقت تک شفاعت کرتی ہے جب تک اس کی مغفرت نہیں ہو جاتی۔ (ترمذی)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک سورت ملک کی تلاوت نہیں فرماتے۔

حکایت!!

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے کسی قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ نیچے قبر ہے اچانک اس کو معلوم ہوا کہ یہ تو کسی انسان کی قبر ہے اور وہ سورت ملک پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ پڑھتے پڑھتے اس نے سورت ملک مکمل پڑھ لی۔ یہ دیکھ کر وہ صحابی حضور اکرمؐ کے پاس گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا تھا مگر میں جانتا نہ تھا کہ یہ قبر ہے اچانک مجھے کسی کے سورت ملک پڑھنے کی آواز سنائی دی اور وہ اس کو آخر تک پڑھ گیا نبی کریمؐ نے فرمایا یہ سورت عذاب قبر کو روکنے والی ہے جو اس کو پڑھتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (ترمذی)

عمل!!

بعض علماء نے اپنے تجربات کی بنیاد پر بتایا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے کسی میت مرحوم سے خواب میں اس کی ملاقات ہو جائے تو وہ سورۃ ملک پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرے انشاءاللہ خواب میں ملاقات ہو جائے گی۔

سورت بقرہ وآل عمران

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دو تر و تازہ چیزوں کو پڑھا کرو سورت بقرہ اور سورت آل عمران یہ دونوں قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی اور اللہ تعالیٰ سے لڑ جھگڑ کر پڑھنے والے کی مغفرت کرائیں گی۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن اور قرآن پر عمل کرنے والے قیامت کے روز اس طرح آئیں گے کہ سورت بقرہ اور آل عمران ان کے آگے آگے ہوں گی پھر نبی کریمؐ نے ان کی مثال بھی بیان فرمائی کہ وہ دونوں اس طرح آئیں گی کہ گویا دو سایہ دار ٹھنڈے سائبان ہیں اور

ان کے بیچ کے شگاف سے روشنی آتی ہے۔ (ترمذی)

مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے سورت بقرہ کی آخری دو آیتوں امن الرسول کے متعلق فرمایا کہ جو شخص رات کو ان آیات کو پڑھے گا یہ دونوں آیتیں اس شخص کے لئے کافی ہو جائیں گی۔

سورت زلزال

سورت اذا زلزلت کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ اس کو پڑھنے سے نصف قرآن کے برابر کا ثواب ملتا ہے۔

سورت کافرون

سورت کافرون کے متعلق حدیث میں ہے کہ یہ ثواب میں ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے اسی طرح سورت نصر کا ثواب ایک چوتھائی قرآن بتایا گیا ہے۔ (ترمذی)

سورت اخلاص

حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایک شب میں ایک تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک رات میں ایک تہائی قرآن کون پڑھ سکتا ہے فرمایا قل ھو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نبی کریمؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا تو آپؐ نے فرمایا واجب ہو گئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا واجب ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت واجب ہو گئی۔ (ترمذی)

خصوصی سورتوں کے اخروی فوائد کے علاوہ مجموعی قرآن کے جو اخروی فضائل ہیں وہ تو بے شمار ہیں۔ ایک حدیث میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف ہے لام الگ حرف ہے میم الگ حرف ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو قیامت کے روز اس کے والدین کو ایسا روشن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے تیز ہو گی۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اگر قرآن کو کسی کھال میں رکھا جائے اور پھر اسے آگ میں ڈالا جائے تو وہ کھال آگ میں نہیں جلے گی (یعنی جس سینہ میں قرآن ہو اس پر آگ اثر نہیں کرے گی)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے قرآن کریم پڑھا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ دلوں پر بھی زنگ آلود ہوتے ہیں جیسے کہ لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ دلوں کا زنگ کیسے صاف کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ موت کو زیادہ یاد رکھنے اور تلاوت کلام اللہ سے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس قرآن کو ایک رسی کی شکل میں انسانوں کی طرف پھینک کر بھیجا ہے۔ اس رسی کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا انسانوں کے ہاتھ میں ہے جس نے اس رسی کو مضبوطی سے تھام لیا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا۔ شاعر کہتا ہے

وہ فیضِ محمد لے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضانِ گنہ کو دو خبر فیضِ محمد کی
بے قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

برکاتِ قرآن کا دنیوی پہلو

جس طرح کہ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن عظیم اپنے روحانی پہلو سے جہاں اخروی برکات اور کامیابیوں کی ضمانت دیتا ہے وہاں قرآن کریم اپنے روحانی پہلو سے دنیوی اور جسمانی برکات اور کامیابیوں کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی انہی برکات ظاہری اور باطنی کو قرآن عظیم میں اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور دلوں کی بیماری کی شفا آئی ہے۔

تفسیر!

ان مذکورہ دوآیتوں میں سے پہلی آیت کے متعلق علامہ عثمانیؒ اس طرح لکھتے ہیں:

یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہے روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں، دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بسااوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ روح المعانی اور زادالمعاد وغیرہ میں اس کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے بہرحال جولوگ ایمان لائیں گے یعنی اس نسخہ شفاً کو استعمال کریں گے قلبی اور روحانی امراض سے نجات پا کر خداتعالیٰ کی رحمتِ خصوصی اور ظاہری وباطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طبیب اور علاج سے دشمنی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج اور دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہوتا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں خود مریض ظالم کی طرف سے آئی۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۸۶)

علامہ عثمانی اس دوسری آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔قرآن اوّل سے آخر تک نصیحت ہے جولوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔دلوں کی بیماریوں کے لئے نسخۂ شفاء ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۸۲)

سورت فاتحہ میں شفاء ہے

سورت فاتحہ قرآن عظیم کی پہلی سورت ہے جس سے قرآن شروع ہوتا ہے اسی لئے اس کو فاتحہ کہتے ہیں گویا یہ خزانۂ قرآن کی کنجی ہے۔اس چھوٹی سے سورت کے کئی اور نام بھی ہیں جس میں ایک نام سورت شفا اور شافیہ ہے جس کے معنی شفا کے ہیں چنانچہ:

(۱) حضرت عبدالملک بن عمیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔ (بیہقی ج۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن جابرؓ سے مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ ہر مرض کے لئے شفاء ہے اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ فاتحہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفاء اور دوا ہے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ زہر سے شفا دیتی ہے۔ (بیہقی ج۲)

(۳) شعبیؒ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص نے آکر گردہ کے درد کی شکایت کی، شعبیؒ نے ان

سے کہا کہ اساس القرآن پڑھ کر درد کی جگہ دم کرو۔ اس شخص نے پوچھا اساس القرآن کیا چیز ہے؟ شعبیؒ نے کہا سورت فاتحہ ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ سورت فاتحہ اسم اعظم ہے اسے ہر مطلب کے لئے پڑھنا چاہئے۔ (بحوالہ قرآن اور اس کے حقوق)

(۴) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت سورت فاتحہ اور قل ہو اللہ احد پڑھے تو وہ موت کے سوا ہر بلا سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ (اتقان)

فاتحہ سے ایک عمل

مشائخ سے فاتحہ کے متعلق ایک عمل مسلسل چلا آرہا ہے اور وہ اس طرح عمل ہے کہ فجر کی دو سنتوں اور دو فرض کے درمیان اگر کوئی شخص سورت فاتحہ بسم اللہ کیساتھ ملا کر و لا الضآلین تک ایک سانس سے روزانہ ۴۱ بار ۴۱ دن تک بلا ناغہ پڑھ لے تو اس شخص کو فاتحہ کے چلّہ پکانے کا وظیفہ حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ شخص جس مرض اور جس زہر اور جس مطلب کے لئے خصوصاً باؤلے کتے کے کاٹنے پر ۴۱ بار پڑھ کر دم کرے گا اللہ تعالیٰ مریض کو شفا عطا فرمائے گا پڑھنے کا طریقہ اس طرح ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ.

یہ ایک سانس سے پڑھنا ہے نستعین کو ملا کر پڑھنا ہے۔

حکایت نمبر ۱!!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت کا پانی کے ایک گھاٹ پر گذر ہوا وہاں ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا تھا وہاں سے ایک آدمی نے آکر صحابہؓ سے کہا کہ آپ لوگوں میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ کیونکہ ہمارے ہاں ایک آدمی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ صحابہؓ میں سے ایک شخص (ابو سعید خدریؓ) ان کے ساتھ چلا گیا اور چند بکریوں کے عوض سورت فاتحہ سے اس کو دم کیا وہ آدمی صحت یاب ہو گیا اور یہ صحابی بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے۔ ساتھیوں نے کتاب اللہ پر معاوضہ لینے کو پسند نہیں کیا یہاں تک کہ سب مدینہ منورہ آگئے (اور بکریاں بھی ساتھ ہیں) پھر سب نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اس شخص نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ صحیح تر اجرت تو وہی ہے جو تم نے

کتاب اللہ کے عوض لے لی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم نے اچھا کیا ہے میرے لئے بھی اس میں سے حصہ مقرر کرلو۔ (مشکوۃ ص ۲۵۸)

حکایت نمبر۲!!

خارجہ بن صلت اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے (ایک مہم پر) جانے لگے تو ہمارا گذر عرب کے ایک قبیلہ پر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اس شخص (حضور اکرمؐ) کے پاس سے بھلائی لیکر آئے ہو پس کیا تمہارے پاس کوئی دوائی یا دم ہے؟ کیونکہ ہمارے ہاں ایک پاگل زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے ہم نے کہا ہاں ہمارے پاس علاج ہے وہ لوگ اس پاگل کو ہمارے پاس زنجیروں میں جکڑا ہوا لے آئے پس میں نے تین دن تک صبح وشام اس پر سورہ فاتحہ سے دم کیا میں فاتحہ پڑھ کر منہ میں تھوک جمع کرتا اور پھر اس پر پھونک دیتا تھا چنانچہ وہ شخص ایسا ٹھیک ہوا گویا کہ کسی نے اس کی رسیاں کھول دیں۔ پھر ان لوگوں نے مجھے معاوضہ دے دیا میں نے لینے سے انکار کیا الّا یہ کہ میں حضور اکرمؐ سے پوچھ لوں۔ حضور اکرمؐ نے میرے پوچھنے کے جواب میں فرمایا اس کو لے کر کھاؤ قسم بخدا جس نے ناجائز دم سے کچھ کما کر کھالیا (وہ تو برا ہے) تم نے تو برحق دم کے ذریعے سے کھالیا۔ (مشکوۃ ص ۲۵۸)

یاد رہے! یہ اجرت و معاوضہ کی وہ صورت ہے جو طب اور ڈاکٹری کے زمرہ میں آتی ہے یہ اپنی طبی محنت کا معاوضہ ہے جو سب کے ہاں جائز ہے۔

سورت بقرہ

جس گھر میں سورت بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

یاد رہے کہ شیطان تمام نجاستوں اور تمام فتنوں کا مجموعہ ہے جب شیطان سے نجات مل گئی تو گویا گھر کے تمام افراد ظاہری اور باطنی فتنوں سے محفوظ ہو گئے۔

آیت الکرسی

جس طرح قرآن کی سورتوں کے خواص ہیں اسی طرح آیتوں کے خواص بھی ہیں۔ چنانچہ آیت الکرسی کے متعلق حدیث میں ہے......

(۱) کہ قرآن کی تمام آیتوں میں سب سے زیادہ عظمت اسی کو حاصل ہے اور یہ تمام آیتوں کی سردار

ہے۔ (مسلم شریف)

(۲) ایک حدیث میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس منبر نبوی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے (یعنی موت کے بعد جنت ہے) اور جس شخص نے سوتے وقت اس کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر، اس کے پڑوسی کے گھر اور ارد گرد کے گھروں کی (بمعہ اہل وعیال) حفاظت فرمائے گا۔ (بیہقی)

(۳) حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نفع بخش وظیفہ بتایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آیت الکرسی پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ تمہاری اور تمہاری ذریت کی بلکہ آس پاس کے گھروں کی حفاظت کرتی ہے۔ (اتقان)

حکایت ۳!!

صحیح بخاری میں آیت الکرسی کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مذکور ہے وہ یہ کہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریمؐ نے رمضان کی زکوۃ پر محافظ ونگران بنایا پس ایک رات ایک شخص آیا اور کھانے کی چیزوں کو اکٹھا کرنے لگا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمہیں نبی کریمؐ کے پاس لے جاؤں گا اس شخص نے معذرت کی اور کہا کہ میں ایک محتاج غریب اور بال بچے دار آدمی ہوں مجھے بڑی سخت ضرورت ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی کریمؐ نے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہ! رات تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ اس نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا اور بال بچوں کی شکایت کی مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے (رات کو) پھر آئے گا۔ ابو ہریرہؓ کو یقین ہو گیا اس لئے اس کی گھات میں لگ گئے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو وہ آیا اور کھانے کی چیزوں کو سمیٹنے لگا انہوں نے پھر پکڑ لیا اور کہا کہ آج تمہیں نبی کریمؐ کے پاس ضرور لے چلوں گا۔ اس نے پھر خوشامد کی کہ مجھے چھوڑ دو میں بہت غریب آدمی ہوں اور میرے بال بچے پریشان ہوں گے۔ اچھا اب وعدہ کرتا ہوں پھر نہیں آؤں گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو رحم آیا اور پھر چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہی سوال فرمایا اور ابو ہریرہؓ نے وہی جواب دیا جو اوپر گذر چکا ہے۔ نبی کریمؐ نے پھر فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے گا (اور پھر آئے گا) ابو ہریرہؓ تیسری شب بھی گھات میں رہے۔ چنانچہ وہ شخص آیا اور کھانا لینے لگا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کہا یہ تیسرا واقعہ

ہے اور تم نے ہر مرتبہ وعدہ خلافی کی ہے آج یقیناً تم کو میں نبی کریمؐ کے پاس لے چلوں گا۔ اس نے کہا اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں آپ کو ایسے کلمات سکھاؤں گا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ آپ کو بہت فائدہ پہنچائے گا۔ ابو ہریرہؓ نے کہا وہ کون سے کلمات ہیں؟ تو اس نے کہا جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک محافظ مقرر ہو جائے گا اور صبح تک شیطان قریب نہ آسکے گا۔ ابو ہریرہؓ نے اسے چھوڑ دیا۔

صبح جب حضور اکرمؐ کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ اس نے مجھے چند کلمات نافعہ (یعنی آیت الکرسی) سکھا دینے کا وعدہ کیا میں نے اسے چھوڑ دیا نبی کریمؐ نے فرمایا یاد رکھو وہ ہے تو بڑا جھوٹا لیکن تجھے سچی بات بتا گیا۔ اے ابو ہریرہؓ کیا تم جانتے ہو کہ تین دن سے کون تیرے ساتھ باتیں کر رہا تھا ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو شیطان ابلیس تھا۔ (مشکوۃ ص ۱۵۸)

اس سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی پڑھنے سے حفاظت کا ایک قلعہ اور حصار ارد گرد قائم ہو جاتا ہے۔

سورت کہف

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا وہ شخص دوسرے جمعہ تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور میں ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کرلے تو فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا بعض روایات میں سورۂ کہف کی آخری دس آیتوں کا بھی ذکر ہے۔ (ترمذی)

عمل !!

جس طرح حدیث میں ہے کہ ہر جمعہ کو سورۂ کہف پڑھنے سے نور حاصل ہوتا ہے اور اس کی ابتدائی آیتوں کے پڑھ لینے سے دجال کے فتنہ سے حفاظت ہوتی ہے اس کی روشنی میں علماء کے تجربات سے ثابت ہے کہ سورۂ کہف کے ہر جمعہ کو پڑھنے سے بڑے سے بڑے دشمن کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ اس پڑھنے والے کی حفاظت فرماتا ہے اور عام آفات سے محفوظ رہتا ہے جو دشمنوں کی طرف سے آتی ہیں تو اس نیت سے بھی پڑھنا چاہیئے۔

سورت یٰسین

عطا ابن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص

دن کے آغاز پر سورۂ یٰسین پڑھے گا اس کے دن بھر کی حاجتیں پوری ہو جائیں گی۔ (دارمی)

بعض روایات میں ہے کہ جو شخص صبح کو یہ سورت پڑھے گا تو شام تک خوش وخرم رہے گا اور جو شخص شام کے وقت اس کو پڑھ لیا کرے وہ صبح تک خوشی محسوس کرے گا اس روایت کے راوی کا بیان ہے کہ اس پر لوگوں کا تجربہ بھی شاہد ہے۔

سورت دخان

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رات کے وقت سورۂ دخان پڑھی تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کی مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ (ترمذی)

سورت واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ اپنی لڑکیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہر شب یہ سورت پڑھا کرو۔ (بیہقی)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو مال کی پیشکش کی آپ نے قبول نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی لڑکیوں کا انتظام ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے ان کو سورۂ واقعہ سکھادی ہے ان کا مالی انتظام ہو گیا ہے۔

سورت حشر

حضرت معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے لئے شام تک دعا رحمت و مغفرت کرتے ہیں اگر وہ اس دن مر جائے تو شہید ہوگا اور جو اسے شام کے وقت پڑھے گا تو اس کا بھی یہی حکم اور ثواب ہے۔ (ترمذی)

سورت الھکم التکاثر

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیشہ کے لئے روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھ لیا کرے۔ صحابہؓ نے

جواب دیا یارسول اللہؐ! روزانہ ایک ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے؟ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا ہے کہ ایک بار الھٰکم التکاثر پڑھے؟ (بیہقی)

یعنی ایک مرتبہ سورۂ تکاثر پڑھنے سے ایک ہزار آیتوں کا ثواب ملتا ہے۔

سورت کافرون

حضرت فروۃ اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ میں سوتے وقت اس کو پڑھا کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورت کافرون پڑھا کرو کیونکہ یہ شرک سے بیزاری ہے۔ (ترمذی)

ایک اور روایت میں ہے کہ سورۂ زلزال نصف قرآن ہے۔ سورۂ اخلاص ثلث قرآن کے مساوی ہے اور سورۂ کافرون ربع قرآن کے برابر ہے۔ (ترمذی)

سورت اخلاص

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ہر روز دوسو مرتبہ **قل ھو اللہ احد** پڑھا اس کے پچاس سال کے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے الا یہ کہ کوئی قرض ہو۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے ایک روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے سونے کا ارادہ کیا پھر وہ سیدھی کروٹ پر لیٹ گیا اور اسی حالت میں اس نے ایک سو مرتبہ **قل ھو اللہ احد** پڑھا تو جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا، میرے بندے! اپنی سیدھی جانب سے ہوتے ہوئے جنت میں داخل ہوجاؤ۔ (ترمذی)

معوذتین

(۱)　عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جحفہ اور ابواُ کے درمیان سفر کررہا تھا کہ اچانک ہمیں سخت آندھی اور شدید اندھیرے نے ڈھانپ لیا پس رسول اللہؐ **اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ** اور **اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر پناہ مانگتے رہے اور پھر مجھے فرمایا کہ اے عقبہ! اس کو پڑھ کر پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ ان جیسی سورتوں کے ذریعے سے کسی پناہ مانگنے والے نے پناہ نہیں مانگی ہوگی۔ (ابوداؤد)

(۲)　حضرت عقبہؓ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم کو معلوم

نہیں کہ آج رات چند ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی نظیر اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس (مسلم) یعنی تعوذ اور دم کرنے میں اس کی نظیر نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے لئے آپؐ کے مرض میں معوذتین سے دعائے حفاظت کرتی تھیں اور آپؐ کے ہاتھ میں دم کر کے آپؐ کے چہرۂ انور پر آپ کا ہاتھ پھیرتی تھیں۔ (ابن سعد)

(۴) حضرت ابن عائشؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا اے ابن عائش! کیا میں تمہیں سب سے بہتر دعائے حفاظت نہ بتاؤں؟ ابن عائش نے کہا کہ ضرور بتا دیجئے۔ نبی کریمؐ نے ارشا فرمایا یہ دونوں سورتیں ہیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس. (ابن سعد)

(۵) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ دونوں سورتیں نبی کریمؐ پر نازل ہوئیں تو آپؐ انہیں کا ورد کرنے لگے اور جنات کے شر اور انسان کے حسد وغیرہ سے بچنے کے لئے جو دوسری دعا پڑھا کرتے تھے سب کو چھوڑ دیا۔ (اتقان)

معوذتین کا نزول ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ہوا ہے اس لئے ظاہری جسم کی تمام آفات، آسیب وجنات جادو اور بد اثرات اور انسانی مکائد و مفسدات وحسدات کے زائل کرنے کے لئے اکسیر ہے اسی لئے صبح وشام یہ سورتیں پڑھ کر ہاتھوں میں دم کر کے پورے جسم پر پھیرنے سے آدمی ان تمام آفات سے بچ جاتا ہے یہ عمل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی عمر شریف میں کیا اور امت کو اس کی تعلیم بھی فراہم فرمادی۔ یہ ایک آسان عمل ہے اس پر عمل کرنا چاہئے مندرجہ بالا تمام احادیث مشکوۃ شریف میں ہیں ہاں اتقان اور ابن سعد کی روایات نہیں ہیں۔

چند قرآنی آیات کے خواص

قرآن عظیم کی چند سورتوں کے ظاہری وباطنی فوائد کا تذکرہ ایک حد تک اس سے پہلے ہو گیا ہے نیز قرآن کے مجموعی فضائل کا بھی مختصر سا خاکہ لکھا گیا ہے اب قرآن عظیم کی چند آیتوں کے چند فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں امن الرسول کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اس کو رات کے وقت پڑھے گا تو پھر یہ دونوں آیتیں اس کے لئے (ہر بلا سے) کافی ہو جاتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی ہے اسی میں سے دو آیتیں اتار کر سورۂ بقرہ کو مکمل کیا جس گھر میں یہ دو آیتیں تین دن تک پڑھی جائیں گی وہاں

شیطان نہیں آئے گا۔ (ترمذی)

(۲) ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ الخ﴾ یہ آیت آل عمران کی آیت ۲۶ ہے اس آیت کو جو شخص پڑھتا رہے گا تو مقروض کے قرضہ کی ادائیگی کے لئے بہت مجرب ہے اگر کوئی شخص روزانہ ہر نماز کے بعد اول وآخر میں درود شریف پڑھ کر سات مرتبہ یہی آیت چالیس روز تک پڑھے گا تو انشاء اللہ چالیس دن پورے ہونے سے پہلے پہلے اس کا اثر ظاہر ہونے لگے گا۔ (طبرانی)

(۳) ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ یہ دو آیتیں جو شخص کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھے گا تو کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہتی ہے۔ (اتقان)

(۴) سورۂ کہف کے آخر میں آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ چار آیتیں ہیں جو شخص اس آیت سے لیکر آخر سورت تک چار آیات پڑھے گا اور پھر دعا کرے گا کہ یا اللہ مجھے رات کے فلاں وقت جاگنے کی توفیق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ اسی وقت اس شخص کو جگا دیتا ہے اس پر بہت سے لوگوں کا تجربہ ہے۔ (دارمی بحوالہ اتقان)

(۵) ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ جو شخص مصیبت کے وقت اس آیت کو پڑھے گا تو بڑی سے بڑی مصیبت بھی دور ہو جائے گی۔ (ترمذی)

(۶) ﴿رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ﴾

جو شخص برے خیالات اور شیطانی شہوانی وساوس میں پھنس جائے اس کو چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ مسلسل اس آیت کو پڑھتا رہے انشاء اللہ شہوت کنٹرول ہو جائے گی اور گناہ سے بچ جائے گا، یہ آسان اور بلا قیمت نسخے ہیں ہر شخص کو استعمال کرنا چاہیئے۔

در فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضان گناہ کو دو خبر فیض محمدؐ کی
بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

۲۷ شوال ۱۴۱۶ھ ۱۹ جنوری ۱۹۹۵ء   مدینہ جامع مسجد بنس روڈ کراچی

موضوع
فضائل رمضان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

(سورہ بقرہ ۱۸۴)

''اے ایمان والو: تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ گنتی کے چند روز ہیں پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے''۔

وقال اللہ تعالیٰ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور رشد و ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے''۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ.

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ کا نام ''ریان'' ہے اس دروازے سے صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو روزہ والے ہوں گے''۔

محترم حاضرین!!

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے چوتھا رکن رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ رمضان کے روزے مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے تھے قرآن عظیم میں روزہ کی تاکید کئی آیتوں میں کی گئی ہے اور کئی آیتوں میں مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے احادیث مقدسہ میں روزہ کے مسائل اور فضائل

بہت زیادہ آئے ہیں فقہاء کرام کے ہاں روزہ کی فرضیت پر اتفاق اور اجماع ہے اسی لئے اگر کوئی شخص روزہ کی فرضیت کا انکار کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا ہے بلکہ کافر ہو جاتا ہے اور اسی طرح روزہ کا مذاق اڑانے والا بھی کافر ہو جاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا لاکھ صحابہ کرام میں ایک بھی روزہ خور نہیں تھا نہ ان میں کوئی بے نمازی تھا اور نہ کوئی داڑھی منڈا تھا۔

جب قرآن کریم روزہ کا حکم دیتا ہے احادیث مقدسہ روزہ کی تاکید کرتی ہے اجماع امت اس کی تاکید کرتا ہے. سارے صحابہ نے اس پر عمل کیا اور سب صلحاء امت نے اس کو اپنایا ہے تو آج کل کے کسی بھی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس عظیم الشان فرمان الٰہی میں کوتاہی کرے اگر ایک جوان یہ کہتا ہے کہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی ایسے حکم کا مکلف بنایا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی طاقت سے بڑھ کر کوئی حکم نہیں دیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ نوجوان روزہ رکھنا نہیں چاہتا ہے ورنہ ان میں رکھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت تک جتنے انسان پیدا ہونگے اور جب تک شریعت مطہرہ اور دین اسلام موجود رہے گا ہر شخص میں وہ استعداد، طاقت اور قوت موجود رہے گی جس کی وجہ سے وہ دین اسلام پر عمل کر سکے ایسا انسان پیدا ہی نہیں ہوسکتا کہ صحت مند ہونے کے باوجود وہ یہ کہہ سکے کہ مجھ میں فلاں عبادت کی طاقت اللہ نے نہیں رکھی ہے، طاقت اللہ تعالیٰ نے سب کو دی ہے البتہ یہ شخص خود چونکہ دین اسلام کے اس حکم پر چلنا نہیں چاہتا ہے اس لئے کہتا ہے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا ہے مجھ میں طاقت نہیں میرے بس کی بات نہیں جو لوگ معذور ہیں ان کی نشاندہی قرآن وحدیث میں موجود ہے کہ وہ معذور ہیں لیکن جو شرعی طور پر معذور نہیں ہیں وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص عمل کرنا نہیں چاہتا صرف بہانہ بنا کر کہتا ہے کہ میں نہیں کر سکتا اور اس طرح کہنے سے گریز کرتا ہے کہ میں اس حکم پر عمل نہیں کرتا ہوں تاکہ جو الزام ان کی اپنی ذات پر آئے وہ اس کے بجائے اسلام پر آجائے۔

تفسیر!!

سورت بقرہ میں رمضان کے روزے کے متعلق جو آیتیں مذکور ہیں ان میں سے بعض کی تفسیر نقل کرنا مناسب ہوگا، یاد رہے سورت بقرہ کی یہ تفسیر شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہوا پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ حکم حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعین ایام میں اختلاف ہوا اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس

کا ایک بڑا رکن ہے۔ حدیث میں روزے کو نصف صبر فرمایا ہے"۔ شیخ الہند مزید فرماتے ہیں۔

یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزہ سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف بھی آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے۔ بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور تم متقی بن جاؤ، جاننا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو "**لعلکم تتقون**" میں ان پر تعریض ہے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانو! تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود و نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔

شیخ الہند مزید فرماتے ہیں

یعنی چند روز گنتی کے جو زیادہ نہیں روزہ رکھو اور اس سے رمضان کا مہینہ مراد ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔ شیخ الہند مزید فرماتے ہیں: پھر اس مدت قلیل میں بھی اتنی سہولت اور فرما دی گئی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھ لے۔ خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے۔

شیخ الہند مزید رقم طراز ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور تورات اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے اور قرآن کریم بھی رمضان کے چوبیسویں رات میں لوح محفوظ سے آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپؐ پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نازل شدہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرر سناتے تھے، ان سب حالات سے مہینۂ رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہوگئی، اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی پس قرآن کی خدمت اس مہینے میں خوب کرنی چاہئے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۵، ۳۶)

روزوں کے فوائد اور حکمتیں

سب سے اول تو آپ یہ بات خوب ذہن نشین کر لیں کہ روزہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے اور اس کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے ہم حکمت سمجھیں یا نہ سمجھیں اللہ کا حکم حکیمانہ ہوتا ہے پھر یہ بات ذہن نشین ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں غلام اور بندے کو یہ حق نہیں کہ وہ آقا کے احکامات

کی حکمتیں تلاش کیا کرے وہ تو حکم کا پابند ہے جو حکم ہوگا ماننا پڑے گا تاہم اللہ تعالیٰ کے جن احکامات کی طرف قرآن وحدیث نے اشارہ کیا ہے ہم اس کی وضاحت کر سکتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے باقی احکامات حکمتوں پر مبنی ہیں اسی طرح روزہ میں بھی چند حکمتیں ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱) صحت بدن کے لئے روزہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے کیونکہ کثرت امراض کثرت طعام سے وابستہ ہیں۔

(۲) مالدار لوگوں کو جذبہ ہمدردی دینا ہے کہ تم کو ایک ماہ کے روزوں میں جس طرح بھوک اور پیاس نے تنگ کیا، غریب لوگوں کو اسی طرح سال بھر بھوک اور پیاس تنگ کرتی رہتی ہے لہٰذا ان کے بارے میں ہمدردانہ سوچ اپنالو اور ان کی مدد کے لئے کمربستہ ہو جاؤ، یہی وجہ تھی کہ حضرت جنید بغدادی سخت سردی میں کبھی کبھی بغیر گرم لباس کے باہر آکر بیٹھ جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بغداد میں سب غریبوں کے پاس گرم کپڑا تو ہوتا نہیں اس لئے میں ان کے دکھ درد کو محسوس کرنے کے لئے اور جذبہ ہمدردی پیدا کرنے کے لئے ٹھنڈی ہواؤں میں بیٹھ جاتا ہوں، بالکل اسی طرح روزہ مالدار کو غریب کی ہمدردی کا احساس دلاتا ہے۔

(۳) مساوات اسلامی کے لئے روزہ ایک اعلیٰ نمونہ ہے کہ سب امیر وفقیر ایک ہی رنگ ڈھنگ پر آجاتے ہیں۔

(۴) خواہشات نفسانیہ اور شہوات جسمانیہ کو کنٹرول اور قابو کرنے کے لئے روزہ بہترین عمل ہے۔

(۵) روزہ میں جفاکشی کا اعلیٰ نمونہ موجود ہے لہٰذا روزہ کے عادی مسلمان کسی بھی مشکل کو سہنے میں زیادہ چست اور قوی ہوتا ہے خاص کر جہاد کے میدان میں دو دو دن تک کھانا میسر نہیں ہوتا ہے وہاں روزہ کا فائدہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۶) صحیح روزہ رکھنے سے جسمانی انقلاب برپا ہو جاتا ہے کیونکہ قوت شہویہ اور بطنیہ کی اصلاح ہو جاتی ہے زبان، کان، آنکھیں اور دیگر اعضاء شریعت کے مطابق قابو میں آجاتے ہیں اور اسی کا نام انقلاب وتقویٰ ہے۔

(۷) کسی بھی مخالف طبع عمل پر جسم میں صبر کرنے اور برداشت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۸) روزہ کی برکت سے رزق کی فراوانی ہو جاتی ہے، چنانچہ اس کا مشاہدہ ہے۔

(۹) روزہ کی وجہ سے مسلمانوں کے آپس میں محبتیں بڑھتی ہیں کیونکہ افطار کا عمل اجتماعی ہوتا ہے جو موجب محبت ہے۔

(۱۰) روزہ کے عمل سے انسان اپنی زندگی میں قواعد وقوانین کی پابندی اور نظم وضبط اور ڈسپلن کا عادی بن جاتا ہے۔

روزہ کے فضائل پر چند احادیث

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ . (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ لیا جاتا ہے''۔

یعنی نیکی کے مواقع فراہم ہوجاتے ہیں آسمان اور جنت کے دروازے نزول رحمت اور نیکی کے لئے کھل جاتے ہیں اور رحمتوں کی بارش شروع ہوجاتی ہے بُرائی کے راستے بند ہوجاتے ہیں اور ان راستوں کی طرف بلانے والے سرکش اور بڑے بڑے شیطان قید کر لئے جاتے ہیں البتہ چھوٹے شیطان اور انسان کا اپنا نفس انسان کو ورغلانے کا کام جاری رکھتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس میں سے ایک دروازے کا نام ''ریان'' یعنی سیراب کرنے والا ہے اس سے صرف روزہ رکھنے والے داخل ہوں گے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ انسان کا ہر عمل نیکی کے لحاظ سے دس گنا بڑھایا جاتا ہے سات سو تک بھی بڑھ سکتا ہے مگر روزے کا معاملہ الگ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ تو میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا کیونکہ میری وجہ سے روزہ دار کھانا اور خواہش ترک کرتا ہے یعنی روزہ میں ریاکاری کا امکان نہیں یا یہ کہ روزہ کوئی مشرک اپنے باطل معبود کے لئے نہیں رکھا کرتا ہے تو یہ ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اس کا بدلہ خود عطا فرمائیں گے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ روزہ دار کو ظاہری اور باطنی تکلیف کتنی پہنچی ہے لہٰذا وہ خود بدلہ عطا کرے گا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ روزہ کے ثواب کے بدلے میں خود اللہ تعالیٰ اور اس کی مکمل رضا اس بندے کو حاصل ہوجائے۔

اسی روایت میں مزید ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں،ایک تو افطار کے وقت اور ایک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت اور روزہ دار کے خالی پیٹ اور بھوک و پیاس کی وجہ سے جو خوشبو اس

کے منہ سے اٹھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار ہے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے یعنی دوزخ کی آگ کے لئے ڈھال ہے جب تک یہ ڈھال سالم رہے یعنی روزہ میں کوئی بے قاعدگی سے اس کو پھاڑ نہ دے۔

اسی روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش گفتگو نہ کرے اور شور وشغب نہ کرے اگر کسی نے اس کو گالی بھی دی تو یہ جواب میں کہے کہ میرا روزہ ہے ایک روایت میں ہے کہ جو شخص **لیلۃ القدر** کی خیر سے محروم ہوا وہ ہر خیر سے محروم ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ رمضان کی پہلی رات میں سرکش شیطان باندھ دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروزے بند کئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں نہ جہنم کا کوئی درواہ کھلا رہتا ہے اور نہ جنت کا بند رہتا ہے اور ہر رات ایک پکارنے والا پکارتا ہے اے نیکی کمانے والے آگے بڑھ، اور اے برائی کرنے والے! اس برائی سے رک جا باز آجا۔

ایک حدیث میں ہے کہ قرآن مجید اور رمضان بندے کی شفاعت کریں گے روزہ کہے گا اے مولا! میں نے اس شخص کو دن بھر کھانے پینے اور خواہشات سے روکے رکھا تھا اب اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما قرآن مجید کہے گا، اے مولا! میں نے اس کو رات کی نیند سے روک رکھا تھا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما، پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ رمضان میں ایک فرض ستر کے برابر ہے اور نفل فرض کے درجے میں ہے فرمایا یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غمخواری اور ہمدردی کا مہینہ ہے اور اس میں مؤمن کا رزق بڑھایا جاتا ہے جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا وہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے گا اور جہنم سے چھٹکارے کا سبب بنے گا اور اس کو بھی روزہ دار کی طرح ثواب ملے گا۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول عشرہ رحمت ہے، اس کا دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور تیسرا عشرہ جہنم سے چھٹکارے کا پروانا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جنت کو سال بھر سے رمضان کی وجہ سے مزین کیا جاتا ہے ایک روایت میں ہے کہ رمضان کی آخری رات میں حضور ؐ کی امت کی مغفرت ہوتی ہے، کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ **لیلۃ القدر** کی رات ہوتی ہے حضورؐ نے فرمایا نہیں بلکہ وجہ یہ کہ مزدور جب مزدوری سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو مزدوری دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ **آمین یارب العٰلمین**

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی، رمضان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ،اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک؟

احادیث

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يُشَفِّعَانِ لِلْعَبْدِ.

(مشکوۃ المصابیح ۱/۱۷۳)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِي وَاَنَااَجْزِيْ بِهِ. (حواله بالا)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ولخلوف فم الصائم اطيب عندالله من ريح المسك. (مشكوة المصابيح ۱۲/۱۷۳)

رمضان ۱۴۱۶ھ ۱۹ جنوری ۱۹۹۵ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

اعمال رمضان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰه تعالیٰ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِلنَّاسِ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے''۔

وعن ابی هریرہ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن قام لیلة القدر ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. (متفق علیه)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کئے جائیں گے اور جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے (تراویح میں) رمضان کی راتوں کا قیام کیا تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کئے جائیں گے اور جس شخص نے ایمان وثواب کی نیت سے شب قدر کی رات جاگ کر گذاری تو اس کے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے''۔

مطلب یہ کہ اگر اس نے سچی توبہ کر لی اور یہ عبادات کئے تو اس کے صغیرہ وکبیرہ سب گناہ جو اس نے پہلے کئے ہیں بخش دیئے جائیں گے۔ اور اگر کبائر سے توبہ نہ کی تو صغائر ان عبادات سے بخش دیئے جائیں گے اور کبائر کمزور ہو جائیں گے۔

معزز سامعین!

اللہ تعالیٰ کی نظر کرم جب انسانوں میں سے کسی انسان پر پڑتی ہے تو وہ انسان تمام انسانوں میں اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام اسی نظر کرم کی وجہ سے سب سے اعلیٰ ہوتا ہے اسی طرح نظر کرم پڑنے سے بعض لوگ نبیوں کے وارث اور علماء بن جاتے ہیں اور کچھ ولایت اور کرامت کے عالی مقام پر فائز ہو جاتے ہیں یہی نظر کرم جب انسان کے علاوہ کسی خطہ زمین پر پڑتی ہے تو وہ حصہ باقی زمین سے ممتاز ہو جاتا ہے مثلاً بیت اللہ شریف کے مبارک حصہ پر نظر پڑی تو وہ رحاب طاہرہ اور اشرف

بقاع الارض بن گیا یہی نظر کرم جب بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر پڑی تو اس کی شان عالی شان ہوگئی، مدینہ منورہ پر پڑی تو ریاض الجنۃ، ارض منورہ اور ہجرت گاہ نبی آخر زمان بن گیا اسی طرح زمین کی جن حصوں پر برکت کی یہ نگاہ پڑی تو کوئی حصہ مسجد کی صورت میں ظاہر ہوا کوئی مدرسہ کوئی خانقاہ اور عبادت گاہ کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ اگر یہی نگاہ برکت اور نگاہ عزت وعظمت کسی زمانے پر پڑی تو وہ زمانہ باقی زمانوں سے ممتاز ہوگیا مثلاً جب نگاہ کرم ماہِ رمضان پر پڑی تو رمضان تمام مہینوں سے افضل قرار پایا اور جب نگاہ کرم عشروں پر پڑی عشرہ رمضان اور عشرہ ذی الحجہ تمام عشروں سے افضل قرار پائے اور جب یہ نظر رحمت دنوں پر پڑی تو جمعات اور عیدین کے ایام سب دنوں سے افضل ہوئے اور جب یہ نظر کرم ساعات گھڑیوں اور لمحات پر پڑی تو جمعہ کے دن ایک گھڑی نصف شب کی ایک گھڑی، شب قدر کی ایک خاص گھڑی، قبولیت دعا کے لئے خاص خاص اوقات بن گئے اور یہی نظر رحمت جب راتوں پر پڑی تو لیلۃ القدر، لیلۃ المعراج، لیلۃ نصف شعبان جیسی راتیں مسلمانوں کو مل گئیں اور جب یہ نگاہ پہاڑوں، چٹانوں اور میدانوں پر پڑی تو غارِ حرا میدان عرفات طور سیناء مزدلفہ ومنیٰ حجر اسود اور صفاء ومروہ جیسے مقامات مقدسہ وجود میں آگئے۔ انہیں برکات اور رحمتوں عظمتوں میں سے ایک ماہ رمضان ہے جس کے اندر کئی اچھے اعمال ہیں چند اعمال ملاحظہ فرمائیں۔

رمضان میں تراویح

رمضان کی تراویح کے لئے احادیث مقدسہ میں قیام رمضان کا لفظ استعمال ہوا ہے، تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس کی کل رکعات بیس ہیں اور اس پر تمام فقہاء تمام ائمہ اور تمام علماء سلفاً وخلفاً کا اتفاق ہے خود حضور اکرمؐ نے تین راتوں تک قیام رمضان جماعت کے ساتھ کیا اور پھر اس عذر کے پیش نظر ترک کر دیا کہ کہیں تراویح فرض نہ ہوجائے کیونکہ اس میں حرج تھا۔ حضور اکرمؐ کے بعد حضرت عمر نے تمام صحابہؓ کے سامنے ایک امام پر تمام لوگوں کو اکھٹا کیا اور بیس رکعات کا حکم دے دیا صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کو تسلیم کر کے اس پر عمل کیا گویا تراویح پر اجماع صحابہ منعقد ہوگیا۔ لہٰذا جو لوگ ۲۰ تراویح کا انکار کرتے ہیں وہ حقیقت میں اجماع امت کا انکار کرتے ہیں، صحابہ کے بعد بھی سلف کے دور میں تابعین اور تبع تابعین کے دور میں کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو اچھے لوگوں کے گذرنے اور بہتر زمانے کے ختم ہونے کے بعد چند لوگوں کا انکار کوئی معنی نہیں رکھتا، نیز اگر تراویح کے متعلق عمر فاروقؓ حضور اکرمؐ سے کچھ نہ سنتے تو آپ شاید اس کام پر امت کو نہ لگاتے بہت ممکن ہے کہ حضرت عمر کے پاس حضور اکرمؐ کا کوئی فرمان

تھا جس کی وجہ سے آپؐ نے عام اعلان تراویح کرلیا اور لوگوں کو اس پر جمع فرمایا نیز اگر حضرت عمر کے پاس حضور کا کوئی فرمان نہ بھی ہو تب بھی عمر فاروقؓ کی سنت حضور اکرمؐ کی سنت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ" میری سنت کو اپناؤ اور خلفاء راشدین کی سنت کو بھی اپناؤ اور اسے مضبوطی سے پکڑو۔

اس حدیث نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کو قانونی اور شرعی حیثیت دے دی ہے لہٰذا لوگوں کے ذہنوں میں تراویح سے متعلق تشویش پیدا کرنے کے بجائے تشویق پیدا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جو لوگ آٹھ تراویح پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں تو وہ بارہ رکعت عبادت سے بھی محروم ہوگئے اور وتر کی جماعت سے بھی محروم ہوگئے اور ختم قرآن سے بھی محروم رہ گئے اور عام مسلمانوں کے لئے بھی تشویش کا باعث بنے یہ کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ بہر حال تراویح کے متعلق حدیثیں بھی ہیں اور دیگر فضیلتیں بھی ہیں مگر درج کرنا باعث املال اور طوالت ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیتا ہوں، تراویح جماعت کے ساتھ دو رکعت پڑھنا چاہئے اور جو لوگ گھروں میں چار چار کی نیت کر کے پڑھتے ہیں وہ بھی جائز ہے البتہ تراویح کو آہستہ آہستہ پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ کوئی عدد پورا کرنے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ عبادت ہے لہٰذا اس کو تسلی سے پڑھا جائے اور بہتر یہ ہے کہ ختم قرآن بھی ہو۔

زکوٰۃ

لوگ عام طور پر رمضان میں زکوٰۃ نکالتے ہیں یہ کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ مال پر جب بھی حولان حول گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے تاہم رمضان میں چونکہ ایک فریضہ ستر فرائض تک بڑھ جاتا ہے تو اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے زکوٰۃ رمضان میں نکالتا ہے تاکہ ثواب زیادہ ملے تو کوئی حرج نہیں بہر حال جس شخص کے ذمہ پر زکوٰۃ ہو تو اس کو چاہئے کہ رمضان گذرنے سے پہلے ہی ادا کر دے۔

صدقة الفطر

رمضان کے اعمال میں سے ایک عمل صدقۃ الفطر کا ادا کرنا ہے صدقۃ الفطر ہر چھوٹے بڑے مرد وعورت آزاد وغلام پر واجب ہے عید گاہ میں نماز عید کے لئے نکلنے سے پہلے پہلے یہ صدقۃ غریبوں کو دے دیا جائے تاکہ وہ خوش ہو کر اپنی عید منائیں اور پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید منائیں۔ گھر کے سربراہ کے ذمہ ہے کہ وہ اہل وعیال کی طرف سے یہ صدقۃ ادا کر دے۔ بالغ اولاد اور بیوی بہو وغیرہ کی ذمہ داری گھر کے

بڑے پر نہیں بلکہ یہ لوگ خود ذمہ دار ہیں ہاں اگر بڑے نے ادا کر دیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ صدقۃ الفطر ادا کرنے کے لئے زیادہ مال ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اس میں حولان حول ضروی ہے بلکہ معمولی سا مال ہو یا گھر کے بستر یا برتن وغیرہ ضرورت سے زائد ہوں تو یہ شخص صاحبِ نصاب فطرہ ہو جائے گا تو ادا کرنا ہوگا۔ صدقۃ الفطر ادا کرنے کے لئے اصل نصاب گندم ہے، گندم نصف صاع یا کشمش ایک صاع کھجور بھی ایک صاع ہے البتہ اگر کوئی شخص نقد پیسہ دینا چاہے تو وہ ایک سیر چودہ چھٹانک گندم کی قیمت ایک آدمی کی طرف سے ادا کرے آسانی کے لئے علماء دو کلو آٹے کی قیمت بتاتے ہیں کیونکہ زیادہ دینے میں زیادہ ثواب ملتا ہے۔

لیلۃ القدر

لیلۃ القدر کا ترجمہ شب قدر ہے یہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ایک عالی شان رات ہے جو ایک ہزار راتوں سے بہتر ہے اس کے متعلق قرآن کریم میں سورت القدر کے نام سے ایک سورت بھی اتری ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر سال بھر میں گھومتی رہتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ راتیں دو ہوں ایک پورے سال کی ہو اور ایک صرف رمضان تک محدود ہو تو پھر کوئی اختلاف نہیں، بہر حال یہ عزتوں اور عظمتوں والی رات ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جاگ کر گزارنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے شب قدر کا قیام کیا تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ شب قدر کی رات میں جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ زمین پر اتر آتے ہیں اور یہ فرشتے ان لوگوں کے لئے دعائیں مانگتے ہیں جو اس رات میں نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی ۲۱ویں، ۲۳ویں اور پچیس ویں رات میں تلاش کرو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو (یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) حضرت ابن عمرؓ نے ایک پوچھنے والے کے جواب میں فرمایا کہ لیلۃ القدر کی رات پورے رمضان میں ہوتی ہے، حضرت عاشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں اس میں کیا دعا پڑھوں؟ حضورؐ نے فرمایا یہ دعا پڑھو "اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ العَفوَ فَاعْفُ عَنِّیْ".

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور پھر قسم کھا کر

فرمانے لگے کہ یہ رمضان کی ۲۷ویں رات میں ہے۔ بہر حال لیلۃ القدر کے متعلق بہت احادیث ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو یہ رات دکھلا دی تھی اور پھر دو آدمیوں کے کسی بات پر تکرار کی وجہ سے حضور اکرمؐ کے دل سے اس کی تعیین کو اٹھالیا تا کہ تمام طاق راتوں میں بلکہ پورے عشرہ اخیرہ میں لوگ عبادت میں خوب محنت کریں۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے ایک عظیم نعمت ہے کیونکہ اس امت کی عمریں کم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کو قیمتی بنا کر نقصان کو پورا فرمایا، چنانچہ ایک رات کی عبادت قریباً ۸۳ سال کے برابر ہوتی ہے اور ہر سال شب قدر آتی ہے، سبحان اللہ کتنی برکات اور کتنے انعامات ہیں۔

اعتکاف

رمضان کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ اکیسویں شب سے آخری رمضان تک ان مساجد میں اعتکاف کیا جائے جن میں پنج وقتہ نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہوں وہاں کم از کم ایک آدمی کا بیٹھنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے سنت کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر پورے محلّہ میں کوئی ایک آدمی بھی بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہوا تو پورا محلّہ ترک مستحب کا مرتکب ہو جائے گا۔

اسلام میں اعتکاف سابقہ ادیان کے جفاکش اور عبادت کیش لوگوں کی زندگی بھر کی عبادت کا چھوٹا سا نمونہ ہے چونکہ اس امت میں رہبانیت اور درویشی جائز نہیں ہے اس لئے سابقہ ادیان کا ایک نمونہ اس امت کو دیا گیا تا کہ یہ امت ہر لحاظ سے کامل واکمل امت بنے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دس دن بیس دن اور بعض اوقات پورا رمضان اعتکاف فرمایا ہے اور امت کو اس کی ترغیب بھی دی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیوں کا سلسلہ تمام نیکی کرنے والوں کی مانند جاری رہتا ہے، بہر حال اعتکاف کا وقت نیکیوں کے لئے ایک سیزن کا موسم ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ بڑھ چڑھ کر اس مبارک عشرہ میں تھوک کے حساب سے نیکیاں کمائے۔

بڑے فضائل والے نفل روزے

ان بڑے فضائل والے نفل روزوں میں سے ایک ایام بیض کے روزے ہیں۔ یہ ہر ماہ کے تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے ہیں۔ حدیث میں اس کے ہر روزہ کو دس روزوں کے برابر قرار دیا گیا ہے جس کو حضور اکرمؐ نے صیام الدہر کا نام دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، ہر مسلمان کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، بڑے فضائل والے روزوں میں سے دس محرم عاشورہ کا روزہ بھی ہے جس کو حضور اکرمؐ نے خود

بھی رکھا اور امت کو ترغیب بھی دی اور ایک کے بجائے دو کی تلقین فرمائی یعنی ۹، اور ۱۰ محرم، اس ایک روزہ سے سال گزشتہ کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اسی میں سے ایک روزہ یوم عرفہ کا بھی ہے جو سال گزشتہ ولاحقہ کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور اسی میں سے عیدالفطر کے بعد شوال کے چھ روزے ہیں جو زندگی بھر کے روزوں کے برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قرآن وحدیث

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِلنَّاسِ﴾ (سورۃ بقرہ پارہ ۲)

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (سورۃ قدر پارہ ۳۰)

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُم﴾ (سورۃ بقرہ پارہ ۲)

﴿وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّیَّانِ﴾

(بخاری ج ۱ ص ۲۵۵ قدیمی کتب خانه)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ. (بخاری ج ۱ ص ۲۵۵)

مَنْ صَامَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (بخاری ج ۱ ص ۲۵۵)

قَالَ فَاِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِیْ فَاِنَّ عُمْرَةً فِیْهِ تَعْدِلُ حَجَّةً. (مسلم ج ۱ ص ۴۰۹)

عیدالفطر ۱۴۱۵ھ ۱۹ جنوری ۱۹۹۵ء جامع مسجد رحمانیہ آصف آباد گرین ٹاؤن

موضوع

اسلام کی عیدیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (سورت مائدہ)

ترجمہ ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا''۔

وَعَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًاقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْامَا تَمَسَّکْتُمْ بِھَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ (مشکوٰۃ)

''مالک بن انس سے مرسل روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی احادیث ہیں۔

محترم حضرات!!

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل بلکہ اکمل بنایا ہے۔ اس دین کے تمام قواعد اور سارے ضابطے اس قدر ہمہ گیر ہیں کہ بنی نوع انسان کا کوئی شعبہ اور حیات انسانی کا کوئی پہلو اس سے باہر نہیں، عقائد ہوں یا عبادات، اخلاقیات ہوں یا معاملات، اقتصادیات ہوں یا معاشیات، نجی زندگی ہو یا تدبیر منزل ہو یا تدبیر فرد، ہر ہر شعبہ، حیات کے لئے دین اسلام مکمل ضابطہء حیات ہے اور اسلام ہر ہر مسئلہ کا معتدل ٹھوس اور قابل قبول حل پیش کرتا ہے کیونکہ قیامت تک نوع بشر کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے جو قانون اترا ہے وہ قانون اسلام ہی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًافَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَفِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾

(ال عمران ۸۵)

''یعنی جو کوئی دین اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں نقصان اور خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا''

تفسیر!!

مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ کا دین اسلام اپنی مکمل صورت میں آپہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جاسکتا۔ طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے تیل کے چراغ جلانا یا گیس، بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے۔ مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گزر چکا ہے اب ہر قسم روشنی سب سے بڑی اور آخری عالمگیر نبوت وہدایت سے ہی حاصل کرنی چاہئے کہ یہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں۔ کسی نے سچ کہا۔

فَـإِنَّـكَ شَـمْـسٌ وَالْـمُـلُـوكُ كَـوَاكِـبٌ
إِذَا طَـلَـعَـتْ لَـمْ يُـبْـدَ مِـنْـهُـنَّ كَـوْكَـبٌ

آپ بمنزلہ آفتاب عالم تاب ہیں اور دیگر بادشاہ بمنزلہ ستاروں کے ہیں
جب سورج طلوع ہو تو کوئی ستارہ ظاہر نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی ۷۸)

اسلام کی اسی ہمہ گیری کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے اور آپ کی امت خاتم الامم بنی۔ نہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ اس امت کے بعد کوئی امت آئے گی، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرار دے دی گئی اور بیت اللہ آخری قبلہ اور خدا کا واحد گھر قرار دے دیا گیا اسلام کی اسی ہمہ گیری کے پیش نظر امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے معاشرہ میں وہ تمام افراد پیدا کریں جن کی طرف مسلمان وقتاً فوقتاً محتاج ہو جاتے ہیں۔

مثلاً مسلمانوں کا اپنا ڈاکٹر ہو، اپنا انجینیئر ہو، اپنا حجام، لوہار اور ترکھان ہو تا کہ مسلمان ان شعبوں میں کسی غیر مسلم قوم کی طرف محتاج نہ رہیں اسلام کی اسی ہمہ گیری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشی اور غم کے مواقع پر الگ الگ ضابطے عطا کئے تا کہ یہ دین کامل اور مکمل ہو جائے، تکمیل اسلام کے اسی قاعدے کے تحت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سال میں دو عیدیں منانے کا حکم دیا ہے اور اس میں خوشی منانے اتحاد کے مظاہرے، محبت وپیار کے مکالمے اور دیگر خوشی کے اعمال کی رہنمائی فرمائی شریعت نے مسلمانوں کو جس خوشی منانے کا حکم دیا ہے یہ خوشی اور یہ عیدیں دوسری اقوام کی خوشیوں اور عیدوں کی طرح نہیں ہیں کیونکہ غیر مسلم اقوام جو اپنے تہواروں کو مناتی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے مکمل بغاوت کا مظاہرہ کرتی ہیں وہ

خوشیاں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا مجموعہ ہوتی ہیں اس کا ہر ہر لمحہ اور ہر ہر حرکت اللہ تعالیٰ سے بغاوت کا مظاہرہ ہوتا ہے، لیکن اس کے برعکس مسلمان جو خوشی مناتے ہیں وہ خوشی کے رو میں بہہ کر اپنے رب کو بھولتے نہیں ہیں بلکہ وہ صبح صبح عید کی نماز کے لئے اجتماعی طور پر عیدگاہ میں اکٹھے ہو کر اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، اس کی بڑائی اور عظمت کا اعلان اور اعتراف کرتے ہیں پھر عید الفطر میں صدقۃ الفطر ادا کر کے غریبوں کی ہمدردی کرتے ہیں اور عید الاضحیٰ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عظیم قربانی پیش کرتے ہیں عید الفطر میں خود بھی عبادت کرتے ہیں اور ایک عظیم عبادت رمضان کا شکر بھی بجالاتے ہیں عید الاضحیٰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد تاریخی طور پر یاد رکھتے ہیں، اسی لئے یہ دونوں عیدیں بڑی بڑی عبادتوں کے بعد مقرر ہوئی ہیں۔ایک میں رمضان کی عبادت اور روزہ کا شکر ادا ہوجاتا ہے اور دوسرے میں ایک عظیم قربانی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔عبادت کا یہ نقشہ پہلے دلوں میں بٹھلا کر پھر اللہ تعالیٰ نے خوشی منانے کا حکم دیا ہے یہ خوشی کے دن ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دنوں میں روزہ رکھنے یا غم کرنے یا پھٹے پرانے کپڑے پہننے کو ناپسند فرمایا ہے بلکہ شرعی حدود میں رہ کر مکمل خوشی منانے کا حکم دیا ہے۔

عیدین کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو اہل مدینہ اپنے سابقہ روایات کے مطابق سال کے دو دنوں میں کھیل کود میں مشغول ہو کر خوشی منایا کرتے تھے اس میں ایک دن نوروز کا تھا دوسرا مہرجان کا تھا، چنانچہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ نے اپنے کھیل کود کے دو دن مقرر کر رکھے تھے۔آپؐ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ان دو دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں کھیلا کرتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دو دنوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دئے ہیں اور وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں۔(ابوداؤد)

تشریح!!

زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے ہاں خوشی منانے کے لئے دو دن مقرر تھے جس میں وہ لہو لعب میں مشغول رہتے تھے اس میں ایک نوروز کا دن تھا اور دوسرا مہرجان کا تھا، نوروز کے دن سورج برج حمل پر جاتا ہے اور مہرجان کے دن برج میزان میں داخل ہوجاتا ہے ان دنوں میں ہوا معتدل ہوتی ہے موسم خوشگوار

ہوتا ہے۔ دن رات برابر ہو جاتے ہیں ایک دن موسم خزاں کے وقت آتا ہے دوسرا موسم بہار کے وقت آتا ہے اس لئے حکماء اور عقلاء نے ان دو دنوں کو خوشی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ نے اسی عادت کے مطابق ان دنوں میں خوشی منایا کرتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا اور تکمیل دین اسلام کے اصول کے تحت آپؐ نے نوروز اور مہر جان کی جگہ صحابہ کو خوشی کے دو دن عطا فرما دیئے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

مندرجہ بالا حدیث میں ایک اشارہ تو اس طرف ہوا کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے ایک مسلمان عیدین کے دنوں میں خوشی منا سکتا ہے، دوسرا اشارہ اس طرف ہوا کہ غیر مسلموں کی عید و تہوار میں حاضر ہونا اس میں شرکت کرنا ممنوع ہے۔ بعض علماء نے غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت کو موجب کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابو حفص کبیر حنفیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نوروز کی عظمت و توقیر کے پیش نظر اس دن مشرکوں کو تحفہ میں انڈے بھیجے (جیسا کہ اس روز مشرکین کا طریقہ ہے) تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعمال نابود ہو جاتے ہیں۔ قاضی ابوالحاسن حسن بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس دن وہ چیزیں خریدے جو دوسرے دنوں میں نہیں خریدتا ہے جیسا کہ ہمارے ہاں دیوالی کے روز کھیلیں اور مٹھائی کے بنے ہوئے کھلونے وغیرہ خریدے جاتے ہیں یا اس دن کسی کو تحفہ بھیجتا ہے اور اس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم ہو جیسا کہ مشرک اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے اگر یہ مقصد و ارادہ نہ ہو تو کفر نہیں ہے تاہم پھر بھی مشابہت کی وجہ سے یہ مکروہ ہے اسی طرح یوم عاشورہ میں غم کی وجہ سے رونا دھونا یا خوشی منانا خوارج و روافض کی مشابہت ہے جو ناجائز ہے۔

فتاویٰ ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص ہولی اور دیوالی دیکھنے کے لئے بطور خاص نکلتا ہے وہ حدود کفر کے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں کفریہ اعلانات ہوتے ہیں لہٰذا ایسا شخص گویا اپنے عمل سے کفر کی مدد کرتا ہے اسی پر نوروز دیکھنے کے لئے نکلنے کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کفر ہے نوادر الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ جو شخص غیر مسلموں کی رسومات کو اچھا جانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ عمدۃ الاسلام میں لکھا ہے کہ جو شخص کافروں کی رسومات ادا کرے مثلاً نئے مکان میں بیل اور گائے اور گھوڑے کو زرد یا سرخ رنگ کرے یا ان کی کوئی رسم ادا کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا مسائل پر بسنت کی ہندوانہ رسم کو قیاس کیا جا سکتا ہے نیز کرسمس بڑے دن اور عیسائی نئے سال کی تقریبات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ (خلاصہ مظاہر حق ص ۹۳۸ ج ۱)

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی شریعت اپنی ثقافت اور اپنے پیغمبر کی سنت اور اپنی عظیم شناخت کی

حفاظت کریں اور غیر مسلم اقوام کی تقلید سے مکمل طور پر اجتناب کرے کیونکہ ؎

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

عیدین کے آداب، فضائل ومسائل

ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روز جب عید گاہ میں تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر وعظ فرماتے لوگ صفوں میں بیٹھے رہتے اگر آپؐ کو کہیں جہاد پر فوجی دستہ بھیجنا ہوتا اس کو روانہ فرماتے یا کوئی اور کام ہوتا اس کا حکم کرتے اور پھر گھر واپس تشریف لے آتے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں میں نے حضور اکرمؐ کے ساتھ کئی دفعہ عید کی نماز پڑھی ہے اس میں اذان واقامت نہیں ہوتی تھی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ عید الفطر کے دن اس وقت تک عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے جب تک آپ کھجور نہ کھاتے، آپ طاق کھجور تناول فرماتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ عید کے دن راستہ بدل بدل کر جاتے آتے رہتے تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کی تو وہ اس کے بدلے اور قربانی کرے اور جس نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے تک قربانی نہ کی تو اس کو چاہئے کہ اللہ کے نام پر (قربانی) ذبح کرے یعنی بسم اللہ واللہ اکبر کہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ عید الفطر کے لئے کچھ کھائے بغیر تشریف نہ لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے روز نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھاتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں عید کی نماز پڑھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو اس وقت خط لکھا جبکہ وہ نجران میں تھے آپؐ نے لکھا کہ عید الاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھا کرو اور عید الفطر میں تاخیر کرو۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک سال کی بکری اور دنبہ قربانی میں ذبح کرو ہاں اگر تنگی ہو تو چھ ماہ کا دنبہ ذبح کیا کرو۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قربانی کے ایام عید الاضحیٰ کے دن کے بعد دو دن تک ہے (یعنی گیارہ اور بارہ ذی الحجہ تک)۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ابا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، صحابہ نے عرض

کیا کہ اے اللہ کے رسول اس میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہر بال کے برابر ایک نیکی ملے گی صحابہ نے پوچھا کہ اون پر بھی ایسا ہی ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اون کے بھی ہر بال پر ایک نیکی ملے گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور کی آنکھ۔ کان خوب اچھی طرح دیکھ لیا کرو (کہ کوئی عیب نہ ہو) اور یہ بھی حکم دیا کہ ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں اور ہمیں حضور اکرمؐ نے منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے ہوں، حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سینگ دار اور فربہ دنبہ کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا (یعنی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی) سیاہی میں کھاتا تھا (یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا) اور سیاہی میں چلتا تھا (یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے)۔ یہ تمام حدیثیں مشکوٰۃ کی ہیں۔

تفسیر آیت مذکورہ!!

سب سے بڑا احسان تو یہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسے نبی تمہیں مرحمت فرمائے، مزید براں اطاعت واستقامت کی توفیق بخشی، روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دستر خوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبہ اسلام، اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیئے، اس عالمگیر مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے، اسلام جو تفویض وتسلیم کا مرادف ہے اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اس آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! اگر یہ آیت ہم یہود پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول میں عید منایا کرتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔

یہ آیت ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے روز جمعہ کے دن عصر کے وقت نازل ہوئی جبکہ میدان عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء وابرار صحابہؓ کا مجمع کثیر تھا اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضورؐ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔ (تفسیر عثانی ص ۱۴۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں عیدین کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسبان ہمارا

تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے ہم
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

سالارِ کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

۱۰ رمضان ۱۴۱۵ھ ۳۱ جنوری ۱۹۹۵ء مسجد حرام میں ایک مختصر نشست

موضوع

تاریخ بیت اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾

''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے مقرر ہوا ہے یہی ہے جو مکہ میں ہے جو برکت والا ہے اور جہاں کے لوگوں کے لئے ہدایت ہے''۔

دیکھو بھائی!!

یہ جو سامنے پُرکشش اللہ تعالیٰ کا گھر نظر آرہا ہے یہ وسط دنیا میں واقع ہے جسے سرۃ الدنیا یعنی دنیا کا ناف بھی کہا جاتا ہے اس عظیم الشان گھر کی ایک عظیم تاریخ بھی ہے میں مختصر انداز سے آپ کے سامنے کچھ عرض کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تھے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور چیز موجود نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک سبز موتی کو پیدا فرمایا اور اس موتی پر ایک نگاہ ڈالی جس سے وہ موتی پگھل کر پانی پانی ہو گیا۔ اب نیچے پانی تھا اور اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش تھا جس کو قرآن نے اس طرح ذکر کیا ﴿وَکَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ﴾ یعنی نیچے پانی اللہ کی قدرت پر کھڑا تھا اور اوپر عرش تھا پھر اللہ تعالیٰ نے رعب کی نگاہ اس پانی پر ڈالی جس سے یہ پانی کھولنے لگا اور ابل ابل کر خشک ہو گیا جس سے اوپر کی طرف ایک دھواں اٹھا جس سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ﴿ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ﴾ یعنی پھر اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ آسمان دھواں کی طرح تھا، پانی کے ابلنے اور خشک ہونے کے بعد نیچے ایک تلچھٹ سی رہ گئی۔ اسی ابھری ہوئی تلچھٹ سے زمین کی بنیاد پڑی، یہ ابھری ہوئی جگہ وہی جگہ تھی جہاں آج بیت اللہ قائم ہے گویا پوری دنیا کو اسی بیت اللہ کے مقام سے پھیلا دیا گیا، اسی وجہ سے دنیا کا وسط بیت اللہ ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اسی حصہ زمین کا کچھ نہ کچھ اثر بنی آدم کے ہر فرد کے جسم میں آیا ہے جس کی وجہ سے ہر آدمی طبعی طور پر بیت اللہ سے محبت رکھتا ہے، اگر یہ روایات پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح بیت اللہ عبادت کے حوالے سے اللہ کا پہلا گھر ہے اسی طرح

بیت اللہ پوری دنیا کے لئے بنیاد بھی ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کے سامنے حضرت آدمؑ کی تخلیق کی بات پیش کی تو فرشتوں نے سمجھنے کی غرض سے ایک سوال کیا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے، فرشتوں نے عرش عظیم کا طواف شروع کیا تا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تین گھنٹے مسلسل طواف کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نظر کرم کی اور عرش کے نیچے ایک گھر بیت المعمور کے نام سے فرشتوں کے لئے مقرر کیا اور اس کے اردگرد طواف کا حکم دے دیا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہاں روزانہ ۷۰ ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور ایک بار طواف کرنے کے بعد دوبارہ نمبر کسی فرشتے کا ہی نہیں آتا۔

آدم علیہ السلام!!

حضرت آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف جنت سے نیچے اتارا تو ہندوستان کے علاقہ سراندیپ میں آپ اتر آئے حضرت حواؑ غالباً جدہ میں اتر آئی اور شیطان ایران کے علاقوں میں اتر گیا، حضرت آدمؑ فرشتوں کی مجلس سے علیحدہ ہو کر بہت اداس رہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے مولا! یہاں دنیا میں کوئی اُنس والا فرد موجود نہیں نہ تیرے عبادت کے لئے کوئی مکان ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد تو تیری اولاد سے پھیلاؤں گا اور عبادت کے لئے میرے نام پر پہلا گھر تم تعمیر کردو اور اس کے بعد اپنے رہنے کے لئے مکان بناؤ وہاں میرے گھر کو بیت المعمور کے محاذات میں زمین پر آباد کرلو۔ حضرت آدم نے پوچھا کہ اے مولا وہ گھر کہاں بناؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہاں سے پوری دنیا کو میں نے پھیلا دیا اور جس جگہ پر ۴۰ سال تک تیری خمیر پڑی رہی۔ حضرت آدم نے فرمایا مجھے اس جگہ کی نشاندہی فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ جا کر ان کو مکہ معظمہ کی پہچان کراؤ اور اس جگہ پر مکان کی تعمیر میں ان کی مدد کرو، چنانچہ حضرت جبرئیلؑ ہمراہ آدمؑ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور بیت اللہ کی نشاندہی فرمادی اور پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ یہاں پر بنیادیں کھود کر اس میں پتھر بھر دیں، چنانچہ فرشتوں نے عین عرش عظیم کے نیچے بیت المعمور کی برابری میں ایک گہرا گڑھا کھود لیا اور اتنے بڑے بڑے پتھر اس میں ڈال دیئے کہ ۴۰ آدمی بھی ایک پتھر نہیں اٹھا سکتے۔ یہ پتھر پانچ پہاڑوں سے لائے گئے تھے۔ یعنی (۱) جبل لبنان (۲) طور زیتا (۳) طور سینا (۴) جودی (۵) جبل حراء، جب یہ بنیادیں بھر گئیں اور زمین ہموار ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے بیت المعمور کو آسمانوں سے نیچے اتار دیا اور آدمؑ کو حکم دے دیا کہ اس کی طرف نماز پڑھیں اور اس کے اردگرد طواف کریں، چنانچہ آدم علیہ السلام بمع فرشتوں کے اس کے طواف

میں مصروف ہو گئے اس وقت آدم علیہ السلام کا دروازہ رکن یمانی کی جانب تھا اور [illegible] کے لئے وہی دروازہ
تھا جو آج کل موجود ہے اور دونوں دروازے زمین کے ساتھ لگے ہوئے تھے جب تک حضرت آدم علیہ
السلام حیات تھے تو وہ اس گھر کے پاس عبادت الٰہی میں مشغول تھے، حضرت آدم کے انتقال کے بعد حضرت
نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب سیلاب آیا تو بیت المعمور کو فرشتوں نے [illegible] آسمان پر اٹھا لیا
اور بیت اللہ کی جگہ سیلاب کی وجہ سے مٹی کے بڑے تودوں کے نیچے آگئی اور اس کی بنیاد کا نشان بھی
غائب ہوگیا، البتہ بیت اللہ کی مجموعی جگہ ایک سرخ ٹیلہ کی طرح ابھری ہوئی تھی [illegible]
پہلے لوگ اسی ٹیلہ کے پاس آتے تھے بعض روایات میں ہے کہ طوفان نوح میں کشتی نوح نے مع اپنے
سواروں کے ساتھ پانی کے اوپر مقام بیت اللہ کا طواف کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر بیت اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن عراق میں شہر بابل تھا وہاں کے لوگوں کے [illegible]
وجہ سے اور لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی [illegible]
آپ کا بھتیجا حضرت لوط علیہ السلام اور زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام [illegible]
تو فرعون مصر نے آپ کی زوجہ محترمہ کے بارے میں [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]
کو حضرت سارہ کے سامنے [illegible]
[illegible]

حضرت ہاجرہ کے پاس جب دانہ پانی ختم ہوا تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر کسی کو ڈھونڈنے کی کوشش کی پھر نیچے اتر کر دوڑ لگائی اور جا کر مروہ پہاڑ پر چڑھ گئیں وہ پانی کی تلاش میں تھیں اور ادھر اپنے شیر خوار بچے کی فکر میں بھی تھیں کہ آیا زندہ بھی ہے یا کسی درندے نے کھالیا چونکہ وہاں سے بچہ نظر نہیں آ رہا تھا تو حضرت ہاجرہؓ نے دوڑ لگائی، ساتویں چکر پر آپ نے کسی کی آواز سنی اور جب بچے کے پاس آئی تو وہاں زمزم کا چشمہ جبرئیل امینؑ کے پَر یا ایڑی مارنے سے نمودار ہو گیا اور کھانے پینے کا انتظام ہو گیا، اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام پھلے پھولے اور ایک قبیلہ بنی جرہم میں ان کی شادی ہوگئی۔

پھر ایک موقع پر حضرت ابرہیم علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے یہاں اپنی عبادت کے لئے ایک گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیلؑ نے جواب دیا کہ اپنے رب کا حکم مان لیجئے، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ آپ اس تعمیر میں میرا ساتھ دیجئے، آپ نے فرمایا کہ میں حاضر ہوں، چنانچہ جبرئیل امینؑ نے کھدائی کے لئے نشانات بتادیئے، اور باپ بیٹا دونوں اس مقدس کام میں مصروف ہو گئے، یکم ذوالقعدہ کو یہ تعمیر شروع ہوگئی تھی اور ۲۵ ذوالقعدہ کو یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام ادھر ادھر سے بڑے بڑے پتھر لا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بنیادوں پر دیواریں کھڑی کر رہے تھے اور دونوں قبولیت عمل اور برکت کی دعا مانگ رہے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بنیادوں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھدائی کر کے مٹی ہٹادی اور پھر دیواریں بنادیں، جب دیواریں کچھ اونچی ہوگئیں تو ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر منگوالیا تاکہ اس پر کھڑے ہو کر دیواریں بنائیں، چنانچہ حضرت اسماعیلؑ ایک پتھر اس کام کے لئے لائے وہ پتھر ایسا تھا جیسے خود کار سیڑھی ہوتی ہے کہ جہاں ضرورت ہوتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اوپر نیچے اور ادھر ادھر لے جایا کرتی تھی اسی پتھر کا نام مقام ابراہیم ہے جس میں آج تک ابراہیم علیہ السلام کے نشاناتِ قدم گڑے ہوئے صاف نظر آ رہے ہیں جو بغیر جوتے کے ہیں اور وہ سامنے شیشے میں بند ہیں۔

حدود بیت اللہ

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی جو تعمیر فرمائی تھی اس کی اونچائی ۹ گز تھی اور اس کی چوڑائی چاروں طرف سے اس طرح تھی، حجر اسود سے لے کر رکن شامی یعنی حطیم تک ۳۲ گز کا فاصلہ تھا اور رکن شامی سے رکن غربی یعنی حطیم کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا فاصلہ ۲۲ گز کا تھا اور رکن غربی سے لے کر رکن یمانی تک کا فاصلہ ۳۱ گز کا تھا اور رکن یمانی سے حجر اسود تک کا فاصلہ ۲۰ گز کا تھا اس کو کچھ مزید وضاحت

کے ساتھ اس طرح سمجھیں کہ حجر اسود سے حطیم تک جو بیت اللہ کے دروازے کی جانب ہے یہ سب سے زیادہ چوڑا ۳۲،۲ گز کا ہے پھر میزاب رحمت کی طرف جو حطیم ہی کے دو حصوں پر مشتمل ہے یہ ۲۲ گز کا تھا پھر رکن غربی سے رکن یمانی یعنی باب عمرہ کی طرف کا حصہ ۳۱ گز کا تھا پھر رکن یمانی سے حجر اسود تک یعنی اذان نہ کی جانب کا حصہ ۲۰ گز کا تھا یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ شرعی گز ایک فٹ سے معمولی سا زیادہ ہوتا ہے یعنی کہنی سے انگلیوں تک بازو ایک گز ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ پر چھت نہیں ڈالی تھی اسی طرح دروازوں کی جگہ خالی تھی مگر دروازے نہیں لگائے تھے اور دونوں دروازے زمین سے پیوست تھے پھر بادشاہ تبع حمیری نے لکڑی کے دروازے لگائے اور اس میں تالے لگائے اور پورے بیت اللہ کو غلاف پہنا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک جگہ بیت اللہ کے پاس ایسی بھی رکھ چھوڑی تھی جو بیت اللہ کے ہدایا اور نذر و نیاز کے لئے گویا خزانے کی جگہ تھی، چنانچہ وہ سونے چاندی سے اب بھی بھرا پڑا ہے، اسی طرح حجر اسود کو موجودہ مقام پر حضرت ابراہیمؑ نے نصب فرمایا تھا یہ پتھر جنت سے آیا تھا سفید تر تھا مگر انسانوں کے گناہوں نے کالا کر دیا طوفان نوح کے وقت جبل ابوقیس نے اس کو بطور امانت محفوظ رکھا تھا پھر جبرئیل امینؑ نے لا کر حضرت ابرہیمؑ کو دے دیا حضرت ابراہیمؑ نے حجر اسود کو دیوار میں نصب فرمایا، حضرت ابراہیمؑ نے جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر لی تو آپ مقام ابراہیمؑ کے پتھر پر کھڑے ہو گئے اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو حج کے لئے اس طرح بلایا "یَاأَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ اِتَّخَذَ بَیْتًا فَحُجُّوْہُ"

"اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے تم اس کی زیارت کے لئے آؤ"۔

چنانچہ اس آواز کو اللہ تعالیٰ نے معجزاتی طور پر تمام انسانوں تک پہنچا دیا جس نے بھی اس آواز پر لبیک کہدی وہ ضرور حج کرے گا، ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے اکثر پتھر اب بھی بیت اللہ کی دیواروں میں موجود ہیں۔

بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد

ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد عمالقہ قوم نے بیت اللہ کو بطرز حضرت ابراہیم تعمیر کیا کیونکہ بیت اللہ منہدم ہو گیا تھا، پھر اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی تعمیر نو کی کیونکہ ان کے زمانے میں بھی بیت اللہ گر چکا تھا، پھر اس کے بعد قریش نے اس وقت بیت اللہ کی تعمیر کی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۵ سال کی عمر میں تھے، اس وقت بیت اللہ کی عمارت کمزور پڑ گئی تھی تو قریش نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس گھر کی تعمیر

نو کی جائے۔ اتفاق سے اس وقت جدہ میں ایک سمندری جہاز بھی آ کر ٹوٹ گیا تھا جس میں اعلیٰ قسم کی لکڑی تھی، قریش نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ بیت اللہ کی تعمیر کریں لیکن بیت اللہ کی دیواروں پر صبح صبح ایک اژدہا سانپ آ کر بیٹھ جاتا تھا اور کسی کو قریب آنے نہیں دیتا تھا، قریش اس وجہ سے پریشان تھے کہ اچانک ایک دن صبح ایک پرندہ آیا اور اس اژدہا کو چونچ اور پنجوں میں اٹھا کر کہیں دور لے جا کر گرا دیا، قریش بہت خوش ہوئے کہ یہ تعمیر بیت اللہ کی من جانب اللہ اجازت ہے، پھر ایک شخص نے پھاوڑا بیت اللہ کی دیوار پر مارا لیکن پتھر گرنے کے بعد پھر واپس آ کر اسی جگہ پر چپک گیا، قریش نے پھر دعائیں مانگیں کہ تعمیر کی اجازت مل جائے سب نے مل کر عہد کیا کہ اس تعمیر میں حرام کا ایک پیسہ بھی نہیں لگائیں گے چنانچہ ولید بن مغیرہ نے جا کر گرانا شروع کر دیا پھر سب لوگ آ کر دیواروں کو گرانے لگے اور زمین تک دیواریں گرا کر پھر تعمیر شروع کر دی اور تمام قبائل قریش نے اس میں حصہ لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تعمیر میں شریک تھے اور آپ نے بنفس نفیس اس میں مٹی اٹھانے اور پتھر ڈھونڈنے میں حصہ لیا ہے، پھر حجر اسود کے رکھنے میں قریش کا تنازعہ کھڑا ہوا ہر سردار چاہتا تھا کہ حجر اسود اپنی جگہ پر میں نصب کرلوں تاکہ میرا یادگار رہے، قریب تھا کہ خون ریزی ہو جاتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے درمیان ایسا فیصلہ کیا جس پر سب خوش ہو گئے قریش نے اس تعمیر میں ابراہیم علیہ السلام کے نقشے سے کچھ تغیر و تبدل کیا ایک یہ کہ حلال پیسہ کم پڑنے کی وجہ سے انہوں نے حطیم کا حصہ باہر چھوڑ دیا، یہ چھ فٹ کی جگہ ہے جو داخل بیت اللہ کا حصہ تھا دوسرا تغیر یہ کیا کہ دو دروازوں کے بجائے ایک دروازہ رکھا اور رکن یمانی کے پاس دروازہ بند کر دیا، تیسرا یہ تغیر کیا کہ بیت اللہ کے دروازے کو زمین سے کافی اونچا کر دیا تاکہ ہر کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے بلکہ جسے قریش چاہے وہی داخل ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپؐ نے اس تغیر کو درست کرنے اور کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشے پر بنانے کی تمنا ظاہر فرمائی مگر آپؐ کو فرصت نہیں ملی اور پھر عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس تمنا کو پورا کیا اور بیت اللہ کے دروازے زمین پر چھوڑ دیئے اور حطیم کو بیت اللہ کے اندر کر دیا لیکن حجاج بن یوسف نے آپؓ کو شہید کر دیا اور پھر تو اس نے اس عمارت مقدسہ کو گرا کر پھر قریش کے طرز پر بنا دیا جو آج تک اسی نقشے پر قائم ہے ایک دروازہ ہے جو کافی اونچا ہے اور حطیم کا حصہ باہر ہے، پھر امام مالک سے خلیفہ ہارون الرشید نے مسئلہ پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بنا دوں، امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح یادگار بنانے سے بیت اللہ

بادشاہوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گا۔ پھر ایک ہزار ہجری کے قریب ترکوں کے بادشاہ سلطان مراد خان نے کچھ مرمت وغیرہ کیا ہے اور پتھروں کے درمیان سفید مسالہ لگا دیا ہے جو نمایاں نظر آتا ہے حدیث میں ہے کہ آئندہ زمانے میں ایک کالا حبشی ذلیل آدمی اس بیت اللہ پر غلبہ حاصل کر کے اس کو گرائے گا اور اس کا ایک ایک پتھر ہٹا کر نیچے سے خزانہ لوٹ کر چلا جائے گا۔

پھر قرب قیامت کے وقت جب مقدس چیزیں اٹھائی جائیں گی تو بیت اللہ کی حقیقت کو بھی اٹھالیا جائے گا اور فرشتے اس کو حضور اکرمؐ کے روزے کے پاس لے جا کر جائیں گے وہاں بیت اللہ کہے گا ''السلام علیک یارسول اللہ'' حضورؐ فرمائیں گے ''وعلیک السلام یا بیت اللہ'' تم بتاؤ میری امت نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا اور تو نے میری امت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بیت اللہ جواب دے گا کہ جو شخص حج اور عمرے کے لئے مجھ تک پہنچا ہے اس کی شفاعت کی میں ذمہ داری لیتا ہوں اور جو نہیں پہنچ سکا ان کی شفاعت آپ پر چھوڑتا ہوں بیت اللہ کی تاریخ کے یہ حقائق میں نے البدایہ والنہایہ، اخبار مکہ، ازرقی اور تفسیر عزیزی وغیرہ سے لی ہیں اور مختصر طور پر پیش کیا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا کس نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے
تیرے قرآن کو سینے سے لگایا کس نے

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

قرآن وحدیث

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ (سورۃ ال عمران)

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيْلُ...... ﴾ (سورۃ البقرہ ایت ۱۳۶)

﴿ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ﴾ (سورۃ بقرہ ایت ۱۳۶)

عَنْ اِبْنِ عَمْرٍو قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ الْبَيْتَ قَبْلَ الْأَرْضِ بِأَلْفَيْ سَنَةٍ الخ (الدرالمنثور ج۲ ص ۲۶۵)

۲۳ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ ۱۲ اپریل ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر امتحانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰاھِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًاط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَایَنَالُ عَهْدِالظّٰلِمِیْنَ٥﴾ (سورت بقرہ ۱۲۴)

''اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کئی باتوں پر پھر اس نے وہ پوری کیں، تب (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا اقرار ظالموں کو نہیں پہنچے گا''

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (سورت بقرہ ۱۳۱)

''وہ وقت قابل ذکر ہے جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کہا کہ حکم برداری کر دتو بولا کہ میں پروردگار عالم کا حکم بردار ہوں''۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِیْ دِیْنِهٖ صَلَابَةٌ زِیْدَ فِی الْبَلَاءِ. (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۴)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ انبیاء کرام پر آزمائشیں آتی ہیں پھر نیک لوگوں پر اور پھر درجہ بدرجہ اچھے لوگوں پر، آدمی کو اس کے دین کے اعتبار سے آزمایا جاتا ہے اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہے تو اس کی مصیبت میں اضافہ کیا جاتا ہے''۔

وَعَنْ سَعْدٍؓ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِیْ دِیْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاءُهٗ وَاِنْ كَانَ فِیْ دِیْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَیْهِ فَمَازَالَ كَذَالِكَ حَتّٰی یَمْشِیْ عَلَی اَرْضٍ مَالَهٗ ذَنْبٌ.

(مشکوۃ ص ۱۳۶)

''حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون شخص زیادہ سخت بلاؤں یعنی (آزمائشوں) میں مبتلا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا انبیا علیہم السلام پھر وہ لوگ جو اپنے

اپنے درجہ کی فضیلت رکھتے ہوں۔

انسان اپنے دین کے مطابق مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اسکی مصیبت بھی ہلکی ہوتی ہے، لہٰذا یہ مصیبت زدہ شخص انہی مصائب میں ہمیشہ گرفتار رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

محترم حضرات!

جیسا کہ ہر آدمی جانتا ہے کہ حصہ بقدر جُثہ ہوتا ہے اور امتحان بقدر ایمان ہوتا ہے، پرائمری اور ابتدائی کلاسوں میں جو طالبعلم پڑھتا ہے اس کا امتحان بھی ابتدائی درجات میں ہوتا ہے اور جو طالب علم بی اے اور انتہائی درجات میں پڑھتا ہے اس سے امتحان بھی انہی درجات کا لیا جاتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ ابتدائی درجات کے طلباء سے انتہائی درجات کے طلباء کا امتحان لیا گیا ہو یا بالائی درجات کے طلبہ سے ابتدائی درجہ کا امتحان لیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ کچھ اسی طرح کا ہے کہ جس کا درجہ جتنا بڑا ہوتا ہے اس پر بڑے بڑے امتحانات آتے ہیں اور جن کا درجہ کم ہوتا ہے ان پر کم اور چھوٹے امتحانات آتے ہیں یہی معاملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنے اپنے درجات کا تھا جن کا مقام جتنا بلند تھا اسی حساب سے ان پر آزمائشیں آئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ جدالانبیاء تھے اس لئے آپ پر طرح طرح کے بڑے بڑے امتحانات آئے تھے جس میں وہ سو فیصد کامیاب ہوئے تھے، انہیں آزمائشوں کا کچھ تذکرہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں لیکن پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن، آپ کا علاقہ اور آپ کے آباؤاجداد کے متعلق کچھ باتیں سماعت فرمائیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا سلسلۂ نسب

آپ کا نام ابراہیم علیہ السلام تھا آپ کی عمر ۱۷۵ اور ۲۰۰ سال کے درمیان بتائی جاتی ہے، آپ نمرود ظالم بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے آپ کی پیدائش عراق کے بابل مقام پر ہوئی تھی وہاں ایک مقام کا نام کوثی ہے اسی جگہ میں آپ پیدا ہوئے، پھر اسی جگہ میں آپ آگ میں ڈالے گئے تھے آپ کے والد کا نام تارخ تھا جو کوکب پرست اور بت پرست تھا، حضرت ابراہیم کی کنیت ابوالضیفان تھی یعنی بہت زیادہ مہمان نواز، آپ کے دادا کا نام ناحُور تھا، سلسلۂ نسب یوں ہے، ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن

ساروغ بن راعو بن فالغ بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔آپ کے باپ کا عرفی نام آزر تھا، آپ کی پہلی بیوی محترمہ حضرت سارہ تھی جس کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، آپ کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؑ تھی جس کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت سارہ ہجرت کے بعد ''حبرون'' میں وفات پاگئیں۔اس جگہ کو آج کل ہیبرون بھی کہتے ہیں اور اس کا نام ''الخلیل'' بھی ہے جس پر اسرائیل قابض ہے اور فلسطین والے آزاد کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد آپؑ نے ایک خاتون سے شادی کی تھی جس کا نام قنطورا تھا اسکے بطن سے آپ کے چھ بیٹے تھے یعنی زمران، یقشان مادان، مدین، شوح اور شیاق۔

اس وقت دنیا میں صرف تین مسلمان تھے ایک خود حضرت ابراہیم علیہ السلام دوسرا آپ کا بھتیجا حضرت لوط علیہ السلام اور تیسری حضرت سارا علیہا السلام، حضرت سارہ کو جس جگہ دفنایا گیا تھا وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام دفنائے گئے، حضرت اسماعیل واسحاق علیہ السلام نے تجہیز وتکفین کی اور ''الخلیل'' میں آپ کو دفنا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے مہمان نوازی کی رسم ڈالی ختنہ جاری کی اور مونچھیں کٹادیں، سب سے پہلے آپ کی داڑھی سفید ہوئی، سب سے پہلے زیرناف بال صاف کئے، شلوار پہن لی اور بیت اللہ کا حج جاری کیا، الخلیل میں آپ کی قبر کے پاس کتبے پر یہ اشعار درج ہیں۔

اِلٰهِی جَهُوْلًا اَمَلُهٗ يَمُوْتُ مَنْ جَآءَ اَجَلُهٗ
وَمَنْ دَنَا مِنْ حَتْفِهٖ لَمْ تُغْنِ عَنْهُ حِيَلُهٗ
وَكَيْفَ يَبْقَى آخِرُ مَنْ مَاتَ عَنْهُ اَوَّلُهٗ
وَالْمَرْءُ لَا يَصْحَبُهٗ فِي الْقَبْرِ اِلَّا عَمَلُهٗ

پہلا امتحان حق و باطل کا مناظرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے علاقے میں آنکھ کھولی تو ہر طرف کفر و شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا، آپؑ نے علمِ توحید بلند کیا اور پھر حق و باطل کے مقابلے ہوئے، مناظرے ہوئے اور مجادلے ہوئے، سب سے پہلے آپ کا مقابلہ اپنی قوم سے ہوا، آپ نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا کہ بت پرستی مت کرو اس سے باز آجاؤ، یہ سورج اور چاند اور یہ ستارے اس قابل نہیں کہ ان کو پوجا جائے یہ بت خود بات نہیں کرسکتے اپنے آپ کو نہیں بچاسکتے یہ تمہیں کیا بچائیں گے اور تمہاری کیا سفارش کریں گے، یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی اکیلا اس کو چلا رہا ہے اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں نفع ونقصان

کا مالک صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے بیماروں کو شفا وہی دیتا ہے وہی کھلاتا پلاتا ہے وہی پیدا کرتا ہے اور پھر ہدایت بھی دیتا ہے، تم نے جن کو معبود بنا رکھا ہے یہ سب جھوٹے ڈھکوسلے ہیں جن کی وجہ سے تم بھی گمراہ ہوگئے اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہ ہو گئے ہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ان سے بیزار ہوں بلکہ یہ میرے کھلے دشمن ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں میرا رب اور تمہارا رب بلکہ تمام مخلوقات کا رب صرف وہ اللہ ہے جس نے زمین و آسمان بنایا ہے وہی اس کا واحد تصرف کرنے والا ہے خدا کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھدوں گا۔

یہ فرما کر ابراہیم علیہ السلام سیدھے ان کے بت خانہ میں تشریف لے گئے اور بتوں سے کہا کہ سامنے سب کچھ رکھا ہوا ہے تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ مجھ سے کیا ناراض ہو؟ باتیں کیوں نہیں کرتے ہو؟ یہ کہہ کر پھر خوب زور زور سے بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور سب کو ریزہ ریزہ کر کے رکھدیا صرف ان کے بڑے کو چھوڑا اور کلہاڑی اس کے کندھے پر رکھدی، جب قوم نے دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا اور بادشاہ نمرود کے سامنے بڑا مناظرہ قائم ہوگیا۔ نمرود نے کہا کہ یہ کام تم نے کیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے مار کر توڑا ہے، میرے خیال میں تو اس بڑے نے یہ کام کیا ہوگا کلہاڑی بھی اس کے پاس ہے اور خود ٹھیک ٹھاک بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ یہ بت باتیں نہیں کرسکتے ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ تم پر تف ہو لعنت و افسوس ہو کہ جو بات نہیں کرسکتا اس کو تم نے حاجت روا مشکل کشا بنا رکھا ہے؟

نمرود سے بحث

نمرود بابل کا حکمران تھا بڑا سرکش اور نہایت بے وقوف مغرور بادشاہ تھا کہتے ہیں کہ پوری دنیا پر چار بادشاہوں نے حکومت کی ہے دو مسلمان تھے اور دو کافر تھے۔ مسلمان بادشاہوں میں سے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرا ذوالقرنین تھے، اور کافروں میں سے پہلا نمرود اور دوسرا بخت نصر تھا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کے توڑنے کا ملزم بھی ٹھہرادیا اور پھر اپنی الوہیت کے دلائل بھی دینے لگا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں اور اس احمق نے ایک بے گناہ آدمی کو پھانسی دیدی اور گناہ گار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھو میں نے ایک کو زندہ کیا اور دوسرے کو ماردیا۔ حضرت ابراہیم نے سوچا کہ یہ تو احمق ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ میرا رب سورج کو مشرق سے مغرب کی طرف نکال کر لے جاتا ہے، تم اس سورج کو مغرب سے مشرق کی

طرف نکال کر لا دکھاؤ اس پر کافر لا جواب ہو کر سرنگوں ہو گیا لیکن تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق اس نے ایک حکم جاری کیا کہ اے لوگو! اپنے خداؤں کی مدد اگر کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ چنانچہ اب آگ تیار کرنے کی تیاری شروع ہو گئی۔ ایک امتحان سے نکل کر اب دوسرا امتحان شروع ہو گیا کیونکہ

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے ۔۔۔ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

دوسرا امتحان سرکاری آگ

جب نمرود اور اس کی پارٹی کے پاس کوئی دلیل وحجت نہ رہی اور دلائل کے میدان میں شکست کھا گئے تو سب نے اتفاق کیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو کیونکہ اس نے بھی ہمارے دل جلا ڈالے ہیں، قرآن کا ارشاد ہے: ﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾

”یعنی اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو علاج یہی ہے کہ ان کو جلا دو اور اس طور پر اپنے معبودوں کی مدد کرلو“۔

چنانچہ سرکاری طور پر ملک کے ہر کونے سے لکڑی جمع کرنے کا اہتمام شروع ہو گیا، ہر آدمی سرکاری حکم کی تعمیل میں بھی اور ذاتی دلچسپی سے بھی لکڑی جمع کرنے میں مشغول ہو گیا حتی کہ جب کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو نذر مانتی کہ اگر میری بیماری دور ہو گئی تو میں اتنی لکڑی ابراہیم (علیہ السلام) کے جلانے کے لیے لاؤنگی، ایک ماہ تک ایک کھائی میں لکڑیاں اکٹھی کی گئیں اور پھر اس میں آگ بھڑکا دی گئی، بادلوں تک یا اس کے قریب تک شعلے بلند ہو گئے، بعض پرندوں اور جانوروں نے اپنے اپنے انداز سے آگ بجھانے یا کم کرنے کی کوشش کی لیکن چھپکلی نے مزید بھڑکانے کے لئے پھونک ماردی، اسی وجہ سے چھپکلی کے مارنے کا بہت ثواب احادیث مبارکہ میں مذکور ہے جب آگ مکمل طور پر تیار ہو گئی تو اب ڈالنے کا مرحلہ پیش آیا۔ فارس کے کُردوں میں سے ایک آدمی نے منجنیق تیار کیا تا کہ اس کے ذریعے سے حضرت ابرہیمؑ کو آگ میں ڈالا جائے، اس شخص کا نام ”ہزن“ تھا، اس کام کے لئے منجنیق کا موجد یہی شخص ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی اور زمین نے اس کو نگل لیا جو آج تک زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔

توحید وایمان ہو تو ایسا ہو

البدایہ والنہایہ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابرہیمؑ کو کافروں نے آگ میں ڈالنے کے لئے باندھنا شروع کیا تو آپؑ کی زبان پر توحید کے یہ کلمات جاری تھے، **لا الہ الا انت سبحانک لک الحمد و لک الملک لا شریک لک**، اور جب آپ منجنیق میں پھینکنے کے لئے بٹھلا دیئے

گئے تو آپ نے فرمایا "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ"۔

جب آپؑ کو منجنیق اور جھولے میں رکھا تو بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جبرئیل امینؑ نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تیرا ایک ہی بندہ ہے جو زمین میں توحید کا اقرار کرتا ہے اس کی مدد کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جا کر ان سے معلوم کر لو اگر وہ چاہے تو پھر مدد کر لو حضرت جبرئیل امینؑ علیہ السلام جب حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تو اس نے اس طرح سوال کیا اَلَکَ حَاجَةٌ؟ کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا، آپ کی طرف تو کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیل امینؑ نے فرمایا کہ پھر اپنے رب سے سوال کریں، آپؑ نے فرمایا "عِلْمُهٗ بِحَالِیْ یَکْفِیْنِیْ عَنْ سُؤَالِیْ" یعنی

لِسَانُ الْحَالِ اَفْصَحُ مِنْ لِسَانِیْ

وَصُمْتِیْ عَنْ سُؤَالِیْ تَرْجُمَانِیْ

میری حالت میری زبان سے زیادہ فصیح اور واضح ہے اور میرا چپ رہنا خود ہی سوال ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے جونہی ڈالے گئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا ﴿یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ﴾ "اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا" آگ ٹھنڈی ہوگئی گل گلزار بن گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ ابراہیمؑ جب آگ میں ڈالے گئے۔ تو آپؑ نے فرمایا "اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ فِی السَّمَاءِ وَاحِدٌ وَاَنَا فِی الْاَرْضِ وَاحِدٌ اَعْبُدُکَ" "مولا تو آسمان میں یکتا ہے اور میں زمین میں تیری عبادت کے لئے ایک ہی ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ گل گلزار میں

اللہ کا حکم نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ تک پہنچ گیا اور آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام باندھے گئے تھے، کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ آگ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھے اور آپ کی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہے تھے۔ کہتے ہیں ایک فرشتہ بھی وہیں پر تھا جس کے ہاتھ میں سایہ کرنے کا انتظام تھا، بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اس وقت ایک جنتی لباس پہنا دیا گیا تھا، حضرت ابراہیمؑ اس عظیم الشان آگ کے بیچ میں ایک ہرے بھرے باغیچے میں خوش وخرم تشریف فرما تھے نہ باہر کے لوگ صحیح طور پر آپؑ کو دیکھ سکتے تھے اور نہ اندر سے کوئی باہر آسکتا تھا اور نہ باہر سے کوئی اندر جا سکتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کے والد نے اس منظر کو دیکھ کر یہ عجیب جملہ

کہا" نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّکَ یَااِبْرَاھِیْم" اے ابراہیمؑ تیرا رب کیا ہی اچھا رب ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ محترمہ بھی اس وقت موجود تھیں اور آگ کے اندر اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر اس نے آواز دی کہ اے میرے بیٹے! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے پاس آجاؤں اس لئے آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ میں آپ تک پہنچ کر اندر آجاؤں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی اور آپ کی والدہ بحافظت تمام جب آپ تک پہنچ گئیں تو آپ نے اپنے بیٹے کو گلے لگالیا، بوسہ دیا اور پھر واپس آگئیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس آگ میں چالیس دن تک رہے، ایک روایت میں ہے کہ پچاس دن تک رہے فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کے سب سے زیادہ خوشگوار دن وہی تھے جس میں مجھے آگ میں رکھا گیا تھا، میں تو چاہتا ہوں کہ میری باقی زندگی بھی اسی طرح ہو جس طرح کہ آگ کی زندگی تھی۔

خلاصہ یہ کہ کفار نے آپؑ سے بدلہ لینا چاہا مگر سرنگوں ہو گئے، آپؑ پر غالب ہونا چاہا مگر خود مغلوب ہو گئے، قرآن کریم کا اعلان ہے ﴿وَاَرَادُوا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾ ﴿وَاَرَادُوا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ﴾

الغرض ابراہیمؑ پہلے اور دوسرے امتحان دونوں میں کامیاب ہو گئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ اور ارشاد ہے ﴿وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ یعنی دونوں آزمائشوں میں کامیاب اور فرمانبردار رہے۔

تیسرا امتحان۔ شام کی طرف ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دین اسلام کی دعوت مسلسل جاری رکھی اور اثبات توحید کے لئے مضبوط دلائل سے ہر مقابل کو خاموش کر دیا، بالآخر آپؑ کا والد مقابلہ پر آیا حضرت ابراہیمؑ نے نہایت مؤثر انداز سے اس کو سمجھایا لیکن بجائے اس کے کہ وہ اتباع و اطاعت کرتا اس نے حضرت ابراہیمؑ کو ملک بدر کرنے کی ٹھان لی اور دھمکی دی کہ اگر ملک عراق سے نہیں نکلو گے تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا، قرآن کریم نے سورت مریم میں دونوں کا تفصیلی مکالمہ نقل کیا ہے۔

ابرہیم علیہ السلام: ﴿يَا اَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ○ يَا اَبَتِ اِنِّىْ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾

آزر: ﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يَااِبْرَاهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا○﴾

ابراہیمؑ: ﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا ○ وَاَعْتَزِلُكُمْ

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا﴿

(سورت مریم آیت ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸)

اس مکالمہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت شروع کی اور بابل عراق سے براستہ مصر، شام کی طرف روانہ ہوگئے، آپ کے ساتھ آپ کا بھتیجا حضرت لوط علیہ السلام اور آپؑ کی زوجہ محترمہ سارہ شریک سفر تھیں۔

جد الانبیاء مصر میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر پہنچے تو ایک دن آپؑ حضرت سارہ کے ساتھ محو سفر تھے کہ فرعون مصر کو ان کے اعوان اور کارندوں نے بتادیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت ہے اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر کہا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میری بہن ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ سے فرمایا کہ دیکھو میں نے بادشاہ کے سامنے کہا ہے کہ یہ میری بہن ہے اور واقعی تو میری اسلامی بہن ہے کیونکہ تیرے اور میرے سوا اس وقت اور کوئی مسلمان موجود نہیں ہے، اب اگر بادشاہ نے تم سے پوچھا تو تم کہو کہ میں ان کی بہن ہوں چونکہ اس ملعون بادشاہ کی عادت تھی کہ اگر کسی کی بیوی ہوتی تو وہ ضرور اس کی عصمت دری کرتا تھا اور اگر کوئی کہتا کہ میری بہن ہے تو چھوڑ دیتا تھا مگر حضرت سارہ کے حسن کی وجہ سے اس نے اس قاعدہ کو بھی ترک کر دیا اور ان کو اپنے پاس بلالیا اور حضرت ابراہیمؑ پر مصر میں ایک اور بڑا امتحان آپڑا، حضرت ابراہیمؑ تو مناجات کے لئے نماز میں جا کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے سب حجابات ہٹا دیئے تا کہ ابراہیمؑ کی تسلی ہو اور تمام مناظر آنکھوں کے سامنے ہوں اور حضرت سارہ کی حفاظت خود دیکھ سکیں جب حضرت سارہ بادشاہ کے ہاں داخل ہوئیں تو بادشاہ نے بُرا ارادہ کرلیا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کی دعا سے اس کافر کے جسم کو سکیڑ کر رکھ دیا۔ اس نے درخواست کی کہ مجھے معاف کردو میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہ نے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھیک کر دیا مگر اس نے دوبارہ بُرا ارادہ کیا اور پھر پہلے سے زیادہ سکڑ گیا تین دفعہ اس طرح واقعہ ہوجانے کے بعد بادشاہ نے دربان سے کہا کہ تم نے انسان نہیں کسی جن کو میرے پاس لایا ہے اس کو نکال دو۔ بادشاہ نے حضرت سارہ سے معافی مانگ کر عزت سے رخصت کیا اور حضرت ہاجرہ کو تحفہ میں دیا۔

یہاں حضرت ابراہیمؑ اپنی ہجرت کو جاری رکھتے ہوئے سرزمین شام پہنچے یا اردن میں اترے اور یا بیت المقدس میں اتر گئے اور اس امتحان میں بھی آپ کامیاب ہوگئے۔ قرآن اعلان کرتا ہے

﴿اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور ارشاد ہے ﴿وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ یعنی دونوں آزمائشوں میں کامیاب اور فرمان بردار رہے۔

تنہا بیوی اور شیر خوار بچے کو جنگل میں چھوڑ آؤ

چوتھا امتحان

حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو بطور تحفہ حضرت ابراہیمؑ کے حوالے کر دیا حضرت ابراہیمؑ نے اس سے شادی کر لی اور اس کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت سارا نے جب دیکھا کہ ان کی خادمہ کے گود میں آج ایک خوبصورت لڑکا ہے تو بتقاضائے بشریت آپ کو ناگوار اور گراں گذرا اور مطالبہ کر دیا کہ ہاجرہ کو اس کے شیر خوار بچے کے ساتھ کسی لق دق بیابان میں چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ جل جلالہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے اجازت کا انتظار کیا تو وحی میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ سارا نے وفاداری کی ہے لہٰذا اس کی دلجوئی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو اٹھا کر مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت جبرئیلؑ بھی ساتھ تھے سفر کرتے کرتے آخر ایک جھاڑی کے پاس آ کر رک گئے، یہ وہی جگہ تھی جہاں آج کل بیت اللہ آباد ہے حضرت ابراہیمؑ نے تھوڑی سی کھجور اور کچھ پانی حضرت ہاجرہ کو عطا کیا اور واپس شام روانہ ہو گئے، حضرت ہاجرہؑ نے جاتے وقت آپ کا دامن پکڑ کر پوچھا کہ اس لق دق بیابان میں ایک عورت ذات اور اس کا شیر خوار بچہ چھوڑ کر آپ کیسے جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے ہمیں ماننا ہوگا، حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔

حضرت ہاجرہ نے یہ کہہ کر حضرت ابراہیم کو رخصت کیا پھر آپ پر یہاں جو کھانے پینے کی تنگی آئی اور شیر خوار بچے کی موت کا وقت جو قریب آیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے زمزم سے ان کی مدد فرمائی، یہ ایک الگ حقیقت ہے، بہر حال ابراہیم علیہ السلام اس چوتھے امتحان میں بھی کامیاب ہو گئے۔ یہ مطلب ہے:

﴿اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾

رخصت ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگی۔

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ (ابراهیم ۳۷)

لختِ جگر کو ذبح کرنا

پانچواں امتحان

﴿وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ○فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىْ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىْ اِنْشَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ○ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرَاهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْ يَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُ الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ○ سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ○﴾ (صافات ۹۹ تا ۱۰۹)

ترجمہ: ''اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے سو ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی، سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ برخوردار! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو (بحکم خداوندی) ذبح کر رہا ہوں۔ سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے کہ اباجان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تأمل) کیجئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے غرض دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لئے) کروٹ پر لٹادیا، اس وقت ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم (شاباش) تم نے خواب سچ کر دکھایا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا اور ہم نے پچھلے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو''۔

ذبیح اللہ کے ذبح کا قصہ

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے ایک فرزند ارجمند عطا کیا جس کا نام اسماعیل رکھا گیا، اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے سمع کے معنی سننے اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں، یعنی اللہ

تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی اور ان کو اکلوتا بیٹا عطا کیا جو دعائے ابراہیمؑ کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا اسی کو بعد میں ذبح کے لئے پیش کیا گیا نہ کہ اسحاق علیہ السلام کو، کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت کے ساتھ **غلام علیم** کا لفظ لگا ہوا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بعد میں نبی بنے گا نیز اس بشارت میں حضرت اسحاق کے بعد **ویعقوب نافلة** اور **ومن ورآء اسحاق یعقوب** کے الفاظ آئے ہیں جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ پیدا ہوں گے پھر نبی بنیں گے پھر ان کی اولاد ہوگی جب اتنی وضاحت ان کی بقاء اور ان کے مستقبل کی اللہ تعالیٰ نے کردی تو انہیں ذبح کے لئے بطور آزمائش کیسے پیش کیا جا سکتا تھا جس کی زندگی اور حیات کی گارنٹی پہلے سے دی جا چکی تھی۔ لامحالہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حلیم کا لفظ ارشاد فرمایا کہ صابر، بردبار ہوگا۔

لفظ حلیم قرآن میں سوائے اسماعیلؑ کے کسی نبی کے لئے استعمال نہیں ہوا! ہاں حضرت ابرہیمؑ کے لئے اسی مناسبت سے استعمال ہوا ہے، لفظ اسلم اور تسلیم بھی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے لئے استعمال ہوا ہے ﴿فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ﴾

اور اسی طرح ﴿اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ یہ سب وضاحتیں اور ارشادات ہیں کہ ذابح حضرت ابراہیمؑ ہیں اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ ہیں اسی کی تفصیل ملاحظہ ہو۔۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ ذوالحجہ یوم الترویہ، پھر نو ذوالحجہ یوم عرفہ پھر دس ذوالحجہ یوم النحر کی شب مسلسل یہ خواب نظر آیا کہ کوئی غیبی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اے ابراہیم اللہ کے حکم پر اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کردو، پہلے دن آپؑ کو خواب کے متعلق شک رہا تو اس دن کا نام یوم الترویہ پڑ گیا دوسرے دن میں معرفت حقیقی حاصل ہوگئی تو اس کا تاریخی نام یوم عرفہ پڑ گیا اور تیسرے دن کا نام ہی یوم النحر قربانی کا دن پڑ گیا۔

عالم کو منور کرنے والا آفتاب عالمتاب افق مشرق سے برآمد ہوا اور سورج کی لمبی لمبی کرنیں عرب کے اونچے اونچے پہاڑوں سے ٹکرانے لگیں۔ حجازی ریگستان کے ذرے اپنی چمک اور جھلک دکھلا چکے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اس میدان میں آموجود ہوئے جہاں بارہ برس پہلے اپنے شیر خوار بچے کو بے کس ماں کی گود کے گہوارے میں لیٹا ہوا چھوڑ گئے تھے اور قدرے پانی کے ساتھ کچھ چھواروں کا توشہ دے کر رخصت ہوئے تھے اسماعیلؑ نے ابا جان کو دیکھ کر مراسم تعظیم ادا فرمادیئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کے اے اسماعیل چھری اور رسّے لے آؤ اور چلو جنگل سے لکڑیاں کاٹ

کرلائیں، حضرت اسماعیلؑ نے فوراً تعمیل حکم کیا اور دونوں باپ بیٹے کوہ ثبیر کے دامن نشیب میں واقع منیٰ کے جنگل کی طرف چلے گئے وہاں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی سچی خواب کا پورا ماجرا اپنے لخت جگر کو سنا دیا اور فرمایا کہ ''اے اسماعیل!'' اب بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے گردن جھکالی اور عرض کیا کہ اے اباجان جو حکم آپ کو ہوا ہے آپ اس کی تعمیل کیجئے اس نیک کام میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ رائے اس لئے معلوم کرنا چاہی کہ اگر برضا ورغبت تیار ہوا تو باندھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی ورنہ باندھنا پڑے گا۔ اس موقع پر ابلیس نے بھی کوشش کی کہ اس عظیم قربانی کی تاریخ ساز بنیاد بنی آدم کے ہاتھ سے نہ پڑ جائے، چنانچہ وہ سب سے پہلے حضرت ہاجرہؓ کے پاس گیا اور کہا کہ جانتی بھی ہو کہ تمہارے بیٹے کو کہاں لے جایا جا رہا ہے، اس نے پوچھا کہ کہاں؟ ابلیس نے کہا کہ ان کو ذبح کی غرض سے لے جایا گیا ہے، حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا کہ کیوں؟ ابلیس نے کہا کہ ابراہیم کا خیال ہے کہ ان کے رب نے ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو پھر تو بہت اچھا ہے، اس کے بعد ابلیس نے اسی طرح کی گفتگو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کی، آپ نے بھی اسی طرح دندان شکن جواب دے دیا، پھر ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلا گیا اور کہا کہ محض خواب کی بنا پر آپ یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت ابراہیمؑ نے ابلیس کو ایک دفعہ کنکریاں مار کر دفعہ کر دیا، شیطان پھر نمودار ہوا، آپ نے پھر مارا اس طرح تین مقامات پر تین دفعہ شیطان مارا گیا جو آج تک اسی طرح نفرت کے انداز سے مارا جاتا ہے اور جس کو رمی جمرات کہا جاتا ہے۔

آفتاب عالمتاب ایک نیزہ چڑھ چکا تھا، حضرت ابراہیمؑ خوشی پتھر پر چھری رگڑ رگڑ کر تیز کر رہے تھے کیونکہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کو بجا لا رہے تھے، جب مکمل تیاری ہوگئی تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نور نظر کو پچھاڑ کر زمین پر ذبح کے لئے لٹا دیا، فرشتوں میں کھلبلی پڑی ہوئی تھی، ملأ اعلیٰ میں تحیر کا عالم تھا غیبی مخلوق میں ایک کہرام مچ گیا تھا لیکن کس کی طاقت تھی کہ بارگاہ الٰہی میں یہ سوال کر سکے کہ یہ حادثہ عظیمہ کس مصلحت سے ہو رہا ہے. حضرت اسماعیل جو اس وقت نہایت خوبصورت بدن کے مالک تھے اور باپ کے اکلوتے فرزند تھے اس واقعہ میں اپنے والد کی مسلسل مدد فرما رہے تھے. فرمایا آپ اپنے کپڑوں کو خوب سمیٹ کر مجھے ذبح کر دیں تاکہ آپ کے کپڑوں پر خون نہ لگے، چھری کو جلدی جلدی چلائیں تاکہ مجھے تکلیف نہ ہو، میرے چہرے پر نظر نہ ڈالیں تاکہ شفقت پدری اللہ تعالیٰ کے حکم کے درمیان حائل نہ ہو جب میری مشفقہ والدہ کے پاس آپ جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور میرے بدن کا کرتہ ان کو دیدیں تاکہ وہ اس

سے تسلی حاصل کرلیں۔

یہ کلمات سن کر حضرت ابراہیمؑ نے الحمد للہ پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے کیسا فرمان بردار وفادار بیٹا عطاء کیا ہے اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کے گلے پر زور زور سے تین بار تیز دھار چھری چلادی مگر چھری نے کام نہیں کیا. اللہ تعالیٰ نے چھری اور گلے کے درمیان پیتل کا ایک ٹکڑا حائل بنادیا تھا، اس کے بعد حضرت اسماعیل نے فرمایا کے مجھے منہ کے بل لٹادو اور شانے پر بیٹھ کر پوری طاقت سے گردن کی طرف سے ذبح کردو، حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا اور بلند آواز سے بسم اللہ کہہ کر چھری چلادی، ادھر گلستان نبوت کے باغبانؑ نے باغ رسالت کے نازک پھول پر تلوار جیسی تیز دھار اور آب دار چھری چلادی اور ادھر عالم قدسی میں ایک شور برپا ہوا، حضرت جبرئیلؑ بے اختیار پکار اٹھے اللــه اکبر واللہ اکبر ، اس کے جواب میں ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل نے زمین پر پڑے پڑے خوشی خوشی یہ جواب دیا، لاالہ الاالـلّٰہ واللّٰہ اکبر ، جس کے جواب میں بطور شکر کے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اللہ اکبر وللہ الحمد، یہی مقدس اور پر جوش کلمات آج تک ایام تشریق میں بطور حکم پڑھے جاتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ چھری پر زور ڈال رہے ہیں اور چھری ہے کہ کاٹنے کا نام نہیں لیتی ہے۔

فدائیت اور قربانی کا یہ عمل اسی طرح جاری تھا کہ آسمان سے غیبی آواز آئی کہ بس بس اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچا کر کے دکھادیا، اطاعت کا یہی منشا ہے جو تم سے ظاہر ہوا اور فرمانبرداری اسی کا نام ہے جو تم نے دکھائی یہی مقصود تھا حقیقۃً ذبح کرنا مقصود نہ تھا فرمایا!

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرَاهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

اب چھری چلی تو جنت سے آئے ہوئے ایک دنبے پر چلی اور حضرت اسماعیلؑ صحیح وسالم اٹھ کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کو بھی راضی کیا اور والد ماجد کو بھی خوش کیا اور قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ایک روشن نام چھوڑا اور امت محمدیہ کے لئے قربانی کا ایک طریقہ مسنونہ جاری کیا،

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را
اسی گلشن ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محروم ثمر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں

سینکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہیں
سیکڑوں بطن چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

اللہ تعالیٰ ہمیں آفات وبلایا اور امتحانات سے بچائے اور اگر سر پر آجائے
تو پھر ہمیں ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے، آمین یارب العالمین

نوٹ:: اس موضوع کے مواد البدایہ والنہایہ، تفسیر کبیر اور تاریخ اسلام علامہ میرٹھی سے لئے گئے ہیں۔

﴿وَاِذِابْتَلیٰ اِبْرَاھِیمَ رَبُّهٗ بِکَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾

عَنْ سَعدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّبَلاءً قَالَ الاَ نْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمثَلُ فَالْاَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِهٖ فَاِنْ کَانَ فِی دِیْنِهٖ صُلْبًااِشْتَدَّ بَلاءُ هٗ.

(ص۱۳۶ مشکوۃ)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عَظْمِ الْبَلاءِ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَااَحَبَّ قَوْمًاابْتَلاهُمْ. **(ص۱۳۶ مشکوۃ)**

جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ ۲۹ مارچ ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
فلسفۂ حج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِيَشْهَدُوْا ۝ مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ (سورت حج ۲۶ و ۲۷)

''اور وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے (اور نماز) میں رکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا اور (ابراہیمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں (حج کے فرض ہونے) کا اعلان کردو، لوگ تمہارے پاس (حج کو) چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تا کہ اپنے (دینیہ ودنیویہ) فوائد کے لئے آموجود ہوں''۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا الْحَاجُّ؟ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ ؟قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ.

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ ''حاجی کی صفت وکیفیت کیا ہے'' آپؐ نے فرمایا کہ بال پراگندہ رکھنا اور خود میلا کچیلا رہنا حاجی کی صفت ہے، اس کے بعد ایک اور شخص نے کھڑے ہوکر سوال کیا کہ یارسول اللہ! کونسا حج افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس میں زور زور سے تلبیہ ہو اور کثرت سے خون بہا کر قربانی ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ. (ترمذی)

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی عمارت پانچ ارکان

پر قائم ہے، اول یہ گواہی کہ اللہ واحد لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ سلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں دوم نماز قائم کرنا، سوم زکوٰۃ ادا کرنا، چہارم رمضان کے روزے رکھنا اور پنجم بیت اللہ کا حج کرنا۔

اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ هٰؤُلَاءِ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ سَأَلُوا اللّٰهَ اَجَابَهُمُ اللّٰهُ لَايُرِيْدُوْنَ اِلَّا رِضَى اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ ضُيُوْفُ الرَّحْمٰنِ فِيْ بَلَدِ اللّٰهِ الْحَرَامِ لَايُرِيْدُوْنَ اِلَّا رِضَى الرَّحْمٰنِ.

حجاج کرام اور معتمرین عظام یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا جرگہ ہیں، اگر یہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سوال کو قبول فرماتا ہے، یہ جرگہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا کچھ نہیں چاہتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقدس شہر مکہ میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ان کی خوشنودی چاہتے ہیں۔

طواف کعبہ ہے وقت سحر ہے
نسیم دل کشا ہے اور میں ہوں

اسود حجر کے چہرہ پہ بوسہ ہے خوب تر
بوسہ نہ مل سکے تو اشارہ قبول کر

زہے سعادتِ آں بندہٗ کہ کرد نزول
گہے بہ بیت خدا گہے بہ بیت رسولؐ

محترم حضرات!

ہر دل میں تڑپ رہتی ہے کہ اس کو بیت اللہ کی زیارت نصیب ہو، ہر جبین کی تمنا ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کے سامنے جبین نیاز جھکا دے ہر آنکھ کی آرزو ہے کہ وہ بلد اللہ الحرام کی زیارت کرے، ہر جسم یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر مشقت برداشت کر کے خانۂ خدا تک پہنچ جائے، ہر ہونٹ اس تلاش میں ہے کہ وہ اپنی پیاس کو حجر اسود کی رسیلی شربت قند سے بجھا دے ہر سینہ اپنے اندر یہ سوزش رکھتا ہے کہ وہ ملتزم سے چپک کر اپنی سوزش دیرینہ کو ٹھنڈا کر کے باغ باغ ہو جائے، ہر سر میں یہ شورش ہے کہ وہ کعبہ کے اس مکعب و مربع شکل کے اطراف اربعہ میں اس طرح گھوم جائے کہ سر کی سرکشی نکل جائے۔

شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی
سرکشی سر سے نکالی جائے گی

ہر قدم اس شوق میں ہے کہ وہ پیدل وسوار دیوانہ وار وادیوں کو طے کرتے ہوئے فضاؤں میں اڑتے ہوئے پہاڑوں کو پھلانگتے ہوئے اور سمندروں کو چیرتے ہوئے اونٹوں اور گھوڑوں پر، طیاروں اور

جہازوں پر، کشتیوں اور گاڑیوں پر بیٹھ کر، دور دراز راستوں کو قطع کرتے ہوئے اس عظیم گھر کی حاضری کی سعادت حاصل کرے۔ یہ پورا نقشہ ایک مجذوب عاشق اور ایک خود رفتہ مجنون اور ایک عاشق صادق کی تصویر کا تصور پیش کرتا ہے۔

قرآن کریم اسی والہانہ اور عشق و محبت سے بھرے سفر کا ذکر اس طرح کرتا ہے!

﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾

''یعنی لوگوں میں بیت اللہ کے حج کے لئے اعلان کردو وہ لوگ حج کرنے کے لئے تیرے پاس پاپیادہ اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہوکر دور دراز راستوں سے چلے آئیں گے''۔

زاہدوں پرے اچھالی جائے گی
جان ان مُردوں میں ڈالی جائے گی

یہ عالمی اعلان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہوکر اس طرح کیا:
''يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ اتَّخَذَ بَيْتًا فَحُجُّوْهُ'' اے لوگو! تمہارے پروردگار نے اپنی عبادت کے لئے ایک گھر مقرر کیا ہے تم لوگ اس گھر کا ارادہ کرکے حج کو آؤ''۔

بہر حال اسلام کے کل ارکان پانچ ہیں رکن اول کلمہ توحید اور شہادت وحدانیت ہے، رکن دوم نماز ہے اور رکن سوم زکوٰۃ ہے، رکن چہارم روزہ ہے اور رکن پنجم حج ہے۔ ان تمام عبادات کا ایک فلسفہ کچھ تفصیل کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

ارکان خمسہ کا فلسفہ و پس منظر

دنیا کے انسانوں کا یہ دستور اور رواج ہے کہ ان میں اگر کوئی شخص کسی مطلوب و مقصود کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے حصول کے لئے وہ اسباب و ذرائع استعمال کرتا ہے اور اس کے حصول کے لئے ان کو کچھ مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ ذرا کھلے الفاظ میں آپ یہ سمجھیں کہ ایک عاشق حقیقی ہوتا ہے اور ایک عاشق مجازی ہوتا ہے، عاشق مجازی جن مراحل کو طے کرکے اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے بالکل اسی طرح درجہ جواز میں عاشق حقیقی کو کرنا پڑتا ہے وہ ان مراحل کو طے کرکے ہی اپنے محبوب حقیقی تک پہنچ سکتا ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی اپنے مجازی محبوب کے حصول میں جو مشقتیں برداشت کرتا ہے ایک حقیقی عاشق محبوب کے حصول میں اس طرح کی مشقتیں برداشت نہ کرے اور بغیر مشقت کے

حقیقی محبوب اس کو حاصل ہو جائے۔

فلسفۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ایک مجازی عاشق جب اپنے محبوب کے حصول کے لئے میدان عمل میں اترتا ہے تو وہ سب سے پہلے محبوب کی قصیدہ خوانی میں رطب اللسان رہتا ہے وہ نظم ونثر کے ذریعے سے اپنے محبوب کی ایسی تعریفیں کرنے لگتا ہے کہ سخت سے سخت سنگ دل انسان کا دل بھی موم ہو جاتا ہے وہ تعریفوں اور مدح سرائیوں میں ایسے پُل باندھ لیتا ہے کہ متعلقہ محبوب ایک حد تک مجبور ہو کر مائل ہو جاتا ہے، چنانچہ عربی شعراء کے لمبے لمبے قصیدے اور عجمی شعراء کی طویل نظمیں اور غزلیں بڑے بڑے ادیبوں کے ادبی شہ پارے اسی ایک مقصود کے گرد گھومتے ہیں، امرء القیس نے آخر کون سی تعریف چھوڑی ہے؟ وہ تو یہاں تک کہتا ہے۔

تَسَلَّتْ عِمَايَاتُ الرِّجَالِ عَنِ الصِّبىٰ
وَلَيْسَ فُؤَادِیْ مِنْ هَوَاکِ بِمُنْسَلِیْ

یعنی لوگوں کا اندھا دھند عشق ادھیڑ عمر میں قابو ہو کر پرسکون ہو جاتا ہے لیکن میرا دل تیری محبت سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

انہوں نے محبوباؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کی تشبیہ نیل گائیوں سے بھی دی، تو ہرنیوں سے بھی دی شتر مرغ کے انڈوں سے جہاں تشبیہ دی وہیں پر چاند سورج اور ستاروں کی چمک دمک سے بھی تشبیہ دی، طرفہ ابن العبد نے آخر کون سی کمی چھوڑی ہے؟ زہیر کے قصائد کو دیکھیں تو عمرو بن کلثوم کی مدح خوانی کو بھی نہ بھولیں ابونواس اور ابودلامہ کی تدابیر اور حیلہ سازیاں آخر کس پر پوشیدہ ہیں، جریر اور فرزدق کی نظم ونثر آخر محبوباؤں کو خوش کرنے کے گرد ہی تو گھومتے ہیں، لیلیٰ ومجنون کا بلبل گلستان کی طرح چہکنا آخر محبوب کو خوش کرنے کے لئے تو تھا جبکہ وہ ہرنیوں کے ریوڑ سے اس طرح مخاطب ہو کر محبوب کو خوش کرنا چاہتا ہے۔

بِاللّٰهِ يَاظَبْيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا　　اَلَيْلاىَ مِنْكُنَّ اَمْ لَيْلٰى مِنَ الْبَشَرِ

او چٹیل میدان کی ہرنیو! خدارا ذرا یہ تو بتاؤ کہ میری لیلیٰ تم میں سے ہے یا وہ انسانوں میں سے ہے۔

اُطَارِدُ عَنْ قَلْبِی هَوَاهَا وَاِنَّمَا　　تَمَثَّلَ لِی لَيْلٰى بِكُلِّ سَبِيْلِیْ

میں اپنے دل سے لیلیٰ کی محبت کو ہٹاتا رہتا ہوں لیکن کیا کروں کہ ہر راستے میں میرے سامنے لیلیٰ ہی کھڑی ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَاتَسْلُبَنِّیْ حُبَّهَا اَبَدًا وَیَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًاقَالَ اٰمِیْنَا

مولائے کریم! میرے دل سے لیلیٰ کی محبت کبھی بھی زائل نہ کرنا اور میری اس دعا پر جو شخص آمین کہے اللہ اس پر رحم کرے۔ پھر فریاد کر کے مجنون اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے شکوہ کرتا ہے ؂

قَضَاهَالِغَیْرِیْ وَابْتَلَانِیْ بِحُبِّهَا فَهَلَّابِحُبٍّ غَیرِ لَیْلٰی اِبْتَلَانِیَا

مجھے اللہ تعالیٰ نے لیلیٰ کی محبت میں مبتلا کیا اور لیلیٰ کسی اور کو دے دی، ہائے افسوس مجھے لیلیٰ کی محبت کے علاوہ کسی اور کی محبت میں مبتلا کیوں نہ کیا۔

حرم محترم مکہ میں بیٹھے ہوئے مجنون نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مناجات کی ؂

ذَکَرْتُکَ وَالْحَجِیْجُ لَهُمْ ضَجِیْجٌ بِبَکَّةَ وَالْقُلُوْبُ لَهَاوَجِیْبٌ

اے اللہ میں نے آپ کو اس وقت بھی یاد کیا جبکہ مکہ مکرمہ میں حجاج کرام زور زور سے تجھے پکار رہے تھے اور ان کے دل ڈرے ہوئے تھے۔

فَقُلْتَ وَنَحْنُ فِیْ بَلَدٍ حَرَامٍ بِهٖ لِلّٰهِ اَخْلَصَتِ الْقُلُوْبُ

ہم جب بلد حرام میں تھے جہاں ہر دل اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو جاتا ہے اس وقت میں نے کہا۔

اَتُوْبُ اِلَیْکَ یَارَحْمَانُ اِنِّیْ اَسَأْتُ وَقَدْ تَضَاعَفَتِ الذُّنُوْبُ

اے میرے رب میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں کیونکہ میں نے بہت گناہ کئے جو تہہ بہ تہہ ہیں۔

وَاَمَّا مِنْ هَوٰی لَیْلٰی وَحُبِّیْ زِیَارَتَهَا فَاِنِّیْ لَااَتُوْبُ لَااَتُوْبُ

رہ گئی لیلیٰ کی محبت اور اس کی زیارت تو اس سے میں توبہ نہیں کرتا نہیں کرتا۔

مجنون کے علاوہ شاعر ساحر ابو الطیب متنبی نے محبوباؤں کے حصول کے لئے وہ تخیل قائم کیا ہے جسے دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں کہتا ہے ؂

فَبِاَیِّمَاقَدَمٍ سَعَیْتَ اِلَی الْعُلٰی اُدُمُ الْهِلَالِ لِاَخْمَصَیْکَ حِذَاءٌ

کس قدم سے تو اس بلندی پر جا پہنچا اب تو آپ اس کے مستحق ہیں کہ چاند کی کھال سے تیرا جوتا بنایا جائے۔

وَلَوْ قَلَمٌ اُلْقِیْتُ فِیْ شَقِّ رَاْسِهٖ مِنَ السُّقْمِ مَاغَیَّرْتُ مِنْ خَطِّ کَاتِبٍ

اگر مجھے قلم کی نب کے شگاف میں رکھا جائے تو عشق محبوب میں اتنا لاغر ہو گیا ہوں کہ لکھنے والے کے خط میں ذرا فرق نہیں پڑے گا۔

لَمْ تَلْقَ هٰذَاالْوَجْهَ شَمْسُ نَهَارِنَا　　اِلَّابِوَجْهٍ لَيْسَ فِيْهِ حَيَآءٌ

تیرے چہرۂ تابان کے سامنے ہمارے دن کا سورج نہیں آتا مگر ایسے چہرہ سے جس میں شرم وحیانہیں۔

یہ اوراس کے علاوہ شعراء کی مدح سرائیاں محبوب کے حصول ہی کے لئے ہوتی ہیں، کہتے ہیں سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک چڑا تھا اس نے چڑیا سے تعلق قائم کرنے کے لئے کہہ دیا کہ تو مجھ سے ادھر ادھر بھاگتی ہے حالانکہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اگر چاہوں تو سلیمان علیہ السلام کا محل اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں. حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی اس گستاخی کا علم ہو گیا تو آپ نے اس چڑا کو بلا کر فرمایا کہ تم نے یہ گستاخی کیوں کی؟ چٹان بھر جسم کو دیکھو تم میرے محل کو کس طرح اٹھاؤ گے؟ چڑا نے کہا کہ اے اللہ کے نبی ہر عاشق اپنے محبوب کے حصول کے لئے اس طرح موقع بے موقع تعریفیں کرتا ہے میں نے بھی محبوب کے حصول کے لئے یہ تعریف کی. حضرت سلیمانؑ نے اس کو معاف کر دیا۔

جس طرح مجازی عشق میں محبوب کے حصول کے لئے تعریفات کا یہ سلسلہ ہے بالکل اسی طرح حدّ جواز میں ایک مسلمان کو محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سب سے پہلے زبانی تعریفیں کرنی پڑیں گی. چنانچہ اس کا تصور شریعت مطہرہ میں کلمہ شہادت اور کلمہ توحید کا اقرار ہے کہ کھلے الفاظ میں آدمی یہ اعلان کرتا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه ،اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ،رَضِيْتُ بِا للّٰهِ رَبًّا وَبِا لْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْ اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾

چنانچہ قرآن کریم میں سب سے اعلیٰ وافضل وہ آیتیں اور وہ سورتیں ہیں جن میں اللہ کی زیادہ شان بیان ہو اور جس میں زیادہ تر توحید ہو. اور جن میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعریف ہو. اسی طرح احادیث میں جتنی اعلیٰ وارفع درجہ کی دعائیں ہیں اور ذکر اللہ کی جتنی ترغیبیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی تعریفات پر مشتمل ہیں

اللّٰه اكبر كبيرا والحمد للّٰه كثيرا وسبحن اللّٰه بكرة واصيلا ۰ اللّٰهم لك الحمد كما ينبغى لجلال وجهك وعظيم سلطانك ،هو اللّٰه الذى لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمٰن الرحيم الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحان اللّٰه عما يشركون هو اللّٰه الخالق البارئى المصورله الاسماء الحسنى يسبح له ما فى السموات والارض وهو العزيز الحكيم ۰

فلسفہ نماز

دنیا کے مجازی عشاق کا دستور ورواج ہے کہ جب زبانی قصائد اور تعریفات سے محبوب ہاتھ نہیں آتا ہے تو وہ لوگ دوسرے مرحلے میں محبوب کی تعظیم کرنے لگتے ہیں تا کہ اس طرح محبوب حاصل ہو جائے. چنانچہ وہ عاشق محبوب کے سامنے جھکتا ہے. عاجزی کرتا ہے قدموں میں گرتا ہے کبھی ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہتا ہے اور کبھی گردن جھکا تا ہے اور کبھی کمر جھکا کر تواضع کرتا ہے اور کبھی زمین پر سر رکھ کر سجدہ کرتا ہے کبھی ان کی زمین کی قدر کرتا ہے اور بجائے سواری کے پیدل چلتا ہے چنانچہ شاعر ساحر کہتا ہے ۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَکْوَارِ نَمْشِی کَرَامَةً　　لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَکْبًا

ہم اپنی سواریوں سے محبوب کے احترام کی وجہ سے اتر گئے اور ہم نے سوار ہو کر اس زمین پر چلنے کو مکروہ سمجھا

ایک شاعر کہتا ہے۔

وَاِنِّیْ وَقَفْتُ الْیَوْمَ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ　　بِبَابِکَ حَتّٰی کَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ

میں آج اور گذشتہ کل پورا دن غروب آفتاب تک آپ کے دروازہ میں کھڑا رہا۔

اسی احترام کے پیش نظر مجنون نے لیلیٰ کی گلیوں میں گھومنے والے کتے کو اپنی چادر پر بٹھادیا.

۔ رَاٰیَ الْمَجْنُوْنُ فِی الْبَیْدَاءِ کَلْبًا　　فَجَرَّ عَلَیْهِ لِلْاِحْسَانِ ذَیْلًا

مجنون نے صحرا میں ایک کتا دیکھا تو بطور احسان اس کو اپنی چادر پر بٹھلا دیا.

فَلَامُوْهُ عَلٰی مَا کَانَ مِنْهُ　　وَقَالُوْا لِمْ مَنَحْتَ الْکَلْبَ نَیْلًا؟

لوگوں نے مجنون کو اس حرکت پر ملامت کر کے کہا کہ تم نے کتے کے ساتھ یہ احسان کیوں کیا.

فَقَالَ دَعُوْا الْمَلَامَةَ اِنَّ عَیْنِیْ　　رَاَتْهُ مَرَّةً فِیْ حَیِّ لَیْلٰی

مجنون نے کہا لعن طعن چھوڑ دو میں نے ایک دن اس کتے کو لیلیٰ کی گلیوں میں گھومتا ہوا دیکھا تھا.

شریعت مطہرہ میں محبوب کے حصول اور ان کو راضی کرنے کے لئے تعظیم کا جو تصور ہے وہ نماز ہے کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ اول سے لیکر آخر تک اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے، پہلے نمازی آتا ہے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر ناف پر رکھتا ہے. پھر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے. پھر رکوع میں تواضع اور عاجزی کے ساتھ جاتا ہے پھر عاجزی کے ساتھ سجدہ میں جاتا ہے گویا اللہ کے قدموں میں جا کر رحمت کے حوض میں غوطہ لگاتا ہے پھر اٹھتا ہے پھر جاتا آتا ہے گویا ہر ادا کو اپناتا ہے تا کہ محبوب ہاتھ آجائے اور اللہ تعالی راضی ہو جائے عاشق حقیقی

کے لئے نماز دوسرا مرحلہ ہے جس میں وہ محبوب کو راضی کرتا ہے

فلسفہ زکوۃ

دنیا کے مجازی عشاق کا یہ دستور اور رواج ہے کہ جب زبانی تعریف سے محبوب ہاتھ نہیں آتا تعظیم سے بھی کامیاب نہیں ہوجاتا تو پھر وہ محبوب کے حصول کے لئے مال لٹاتا ہے چنانچہ محبت کے اس راستے میں کوئی آدمی کنجوس نہیں ہوتا ہے بلکہ کنجوس سے کنجوس تر آدمی بھی بڑا فیاض اور مال لٹانے والا بن جاتا ہے اس طریقے کو آپ انسانوں کے بجائے جانوروں میں بھی دیکھ سکتے ہیں، کہ مطلب برآری کے لئے پرندے کس طرح چونچ میں دانہ لے کر مطلوب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انسانوں کا اس راستے میں مال لٹانا کوئی مخفی چیز نہیں ہے، شریعت مطہرہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور حصول محبوب ومقصود کے لئے اس مرحلہ میں نظام زکوٰۃ رائج کیا گیا ہے کہ ہر صاحب حیثیت آدمی اپنے مال سے ایک مخصوص حصہ نکال کر اپنے غریب بھائیوں تک پہنچادے تاکہ محبوب حقیقی خوش ہوجائے، راضی ہوجائے کیونکہ بظاہر زبانی تعریف اور پھر عظیم تعظیم سے مطلوب ابھی تک حاصل نہیں ہوا ہے زکوٰۃ دے کر اس عاشق صادق کے دل میں اپنے بھائیوں اور مخلوق خدا سے ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اور معاشرہ کے پسماندہ افراد کی زندگی بن جاتی ہے اور آپس کے تعلقات اور محبتیں بڑھ جاتی ہیں اور ان کا مالک وخالق ان سے راضی ہوجاتا ہے اور دنیا وآخرت میں وہ اس کو اپنی خاص برکات سے نوازتا ہے " **الصدقة تطفئی غضب الرب**" یعنی صدقہ غضب الٰہی کو دفع کرتا ہے۔

فلسفہ روزہ

جب ایک آدمی زبان سے تعریف کے پُل بھی باندھ لیتا ہے پھر تعظیم کے تمام طریقے بھی اختیار کر لیتا ہے اور پھر مال بھی لٹا دیتا ہے اور پھر بھی محبوب حاصل نہیں ہوجاتا تو یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے تعریف بھی کی تعظیم وتواضع اور عاجزی بھی کی مال بھی لٹایا پھر بھی محبوب حاصل نہیں ہوا تو دنیا کے اس مجازی عاشق کا یہ دستور ہے کہ وہ اس چوتھے مرحلے میں کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے تاکہ محبوب اس کو حاصل ہوجائے، چنانچہ وہ بھوک پر بھوک برداشت کرتا ہے دنیا کے تمام لذائذ کو خیر باد کہہ دیتا ہے اور نڈھال گھر کے ایک کونے میں پڑا رہتا ہے، شریعت مقدسہ میں محبوب کے حصول کے اس چوتھے مرحلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے روزہ مقرر کیا ہے کیونکہ یہ عاشق حقیقی کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ لگایا تعریفیں بھی کیں تاکہ محبوب ومطلوب حاصل ہوجائے پھر تعظیم بھی کی اور مال بھی لٹایا تاکہ محبوب حقیقی

راضی ہو جائے لیکن جب بظاہر محبوب کے حصول کا علم نہ ہو سکا تو اس عاشق حقیقی نے کھانا پینا بند کر دیا اور ایک ضابطہ کے تحت دن بھر کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لیا تا کہ محبوب حقیقی راضی ہو جائے، انہی مراحل کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی الاسلام علی خمس (۱) شهادة ان لااله الا الله وان محمدا عبده ورسوله (۲) واقام الصلوٰة (۳) وایتاء الزکوٰة (۴) وصوم رمضان (۵) وحج البیت (ترمذی)

فلسفۂ حج

محبوب کے حصول کے لئے دنیا کے مجازی عشاق کا یہ دستور ہے کہ جب ایک عاشق محبوب کی تعریف بھی کرتا ہے اس کے بعد تعظیم بھی کرتا ہے اور مال بھی لٹا دیتا ہے کھانا پینا بھی چھوڑ لیتا ہے اور پھر بھی محبوب ہاتھ میں نہیں آتا ہے تو آخر کار وہ گھر بار چھوڑنے کا سوچتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے تعریفوں میں محبوب کے قصیدے بھی پڑھے، تعظیمیں بھی کیں، مال بھی خوب خرچ کیا اور کھانے پینے سے بھی رہ گیا اب اس زندگی کی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا اب وہ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اتنا جذباتی ہو جاتا ہے کہ سر کی ٹوپی اور پیروں کے جوتے اتار پھینکتا ہے اور جذب کی اس طرح کیفیت میں آ جاتا ہے کہ جنونی کیفیت میں وہ صحراؤں کا رخ کرتا ہے اس کو آبادیوں سے نفرت اور وحشت ہو جاتی ہے اور اس امید پر گھر کو خیر باد کہہ کر صحرا کا رخ کرتا ہے کہ وہ ان مقامات کو دیکھ سکے جہاں کسی زمانے میں محبوب رہا کرتا تھا اور جہاں یہ عاشق اپنے محبوب کے آثار کھنڈرات اور رہنے سہنے کے پرتو اور جھلکیاں پا سکے وہ ماضی کے تمام حالات کا جائزہ لیتا ہے اور دیار حبیب میں ہر اس مقام پر روتا ہے جہاں زمانہ ماضی میں محبوب نے نقل و حرکت کی تھی، عربی شعراء اور عجمی غزل خواں اپنے قصائد اور غزلوں میں یہی نقشہ پیش کرتے ہیں وہ پھر خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں وہ ہر مقام پر کھڑے ہو کر ماضی کا صرف نقشہ پیش نہیں کرتے بلکہ وہاں وہ غم واندوہ کا ایک ماتم برپا کر دیتے ہیں، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

ایک دل جلا شاعر اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

أَيَا مَنْزِلَی سَلْمیٰ سَلَامٌ عَلَيْكُمَا   هَلِ الْاَزْمَنُ الَّتِی مَضَيْنَ رَوَاجِعُ

اے سلمٰی محبوبہ کے دو مکان! تم دونوں پر سلام ہو، کیا گذرا ہوا زمانہ واپس آ جائے گا؟

وَهَلْ يَرْجِعُ التَّسْلِيمَ اَوْيَكْشِفُ الْعَمیٰ   ثَلَاثُ الْاَثَافِیُ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ

اور کیا محبوب کا ویران گھر اور چولھے کے تین پتھر میری کچھ رہنمائی یا میرے سلام کا جواب دیں گے؟
شاعر ساحر ابوالطیب متنبّی کہتا ہے ؎

فَدَیْنَا کَ مِنْ رَبْعٍ وَاِنْ زِدْتَنَا کَرْبَا فَاِنَّکَ کُنْتَ الشَّرْقَ لِلشَّمْسِ وَالْغَرْبَا

اے خانہ حبیب ہم تجھ پر قربان! اگر چہ بوجہ یادِ ماضی تو نے ہماری بے چینی زیادہ کر دی کیونکہ تو محبوب کے لئے بمنزلہ مشرق اور مغرب تھا۔

وَکَیْفَ عَرَفْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ یَدَعْ لَنَا فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

اور ہم نے اس محبوبہ کے گھر کے نشانات کیسے پہچان لئے جبکہ اس نے پہچاننے کے لئے نہ ہمارا دل چھوڑا اور نہ عقل۔

سَقَیْتُهٗ عَبَرَاتٍ ظَنَّهَا مَطَرًا سَوَائِلًا مِنْ جُفُوْنٍ ظَنَّهَا سُحُبًا

میں نے اس گھر کو ایسے جاری آنسو پلائے جن کو اس نے باران سمجھ لیا ایسی پلکوں سے جن کو اس نے بادل سمجھا۔
مجنون لیلیٰ تو اس میدان میں اوروں سے دس قدم آگے نکلے، وہ تو محبوبہ کے در و دیوار کی چوما چاٹ اور طواف تک کے قائل ہیں، کہتے ہیں ؎

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی اُقَبِّلُ ذَالْجِدَارِ وَذَاجِدَارًا

میں محبوبہ لیلیٰ کے در و دیوار پر جب گذرتا ہوں تو آس پاس کی دیواروں کو چومتا ہوں

وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِی وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَا

گھروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ ان گھروں کے مکینوں کی محبت نے ایسا کیا۔
ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

عَلَیَّ لِرَبْعِ الْعَامِرِیَّةِ وَقْفَةٌ لِیُمْلِیْ عَلَیَّ الشَّوْقَ وَالدَّمْعُ کَاتِبٌ

عامر محبوبہ کے گھر کے پاس ٹھہرنا مجھ پر لازم ہے تا کہ وہ میرے شوق کو بھڑکا دے اور آنسو کاتب بن کر لکھے۔

وَمِنْ عَادَتِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَهْلِهَا وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

میری عادت ہے کہ میں مکانوں سے بوجہ اس کے مکینوں کے محبت رکھتا ہوں اور عشق میں لوگوں کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔
حصول محبوب کے لئے پانچویں مرحلہ میں شریعت مطہرہ نے رکن حج مقرر کیا ہے کہ ایک عاشق

حقیقی جب سوچتا ہے کہ میں نے محبوب حقیقی کے حصول ورضا کے لئے حمد وثناء بھی کیا، پھر عظیم تعظیم کی، پھر مال بھی لٹا دیا، پھر کھانا پینا بھی چھوڑ دیا اور پھر بھی محبوب حقیقی بظاہر ہاتھ میں نہیں آیا تو اب یہ عاشق حقیقی اپنے بدن کے کپڑے اتار کر کفن نما دو چادر پہن لیتا ہے، سر سے ننگا تڑنگا ہوتا ہے اور پیروں میں ایسے جوتے استعمال کرتا ہے جس سے پیر ڈھک نہ جائیں اور اس کے باوجود وہ گھر میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر دیوانہ وار اور والہانہ و مجنونانہ انداز سے ان دیار کا رخ کرتا ہے جہاں محبوب کا گھر ہے اور وہاں اس کا پَرتو ہے چنانچہ یہ شخص عاشق دیوانہ ہوکر ''بلد اللہ الحرام'' میں جا پہنچتا ہے۔ محبوب کے گھر کو دیکھتے ہی یہ عاشق صادق جا کر اس کا طواف شروع کرتا ہے تاکہ محبوب مل جائے، وہ طواف کی ابتداء میں حجر اسود کا بوسہ لیتا ہے گویا کہ پہنچتے ہی اس نے محبوب حقیقی کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا یہاں نفل پڑھنا مؤخر ہے یہاں تہجد پڑھنا بعد میں ہے سب سے پہلا کام محبوب کے گھر کا طواف ہے تاکہ کسی طرح محبوب راضی ہوکر حاصل ہو جائے، عشق مجازی میں بھی طواف کے واقعات ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جس کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

گورنر عاقل کا قصہ

چنانچہ گورنر عاقل جو متحدہ ہندوستان میں لاہور کا گورنر تھا حکومت شاہ جہاں بادشاہ کی تھی ہمارے استاد نے دورانِ درس یہ قصہ سنایا کہ اس گورنر کو شاہ جہاں کی بیٹی زیب النساء سے محبت تھی یہ شخص پیدل لاہور سے لال قلعہ دہلی چلا گیا اور لال قلعہ پہنچتے ہی اس نے قلعہ کا طواف شروع کر دیا، دوران چکر اس نے اوپر دیکھا تو بہت بلندی پر سرخ لباس میں ملبوس انسان نظر آیا یہ خود ہی زیب النساء تھی، عاقل نے نیچے سے کہا۔

''سرخ پوشے بلب بام نظر می آید'' یعنی ایک سرخ پوش اس محل کی بلندی پر نظر آرہی ہے۔

زیب النساء نے فوراً جواب میں کہا۔

''نہ بزورے نہ بزاری نہ بزمی آید'' یعنی یہ سرخ پوش نہ بزور طاقت ہاتھ آسکتی ہے، نہ فریاد سے اور نہ زر و پیسہ سے ہاتھ آسکتی ہے۔

طواف میں اللہ والے کا قصہ

اسی طرح ایک اللہ والے کا قصہ لکھا گیا ہے کہ اس نے سترہ حج کئے تھے اور جب بھی بیت اللہ پہنچ کر ''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ'' کا نعرہ لگاتے تھے تو جواب ملتا تھا کہ ''لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ اُخْرُجْ مِنْ بَیْتِیْ'' یعنی یہاں سے نکل جاؤ نہ تیرا لبیک قبول ہے اور نہ سعدیک قبول ہے۔

ایک دفعہ کسی اور اللہ والے نے یہ جواب سنا تو اس نے آ کر اس شخص سے فرمایا کہ تجھے جو جواب ملتا ہے کیا آپ اسے سن پاتے ہو، اس نے کہا ہاں میں خوب سن لیتا ہوں، انہوں نے پوچھا کہ کتنے عرصے سے یہ معاملہ جاری ہے اس نے جواب دیا کہ سترہ سال سے، انہوں نے فرمایا کہ پھر یہاں کیوں آتے ہو؟ اس اللہ والے نے کہا کہ اس دربار الٰہی کو چھوڑ کر کہاں چلا جاؤں؟ بس وہ ہمارا خالق و مالک ہے وہ بھگائیں گے لیکن ہم پھر بھی آئیں گے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور اس شخص کے تمام حج قبول کر لئے۔ بہر حال عشق و دیوانگی سے سرشار یہ حاجی محبوب کے حصول میں محبوب کے گھر کا دیوانہ وار چکر کاٹتا ہے کبھی دوڑتا ہے، کندھے ہلاتا ہے تو کبھی سکون کے ساتھ نظریں جھکا کر چلتا ہے کبھی حجر اسود کا بوسہ لیتا ہے تو کبھی رکن یمانی پر جھکتا ہے کبھی ملتزم سے چپک چپک کر چیختا چلا جاتا ہے تو کبھی میزاب رحمت کے نیچے جا کر چمٹتا ہے ایک شوق ہے ولولہ ہے جوش ہے، شور ہے اور زور ہے۔

طواف کعبہ ہے وقتِ سحر ہے
نسیم دل کشا زورِ حجر ہے

محبوب کے گھر کا طواف کیا، سات چکر کاٹ کر تھک گیا جا کر دوگانہ پڑھی، کچھ آرام کیا، پھر زمزم نوش فرمایا پھر جوش آیا اور محبوب کی تلاش میں اب محبوب کے گھر سے کچھ ہٹ کر کھلے میدان میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک خوب دوڑنا شروع کیا اور ادھر کھڑے ہوئے محبوب کے گھر پر نظر ڈالی دعائیں مانگیں پھر وادی میں اترا وہاں خوب تیز دوڑا زبان پر ذکر یار ہے بدن پر غبار ہے، ادھر اُدھر سعی بسیار ہے ادھر محبوب کا انتظار ہے پورا عمل دیوانہ وار ہے گویا کہ

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى
اُقَبِّلُ ذَالْجِدَارَ وَذَاالْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

یہ عاشق حقیقی جب ان تمام مراحل کو طے کرتا ہے اور بظاہر محبوب حاصل نہیں ہوتا تو یہ شخص مدینہ منورہ کا رخ کرتا ہے کہ جس ہستی نے مجھے عشق و محبت کے اس میدان میں ڈالا ہے ان سے جا کر معلوم کرلوں کہ محبوب کے حصول کے کیا طریقے ہیں، مدینہ منورہ میں حاضری دیتا ہے روضۂ رسولؐ کے سامنے درود وسلام پڑھتا ہے، ریاض الجنۃ میں نمازیں پڑھتا ہے، اپنے سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں

جاتا آتا ہے، پیارے پیغمبر کے آنے جانے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کی جگہوں کو دیکھتا ہے، پیارے نبی کی منبر ومحراب کی زیارت کرتا ہے پھر راہ وفا میں گردنیں کٹوانے والے پروانوں کی قبور ومشاہد دیکھنے کے لئے احد جاتا ہے دیگر مقامات کی زیارت کرتا ہے اور کچھ نئی تعلیمات لے کر پھر محبوب کے گھر کی طرف مکہ مکرمہ لوٹ آتا ہے، محبوب کے گھر کے آس پاس پہاڑوں کا رخ کرتا ہے، عرفات جاتا ہے جبل رحمت پر تیز دھوپ میں کھڑا ہے اور محبوب حقیقی کے سامنے دست نیاز دراز کئے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر، چیخ وچلا کر، رورو کر محبوب کو مناتا ہے شام تک راز ونیاز میں وقت گزارتا ہے پھر ایک اور وادی مزدلفہ کا رخ کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ محبوب وہاں راضی ہو کر حاصل ہو جائے، اترتے ہوئے زور زور سے کہتا ہے:

لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنّعمة لک والملک لاشریک لک پھر کہتا ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ مَا اَفَاضَ الْمَشْعَرُ
وَبِهِ الْوُفُوْدُ تَزَاحَمَتْ تَسْتَغْفِرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ مَا السَّمَآءُ تَزَيَّنَتْ
بِنُجُوْمِهَا وَبِهَا الْكَوَاكِبُ تَزْهَرُ

مزدلفہ میں مٹی پر سوتا ہے پراگندہ بال غبار آلود اور میلا کچیلا ہے مگر سر میں ایک شورش برپا ہے آنکھوں کے سامنے ہر جگہ محبوب کا جلوہ ہے صبح صبح مزدلفہ سے دیوانگی کو زیادہ کرنے کے لئے کچھ کنکریاں اٹھاتا ہے اور پھر ایک اور وادی منیٰ کی طرف چل پڑتا ہے جوش میں ہے وصل محبوب میں اب جو رکاوٹیں آرہی ہیں ان پر عملی وار کرنا چاہتا ہے سیدھا جاتا ہے اور بالکل سامنے ہی راستے میں ایک بڑی رکاوٹ سے آمنا سامنا کرتا ہے کنکریاں تو تیار تھیں اس رکاوٹ کے سر پر کنکریوں کی بارش کر دی، جسم کے بال بڑھ چکے ہیں ناخن لمبے ہوگئے ہیں، مونچھوں کا برا حال ہے سر پر پراگندہ بال ہے، جسم ہے کہ اس پر کفن ہے، ایک چادر اوپر ہے ایک نیچے ہے رکاوٹوں کو دور کر رہا ہے سب کچھ کیا جو کچھ کرنا تھا اور جتنا کرنا تھا کرلیا جتنا ہوسکتا تھا کیا، اب پھر پلٹ کر اول سے آخر تک اس نقشے کو دیکھتا ہے کہ میں کس کے لئے کہاں سے چلا تھا اور کیوں چلا تھا اور کیا حاصل ہوا؟ اس پس منظر میں جب وہ دیکھتا ہے کہ اب تک محبوب بظاہر حاصل نہیں ہوا تو اب یہ عاشق حقیقی کچھ اور سوچنے لگتا ہے کیونکہ دنیا کے مجازی عشاق جب عشق میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر وہ خود اپنے گلے پر چھری پھیرتے ہیں اور خودکشی کرتے ہیں۔ اب اپنی جان کی قربانی

کا ارادہ عاشق حقیقی کرتا ہے اور وہ رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے جب کنکریوں سے فارغ ہو جاتا ہے تو قربان گاہ کا رخ کرتا ہے تا کہ وہ اپنی جان کی قربانی دے دے وہ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اب تک محبوب کے حصول میں جو کچھ ہو سکتا تھا میں نے کیا بس اب اس زندگی کی ضرورت نہیں اب اس کو ہی ختم کر دوں گا ،قربان گاہ جب پہنچ جاتا ہے تو محبوب حقیقی کی طرف سے رحمت کی ایک جھلک ان پر پڑتی ہے وہ اشارہ کرتی ہے کہ جان کی جگہ جانور ذبح کر لو وہی قبول کیا جائے گا، یہ جا کر جانور کو اس نیت سے ذبح کرتا ہے کہ اصل میں اپنے آپ کو ذبح کر رہا ہوں۔ جب خوب جوش سے تکبیر پڑھ کر جانور کی قربانی کرتا ہے اور جان کی بازی لگاتا ہے تو اب محبوب حقیقی راضی ہو کر مل جاتا ہے محبوب کے راضی ہونے اور وصل محبوب کے پرتو پڑنے سے عاشق حقیقی کو وصال حبیب کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اب ہوش میں آجاتا ہے تو اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہے بڑے بڑے ناخن نظر آتے ہیں یہ کہتا ہے ارے یہ کیا ہوا یہ ناخن اتنے بڑے کیوں ہیں؟ ارے یہ بال اس طرح پراگندہ کیوں ہے اوہو! یہ کپڑے اتنے میلے کچیلے کیوں ہیں یہ دیکھ کر پھر غسل خانہ کی طرف جاتا ہے غسل کرتا ہے صابن استعمال کر کے صفائی حاصل کرتا ہے نئے کپڑے پہنتا ہے ناخن تراش لیتا ہے اور عطر استعمال کر کے ظاہراً اور باطناً پاک ہو جاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ حاجی اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح کہ جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر آیا تھا اس طرح یہ عاشقانہ دیوانہ وار عبادت مکمل ہو جاتی ہے اور یہ حدیث سمجھ میں آجاتی ہے!

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الا الله وان محمد اعبده ورسوله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیه سبیلا

صدق الله جل جلاله وصدق رسوله النبی الکریم

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ ۲۹ مارچ ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
فرضیت حج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (اٰل عمران ۹۶، ۹۷)

’’بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے (عبادت کے لئے) مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں ہے جو برکت والا ہے اور تمام عالم کے لوگوں کے لئے ہدایت ہے اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس گھر کا حج کرنا (یعنی) جو شخص اس کی طرف راہ چلنے کی قدرت رکھتا ہو اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان والوں کی۔‘‘

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَااَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍؓ فَقَالَ اَفِیْ کُلِّ عَامٍ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ لَوْقُلْتُھَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْوَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْابِھَا وَلَمْ تَسْتَطِیْعُوْاوَالْحَجُّ مَرَّۃٌ فَمَنْ زَادَفَتَطَوُّعٌ.

(مشکوٰۃ ص ۲۲۱)

’’حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ (خطبہ کے دوران) فرمایا: اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے پس اقرع بن حابس کھڑے ہو گئے اور کہا اے اللہ کے رسول! ہر سال فرض ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر میں کہتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو پھر تم پر فرض ہو جاتا اور جب فرض ہو جاتا ہے تو تم نہ اس پر عمل کرتے اور نہ کر سکتے، حج (عمر میں) ایک مرتبہ فرض ہے جس نے زیادہ کیا تو وہ نفل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَمْنَعْہُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَۃٌ ظَاھِرَۃٌ اَوْسُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْمَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَآءَ

یَهُوْدِیًّا وَاِنْ شَآءَ نَصْرَانِیًّا. (مشکوٰۃ ص ۲۳۲)

''حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو حج کرنے سے کھلی ہوئی ضرورت یا ظالم بادشاہ یا کوئی معذور کر دینے والا مرض نہ روکے اور وہ بغیر حج کئے مرجائے تو اسے اختیار ہے چاہے یہودی ہو کر مرجائے چاہے نصرانی ہو کر مرے۔

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْیُعَجِّلْ. (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو حج ادا کرنے میں جلدی کرے۔

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَؓ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَایُوْجِبُ الْحَجَّ ؟ قَالَ اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَۃُ. (مشکوٰۃ ۲۲۲)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! حج واجب کرنے والی چیزیں کون سی ہیں؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا سواری اور راستے کا خرچہ۔

محترم حضرات!!

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور یہی پانچ ارکان اسلام کی بنیاد ہیں اور انہی ارکان پر اسلام اور ایمان کی عمارت کھڑی ہے اس سے پہلے سابقہ موضوع فلسفہ حج میں وہ حدیث آپ نے سن لی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے اول توحید، دوم نماز، سوم زکوٰۃ، چہارم روزہ اور پنجم حج۔ اب حج کی کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔

حج کا تعارف

حج لغت میں قصد وارادہ کے معنی میں ہے اور اس کی شرعی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ زمانہ مخصوصہ میں افعال مخصوصہ کے ساتھ مقامات مخصوصہ کی زیارت کا نام حج ہے۔ زمانہ مخصوصہ سے مراد شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے مہینے ہیں جب تک شوال کا مہینہ شروع نہیں ہوتا اس سے پہلے کسی مہینے میں احرام باندھنا اور حج کی نیت کرنا اور تلبیہ پڑھنا درست نہیں بلکہ مکروہ ہے جب شوال کا مہینہ شروع ہو جائے تو پھر دس ذوالحجہ تک احرام لگانا اور نیت کرنا تلبیہ پڑھنا سب کچھ درست ہے گویا کہ یہ میقات زمانی ہے، جس طرح

میقات مکانی سے احرام کے بغیر گذرنا منع ہے اسی طرح میقات زمانی سے پہلے احرام لگانا مکروہ ہے قرآن کریم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، ﴿الحج اشهر معلومات﴾ (یعنی حج کے مہینے معلوم ہیں) افعال مخصوصہ سے مراد احرام لگانا، بغیر سلے کپڑے استعمال کرنا، سر ننگا رکھنا پاؤں کو جوتے میں کھلا رکھنا کہ اس کی پشت ڈھک نہ جائے، عطر نہ لگانا، تیل نہ لگانا، کنگھی نہ کرنا، ناخن نہ تراشنا، زور زور سے تلبیہ پڑھنا، بیوی سے ہمبستری حالت احرام میں نہ کرنا شکار نہ کرنا اور طواف وسعی کرنا یہ مخصوص افعال ہیں، مقامات مقدسہ سے مراد بیت اللہ اور مسجد حرام ہے، اس کا طواف کرنا پھر صفا ومروہ کے درمیان سات چکر کی سعی کرنا پھر احرام کی حالت میں ۸ ذوالحجہ کو منیٰ کا سفر کرنا وہاں رات گذارنا پھر وہاں سے صبح کے وقت عرفات یعنی جبل رحمت کے کھلے میدان میں پہنچنا، مسجد نمرہ میں نماز پڑھنا، مغرب تک وہاں ٹھہرنا، ظہر وعصر کی نماز ظہر ہی کے وقت مین پڑھنا، پھر مزدلفہ کے لئے روانہ ہونا، وہاں مغرب وعشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھنے کے اعمال بجالانا اور پھر منیٰ آکر جمرۃ اولیٰ کو کنکریاں مارنا، پھر قربانی کرنا پھر سر منڈانا، پھر نئے کپڑے یا صاف دھلے ہوئے کپڑے پہننا پھر طواف زیارت کے لئے جانا پھر واپس منیٰ آنا وہاں پر دیگر افعال کرنا اور مزید تین دن تک کنکریاں مارنا یہ مخصوص افعال ہیں جو مخصوص زمانہ میں ہیں اور مخصوص مقامات کی زیارت بھی ہے جو حج کا تعارف اور مفہوم اور اجمالی خاکہ ونقشہ بھی ہے۔

حج کب فرض ہوا؟

اس میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا حج پانچ ۵ ھ میں فرض ہوا، بعض نے کہا کہ ۶ ھ کو فرض ہوا مگر صحیح قول یہ ہے کہ حج ۹ ھ کو فرض ہوا اور اسی سال میں صدیق اکبرؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحج بنا کر حج کے لئے روانہ فرمایا اور آیندہ سال حضور اکرمؐ خود چالیس ہزار نفوس قدسیہ کے ساتھ تشریف لے گئے یہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے جو فرضیت حج کے بعد حضور اکرمؐ کا پہلا اور آخری حج ہے فرضیت حج قرآن عظیم کے واضح احکامات سے ثابت ہے پھر احادیث مقدسہ میں اس کی فرضیت پر بہت ساری حدیثیں ہیں، پھر اس پر اجماع امت بھی منعقد ہے اور تمام فقہاء کے ہاں بھی فرض ہے لہٰذا اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اور استطاعت کے باوجود نہ کرنے والا فاسق ہے، حج عمر بھر میں ایک بار فرض ہے اس کے علاوہ نفل ہے، حرام مال سے حج کرنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح اہل وعیال کے لئے خرچہ کا انتظام کر کے جانا ضروری ہے جب حج فرض ہو جائے تو فوراً جانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاخیر کرنے میں گناہ ہے اور ممکن ہے کہ آیندہ سال تک پیسہ بھی ختم ہو جائے۔

حج کس پر فرض ہے؟

قرآن وحدیث میں حج کے ساتھ ایک لفظ بطور قید لگا ہوا ہے اور وہ لفظ "من استطاع الیہ سبیلا" ہے یعنی حج اس شخص پر فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو اب فقہائے کرام نے استطاعت کی اس طرح الگ الگ تشریح وتوضیح کی ہے کہ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے ہاں کسی شخص کے پاس مال کا ہونا استطاعت ہے اگر چہ وہ شخص لنگڑا لولا اور صاحب فراش ہے لیکن اس کے پاس مال و دولت ہے تو حج اس پر فرض ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ خود جانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے لہٰذا وہ اپنی طرف سے کسی اور کو نائب بنا کر ان کے خرچے کا مکمل انتظام کرے وہ شخص جا کر ان کے لئے حج کر کے آجائے اس کو حج بدل کہتے ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ استطاعت سے مراد صحت بدن ہے جب ایک شخص تندرست ہے تو اس پر ہر حال میں حج فرض ہے وہ حج پر جائے گا راستہ میں کمائے گا کھائے گا اور پھر آگے جائے گا پھر کمائے گا اور پھر آگے جائے گا کیونکہ خوب صحت مند تو وہ کس چیز کا آرزومند ہے؟

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ استطاعت سے مراد" زاد وراحلہ" ہے یعنی آنے جانے کا خرچہ ہو راستہ کا کرایہ ہو یا اپنی سواری ہو اور ظاہر ہے کہ اس ضمن میں صحت مند بدن ضروری ہے اور اسی طرح راستہ کا امن بھی ضروری ہے البتہ اہل مکہ اور گرد ونواح کے لوگوں کے لئے سواری کا میسر آنا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ بغیر سواری کے بھی حج کو جا سکتے ہیں۔

حج کے فرض ہونے کی شرطیں

مندرجہ ذیل شرائط پائے جانے کے بعد حج فرض ہو جاتا ہے۔

(۱) مسلمان ہونا کافر پر حج نہیں ہے (۲) آزاد ہونا غلام لونڈی پر حج فرض نہیں (۳) بالغ ہونا بچوں پر حج فرض نہیں (۴) عاقل ہونا مجنون پاگل اور مدہوش و بے ہوش پر حج فرض نہیں (۵) استطاعت یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ اور قرض سے محفوظ ہو اور اس کے زادِ راہ اور سواری کے لئے کافی ہو جائے اور جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے لئے بھی اس میں سے اس قدر چھوڑ جائے جو اس کے لوٹنے تک ان لوگوں کو کفایت کر سکے جن لوگوں کے پاس زمین موجود ہے اگر وہ اس زمین کو فروخت کرے تو بہت پیسہ ہاتھ آسکتا ہے جس سے وہ حج کر سکتے ہیں تو اس صورت میں بھی یہ لوگ صاحب استطاعت ہیں یہ بعض فقہاء کی رائے ہے۔

موانع حج

یہاں تک جو شرائط بیان ہوئیں یہ وہ تھیں کہ اگر یہ نہ پائیں جائیں تو حج فرض ہی نہیں ہوتا یعنی حج کی فرضیت متحقق ہی نہیں ہوگی اور آگے جو شرائط بیان کی جائیں گی وہ ایسی ہیں کہ ان کے نہ پائے جانے سے حج تو فرض رہے گا البتہ جب تک یہ موانع موجود ہوں گے حج پر جانا ضروری نہ ہوگا اور جس وقت یہ موانع دور ہو جائیں گے پھر حج پر جانا فرض ہو جائے گا۔(۱) بدن کا ایسے عوارض سے محفوظ ہونا جن کی وجہ سے سفر نہ کر سکے جیسے اندھا، لنگڑا، لولا، اپاہج، یا ایسا بوڑھا جو سواری پر بیٹھ نہ سکے (۲) کسی کی قید میں گرفتار ہونا یا ظالم بادشاہ کے ظلم کے خوف میں ہونا جب تک یہ مانع ہے حج پر جانا فرض نہیں (۳) راستے کا پرامن نہ ہونا یعنی ڈاکوؤں کے ڈاکہ ڈالنے کا اگر خطرہ ہو یا کوئی دریا سامنے حائل ہو تو عذر ہے (۴) عورت کے لئے ہمراہی میں شوہر یا محرم کا موجود نہ ہونا (۵) عورت کے لئے عدت میں ہونا خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا شرائط کچھ دائمی ہیں اور کچھ عارضی ہیں، عوارض جب دور ہوں تو حج فرض ہو جائے گا۔

حج کے فرائض

حج میں پانچ چیزیں فرض ہیں۔

(۱) احرام لگانا یہ فرض بھی ہے اور حج کے لئے شرط بھی ہے۔(۲) وقوف عرفات یعنی عرفات میں ٹھہرنا خواہ ایک ہی منٹ کے بقدر ہو خواہ رات میں ہو۔(۳) طواف زیارت کا اکثر حصہ فرض ہے یعنی چار شوط چار چکر۔(۴) مندرجہ بالا فرائض کی ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف اور وقوف کو طواف زیارت پر مقدم کرنا۔(۵) ہر فرض کو اسی مکان ومقام پر بجالانا جہاں پر وہ فرض ہے، مثلاً وقوف کا عمل عرفات میں ہے طواف بیت اللہ میں ہے، احرام میقات کے پاس ہے۔

حج کے واجبات

حج میں کل چھ واجبات ہیں (۱) وقوف مزدلفہ (۲) سعی (۳) رمی (۴) آفاقی کے لئے طواف قدوم (۵) حلق یا قصر کرنا (۶) ہر وہ عمل جس کے ترک کرنے پر دم آتا ہو۔ بالفاظ دیگر مندرجہ بالا افعال کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا۔

حج کے اقسام

جب ایک حاجی گھر سے نکل کر حج کے لئے روانہ ہوتا ہے،تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ میقات سے پہلے پہلے احرام باندھ لے،حاجی یہ بھی کرسکتا ہے کہ گھر سے احرام باندھے یا ایئرپورٹ یا بندرگاہ سے احرام کا عمل شروع کر دے،احرام کے عمل کے وقت حاجی کے لئے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ کس قسم کے حج کو عملی طور پر اختیار کرنا چاہتا ہے کیونکہ حج کی تین قسمیں ہیں اول تمتع،دوم اِفراد،سوم قِران، کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

حج تمتع

حج کے ایام میں اگر میقات سے ایک حاجی عمرہ کا احرام باندھتا ہے اور پھر جا کر عمرہ ادا کرتا ہے اور پھر احرام کھولتا ہے اور بعد میں حج کے لئے حرم شریف سے نیا احرام باندھتا ہے گویا ایک سفر میں دو عبادتوں کا فائدہ اٹھاتا ہے تو اس قسم کے حج کو حج تمتع کہتے ہیں اور اس حاجی کو متمتع کہا جاتا ہے اس حج کے بعد اس حاجی کو بطور شکر دم تمتع یعنی قربانی کرنا پڑتا ہے۔

عوام الناس عام طور پر اسی قسم کا حج کرتے ہیں اس میں پہلے جو عمرہ ہوتا ہے اس کی نیت اس طرح ہے " اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ " مولائے کریم! میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں مجھ سے قبول فرما اور آسان فرما۔

پھر حرم شریف میں حج کی نیت اس طرح ہے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْ ھَالِیْ وَتَقَبَّلْھَامِنِّیْ " لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، یہ نیت اور یہ احرام عام طور پر سات ذی الحجہ کو ہوتا ہے یا آٹھ ذی الحجہ کو ہوتا ہے،ظہر وعصر ومغرب وعشاء اور فجر کی پانچ نمازیں منیٰ میں ہوتی ہیں، پھر عرفات جانا ہوتا ہے

حج افراد

حاجی نے اگر میقات یا ائیر پوٹ یا بندرگاہ سے اَیَّامِ حَجْ میں صرف حج کی نیت کی اور احرام لگا کر تلبیہ پڑھا عمرے کا نام تک نہ لیا تو یہ حج اِفْرَادْ ہے اور حاجی مُفْرِدْ ہے اس حاجی صاحب کو آگے جا کر حرم شریف میں طواف وسعی کرنا چاہئے اور پھر احرام ہی کی حالت میں وہاں رہنا چاہئے احرام کا کھولنا جائز نہیں

بلکہ اسی احرام کے ساتھ منیٰ جائے اور آٹھ ذوالحجہ کا دن اور رات وہاں گذار کر پانچ نمازیں مکمل کرکے دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کو عرفات کی طرف روانہ ہو جائے اور زوال الشمس کے بعد وہاں عام مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو کر پھر دعا کے لئے بعد الظہر کھڑا ہو جائے جتنا ہو سکتا ہے قیام کرے تھک جائے تو بیٹھ کر ذکر اللہ اور دعا میں مشغول رہے غروب آفتاب تک عرفات ہی میں رہے اور پھر مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جائے، یہاں پیدل جانا زیادہ آسان ہے جیسا کہ حرم سے منیٰ تک پیدل جانا آسان ہے۔

مغرب وعشاء کی نمازیں مزدلفہ میں اپنی اپنی جگہوں پر جماعت کے ساتھ پڑھے اور پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے، صبح سویرے نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ میں وقوف وقیام کرے اس کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے، یہ دس ذوالحجہ کا دن ہے اور اس سے پہلے ۹ ذوالحجہ عرفہ کا دن تھا اور وہی حج تھا، عرفہ کا قیام اور اس سے پہلے احرام اور پھر طواف زیارت یہ تین چیزیں حج کہلاتی ہیں یعنی بڑے فرائض یہی تین ہیں، منیٰ پہنچ کر دس ذوالحجہ کو سب سے پہلا کام راستے میں موجود اس جمرہ کو کنکریاں مارنا ہے جس پر لکھا ہے شیطان بزرگ یعنی بڑا شیطان، یہ جمرۂ اولیٰ ہے اس سے پہلے فارغ ہو کر متمتع اور قارن کے لئے قربانی کا عمل ضروری ہے، قربانی بھی منیٰ میں ہوتی ہے، قربانی کے بعد سر کے بال منڈائے یا قصر کرے اس کے بعد غسل کر کے نئے کپڑے پہن کر طواف زیارت کو جانا ہوتا ہے، یہ طواف فرض ہے اور حج کی بنیاد ہے۔ اس سے فارغ ہو کر پھر منیٰ جا کر ٹھہرنا پڑتا ہے اور آئندہ دو دن یا تین دن تک کنکریاں مارنی ہوتی ہیں جس کو رمی جمار کہا جاتا ہے، یہ پورے حج کا ایک اجمالی خاکہ اور مختصر نقشہ ہے، حج افراد میں حاجی پر قربانی واجب نہیں ہے، یہ حج ان لوگوں کے لئے اچھا ہے جو ذوالحجہ کے دنوں میں حرم پہنچتے ہیں۔

حج قِران

حاجی نے گھر سے نکل کر میقات یا ائیر پورٹ یا بندرگاہ پر اس طرح نیت کی کہ حج اور عمرہ کو ایک ساتھ الفاظ میں ملا دیا اور کہا:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ" لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ تو اس طرح کرنے کو قِران کہتے ہیں کیونکہ قِران ملانے کے معنی میں ہے اور اس نے بھی دونوں چیزوں کو ملا دیا۔ یہ حج قِران ہے اور حاجی قارن ہے یہ صاحب جب مکہ پہنچ جائے تو پہلے عمرے کے لئے طواف وسعی کرے

اور پھر دوبارہ طواف قدوم کے لئے طواف وسعی کرے اور پھر احرام کھولے بغیر منیٰ جائے اور باقی افعال حج مُفرِد کی طرح ادا کرے اور پھر قربانی کرے سب سے افضل حج تو احناف ؒ کے ہاں قِران ہے پھر تمتع اور پھر افراد ہے لیکن عوام کے لئے قِران کے مسائل سیکھنا سمجھنا بہت مشکل ہے اس لئے وہ یا تمتع کریں یا افراد کریں تمتع اور قِران میں قربانی ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص قربانی کی رقم پر قادر نہیں ہے تو ایسا شخص دس روزے رکھے تین روزے تو حرم شریف میں اور سات روزے جب گھر واپس آ جائے. یہ دس روزے دم تمتع اور دم قِران کی طرف سے کافی ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ان روزوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی احرام لگا کر روزے رکھے گویا پانچ چھ اور سات ذوالحجہ کے روزے رکھے مگر احرام کے ساتھ اور یہی احرام پھر حج کا احرام ہوگا۔

طواف وداع

جب حاجی حج کے تمام افعال سے فارغ ہو جائے اور گھر لوٹنا چاہے تو اس پر واجب ہے کہ رخصت کا ایک طواف بیت اللہ کے اردگرد کرلے اس طواف کو طواف وداع اور طواف صدر کہتے ہیں. یہ حاجی کا آخری عمل ہے اس کے بعد وہ گھر لوٹ سکتا ہے۔

فضائل حج

(۱) وعن ابی هريرة ؓ قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى العمل افضل؟ قال ايمان با لله ورسوله قيل ثم ماذا؟ قال الجهاد فى سبيل الله قيل ثم ماذا ؟قال حج مبرور .

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پوچھا گیا پھر کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا، پوچھا گیا پھر کون سا عمل؟ فرمایا مقبول حج ۔(مشکوٰۃ)

(۲) وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج لِله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته امه . (مشكوة ص ۲۲۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ جو شخص رضائے الٰہی کے لئے حج کرے اور کوئی

فسق وفجور یا فحش گفتگو نہ کرے تو وہ گناہ سے ایسا پاک وصاف ہو کر گھر لوٹ کر آتا ہے جس طرح جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

(۳) وعنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم العمرة الی العمرة کفارة لما بینهما والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة. (مشکوٰۃ ص ۲۲۱)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کفارہ ہے ان (صغیرہ) گناہوں کے لئے جوان دونوں عمروں کے درمیان ہوں اور حج مقبول کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔

(۴) وعن ابن عباسؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان عمرةً فی رمضان تعدل حجة. (مشکوٰۃ ص ۲۲۱)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ہے، ایک روایت میں ہے کہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

(۵) وَعَنْ اِبْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَالَقِیْتَ الْحَاجَّ سَلِّمْ عَلَیْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ. (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم حاجی سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے اپنے لئے دعائے مغفرت طلب کرو اس سے قبل کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو جائے۔ یہ دعا اس لئے کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہے۔

(۶) وعن ابی هریرةؓ عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال الحاج والعمار وفد اللّٰه ان دعوه اجابهم وان استغفروه غفرلهم. (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج وعمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے۔

(۷) وعنه قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول وفد اللّٰه ثلاثة الغازی والحاج والمعتمر. (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں (۱) جہاد کرنے والے (۲) حج کرنے والے (۳) عمرہ کرنے والے۔

(۸) وعنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من خرج حاجاً او معتمرا او غازیاثم مات فی طریقه کتب اللّٰه له اجر الغازی والحاج والمعتمر. (مشکوۃ ص ۲۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادے سے گھر سے نکلا اور پھر اسی راستے میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہاد کرنے والے اور حج وعمرہ کرنے والے ہی کا ثواب لکھتا ہے۔

(۹) وعن ابن عمرؓ قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یهل ملبداًیقول لبیک اللّٰهم لبیک ،لبیک لاشریک لک لبیک ،ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک. (مشکوۃ ص ۲۲۳)

محترم سامعین! یہ حج کے متعلق مختصر سا بیان تھا اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج وعمرہ کی برکات سے مالا مال فرمائے۔

وصلی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واٰله وصحبه اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین. (آمین)

نوٹ:۔ علمی تقریریں“ کا دوسرا حصہ مکمل ہوا اب تیسرا حصہ شروع ہو رہا ہے۔ اب اس کتاب کا جدید نام علمی خطبات ہے۔

۱۰ شوال ۱۴۱۶ھ یکم فروری ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
فضائل علم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ﴾

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں اس کو قائم کرتا ہے جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے''۔

محترم سامعین!!

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی مخلوقات میں سب سے افضل اس شخص کو قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کائنات کا زیادہ علم رکھتا ہو، علم ہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا رتبہ عطا فرمایا اور ایک فطری اور طبعی و کسبی علم ہی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی اور اپنی نیابت وخلافت سے نوازا، میدان عبادت میں فرشتوں کا مقام بہت بلند تھا کیونکہ بعض فرشتے اپنے وجود سے لے کر آج تک سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں بعض پیدائش سے لے کر آج تک قیام یا رکوع میں مصروف عبادت ہیں، انسان کو جو مسجود ملائکہ بنایا تو اس کی وجہ یہی علم تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب جنات سے ان کی فسادات کی وجہ سے زمین آزاد کرالی اور ان کو جزیروں، غاروں اور پہاڑوں کی طرف بھگا کر زمین صاف کروادی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کے انتظام وانصرام اور اپنی معرفت کے لئے ایک خلیفہ کا تذکرہ فرشتوں کے سامنے کیا، فرشتوں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے شریر مخلوق جنات سے تو زمین آزاد کرالی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ پھر کسی شریر مخلوق کو تو انتظام حوالے نہیں فرمائے گا اور اگر کوئی نیک مخلوق اس کام کے لئے اٹھاتا ہے تو ہم سے زیادہ نیک کون ہوسکتا ہے؟ کیونکہ ﴿ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک﴾ فرمایا کہ ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو، اس لئے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس صورت حال میں کسی اور کو خلیفہ کا کھڑا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

یہ سوال فرشتوں نے بطور اعتراض ہرگز نہیں کیا تھا بلکہ اپنے سمجھنے کے لئے ایک سوال تھا اللہ تعالیٰ

نے حاکمانہ اور شہنشاہانہ انداز سے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سمجھانے کے لئے دونوں کا ایک علمی مقابلہ اور علمی امتحان کرایا تا کہ فرشتے علم الیقین اور عین الیقین سے دیکھیں کہ واقعی خلافت ارضی کے مستحق حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ ان کے پاس کائنات طبعی علم ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور مٹی کی تمام خصوصیات ان میں آ گئی تھیں لہٰذا مٹی سے وابستہ چیزوں سے فائدہ اٹھانا حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں آ گیا کیونکہ مٹی سے پیدا شدہ اس انسان کو بھوک لگتی تھی تو وہ فطری طور پر کھانے کی چیزوں کی طرف محتاج ہوتا تھا، ان کو پیاس لگتی تھی تو وہ فطری طور پر پانی کے فوائد کو جانتا تھا وہ گرمی اور سردی سے متاثر ہوتا تھا اس لئے ان کو گرمی اور سردی سے بچاؤ کی چیزوں کا فطری علم تھا اور فرشتے چونکہ بھوک و پیاس سردی وگرمی سے نا آشنا تھے اور نہ ان چیزوں سے متاثر ہوتے تھے اس لئے ان کے پاس ان چیزوں کا نہ فطری علم تھا اور نہ کسبی علم تھا اور امتحان انہی چیزوں کے فوائد، خواص اور خاصیات میں تھا۔ چنانچہ جب فرشتوں سے سوال ہوا کہ ان چیزوں کے خواص بتاؤ تو انہوں نے کہا ﴿لا علم لنا﴾ ہمیں اس کا علم نہیں اور جب آدم علیہ السلام سے سوال ہوا کہ ان چیزوں کے فوائد کیا ہیں؟ تو انہوں نے فرفر سنا دیئے اور امتحان میں اول نمبر پر پاس ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے اس علم کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ مقرر فرمایا تا کہ وہ زمین کی تمام چیزوں کو کام میں لا کر زمین کو آباد کر کے مخلوق خدا کو خالق سے ملانے کے تمام ضروریات کی رہنمائی فرما دے۔ شیخ الہند تفسیر عثمانی میں ان آیات کی اس طرح تفسیر فرماتے ہیں۔

تفسیر!!

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع ونقصان کے تعلیم فرما دیا اور یہ علم ان کے دل میں بلا واسطہ کلام القاء کر دیا کیونکہ بدون اس کمال علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے؟ اس کے بعد ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام واحوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز وقصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل اگر ہم کو حاصل ہو بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم وحکمت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے بعد حضرت آدم سے جو تمام اشیائے عالم کے نسبت سوال ہوا تو فرفر سب امور ملائکہ کو بتا دیئے کہ وہ بھی سب دنگ رہ گئے اور حضرت آدم علیہ السلام

کے احاطہ علمی پر عش عش کر اٹھے۔

فائدہ!!

اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی، دیکھئے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ معصوم ہیں لیکن صفت علم میں چونکہ انسان سے وہ کم ہیں اس لئے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کرلیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہئے کیونکہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں البتہ علم خدا تعالیٰ کی صفت اعلیٰ ہے اس لئے قابل خلافت یہی ہوئی کیونکہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔

حضرت طالوت کی خلافت کی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا پھر ان کی نیت بگڑی تب ان ایک کافر بادشاہ جالوت مسلط ہوا، اس نے ان کو شہر سے نکال دیا اور لوٹ مار کی اور ان کو پکڑ کر غلام بنالیا بنی اسرائیل کے لوگ بھاگ کر بیت المقدس میں جمع ہوگئے، اس وقت حضرت اشموئیل علیہ السلام پیغمبر تھے اس وقت لوگوں نے تا کہ ان سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کرلو کہ اس کے ساتھ ہوکر ہم جہاد فی سبیل اللہ کریں وہ لوگ چونکہ مجبور تھے اور ان کے آدمی بڑے پیمانے پر گرفت رکھتے تھے اس لئے ان کو ایک بادشاہ اور خلیفہ کی ضرورت تھی وقت کے پیغمبر نے حضرت طالوت کا نام پیش کردیا تو ان لوگوں نے حجت بازیاں شروع کردیں کہ یہ شخص تو غریب ہے امیر مالدار اور سرمایہ دار نہیں اس لئے یہ خلافت کا حقدار نہیں اس پر وقت کے خلیفہ نے دو دلیلیں پیش کیں اول یہ کہ طالوت کے پاس علم ہے لہٰذا علم والا خلافت کا زیادہ حق رکھتا ہے، دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو علم کے ساتھ ساتھ خوبصورت بارعب جسم بھی دیا ہے اس پر قوم نے تسلیم کرلیا کہ ہاں خلافت کے لئے عالم ہونا ضروری ہے۔ اس پورے قصہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مخلوق خدا کو خالق کی مرضی کے مطابق چلانے کے لئے علم دین کا ہونا بہت ضروری ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اس کو بطور استحقاق اس طرح پیش کیا کہ ﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور جسم میں زیادہ حصہ دیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وزارت

حضرت یوسف علیہ السلام جب امتحانات کے تمام مراحل سے کامیابی کے ساتھ گذر گئے تو مصر

کے فرمان رواعزیز مصر نے آپ کو اپنے پاس بلالیا اور بالمشافہ گفتگو کرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا مشیر خاص مقرر کرلیا، حضرت یوسفؑ نے اس عہدے کے بجائے وزارت خزانہ کے منصب کو طلب کیا اور پھر اس کے استحقاق کے لئے دو دلیلیں پیش کیں قرآن کریم نے اس کو اس طرح نقل کیا ہے ﴿قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم﴾ فرمایا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردو میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ہوں، یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری طرح کروں گا اور اس کے آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب کتاب سے بھی خوب واقف ہوں۔

دیکھئے یہاں حضرت یوسفؑ نے محکمۂ مال کو اپنے ذمہ لینے کے لئے دو دلیلیں دیں، پہلی دلیل امانت و دیانت اور حفاظت کی دی اور دوسری دلیل علم کی دی اس سے معلوم ہوا کہ کسی عہدہ کو سنبھالنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس کی دنیوی و اخروی حیثیت کا علم رکھتا ہو۔ اب اسلامی مملکت کا مثلاً کوئی شخص سربراہ بنتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے تمام پہلوؤں کو سمجھتا ہو تاکہ عام مسلمانوں کو اس کے مطابق چلا سکے اور اگر وہ اسلام کے ابجد سے بھی واقف نہ ہو تو وہ لوگوں کو کیا خاک اسلام کے مطابق چلائے گا؟ وہ اس تعلیم کے مطابق سوچے گا جو تعلیم اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی اور کیمرج میں یہودیوں سے حاصل کی ہے اور عوام کو یہودیت اور عیسائیت کے راستے پر ڈالے گا چنانچہ آج کل اکثر بلکہ تقریباً سارے اسلامی ممالک کے حکمران یہود و نصاریٰ کی تقلید پر زور دیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کیونکہ جو پڑھا ہے وہی سمجھا ہے اور جو سمجھا ہے وہی سمجھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے کہ علم غلامی سے آزادی کے لئے ہوتا ہے مگر انگریزی تعلیم آزادی کے بجائے غلامی کے لئے ہے۔

علم دین قرآن کی روشنی میں

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت
مسافر راستہ دیکھے نہ دیکھے
چراغ راہ گذر جلتا رہے گا

علم ایک ایسی روشنی ہے جو ایک مسلمان کے دل میں چمکتی ہے جس کے ذریعہ سے انسان اچھے اور برے کی تمیز کرتا ہے اور اسی کی رہنمائی سے اپنے مالک حقیقی کے راستے پر چل کر خالق حقیقی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے علم دین کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں علماء کی فضیلت

کا ذکر کیا ہے اور حضور اکرمؐ پر علم نبوت سے متعلق بار بار احسان کا تذکرہ فرمایا ہے، علماء کے درجات کی بلندی کا ذکر کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات تک ﴿رب زدنی علما﴾ کا حکم دیا ہے، عالم کو غیر عالم کے مقابلے میں ایک ممتاز مقام سے یاد کیا ہے خوف خدا رکھنے والوں میں علماء کرام کو سرفہرست ذکر کیا ہے ،حقانیت قرآن پر علماء بنی اسرائیل کا حوالہ دے کر علماء کے مقام کو بلند کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے ثبوت میں علماء کی گواہی کو اپنی گواہی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ جوڑ دیا ہے، قارون اور دولت کے پجاریوں کے مقابلے میں حقیقت دنیا کی ناپائیداری کے اظہار کرنے والوں کو اہل علم کے نام سے یاد کیا ہے مرنے کے بعد عالم برزخ کی زندگی کا صحیح اندازہ لگانے والوں کو اہل علم کہا ہے، قرآن کریم میں مذکور عجیب و غریب مثالوں کو سمجھنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ علماء ہی کا کام ہے علماء ہی کے متعلق فرمایا کہ ان کے سینوں میں قرآنی علوم اور واضح دلائل ہیں، اپنے رسولوں اور برگزیدہ لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کو علم سے نوازا اور علم نہ رکھنے والوں کو علم سیکھنے کی ترغیب دی ہے پھر حضور اکرمؐ نے اسی علم نبوت کو اپنے صحابہ کی طرف منتقل کیا تو وہ لوگ اس کائنات کے سب سے افضل افراد قرار پائے جو ان علوم سے پہلے اونٹوں کے چرانے کے اہل نہیں سمجھے جاتے ان علوم کے آنے کے بعد وہ انسانوں کے چرانے والے اور رہبر و رہنما بن گئے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

علم کا مصداق

قرآن وحدیث نے جس علم کا ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علم کے فضائل بیان کئے ہیں وہ علم دین علم قرآن وحدیث ہے جس سے انسان قرب خداوندی حاصل کرسکتا ہے قرآن کریم متن ہے اور احادیث مقدسہ اس کی تفسیر ہے اور فقہ ان دونوں کے لئے دفعات کا درجہ رکھتا ہے ان تینوں چیزوں کے علاوہ جو علوم ان تینوں کے لئے ممد و معاون ہیں وہ فنون اور علوم آلیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں یہ فنون ہیں اور آلات ہیں جس کے پڑھنے سے اس لئے ثواب ملتا ہے کہ علوم ماٰلیہ کے لئے ذرائع اور وسائل ہیں، ان علوم کے علاوہ کالج کے جو دنیوی فنون ہیں وہ فن کے درجہ میں ہیں وہ علم نہیں زیادہ سے زیادہ اس کو علمِ دنیا یعنی ظاہری دنیا سے متعلق معلومات کا نام دیا جاسکتا ہے یہ وہ علوم ہرگز نہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دیا ہے کیونکہ ان فنون سے قُربِ خداوندی کے بجائے بُعدِ خداوندی حاصل

ہوتا ہے جو شخص جتنا زیادہ اس کو پڑھتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور جا گرتا ہے، بابا سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

سعدی بشوئے لوحِ دل از یاد غیر حق
علمے کہ راہ دوست نہ نما بطالت ست

ترجمہ اے سعدی! اپنے دل کی تختی کو اللہ تعالیٰ کی یاد کے علاوہ ہر چیز سے پاک کرو کیونکہ جو علم محبوب کے راستے کی رہنمائی نہیں کرتا وہ باطل ہے۔

افسوس کہ اسکول وکالج کے یہ فنون لوگوں کے ہاں علم کا درجہ رکھتے ہیں پھر مزید ظلم یہ کہ علم دین کے فضائل اور قرآن وحدیث کے فرامین اس پر چسپاں کرتے ہیں یہ دین اسلام میں تحریف ہے جس علم وفن کا ابھی تین سو سال قبل نام ونشان نہیں تھا اس کو قرآن وحدیث کا مصداق قرار دینا کتنا بڑا ظلم ہے، پھر یہ بھی ہے کہ اگر واقعی یہ وہی علم ہے جس کا تذکرہ قرآن وحدیث میں ہے تو پھر اس میدان میں یہود ونصاریٰ ہم سے بڑھ کر عالم ہوئے اور ہم سے زیادہ ان فضائل ونعمتوں اور درجوں کے مستحق ہوئے حالانکہ یہ باطل ہے جس قرآن نے ان فنون کو دنیوی زندگی کے ''ظاہری معلومات'' کے نام سے یاد کیا ہے اس سے زائد اس کا کوئی مقام نہیں اور اکبر الہ آبادی نے اس کو اس طرح یاد کیا ہے۔

یہ بات تو کھری ہے ہر گز نہیں ہے کھوٹی
عربی میں نظم ملت بی اے میں صرف روٹی

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

مسٹر نقلی کو عقبیٰ میں سزا کیسے ملی
شرح اس کی نامناسب ہے ملی جیسے ملی

اس نے بھی لیکن ادب سے کر دیا یہ التماس
چارہ ہی کیا تھا خدا تعلیم ہی ایسی ملی

طفل میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

کالج میں بگڑ جاؤ گے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے میرا پاس یہی ہے

ے

یکے ذی علم در اسکول روزے
فُتاد از جانب پبلک بدستم
بدو گفتم کہ کفرے یا بلائے
کہ پیش اعتقاداتِ تو پستم
بگفتا مسلم مقبول بودم
ولے یک عمر با ملحد نشستم
جمال نیچری درمن اثر کرد
وگر نہ من ھما شیخم کہ ہستم

نئی تعلیم میں بھی مذہبی تعلیم داخل ہے
مگر ایسی کہ جیسے آب زمزم ے میں داخل ہے

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہ اشعار ایک ایسے شخص کے ہیں جس نے اس دنیوی تعلیم کو خوب حاصل کیا، اس کو قریب سے دیکھا اور اس کے برے اور زہریلے اثرات کو معاشرہ میں محسوس کیا نئی تعلیمات پر ان کی تنقید ایک معیاری حیثیت رکھتی ہے وہ شخص مشہور زمانہ شاعر تھے جس کا نام گرامی اکبر الہ آبادی ہے جو اپنے زمانے میں ایک انگریزی عدالت کے جج بھی تھے۔

علم دین احادیث کی روشنی میں

اب آپ فضیلت علم دین کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ بھی سن لیجئے سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں، حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔
ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ

عطا کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ دو شخص قابل رشک ہیں ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دین دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لئے اس کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی مخلوق حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے میراث میں دینار و درہم نہیں چھوڑے ہیں بلکہ انہوں نے میراث میں علم چھوڑا ہے پس جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ حاصل کیا، اس روایت میں ایک جملہ اس طرح بھی ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے اور اللہ اور فرشتے اور زمین و آسمان والے حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلی پانی میں سب کے سب معلم خیر کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک فقیہ عالم شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مؤمن بھلائی (یعنی علم) سے سیر نہیں ہوتا ہے وہ علم کو سنتا ہے (حاصل کرتا ہے) یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت پر ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ علم تین قسم پر ہے (۱) محکم و مضبوط آیات (۲) قائم دائم سنت (۳) انصاف پر مبنی فریضۂ میراث، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کی موت اس حال میں آئی کہ وہ احیائے دین کی غرض سے علم حاصل کر رہا ہو تو اس کے اور انبیاء کرام کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا (اور وہ درجہ نبوت ہے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص علم طلب کر رہا ہو اور اسے علم حاصل بھی ہو گیا تو اس کو دوہرا اجر و ثواب ملے گا اور اگر اسے علم حاصل نہ ہوا تو اس کو ایک حصہ ثواب ملے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رات میں تھوڑی دیر علم کا درس دینا تمام رات کے جاگے رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ چند احادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع سے نوازے۔ آمین

قرآن وحدیث

قال اللہ تعالیٰ ﴿شَهِدَاللّٰهُ اَنَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّاهُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾

سورۃ آل عمران ایت ۱۷)

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ (سورۃ فاطر ایت ۲۷)

﴿يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (سورۃ مجادلہ ایت ۱۰)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طَرِيْقِ الْجَنَّةِ.

(ابو داود ص ۵۱۳ میر محمد کتب خانہ)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَثْبُتُ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا. (مسلم ج۲ ص ۳۴۰ ایچ ایم سعید)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ. (مسلم ج۲ ص ۳۴۰ ایچ ایم سعید)

۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء　　کراچی کے مختلف اجتماعات میں

موضوع

مدارس اسلامیہ تاریخ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

"اے ہمارے رب ان لوگوں میں انہیں میں سے اپنا ایک رسول مبعوث فرما تا کہ تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اوران کو تیری کتاب اور دانائی کی باتیں سکھائے اوران کا تزکیہ فرمائے بیشک تو زبردست حکمت والا ہے۔"

محترم حاضرین!!

میں آپ کے سامنے ایک ایسا موضوع رکھنا چاہتا ہوں جس کے متعلق آپ نے کم سنا ہوگا اور وہ موضوع یہ ہے کہ تاریخی پس منظر میں دینی مدارس اور مساجد کی کیا حیثیت رہی ہے اور معاشرہ میں اس کا کیا کردار رہا ہے۔

یہ آیت درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کی ان دعاؤں کا ایک حصہ ہے جو دعائیں آپ نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت اور تعمیر کے بعد مانگی تھیں۔ چنانچہ مادیات، اقتصادیات، معاشیات اور رزق اور ثمرات کی دعاؤں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے روحانیات، دینیات اور دینوی واخروی برکات کے متعلق ایک دعا مانگی تا کہ مکہ مکرمہ میں روحانیت کے لئے روحانی شخصیت کا انتظام ہو سکے۔ چنانچہ ابراہیمؑ نے اہلِ مکہ کے لئے ایک شان والے رسول کی دُعا مانگی اور فرمایا کہ مولائے کریم! ان لوگوں میں انہیں میں سے ایک شان والا رسول مبعوث فرما۔ یہاں رسول کے متعلق دو باتیں واضح ہوگئیں۔ ایک یہ کہ رسول اہل مکہ میں مبعوث فرمادے جو اسی خطہ میں بسنے ہوں دوسرا یہ کہ اہل مکہ کی قوم سے متعلق ہوں **فیھم** اور **منھم** سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ میں قریش قوم کے افراد میں سے ایک فرد تھے آپ انسان تھے آپ کے والدین تھے آپ نے شادی کی تھی، آپ کی اولاد تھی۔ آپ کے چچا تھے دادا تھے پھوپھیاں تھیں چچازاد بھائی تھے آپ بشر اور انسان تھے۔ یادرکھیں بشر انسان کو کہا جاتا ہے تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں تھے تو وہ غیر شعوری طور پر کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان نہیں تھے بلکہ یا جنات میں سے تھے اور یا فرشتوں میں سے تھے کیونکہ بشر نور کے مقابلے میں آتا ہے حالانکہ

قرآن کا اعلان ہے کہ وابعث فیھم ان میں سے منھم انہیں میں سے ان کے نفسوں اور جانوں میں سے ہو۔ اس صریح نص کے بعد جو لوگ کہتے ہیں آپ بشر نہ تھے یہ بڑی جرأت ہے اور شریعت کی بہت بڑی خلاف ورزی ہے۔ قرآن کریم بار بار اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ بشر تھے اور یہ لوگ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ بشر نہیں تھے۔

احادیث مقدسہ کا تو دوٹوک الفاظ میں اعلان ہے کہ حضور اکرمؐ بشر تھے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو بشر کہنا کفر ہے۔ حالانکہ بشر کا درجہ فرشتوں سے اونچا ہے جہاں نورانی مخلوق اور فرشتے عاجز آجاتے ہیں وہاں سے بشر آگے نکل جاتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ کائنات میں سب سے اعلیٰ مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے آپ کے مقام کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بشری کمالات سارے کے سارے حضور اکرمؐ میں جمع تھے آپ سید الاولین والآخرین تھے لیکن ان تمام کمالات کیساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشر کے نام سے یاد کیا ہے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ قرآن کہتا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے بستے اور اطمینان کیساتھ یہاں فرشتے رہتے تو آسمان سے اللہ تعالیٰ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا مگر یہاں جب انسان بستے ہیں تو ان کی رہنمائی کے لئے انسانوں میں سے ایک کو رسول بنا کر بھیجنا چاہیئے تھا۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا کہ آپ کے نبی انسانوں میں سے تھے یا جنات یا فرشتوں میں سے تھے، اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں تو یہ شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ رسول ماننے کے لئے ضروری ہے کہ یہ بھی معلوم ہو کہ وہ رسول انسان تھے یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ حضور اکرمؐ کے نسب میں سے کم از کم آپ کے والد اور دادا کا نام یاد رکھنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ انسان تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ یعنی کتاب اللہ کی تلاوت کرنا قرآن کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا دینا، معلوم ہوا کلام اللہ کی تلاوت مستقل عبادت ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ تلاوت کی کوشش کر لیا کرے اور تلاوت کی ناقدری نہ کرے اللہ تعالیٰ کو اپنا کلام بہت پیارا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بہت پسند فرماتا ہے۔

(۲) وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ یعنی لوگوں کو اللہ کی کتاب سمجھانا سکھانا یہ حضور اکرمؐ کی بعثت کے مقاصد میں سے دوسرا بڑا مقصد تھا۔ میں آپ کے سامنے اسی جملے کی تشریح اور تفصیل انشاء اللہ بیان کروں گا۔

(۳) وَالْحِكْمَةَ اس کلمہ سے مراد دانائی اور نبوت کی باتیں ہیں جس کا مصداق رسول اکرمؐ کے انفاس قدسیہ احادیث مبارکہ ہیں۔ چنانچہ حضور اکرمؐ نے قرآن کی تفسیر احادیث سے کی ہے اس طرح معاشرہ کے ہر پہلو کے متعلق احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا ہے لہٰذا قرآن کے سمجھنے کے لئے احادیث کا ہونا بہت ضروری ہے اور منکر حدیث کافر ہے۔

(۴) وَيُزَكِّيهِمْ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد تزکیہ نفس تھا تاکہ نفس ہر قسم کے رذائل اور کینہ وحسد، بغض وعنا، حرص وآز، عجب وتکبر جیسی صفات قبیحہ سے پاک ہو جائے اور صفات حمیدہ سے آراستہ ہو جائے۔ الحمد للہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور سب کا حق ادا کر دیا لیکن آپ نے مقصد دوم کا جو نقشہ امت کے سامنے رکھا میں اسی کی تشریح کرتا ہوں۔ فرمایا: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" یہاں ایک لفظ "يُعَلِّمُ" ہے جس کے معنی ہیں وہ سکھائیں گے، دوسرا لفظ "هُمْ" ہے یعنی ان لوگوں کو سکھائیں گے تیسرا لفظ "الْكِتَابَ" ہے یعنی ان کو قرآن سکھائیں گے اب اس آیت میں تین چیزیں نص قرآنی سے ثابت ہوئیں۔ اوّل معلم اور مدرس، دوم طالب علم، کیونکہ ایک سکھانے والا ہے جو معلم ہے دوسرا سیکھنے والا ہے جو طالب علم ہے۔ سوم کتاب اللہ یعنی قرآن ہے تو معلم، طالب علم اور کتاب تین چیزیں آیت میں صراحت کیساتھ آگئیں اور یہ ظاہر ہے کہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے انسان ہیں تو ان کے لئے بیٹھنے کی جگہ کی ضرورت ہے اور بیٹھنے کی وہ جگہ یا مسجد ہوگی اور یا مدرسہ ہوگا تو گویا پانچ چیزیں اس آیت سے ثابت ہوگئیں تو عرش عظیم سے جس وقت یہ آیت اتری اسی وقت سے معلم، متعلم اور مسجد ومدرسہ بھی آگیا اور نظام تعلیم بھی آگیا۔ کیونکہ قرآن عظیم سیکھنے سکھانے کی یہی دو جگہیں ہیں لہٰذا ہر مسلمان کو ان مدارس ومساجد اور اس میں اللہ کی کتاب پڑھانے اور پڑھنے والوں کی قدر اور احترام کرنا چاہیئے۔

اسلام کا پہلا مدرسہ

اسلام کا پہلا مدرسہ مکہ مکرمہ میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا جو ایک صحابی کے گھر میں قائم ہوا جس کو دار ارقم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں رسول اکرمؐ اپنے ان صحابہ کو قرآن عظیم اور احادیث مقدسہ سکھاتے تھے جو اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے چونکہ کھل کر اسلام کا اظہار مشکل تھا اس لئے خفیہ انداز میں اس مدرسہ میں دین کا کام شروع ہوا گویا کہ دین کا پائیدار کام سب سے پہلے ایک مدرسے سے شروع ہوا۔

پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو سب سے پہلے آپ نے مدینہ منورہ کے ایک نواحی

علاقے میں تقریباً گیارہ دن قیام فرمایا وہاں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے اور جو رتبہ کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہے، اوّل نمبر پر بیت اللہ، دوسرے نمبر پر مسجد نبوی، تیسرے نمبر پر مسجد اقصیٰ اور چوتھے نمبر پر مسجد قبا ہے۔ لیکن تعمیر کے لحاظ سے یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے جو خلافت اسلامیہ کی بنیاد پڑنے کے وقت مدینہ میں بنائی گئی تھی پھر آپؐ وسط مدینہ منتقل ہوئے اور وہاں آپؐ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالدی اور ساتھ ہی ایک مدرسہ قائم فرمایا جو مسجد کے پچھلے حصہ میں قائم کیا گیا جو "صفّہ" کے نام سے مشہور تھا اور جس کے نشانات اب بھی نمایاں طور پر قائم ہیں اس مدرسہ کے طلبہ کبھی ۸۰ ہوتے تھے کبھی زیادہ ہوکر چارسو تک تعداد بڑھ جاتی تھی یہ طالب علم بوقت ضرورت ایمرجنسی کے تحت قریب کی سرحدات کی طرف جہاد کے لئے بھی بھیجے جاتے تھے گویا یہ ایک جہادی مدرسہ بھی ہوا اور روحانی تعلیمی مدرسہ بھی ہوا۔

سرزمین شام پر مدارس کا قیام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صحابہ کرام نے سرزمین شام کو فتح کرلیا تو وہاں بہت سارے مدرسے اور کئی مسجدیں قائم کیں جامع دمشق میں سب سے بڑا مدرسہ حضرت ابودرداؓ کا تھا چونکہ شام کا علاقہ افریقی ممالک کے لئے دروازہ تھا اس لئے ضرورت تھی کہ یہاں سے اسلام کی تعلیمات پھیلانے کا بھرپور انتظام ہوجائے۔ چنانچہ مجاہدین جہاد کے لئے مدینہ منورہ وغیرہ علاقوں سے براستہ شام آگے جاتے تھے وہ دمشق کے اس مدرسے سے فیض حاصل کرکے آگے نکل جاتے تھے اس طرح ہزاروں انسانوں کی روحانی اور علمی ترقی کے لئے یہ ایک مرکز بن گیا مدرسہ بھی تھا، معسکر اور ٹریننگ سینٹر بھی تھا۔ چنانچہ ابودرداؓ نے ہزاروں صحابۂ کرام اور تابعین کو یہاں پر قرآن وحدیث کی تعلیم دی۔ یہاں شام میں دیگر مدارس بھی تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کا ایک مدرسہ تھا۔ اس میں سینکڑوں بچے ہوتے تھے اور آپ اکیلے ان کو پڑھاتے تھے۔ طرز تعلیم عجیب تھا کہ مثلاً چارسو طلبہ ہیں ان میں سے پچاس کو آپ نے پڑھایا اور پھر ہر ایک کے لئے الگ الگ کلاس بنا کر ان کو پڑھانے پر لگادیا اور خود آرام سے صرف نگرانی کیلئے بیٹھ گئے۔ بہرحال سرزمین شام ومصر پر مدارس کا ایک جال بچھ گیا اور مساجد کی کثرت ہوگئی۔ الحمد اللہ علیٰ ذالک۔

سرزمین فارس میں مدارس کا قیام

جس وقت صحابہ کرامؓ نے فارس کو فتح کرلیا تو بغداد کے پاس کوفہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا چونکہ کوفہ وسط ایشیا اور مشرقی دنیا کے لئے دروازہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے یہاں بھی مدرسہ کی اشد ضرورت

تھی تاکہ آنے جانے والے مجاہدین کی علمی اور عملی تربیت ہو، چنانچہ کوفہ میں دمشق کی طرح ایک بڑی چھاؤنی بھی تھی اور یہاں کا مدرسہ مجاہدین کا معسکر بھی تھا اور ٹریننگ سینٹر بھی تھا اور کوفہ کے مجاہدین کے لئے علمی اور عملی درس گاہ بھی تھا۔ چنانچہ یہاں بیک وقت ۳۰ ہزار صحابہ وتابعین رہتے تھے اس مدرسہ کا نام مدرسہ عبداللہ بن مسعود تھا جو کوفہ کے جامع مسجد میں قائم تھا۔ جب حضرت ابن مسعودؓ کا انتقال ہوگیا تو آپ کے دو شاگردوں حضرت اسود اور حضرت علقمہ نے اسے سنبھالا پھر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے اسے سنبھالا اور پھر امام ابوحنیفہؒ نے لاکھوں تشنگان علم کو زیور علم سے آراستہ کر کے ان کی پیاس بجھائی اور وسط ایشیا اور مشرقی دنیا میں علم کے چشمے جاری ہوگئے۔

مصر میں مدارس کا قیام

حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو وہاں قاہرہ میں آپ نے ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد ڈال دی اور اس کے بعد وہاں مدرسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا جامع ازہر شریف اسی کا تسلسل ہے چنانچہ دنیا کے تشنگان علوم نے جامع ازہر سے اپنی علمی پیاس بجھائی اور دنیا میں ازہر شریف کی شاخیں قائم ہوگئیں پھر خلفاء بنوامیہ نے مساجد و مدارس کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد خلفاء بنوعباس نے قیام مساجد و مدارس میں بڑی دلچسپی لی اور بغداد میں مدارس کا ایک جال بچھ گیا جن کی تفصیل مشکل ہے البتہ میں سلطان محمود غزنوی اور ان کے بعد جن خلفاء نے برصغیر میں مدارس قائم کئے ہیں ان کی کچھ نشاندہی کروں گا۔

برصغیر میں مدارس کا قیام

سلطان محمود غزنویؒ افغانستان میں غزنی کے رہنے والے تھے علم دوست اور عابد زاہد بادشاہ تھے۔ آپ نے جہاد کا علم بلند کیا اور عرصہ دراز تک ہندوستان پر فوج کشی کرتے رہے آخر میں آپ نے ۳۹۰ھ ہجری میں اکثر ہندوستان کو فتح کر کے وہاں مساجد و مدارس قائم کئے تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) سب سے پہلے آپ نے اپنے آبائی شہر غزنی میں ۴۰۹ھ میں ایک مسجد و مدرسہ کی بنیاد ڈال دی۔ محمود غزنوی کی وجہ سے امرأ اور وزرأ نے بڑھ چڑھ کر مدارس قائم کرنا شروع کر دیئے۔ خاندان غزنوی نے برصغیر پر ۲۰۰ سال تک حکومت کی ہے۔ ۵۸۰ھ میں انکے آخری فرماں روا خسرو ملک کو شہاب الدین غوری نے شکست دے کر خود حکومت سنبھال لی بہرحال محمود غزنوی اور آپ کے خاندان نے برصغیر میں سینکڑوں مدارس قائم کئے۔ پھر جب حکومت شہاب الدین غوری کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے

(۲) ''مدارس اجمیر'' کے نام سے اجمیر میں بہت مدارس قائم کئے پھر آپ کے بعد جب سلطان شمس الدین التمش کا دورِ حکومت آیا تو آپ نے (۳) مدارس دہلی کے نام سے دہلی میں متعدد مدارس قائم کئے جس میں ایک مشہور مدرسہ معزی دہلی کے نام سے مشہور ہوا جو سلطان التمش کی یادگار ہے۔

اس دور کا دوسرا مشہور مدرسہ ناصریہ دہلی تھا پھر سلطان علاؤالدین خلجی نے ایک مسجد و مدرسہ قائم کیا یہ مدرسہ مقبرہ دہلی کے نام سے مشہور تھا پھر سلطان محمد تغلق نے ایک مسجد و مدرسہ تعمیر کیا جس کا نام مدرسہ دہلی محمد تغلق تھا۔ پھر سلطان خلجی نے دہلی میں ایک بہت بڑا حوض بنوایا تھا اس میں سلطان فیروز شاہ نے مدرسۂ حوض کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ سلطان فیروز شاہ نے ایک مدرسہ فیروز آباد دہلی میں بھی قائم کیا جس کا نام مدرسہ فیروز شاہ تھا۔ اس طرح مختلف بادشاہوں اور وزیروں نے دہلی میں جو دیگر مدارس قائم کئے ان کے نام یہ ہیں۔ مدرسہ بالا آب سیری دہلی، مدرسہ فتح خان دہلی، مدرسہ ہمایوں دہلی، مدرسہ خیر المنازل دہلی، مدرسہ شیخ عبدالحق دہلی، مدرسہ دارالبقاء دہلی، مدرسہ سلطان بہادر شاہ دہلی، مدرسہ محمد شاہ دہلی۔

(۴) دہلی کے علاوہ دیگر مقامات پر بادشاہوں یا وزیروں نے جو مدارس قائم کئے ان کے نام یہ ہیں۔ مدرسہ خس آگرہ، مدرسہ جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں آگرہ، مدرسہ فتح پور سکری، مدرسہ ابوالفضل فتح پور، مدرسہ سکندریہ مالوہ، مدرسہ نجیب الدولہ امروہہ، مدرسہ عالیہ رامپور، مدرسہ رحمت کان روہکنڈہ، مدرسہ رحمت پیلی بھیت۔ اسی طرح مدارس اودھ کے نام سے کئی مدارس تھے جو وقت کے بادشاہ شاہی اخراجات پر چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر مدارس کے نام یہ ہیں۔ مدرسہ سہالی، مدرسہ لکھنؤ، مدرسہ مخزن الراج فرخ آباد، مدرسہ فیض آباد، مدرسہ بی بی راجہ بیگم جونپور، مدرسہ مسجد اٹالہ جونپور، مدرسہ فارسی غازی پور، مدرسہ محمد بختیار خلجی بہار، یہاں علاقہ بہار میں متعدد مدارس قائم کئے گئے اور بے شمار فاضل علماء پیدا ہوئے۔

مدرسہ پٹنہ، مدرسہ خان محمد میردہ، مدرسہ تصوف اعظم پورہ، مدرسہ رنگ پور بنگال، مدرسہ لکھنوتی بنگال، مدرسہ عمر پور بنگال، مدرسہ اسمتی پور بنگال، مدرسہ گو بنگال (۵) مدارس ڈھاکہ کے نام سے متعدد مدارس قائم کئے گئے۔ (۶) مدارس دکن کے نام سے دکن میں بہت سارے مدرسے آباد تھے اسی طرح گولکنڈہ میں کئی مدرسے قائم تھے نیز مدارس یتامیٰ کے نام سے بہت سارے مدرسے قائم تھے، مدرسہ بیجاپور، مدرسہ احمد نگر، مدرسہ برہان پور، مدرسہ دولت آباد، مدرسہ مدراس، مدرسہ شیر شاہ محلہ، مدرسہ آگرہ، مدرسہ زین العابدین (۷) اسی طرح مالوہ میں بہت مدرسے قائم کئے اس میں ایک مدرسہ تعلیم النساءٔ عورتوں کا مدرسہ تھا جس سے سینکڑوں عورتوں نے تعلیم پائی اور ایک ہزار عورتیں حافظہ بن گئیں اسی طرح مدرسہ ظفر آباد بھی مالوہ

کے مدارس میں سے ایک تھا۔(۸) اس زمانہ کے بادشاہوں نے علاقہ پنجاب میں بھی بڑے مدارس قائم کیے، چنانچہ مدرسہ وزیر خان لاہور میں قائم ہوا، مدرسہ سیالکوٹ عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں مشہور مدرسہ تھا اسی طرح مدرسہ فیروزی ملتان میں تھا شاہی مدرسہ ملتان میں بھی تھا اس کے علاوہ دیگر کئی مدارس بھی ملتان میں تھے، (۹) اس کے علاوہ مدارس کشمیر کے نام سے اس زمانہ کے بادشاہوں نے کشمیر میں مختلف مدارس قائم کیے جس میں سب سے زیادہ مشہور مدرسہ حسین شاہ کشمیر تھا۔(۱۰) اسی طرح مدارس گجرات کے نام سے کئی مدرسے تھے جس میں سب سے زیادہ مشہور مدرسۃ العلماء تھا دوسرا مشہور مدرسہ، شیخ العلماء کا مدرسہ تھا اسی طرح مدرسہ سرخیز بھی مشہور تھا۔ مدرسہ وجیہ الدین، مدرسہ حسام الدین، مدرسہ قاسم بن محمد، مدرسہ شیخ عثمان، یہ سب گجرات کے مشہور مدارس تھے۔

ہندوستان میں شہر سورت میں بھی بہت سارے مشہور اور غیر مشہور مدرسے آباد تھے اس کے بعد خلافت ترکیہ میں دنیا پر مدارس کا راج رہا جو مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں جال کی طرح سرکاری نگرانی میں ترقی کرتے رہے، بہر حال اس فہرست کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بادشاہ اور وزرا کو کم از کم یہ احساس پیدا ہو جائے کہ سابقہ بادشاہوں نے دین کی کتنی خدمت کی ہے اور مدارس اسلامیہ اور مساجد کا وہ کتنا اہتمام کرتے تھے اور آج کے یہ مسلم حکمران کیسے ہیں، ان کے ہاں دینی مدرسہ یا مسجد ان کے لئے گالی ہے بس مسٹر نقلی بن کر دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔

ترقی کے بعد انحطاط

ہر ترقی کے بعد تنزل آتا ہے جس طرح تنزل کے بعد ترقی کا دور بھی آتا ہے ویسے یہ اصول بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ جب کوئی دینی شعبہ سرکاری نگرانی میں سرکاری توجہ سے چلتا ہے تو جب تک سرکار سیدھا اور درست رہتا ہے وہ شعبہ بھی روبہ ترقی ہوتا ہے لیکن اگر سرکار بگڑ گیا تو وہ سارے شعبے تباہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

چنانچہ جب خلافت عثمانیہ ٹوٹ گئی اور مسلمان شتر بے مہار کی طرح بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے تو دیگر شعبوں کی طرح مدارس کا شعبہ بھی تباہ ہو گیا اور انگریز نے برصغیر میں مدارس و مساجد کا ایسا تعاقب کیا کہ برصغیر میں فارسی زبان کو بھی نشانہ بنایا گیا تاکہ سرکاری زبان بھی ختم ہو جائے اور اسلامی حکومت کی کوئی یادگار باقی نہ رہے علماء دیوبند نے مسلح مقابلہ بھی کیا لیکن مرکزی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے جب شاملی کے میدان میں انہیں شکست ہو گئی تو پھر ان علماء حق نے مسلمانوں کی ثقافت، اسلامیت اور شناخت کو بچانے کے لئے

دارالعلوم دیوبند کے نام سے ہندوستان دہلی میں ایک عظیم الشان ادارہ قائم کیا جس کے علمی اور عملی اثرات پوری دنیا پر پڑ گئے اور الحمدللہ تا حال پڑھ رہے ہیں جس کی تفصیل اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

تنزل کے بعد پھر ترقی

ہاں دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر برصغیر میں جو مدارس قائم ہو گئے ان میں اور سابقہ اسلامی مدارس میں چند وجوہ سے فرق ہے جو موجودہ مدارس کا امتیازی نشان ہے اور وہ یہ کہ دارالعلوم دیوبند حکومتی اثرات سے مکمل طور پر آزاد مدرسہ تھا ان کے بانی حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے اساسی اصول میں لکھا ہے کہ جب تک دارالعلوم اسی طرح آزاد رہے گا اور عوام کے چندہ سے چلتا رہے گا تو یہ ترقی کرے گا اور اگر حکومت یا کسی اور طرف سے اس مدرسہ کی جاگیر مقرر ہو گئی تو پھر اس کی ترقی رک جائے گی۔

چنانچہ اس وقت سے لیکر بشمول دیوبند ہندوستان ، پاکستان ، افغانستان اور بنگلہ دیش کے سارے اسلامی مدارس آزاد ہیں ان سے جو علماء پیدا ہو رہے ہیں وہ آزادی سے اللہ تعالیٰ کے احکامات بیان فرما رہے ہیں۔حکومتوں کی بڑی کوشش رہی ہے کہ ان مدارس پر ہاتھ ڈالے لیکن چونکہ ان مدارس پر خرچ کرنے میں حکومت کا کوئی کردار نہیں ہے اس لئے حکومت کو ہاتھ ڈالنے کا کوئی بہانہ ہاتھ نہیں آتا ہے اور اب الحمدللہ یہ مدارس اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ انگریز کے مدرسوں یعنی اسکول و کالج کے برابر ہونے کو ہیں بلکہ افغانستان میں تو اب اسلامی خلافت آنے کے بعد وہاں ہزاروں مدرسے کھل گئے اور انگریز کے مدرسے ختم ہو گئے۔انہیں مدارس کی یہ برکت ہے کہ برصغیر میں فارغ التحصیل علماء اللہ تعالیٰ کے دین کے احکامات کو بلا روک ٹوک مساجد میں برسرِ منبر عوام وخواص کے سامنے بیان کرتے ہیں مدرسے آزاد ہیں، علماء آزاد ہیں تو اس کے ساتھ دین اور اس کے احکامات بھی آزاد ہیں اس کے برعکس جزیرۂ عرب کے علماء مکمل طور پر حکومت کے ہاتھ میں ہیں وہاں مدارس نہیں ہیں اگر کہیں کوئی مدرسہ ہے تو وہ بھی غلام ہے لہٰذا وہاں نہ علماء آزاد ہیں نہ طلباء آزاد ہیں نہ مدارس آزاد ہیں نہ مساجد آزاد ہیں اور نہ دین اسلام آزاد ہے لہٰذا برصغیر کے عوام کو ان مدارس اور علماء کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ ان کو صحیح شکل میں دین کی تعلیم علماء حق سے مل رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان مدارس کی حفاظت فرمائے۔(آمین)

۱۷شوال ۱۴۱۶ھ ۸ مارچ ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

مدارس اسلامیہ کا نظام تعلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ﴾

''تم اللہ والے بن جاؤ جیسے کہ تم کتاب سکھلاتے تھے اور جیسے کہ تم اسے خود بھی پڑھتے تھے۔

﴿قال اللّٰہ تعالیٰ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

'' اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جو علماء ہیں۔

قال علیہ السلام :يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَفَشُّوْهُ

''حضور نے فرمایا اے قرآن کے حاملین قرآن میں سستی مت کرو اور دن رات اسکو خوب تلاوت کرو اور اس قرآن کو عام کر کے پھیلاؤ.

معزز سامعین !!

اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی صورت میں آسمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عظیم قانون اتارا ہے .یہ قانون اور یہ نظام اسلام انسان کے تمام حالات پر حاوی ہے .اس قانون کے سمجھنے سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو پیدا کیا ہے .سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کو اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو سمجھا دیا صحابہ کرام اس امت کے سب سے بڑے علماء، فقہاء اور محدثین تھے .انہوں نے اس قانون کو اپنے بعد آنے والے تابعین کے ہاتھوں میں رکھا .تابعین نے تبع تابعین کے سینوں میں اس قانون کو اتارا .چنانچہ اس وقت سے آج تک الحمد للہ یہ قانون زندہ وتابندہ ہے .اب یہاں تین چیزیں ضروری قرار پائیں .(۱) قانون اسلام (۲) اس کے سمجھنے سمجھانے والے علماء کرام (۳) مساجد ومدارس .یہ تین چیزیں اس لئے ضروری ہوئیں کہ قانون کے لئے اس کے ماہرین چاہئے .اور ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے قوانین کو علماء ہی سمجھتے ہیں اب سمجھنے سمجھانے کے لئے جگہ کی ضرورت ہے تاکہ وہاں بیٹھ کر اس قانون کی تشریح وتوضیح کی جائے اور وہ جگہ یا مسجد ہے یا مدرسہ ہے لہٰذا قانون اسلام اور قانون

قرآن کے سمجھنے سمجھانے کے لئے مدارس کا ہونا انتہائی ضروری ہوا۔

سب سے پہلا مدرسہ جو اسلام میں قائم ہوا وہ مکہ مکرمہ میں دار ارقم کے نام سے ایک صحابی کے گھر میں قائم ہوا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر اپنے چند ساتھیوں کو قرآن عظیم سمجھایا کرتے تھے۔ پھر اس سے ذرا نمایاں مدرسہ سب سے پہلے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے پہلو میں صفہ کے نام سے قائم ہوا، جہاں کبھی کم ہوکر اسی ۸۰ اور کبھی زیادہ ہوکر چار سو تک طلباء کرام اصحاب صفہ کے نام سے قرآن وحدیث پڑھتے تھے، اس مدرسہ کے نشانات اب تک مسجد نبوی میں موجود ہیں اس کے بعد اس امت مرحومہ کے علماء نے دنیا کے مختلف حصوں میں مساجد اور مدارس کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا، کوفہ شام اور مصر میں صحابہؓ نے مدارس قائم کئے اور پھر فقہاء کرام نے مدارس کھولے۔

برصغیر میں انگریز کی آمد

انگریز جہانگیر بادشاہ کے دور خلافت میں ۱۶۰۱ء میں ہندوستان آیا اور ۱۹۴۷ء تک اس ملک میں رہا، ابتداء میں انگریز ایک تاجر کی حیثیت سے آیا تھا لیکن آتے ہی اس نے اپنی تخریبی سرگرمیاں شروع کردیں اور آہستہ آہستہ وہ ۱۸۱۸ء تک حکومت ہندوستان پر قابض ہوگیا، انگریز کو جونہی غلبہ حاصل ہوا تو سب سے پہلے اس نے ہندوستان کی عدالتوں سے شرعی قوانین کے خاتمے کا اعلان کیا اور فتاویٰ عالمگیری (جو اس ملک میں نافذ تھا) پر پابندی لگا دی اور ان علاقوں سے فارسی زبان کو نکال دیا کیونکہ یہ زبان مسلمان حکمرانوں کی سرکاری زبان تھی، انگریز کے مقابلے پر علماء کا طبقہ اٹھا اور اس نازک موقع پر بھی علماء کرام نے ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کی رہنمائی کی، چنانچہ ابتداء ہی سے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے انگریزوں کے خلاف ایک تحریک شروع کی اور تجدیدی کاموں میں سرگرمی دکھائی حالانکہ اس وقت انگریز اپنے آپ کو صرف ایک تاجر ظاہر کرتا تھا۔

مجدد الف ثانیؒ کے بعد انگریز کے خلاف شاہ ولی اللہ کی تحریک شروع ہوگئی اور یہ تحریک کسی نہ کسی طرح آزادئ ہندوستان پر جاکر ختم ہوگئی۔ اس تحریک سے ہزاروں علماء نے وابستہ ہوکر جام شہادت نوش کیا اسی دور میں شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ انگریز کے خلاف گونج اٹھا اور اسی تحریک کا تسلسل بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ تک قائم رہا، شاملی کا میدان کارزار اور انگریزوں پر علماء کا مسلح حملہ اسی تحریک کا حصہ تھا۔

پھر اس کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی تحریک ریشمی رومال اور پھر ان کی

اور دیگر ہزاروں علماء کی گرفتاری اسی تحریک کا تسلسل تھا۔ انگریز سے مقابلے کے لئے علماء دیوبند کے سرخیل حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ایک علمی میدان بھی کھول دیا جو مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا اور جس کے فضلاء نے برصغیر میں انگریز کا ناطقہ بند کر کے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دیوبند کا تعارف اور انگریز کے خلاف اعلان جنگ اور جہاد کے متعلق اس طرح زوردار الفاظ ارشاد فرمائے۔

''میری خواہش ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا ہر تعلیم یافتہ انگریز کے محل میں شگاف کر دے اور اس مدرسہ کا ہر فیض یافتہ سامراج کے لئے زہر قاتل بنے۔ انگریز کے خلاف بغاوت کے جرم میں خواہ دارالعلوم کی اینٹ سے اینٹ بج جائے مگر انشاء اللہ تعالیٰ جنگ ہر حالت میں جاری رہے گی''۔

(بحوالہ ترجمان الاسلام ۲ جنوری ۱۹۸۰ء)

انگریز کی اسلام دشمنی اور مسلم نوجوان کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور ان کی تعلیم واخلاق کی تخریب کاری کو جب علماء حق نے دیکھا تو انہوں نے امت کے افراد اور خصوصاً نوجوانوں کو بچانے کے لئے دینی مدارس قائم کئے تا کہ ان مدارس سے وابستہ رہ کر مسلمان خود اور ان کی اولاد دین سے وابستہ رہیں اور یہ مدارس خود اعتماد اور آزاد علماء پیدا کرے تا کہ آیندہ ہر محاذ پر وہ فضلاء اللہ کے دین کے سپاہی بن کر ہر باطل کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کیونکہ دارالعلوم دیوبند کا ہر فیض یافتہ نے دین حق کی حفاظت کی اور ہر باطل سے ٹکر لی چونکہ یہ مدارس حکومت وقت کے اثرات سے آزاد تھے اس لئے اس نے ایسے علماء پیدا کئے جو دین اسلام کے خدائی سپاہی اور کارکن تھے اور وہ کسی کی غلامی کے سائے میں پھلے پھولے نہیں تھے کہ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں نہ ڈال سکیں بلکہ وہ ایک آزاد ماحول کے آزاد مجاہد علماء تھے جنہوں نے دنیا کے مشرق ومغرب پر اپنا اثر ڈالا جو لوگ دنیا میں گھومتے ہیں ان کو بخوبی معلوم ہے کہ ایک دارالعلوم دیوبند کے فضلاء دنیا میں کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور دین کا کام کر رہے ہیں پھر اسی دارالعلوم کی برکات کا نتیجہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں اسی طرح آزاد مدارس قائم ہوگئے جو خالص اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، ہندوستان کے علاوہ پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، برطانیہ، امریکہ، چین اور روس تک کے علاقوں میں اسی قسم کے ہزاروں آزاد اور خود مختار مدارس قائم ہیں جن کے فضلاء امت مرحومہ کی رہنمائی کے لئے دنیا کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں اور روئے زمین پر ہر فتنے کے مقابلے پر ڈٹے ہوئے ہیں مثلاً عیسائیوں کے مقابلے کے لئے الگ علماء ہیں۔ قادیانیوں

کے لئے الگ علماء ہیں، منکرین حدیث کے مقابلے کے لئے الگ ہیں، ذکری اور بہائی فتنوں کے مقابلے پر الگ علماء ڈٹے ہوئے ہیں۔ رفض وزندقہ اور دہریت کے مقابلے کے لئے الگ علماء سینہ سپر ہیں، میدان جہاد کو سنبھالنے والے الگ علماء ہیں رد بدعات اور شرک اور درس وتدریس اور امامت وخطابت اور اسی طرح مذہبی سیاست کو الگ الگ علماء نے سنبھال رکھا ہے۔

دیکھئے امت مرحومہ کی یہ کتنی بڑی خدمت ہے اور کتنی بڑی ہمدردی ہے یاد رکھئے اگر معاشرہ سے علماء مساجد اور مدارس ختم ہوگئے تو کچھ عرصہ بعد لوگ کافر ہو جائیں گے کفار نے روس اور چین میں یہی تو کیا کہ معاشرہ سے ان تین چیزوں کو ہٹا مٹا کر ختم کیا تو بوڑھوں کے مرنے کے بعد نوجوان نسل کافر ہو کر رہ گئی لہٰذا یہ سچ ہے کہ اسلام عالم میں جہاد سے پھیلا ہے اور علماء اور مساجد ومدارس کے ساتھ برقرار ہے اور انشاء اللہ جب تک یہ تین محاذ قائم رہیں گے دین اسلام محفوظ رہے گا۔

مدارس اسلامیہ کا طریقہ کار

سب سے پہلے تو آپ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ یہ مدارس اسلامیہ حکومت کے پیسے پر نہیں چلتے ہیں اور نہ حکومت پاکستان نے کوئی اسلامی مدرسہ قائم کیا ہے حکومت کی کروڑوں روپے کی رقم اسکولوں، کالجوں اور انگریزی تعلیم پر لگتی ہے لیکن اسلامی مدارس کے لئے حکومت کے پاس ایک روپے کا فنڈ بھی مختص نہیں ہے، ملک اور ملت کے ساتھ حکمرانوں کا یہ بہت بڑا ظلم ہے جس کا جواب قیامت میں ان کو دینا ہوگا. یہ اسلامی مدارس دیندار اہل خیر مسلمانوں کے تعاون سے چلتے ہیں جنرل ضیاالحق مرحوم کے دور حکومت میں زکوٰۃ کا نظام رائج ہوا تو سرحد کے بعض مدارس نے حکومت کی زکوٰۃ قبول کرلی، باقی پنجاب وسندھ کے اکثر مدارس نے حکومت کی زکوٰۃ لینے سے اس لئے انکار کیا کہ مدارس کی آزاد حیثیت کو نقصان نہ پہنچ جائے. مدارس اسلامیہ بعض تو ایسے ہیں جس کا بانی ایک عالم دین ہوتا ہے وہی اس کو چلاتا ہے اور وہی اس کا با اختیار پرنسپل اور مہتمم ہوتا ہے ان کے کچھ قابل اعتماد رفقاء کار ہوتے ہین اور شوریٰ بھی ہوتی ہے لیکن اختیارات سب کے سب مہتمم ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں گویا کہ وہ شخصی طور پر اس ادارہ کا مالک ہوتا ہے اس کے مرنے کے بعد ان کی اولاد میں سے کوئی آکر اس عہدہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے. پاکستان وہندوستان میں اور بنگلہ دیش، افغانستان میں اکثر مدارس اسی طرز پر چلائے جاتے ہیں البتہ بعض دینی مدارس ایسے ہیں جو کسی عالم دین کی محنتوں ہی سے وجود میں آئے لیکن اس عالم نے مدرسہ کے لئے ایک کمیٹی نامزد کردی اور وہ کمیٹی بشمول اس عالم کے مدرسہ چلاتی ہے گویا ایک کے بجائے کئی افراد کے ہاتھوں میں اختیارات ہوتے

ہیں اور شورائی نظام کے تحت مدرسہ کا انتظام اور انصرام واہتمام چلتا ہے .اس قسم کے مدارس موجود تو ہیں مگر بہت کم ہیں .بہرحال مدارس کا قسم اول ہو یا قسم ثانی ہو اس کے حسابات کا ایک با قاعدہ نظم وضبط چلتا ہے جس کے تحت مدرسہ کے لئے مدرسین کا انتظام ہوتا ہے ان کی تنخواہوں کا تعین ہوتا ہے آمدنی کا حساب ہوتا ہے اورخرچ کرنے کے الگ الگ مدّات ہوتے ہیں مدرسہ کا پورا اسٹاف اسی نظم کے تحت چلتا ہے .طلباء کرام کو ان مدارس میں کھانا دیا جاتا ہے بعض مدارس میں اعلیٰ قسم کا کھانا ہوتا ہے اور بعض میں متوسط یا ادنیٰ درجہ کا ہوتا ہے بعض مدارس میں صبح ناشتے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے صوبہ سرحد کے بعض مدارس میں طلباء گھروں سے روٹی مانگ کرلاتے ہیں جس کو ''وظیفہ'' کہا جاتا ہے اور جس کو لوگ بہت زیادہ شوق سے طالب علم کا حق سمجھ کر دیتے ہیں .یہی طریقہ افغانستان کے مدارس میں بھی رائج ہے البتہ صوبہ سرحد اور پنجاب میں اب یہ طریقہ کافی حد تک ختم ہوگیا ہے اب کراچی کی طرح عام علماء یہ کوشش کرتے ہیں کہ مطبخ میں روٹی اور سالن پکا کر طلبا کو دیا جائے تاکہ ان کو اسباق اور تعلیم کے درمیان پریشانی نہ ہو چونکہ مدارس اسلامیہ میں طلباء کو ادب سکھایا جاتا ہے اور کھانا مدرسہ کی طرف سے دیا جاتا ہے رہائش کے لئے کمرہ مدرسہ کے ذمے ہوتا ہے اوڑھنے کے لئے بستر لحاف وغیرہ کا اہتمام بھی ایک حد تک مدرسہ ہی کرتا ہے اساتذہ کرام کو مقرر کرکے طلباء کی تعلیم کا انتظام بھی مدرسہ کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے دینی مدارس میں ہڑتال نہیں ہوتی اور نہ ہی حقوق کی ایسی کوئی جنگ ہوتی ہے جس طرح کہ کالجوں اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں ہوتی رہتی ہے ،ان مدارس میں بعض شہری طالبعلم کھانے پینے اور رہائش کی سہولت نہیں لیتے ہیں بلکہ وہ اپنی طرف سے سب انتظام کرتے ہیں ،کھانے کے ساتھ ساتھ طلباء کو جیب خرچی کے لئے کچھ نقد پیسے بھی بطور وظیفہ ماہانہ دیئے جاتے ہیں اور علاج معالجے کا ایک حد تک اہتمام بھی ہوتا ہے یہ سارے اخراجات اہل خیر مسلمانوں کی زکوٰۃ صدقات اور عطیات سے پورے کئے جاتے ہیں۔حکومت وقت نے کبھی اس کار خیر میں حصہ نہیں لیا بلکہ ان کے خزانے انگریزی تعلیم کے لئے وقف ہیں ،پورے پاکستان میں ایک بھی مدرسہ ایسا نہیں ہے جو خالص دینی مدرسہ ہو اور حکومت پاکستان نے اسے قائم کیا ہو عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مدارس حکومت کے خرچ پر چلتے ہیں یہ غلط ہے اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دینی مدارس میں سب یتیم ،نادار اور نچلے طبقے کے لوگ پڑھتے ہیں یہاں بعض ایسے مالدار لڑکے بھی پڑھتے ہیں جو پانچ ،دس لاکھ کی گاڑی میں بیٹھ کر آتے جاتے ہیں اور جن کے ہاں دسیوں ملازم ہوتے ہیں ہر صوبے سے تعلق رکھنے والے طلبہ میں ایسے افراد بکثرت ہوتے ہیں۔

مدارس اسلامیہ کا طریقہ تعلیم

اسلامی مدارس ہمیشہ شوال کی دس تاریخ سے کھلتے ہیں ان مدارس کی چھٹیوں کا تعلق گرمی سردی سے نہیں بلکہ ماہ رمضان سے ہے۔ چنانچہ دینی مدارس کے افتتاحی پروگرام ماہ شوال ہی میں ہوتے ہیں سب سے پہلے طلباء کے داخلوں کا انتظام ہوتا ہے۔ ان مدارس میں داخلے استعداد کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں اور ہر طالبعلم سے مطلوبہ درجہ کے لئے امتحان لیا جاتا ہے اگرچہ ان کے پاس اس سے پہلے درجہ میں پاس ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہو، داخلے کا امتحان کتاب کے اندر تقریری ہوتا ہے اور پاس ہونے والے طالب علم سے پھر ایک جائزہ بھی لیا جاتا ہے تاکہ ان کے سیاسی اور خارجی زندگی کا اندازہ ہوسکے داخلے کے لئے باقاعدہ فارم پر کرنا پڑتا ہے اور اس پر تمام تر کاروائی درج کی جاتی ہے ایک اور حلف نامہ پر دستخط بھی لیا جاتا ہے، پھر اساتذہ کرام کے سامنے درسگاہوں میں دریوں پر بیٹھ کر یہ دینی طلباء تپائیوں پر کتابیں رکھ کر ادب کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور اساتذہ نمبر بہ نمبر آکر ان کو پڑھاتے ہیں بعض مدارس میں استاذ ایک ہی درسگاہ میں بیٹھا رہتا ہے طلباء گھوم گھوم کر درسگاہوں میں آتے جاتے ہیں۔ یہاں نہ شور وشغب ہوتا ہے نہ کوئی بدتمیزی نہ بے ادبی، یہاں تو سرتاپا صرف ادب ہی ادب ہے۔ پھر ان طلباء کا تین ماہ بعد سہ ماہی امتحان ہوتا ہے جو عموماً اسلامی مہینہ صفر کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے اس میں اول، دوم، سوم آنے والے طلبہ کو انعام دیا جاتا ہے امتحان تحریری ہوتا ہے اور نقل کو قانونی جرم اور قابل سزا حرکت قرار دیا جاتا ہے۔ فیل شدہ طالب علم کو یا خارج کرتے ہیں یا تنبیہ کرکے موقع دیتے ہیں، پرچے اساتذہ بناتے ہیں اور پھر بلا معاوضہ خود چیک کرکے مدرسہ کو واپس کرتے ہیں اور مدرسہ نتیجے کا اعلان کرتا ہے تعلیمی کمی بیشی کے متعلق اساتذہ کے وقتاً فوقتاً اجلاس بھی ہوتے رہتے ہیں اور طلبہ کی اصلاح کے لئے موقع بموقع اصلاحی خطبات بھی ہوتے رہتے ہیں پھر اسی طرح تین ماہ بعد جمادی الاولیٰ میں ششماہی امتحان ہوتا ہے اور پھر تین ماہ بعد سالانہ امتحان ہوتا ہے جو عموماً شعبان کے پہلے ہفتے میں منعقد کیا جاتا ہے اور دس شعبان سے مدارس میں چھٹیاں ہوجاتی ہیں دینی مدارس کے اکثر طلبہ خطاط بھی ہوتے ہیں اور بہترین خطیب بھی ہوتے ہیں۔

وفاق المدارس پاکستان

جیسا کہ اس لفظ سے اتفاق واتحاد کا مفہوم سامنے آتا ہے اسی طرح اہل حق علماء کرام نے پاکستان میں مدارس اسلامیہ کا ایک متحد بورڈ بنایا ہے جس کا نام وفاق المدارس رکھا ہے، یہ نظام حضرت مولانا مفتی

محمود اور حضرت العلامہ شیخ محمد یوسف بنوریؒ کی دوررس نگاہوں اور تعمیری سوچ سے شروع ہوا تھا اس وقت اس ادارہ کے تحت تقریباً اہل حق کے تمام مدارس ہیں جو کراچی سے لیکر گلگت و آلائی تک اور پنجاب سے لیکر کوئٹہ ولورالائی تک تمام مدارس پر مشتمل ہے وفاق نے باقاعدہ نصاب دیا ہے جو ۱۶ سال پر مشتمل ہے اور جس کے ابتدائی مراحل میں مڈل تک اسکول بھی ہے انگریزی سائنس اور ریاضی ومعاشرتی علوم وغیرہ کتابیں داخل نصاب ہیں۔ وفاق صرف جفت درجات یعنی اعدادیہ سوم، ثانیہ، رابعہ، سادسہ اور ثامنہ درجات کے امتحان کا اہتمام کرتا ہے جس کا سال میں صرف سالانہ امتحان ہوتا ہے پورے پاکستان میں ایک ہی دن میں ایک ہی پرچہ ایک ہی وقت پر حل ہوتا ہے اور پھر تمام پرچہ جات فوراً بذریعہ ڈاک ملتان پہنچائے جاتے ہیں اور ہفتہ کے اندر اندر نتائج کا اعلان ہوجاتا ہے اس طرح سرعت کے ساتھ ہزاروں طلبہ کے پرچوں کا یہ انتظام دیکھ کر مخالف سے مخالف شخص بھی یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ واقعی علماء احسن طریقے سے حکومت چلا سکتے ہیں۔

وفاق میں بھی طلبہ پوزیشن حاصل کرتے ہیں جو اول آیا تو پورے پاکستان میں اول ہوگا پھر متعلقہ مدرسہ ان کو انعام دیتا ہے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہوجائے۔ بنوری ٹاؤن کراچی میں ایسے طالب علم کو پانچ ہزار نقد انعام اور کئی دینی کتابیں دی جاتی ہیں۔ وفاق المدارس کی سند اسکولوں اور کالجوں میں بھی مقبول ہے جو ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے۔

حکومت اور مدارس

حکومت پاکستان نے ہمیشہ دینی مدارس کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اپنے بیرونی آقاؤں کے اشارے پر مدارس کو بند کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن چونکہ یہ مدارس آزاد ہیں اور حکومت کے خرچ پر نہیں چلتے اس لئے حکومت شور تو بہت کرتی ہے لیکن وہ مدارس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی، کیونکہ مدارس اور علماء کی ایک متوازی حکومت قائم ہے، حکومت کہتی ہے کہ مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے جو شخص قرآن وحدیث کی دینی تعلیم کو دہشت گردی کہتا ہے وہ کس حد تک مسلمان رہ سکتا ہے یہ وہ خود سوچ لے۔ اسلامی مدارس میں ایک بھی داڑھی منڈا نہیں، ایک بھی روزہ خور نہیں، ایک بھی شراب خور نہیں، ایک بھی چور نہیں پھر دہشت گردی کیسی؟ ہاں چیزیں کالجوں، یونیورسٹیوں میں ہوتی ہیں جن کی حکومت سرپرستی کرتی ہے، اللہ ہمیں حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں ہے کھوٹی
عربی میں نظم ملت بی اے میں صرف روٹی

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ ۱۶ اگست ۱۹۹۸ء جلسہ جامع مسجد گلبرگ کراچی

موضوع

علماء حق علمائے دیوبند کردار، کارنامے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وحدہ و الصلوۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین اوفوا عھدہ امّابعد:

فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ﴾

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَام اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وقال علیہ الصلوۃ والسلام: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل.

محترم علماء کرام اور علاقے کے معزز سامعین!

جو آیت پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے ''اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں''۔

یعنی صحیح معنوں میں اور حقیقی اعتبار سے خوفِ خدا رکھنے والے علماء ہی ہین جو خوفِ خدا کی حقیقت کو جانتے ہیں اگر چہ سطحی خوف رکھنے والے دوسرے لوگ بھی ہیں۔

اس آیت میں ایک بات یہ سمجھ میں آ گئی کہ حقیقی طور پر خشیت الٰہی رکھنے والے علماء حق ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آ گئی کہ جب تک یہ آیت قرآن میں رہے گی اس کے مصداق کے لئے روئے زمین پر علماء حق کی ایک جماعت قائم رہے گی جس کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے ﴿یآ ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین﴾ یعنی اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو، تو جب تک یہ آیت باقی رہے گی حق پر قائم ایک جماعت بھی قائم رہے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ایک طائفہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ اس کیساتھ اللہ کی مدد ہوگی لوگوں کے چھوڑنے سے ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔

محترم حاضرین!

میں آپ کے سامنے ایک ایسا موضوع رکھنا چاہتا ہوں جس پر آپ نے بہت کم سنا ہوگا اور وہ موضوع یہ ہے کہ امتِ مرحومہ میں علماء حق کا کردار کیا رہا ہے اور انہوں نے امت کی مادی اور روحانی رہنمائی کیسے کی ہے، تو یہ بات آپ ذہن میں رکھیں کہ آسمانی تعلیمات جن انسانون نے قبول کی ہیں ان میں

انسانیت آ گئی ہے اور جہاں جہاں نبیوں کی آسمانی تعلیمات انسانوں تک نہیں پہنچی ہیں وہ انسان انسانیت سے خالی رہ گئے ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ نبیوں کی تعلیمات سے انسانوں کو انسانیت ملتی ہے ورنہ یہ انسان پھر باؤلے کتوں اور درندوں کی طرح دوسرے انسانون کو کاٹتا ہے جو سب کے مشاہدے میں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا اور پھر نبیوں کے جانشین علماء کو امت کی رہنمائی کے لئے پیدا فرمایا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء کو پیدا فرمایا جنہوں نے ہر لحاظ سے اس امت کو سنبھالا دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" یعنی رہنمائی کے لئے میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں اور فرمایا کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں یعنی انبیاء کرام کی تمام صفات کو اپنانے اور پھیلانے والے ہیں اور فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے یہ معلوم نہیں کہ اس کا پہلا حصہ فصل کے لئے زیادہ نافع ہے یا درمیانہ حصہ زیادہ مفید ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اس امت میں ہر دور میں بڑے بڑے رجال العلم پیدا ہوں گے۔

ایک اور حدیث کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں یعنی سو سال کے بعد ایک مجدد پیدا فرماتا ہے جو اس دین کی تجدید کا کام کرتا ہے چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ مجدد الف ثانی کے بعد اپنے زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ بہت بڑے مجدد تھے۔ آپ نے برِ صغیر میں رسول اکرم ﷺ کی احادیث کو عام کیا۔ اگر آپ نہ آتے تو برِ صغیر شاید احادیثِ مقدسہ کے علوم سے محروم رہ جاتا۔ اسی طرح آپ نے قرآن عظیم کا ترجمہ فارسی میں کیا جو عربی سے عجمی کی طرف بابا سعدیؒ کے بعد شاید پہلا ترجمہ ہے۔ پھر آپ کی اولاد میں شاہ عبد القادرؒ نے ترجمہ وتفسیر کی، پھر شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ کیا۔ اگر یہ لوگ قرآن کریم کا ترجمہ نہ کرتے تو شاید برصغیر میں اردو وغیرہ عجمی زبانوں میں کوئی شخص ترجمہ لکھنے کی جرأت نہ کرتا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کی اقتصادی، اعتقادی اور سیاسی رہنمائی فرمائی۔ پھر اس کے بعد شاہ عبد العزیزؒ نے بھرپور انداز سے امت مسلمہ کی ہر لحاظ سے رہنمائی فرمائی۔

شیطان حملہ کیسے کرتا ہے؟

یہاں آپ کو یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ شیطان کا پہلا حملہ جب کسی انسان پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی عام آدمی کو علماء سے بدظن کر کے کاٹ دیتا ہے۔ جب ایک عام ان پڑھ یا کم لکھا پڑھا آدمی علماء سے کٹ گیا تو پھر اس شخص کا روحانی پہرہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا علم وعمل اور اعتقادیات ونظریات غیر محفوظ ہو کر

رہ جاتے ہیں اور پھر شیطان اس پر سوار ہو کر اسے جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ چنانچہ جتنے بھی باطل فرقے ہیں خواہ پرویزی فتنہ ہو یا قادیانی فتنہ ہو یا رافضی فتنہ ہو یا الحادو زندقہ اور عیسائیت وسبائیت کا فتنہ ہو یا دہریت اور آغاخانیت کا فتنہ ہو ہر جگہ یہی ہوا ہے کہ ابلیس نے پہلے لوگوں کو علماء سے بدظن کیا ہے اور پھر ان پر سوار ہو گیا۔ لہذا میں آپ کو عرض کر کے کہتا ہوں کہ علماء حق کو کبریت احمر سرخ سونا سمجھ کر ان سے رابطہ رکھیں ان سے محبت رکھیں اور ان کی مجالس کو غنیمت سمجھیں مرنے کے بعد پھر انسان ترستا ہے مگر وہ مجالس اور علماء نہیں ملتے ہیں دیکھئے اسی شہر کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تھے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ تھے اس وقت ہم نے قدر نہیں کی آج ہم ان کی ایک ایک نشست اور ایک ایک نگاہ کے لئے کیسے ترستے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک دفعہ دہلی میں تقریر فرمائی جلسہ میں انگریز بھی آئے تھے اختتام پر ایک انگریز کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے مسلمانو! تم مجھے بتادو کہ پہلے ہم تمہارے غلام تھے تم ہمارے آقا تھے اب تم ہمارے غلام اور ہم تمہارے آقا کیوں بن گئے؟ ہر عالم نے اپنے اپنے انداز سے جواب دیا لیکن انگریز کی تسلی نہیں ہوئی اور پھر اس نے خود کہا کہ جس وقت سے تم مسلمانوں نے شاہ عبدالعزیز جیسے لوگوں کو قیادت واقتدار سے ہٹا کر حجروں میں بٹھلا دیا اس وقت سے تم ہمارے غلام بن گئے اور ہم تمہارے آقا ہو گئے۔

اسی طرح ایک دفعہ شاہ عطاءاللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر فرمائی تو انگریز صحافی اور رپورٹر حیران رہ گئے، لکھنا بند کر کے شاہ صاحب کو دیکھنے لگے اور پھر کہنے لگے کہ یہ شخص اگر امریکہ میں ہوتا تو امریکہ کا بادشاہ ہوتا تو مقصد میرا یہ ہے کہ شخصیات اور بزرگوں کی ناقدری نہیں کرنی چاہیئے بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

علمائے حق کے کارنامے

اب آیئے اور دیکھئے کہ علماء نے اس امت کی کس طرح رہنمائی کی ہے یہی شاہ عبدالعزیزؒ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کیخلاف یہ فتویٰ جاری کیا کہ اب ہندوستان دارالحرب ہے اور یہ مسلمانوں کا ملک نہیں رہا ہے اب مسلمانوں پر فرض ہے کہ انگریز کیخلاف اٹھ کر جہاد کریں اس فتویٰ سے انگریز بڑا پریشان ہو گیا اور اس نے اس فتویٰ کے اثر کو کم کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی اور سرسیّد احمد خان وغیرہ اپنے وفاداروں کو اٹھایا لیکن یہ فتویٰ بہرحال فتویٰ تھا آخر اس نے اپنا اثر دکھایا اور علماء حق کے قافلہ سے شاہ اسماعیل شہید اور سیّد احمد شہید دہلی سے اٹھ کر جہاد کا علم بلند کر کے افغانستان سے ہوتے ہوئے پشاور پہنچے اسلامی خلافت قائم کی، علاقے فتح کئے انگریزوں اور سکھوں سے ٹکر لی اور بالآخر بالاکوٹ میں جا کر جام شہادت نوش کیا یہی بابرکت نقشہ تھا جس پر وقتاً فوقتاً کام ہوتا رہا اور آج الحمدللہ طالبان

افغانستان نے اس نقشہ کو عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ اسی فتویٰ کی روشنی میں علماء دیوبند نے شاملی کے میدان میں انگریز سے ٹکر لی۔

حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکّی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا محمد ضامنؒ نے انگریز سے مقابلہ کیا ان سب کے جرنیل مولانا محمد ضامن صاحبؒ تھے۔ ایک سال سے ایک سفید جوڑا بنا رکھا تھا پگڑی رکھی تھی نئے جوتے رکھے تھے اور جب جنگ شاملی کا وقت آیا تو اس لباس کو پہن کر آنکھوں میں سُرمہ لگا کر عطر استعمال کر کے دولہا بن کر شاملی کے میدان میں اتر آئے اور وصیت کی کہ اگر مارا جاؤں تو جان کنی کے وقت میرا سر حضرت اقدس رشید احمد گنگوہیؒ اپنی جھولی میں رکھ دیں تاکہ ان کی جھولی میں روح پرواز کر جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اس وقتی شکست کے بعد حضرت امداد اللہؒ تو مکہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ حضرت گنگوہیؒ جیل چلے گئے اور حضرت نانوتویؒ تین دن روپوش ہونے کے بعد پھر میدان مین آ گئے اور فرمایا کہ تین دن تک روپوش رہنا سنّت پر عمل کرنے کے لئے تھا حضورِ اکرمؐ غارِ ثور میں تین دن تک روپوش ہو گئے تھے زیادہ جائز نہیں۔

سماجی میدان کے کارنامے

ان مقابلوں اور میدانی معرکوں کے بعد علماء دیوبند نے امت مسلمہ کی روحانی تعلیم کی طرف توجہ دی کیونکہ اب انگریز سے دوبدو مقابلہ مشکل ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈال دی تا کہ مسلمانوں کے اعتقادات ونظریات کا تحفظ کیا جا سکے۔ اور علمی میدان کے ساتھ ساتھ لڑائی کے میدان کی بھی تیاری کی جائے چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کا مقصد وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

میری خواہش یہ ہے کہ دارالعلوم کا ہر تعلیم یافتہ انگریز کے محل میں شگاف کر دے اور اس مدرسہ کا ہر فیض یافتہ سامراج کے لئے زہرِ قاتل بنے، انگریز کے خلاف بغاوت کے جرم میں خواہ دارالعلوم دیوبند کی اینٹ سے اینٹ بج جائے مگر انشاء اللہ تعالیٰ جنگ ہر حالت میں جاری رہے گی۔ (بحوالہ ترجمان اسلام ۲ جنوری ۱۹۸۰ء)

اب اس دارالعلوم نے برِ صغیر کے مسلمانوں کی بالخصوص اور دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی بالعموم ہر شعبہ میں ایسی خدمت کی کہ جسے دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں آپ جائیں تو آپ کو دیوبند کا فیض یافتہ نظر آئے گا یا دیوبند کا فیض یافتہ مدرسہ نظر آئے گا بیک وقت دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کی روحانی، جسمانی، تعلیمی، اقتصادی، نظریاتی اور سیاسی سماجی خدمت کی۔ برِ صغیر میں

آپ کو اگر کوئی بڑا حکیم طبیب ملے تو اس کا سلسلہ سند دیو بند کے فارغ شدہ حکیم سے جاملتا ہوگا کیونکہ دیو بند میں طِب کا ایک فعال شعبہ موجود تھا اور دست کاری اور کاریگری کے مختلف شعبے موجود تھے تا کہ دیو بند کا فارغ تحصیل مستقبل میں دنیاوی لحاظ سے اپاہج نہ ہو، تربیت جہاد کی ٹریننگ کے بعد عملی جہاد کے لئے انصار الاسلام اور احرار الاسلام کی عملی جہادی تنظیمیں موجود تھیں، سیاسی تنظیم سیاست کے میدان میں جمعیت علماء ہند کے نام سے موجود تھی۔ تصوف اور مشائخ کے لحاظ سے دار العلوم دیو بند ایسا تھا کہ شیخ الحدیث سے لیکر چپراسی اور چوکیدار تک صاحب نسبت بزرگ ہوتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سنا تھا فرمایا کہ دار العلوم پر ایسا دور بھی آیا ہے کہ شیخ الحدیث سے لیکر چوکیدار بلکہ گیٹ پر بیٹھ کر گھاس بیچنے والے تک سب حضرات صاحب کرامت اور صاحب نسبت بزرگ ہوتے تھے مولانا یعقوب نانوتویؒ تو ایسے صاحب کشف بزرگ تھے کہ چلتے چلتے باغ میں پھولوں سے گفتگو شروع فرماتے۔ ایک دفعہ سر سید احمد خان نے کہا کہ تم لوگوں نے دیو بند کی بنیاد ڈالی میں اتنی اتنی تنخواہ دیتا ہوں تم فقیر اپنے مدرسین کو کیا دو گے؟ حضرت یعقوب نانوتویؒ نے فرمایا کہ اس کا جواب میرا رب دے گا۔ پھر الہامی طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اس کو یہ جواب دو کہ دار العلوم کے فیض یافتہ مدرس کی اتنی اتنی تنخواہ ہوگی اور وہ دنیاوی اعتبار سے پریشان نہیں ہوگا۔

علمی میدان کے عظیم کارنامے

محترم حضرات! میں آپ کے سامنے یہ بھی عرض کردوں کہ دیو بند کے علماء حق اولیاء اللہ ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیو بندی اولیاء اللہ کو نہیں مانتے ہیں لیکن یہ صرف بہتان ہے بلکہ علماء حق علماء دیو بند تو خود اولیاء اللہ ہیں ان کو بُرا بھلا کہہ کر حقیقت میں خود وہ لوگ اولیاء اللہ کے منکر ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبال سے کسی نے پوچھا کہ یہ دیو بندی کوئی فرقہ ہے تو آپ نے جواب دیا یہ فرقہ نہیں بلکہ حق کے علم بردار جرأت وصداقت پر مشتمل جماعت حقہ کا نام دیو بندی ہے۔ محترم جناب ظفر علی خان صاحب نے دار العلوم دیو بند کی مدح میں کہا ہے۔

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیو بند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
ملّتِ بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند
حکمتِ بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دو چند
اسم تیرا با مسمّٰی ضرب تیری بے پناہ

دیو استبداد کی گردن میں ہے تیری کمند
تیری رجعت پر ہزار اقدام ہو جاں سے نثار
قرن اوّل کی خبر لائی تری الٹی زقند!
تو علمبردارِ حق ہے حق نگہبان ہے ترا!
خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو
کرلیا ان عالمانِ دین قیم، نے پسند
جان کر دیں گے جو ناموسِ محمدؐ پر، فدا؟
حق کے رستے میں کٹادیں گے جو اپنا بند بند
کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ!
جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند
اس میں قاسم ہوں کہ انورشہ کہ محمودالحسن!
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند
گرمئی ہنگام تیری آج حُسین احمد سے ہے
جن سے ہے پرچم روایاتِ سلف کا سربلند

الغرض تصوف کے علاوہ دین کی کتنی بڑی خدمت دیوبند کے علماء نے کی ہے قرآن عظیم کی تفاسیر اور تراجم دیکھیں تو آپ کو تفسیر حقانی، تفسیر ماجدی، تفسیر بیان القرآن، معارف القرآن، جواہر القرآن، احکام القرآن، تفسیر عثمانی اور دیگر بیسیوں تفاسیر ملیں گی اور اگر کتب احادیث کو آپ دیکھیں تو آپ کو بخاری کی ۵۰ سے زیادہ عمدہ شروحات علماء دیوبند کی ملیں گی اگر مسلم شریف کی شروحات کا آپ پوچھیں گے تو آپ کو فتح الملہم وغیرہ کئی عمدہ شروحات علماء دیوبند کی ملیں گی اگر آپ ترمذی کا پوچھین گے تو آپ کو معارف السنن اور دیگر عمدہ عمدہ شروحات علماء دیوبند کی ملیں گی۔ اسی طرح ابوداوٗد کی شرح **بذل المجھود** اور طحاوی وابن ماجہ کی شروحات علماء دیوبند کی ملیں گی یعنی احادیث مقدسہ پر علماء دیوبند کی کئی سو شروحات آپ کو ملیں گی۔ بہت ساری عربی میں ہیں اور بہت ساری اردو میں ہیں الغرض قرآن وحدیث کی خدمت بھی اللہ تعالیٰ نے برِصغیر میں علماء دیوبند کی قسمت مین لکھی اسی طرح فقہ کی نورالایضاح سے لے کر ہدایہ تک تمام کتابوں کی شرحیں علماء دیوبند نے لکھیں ہیں۔

اس کے علاوہ علوم الیہ یعنی فنون کے علوم میں بھی علماء دیوبند ہی سب سے آگے ہیں مثلاً ادب کی ابتدائی کتاب مفید الطالبین سے لے کر دیوان حماسہ اور سبع المعلقات تک تمام عمدہ شروحات علماء دیوبند کی ہیں۔ فن نحو میں نحو میر سے لیکر شرح جامی تک تمام عمدہ مستند اور مفید شروحات علماء دیوبند کی ہیں فن معانی میں دروس البلاغہ سے لیکر مطول تک تمام عمدہ شروحات علماء دیوبند کی ہیں۔ فن منطق کو دیکھ لیجیئے عمدہ تر حواشی اور تشریحات ایساغوجی سے لیکر سلم العلوم اور پھر قاضی وصدرا تک تمام عمدہ تشریحات علماء دیوبندی کی ہیں اسی طرح دیگر فنون کو لیجیئے کہ اللہ پاک نے علماء دیوبند ہی کو توفیق دی ہے اور انہوں نے دین اسلام کی خدمت کی ہے کیا اس طرح خدمت کوئی اور طبقہ پیش کرسکتا ہے؟

اُولٰئِکَ آبَائِی فَجِئْنِی بِمِثْلِهِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

محترم حضرات!

اگر آپ علماء دیوبند کو اسلامی تحریکات اور جہاد وغزوات کے میدان میں دیکھیں گے تو وہاں بھی یہ حضرات ہر باطل کے مقابلے میں سد سکندری کی طرح کھڑے نظر آئیں گے۔ انگریز کو برصغیر سے نکالنے میں علماء دیوبند نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ چالیس ہزار علماء ہند علماء حق اور علماء دیوبند انگریز کے نکالنے میں شہید ہو چکے ہیں۔ حضرت شیخ الہند علامہ محمود الحسنؒ کی تحریک ریشمی رومال ایک عالمی تحریک تھی بڑھاپے کے عالم میں آپ کو جدّہ میں انگریز نے گرفتار کرلیا اور جزیرہ مالٹا میں بارہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی آپ نے یہ سب کچھ کہہ کر قبول کرلیا کہ الحمد اللہ کہ بمصیبتے گرفتاریم نہ بمعصیتے یعنی شکر الحمد اللہ میں اسیر گناہ ومعصیت نہیں ہوں بلکہ اسیر مصیبت ہوں۔ اس تحریک کے نتیجے میں بالآخر انگریز مجبور ہوا اور وہ برصغیر سے نکل گیا اور آج تک اپنے ایک ایک علاقے سے برطانیہ نکل رہا ہے پاکستان میں ختم نبوت کی تحریک الحمد اللہ علماء دیوبند کی قسمت میں آئی۔

چنانچہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے تحریک ختم نبوت کی قیادت کی اور قادیانی فتنہ ٹوٹ گیا جو ۹۰ سال سے قائم تھا حضرت شاہ انور شاہؒ کو آخر وقت میں اس فتنہ کی وجہ سے نیند نہیں آتی تھی کہ اس فتنہ کا خاتمہ کیسے ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تب جا کر حضرت نے آرام کیا۔ حضرت شاہ عطا اللہ شاہ صاحبؒ نے وفات کے وقت مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے فرمایا کہ جب یہ فتنہ ختم ہو جائے تو آپ میری قبر پہ آ کر اسکی بشارت سنا دیں۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں جب یہ مسئلہ حل ہوا تو ہزاروی صاحب

نے جا کر شاہ صاحب کی قبر پر خوشخبری سنادی۔

پرویزیت پر کفر کا فتویٰ لگانے کی تحریک علماء دیوبند کی قسمت میں آئی اور دیگر ہر فتنہ اور ہر باطل کے مقابلے میں الحمداللہ علماء دیوبند نے مسلمانوں کے دینی دنیوی اور اقتصادی ونظریاتی اصولوں کی حفاظت کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند اس حدیث کے مصداق ہیں نبی کریمؐ نے فرمایا: لَایَزَالُ اللّٰهُ یَغْرِسُ فِی هٰذَاالدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُهُمْ فِیْ طَاعَتِهٖ. (ابن ماجہ ص۳)

یعنی اللہ تعالیٰ مسلسل اس دین میں نئے نئے پودے لگاتا رہتا ہے اور جب پودے کام کے ہوجاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دین میں استعمال فرماتا ہے۔ مثلاً دین اسلام کی خدمت کے لئے ایک جگہ مسجد ومدرسہ کا انتظام فرمایا اس میں طلبہ قاری وعلماء پیدا ہوئے جب کوئی بوڑھا ہوکر اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور پودے لگا کر لوگوں کو بناتا ہے وہ آکر دین کی خدمت کرتے ہیں۔ اس بیان میں مدارس ومساجد اور طلباء وعلماء کے متعلق جو کچھ آپ نے سنا وہ اسی حدیث کا مصداق ہے۔

علماء دیوبند طالبان کی شکل میں

دنیا کے عام لوگوں کا خیال تھا کہ مدارس اسلامیہ کی چاردیواری میں یہ مولوی لوگ کیا کرتے ہیں کیا سیکھتے ہیں کیا سکھاتے ہیں۔ بعض نے کہہ دیا کہ فارغ لوگ ہیں اوقات کی قدر ان کو نہیں ہے صرف وقت ضائع کر رہے ہیں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور یہ لوگ چند طالب علموں کو لیکر کس طرف لے جارہے ہیں دقیانوس قسم کے لوگ ہیں جنہوں نے قوم کے بچوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ بے کار قسم کے لوگ ہیں دنیا کی اونچ نیچ سے واقف نہیں کسی جدید چیلنج کا مقابلہ کر نہیں سکتے ہیں صرف مدارس میں بیٹھ کر نیکی کی باتیں کرتے ہیں مسجد کے احاطے میں چند اعمال کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں، ملاّ کی دوڑ مسجد تک۔ یہ سب گرم نرم باتیں ہورہی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ خلوص وللہیت پر مبنی یہ کتنی بڑی طاقت پیدا ہورہی ہے۔ دنیا کے لیڈروں کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں کوئی قوت وطاقت ہے طلباء کرام کے اساتذہ اور پڑھانے والوں کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ ہم جن کو پڑھا رہے ہیں یہ مستقبل بعید میں کوئی بڑی طاقت بننے والی ہے کسی کو کچھ بھی پتہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہاں ایک بڑی قوت ہے۔ چنانچہ اس نے قندھار سے ۱۵ سے لیکر تیس تک طالبان کی ایک جماعت کو اٹھایا اور پھر اس کو اس طرح پھیلایا کہ اب دنیا کی سپر طاغوتی طاقتیں ان طالبان سے لرزہ براندام ہوگئیں ہیں خواہ وہ روس ہو یا ایران، یا امریکہ وہندوستان۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان طالبان کو ایک متواضع خلیفہ کی سرپرستی میں اسلامی خلافت

عطا کی جس کی برکت سے کوئی بھی اسلامی تحریک انتہائی برق رفتاری اور کامیابی سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے امیر المؤمنین کو ایک تواضع اور عاجزی عطا کی ہے مٹی میں سنگریزوں پر کھلے میدان میں مہمان کیساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ مجلس میں سب سے زیادہ عاجزانہ لباس انکا ہوتا ہے۔ ان کے قندھار کے گورنر کو میں نے بقرعید کے دن دیکھا کہ پرانا جوڑا زیب تن کیا تھا جس کی ایک آستین پھٹی ہوئی تھی۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں یہ طالبان اکثر وبیشتر الحمد اللہ پاکستانی مدارس سے فارغ اور پاکستانی علماء دیوبند کے شاگرد ہیں اور جو شاگرد نہیں وہ بالواسطہ دیوبند سے وابستہ ہیں اس طرح علماء دیوبند کے اسلامی جہادی کارناموں اور اسلامی جہادی تحریکات میں سے طالبان افغانستان ان کی ایک تحریک ہے۔ اس طرح انشاء اللہ یہ پورے افغانستان پر اسلامی جھنڈا لہرا دیں گے اور اس پورے ملک میں انشاء اللہ سو فیصد اسلام نافذ کر دیں گے۔ جس طرح انہوں نے اس کے علاوہ علاقوں میں ایسا کیا ہے اس سے آپ ایک یہ بات سمجھ لیں کہ آپ حضرات کے عطیات ان مدارس اور طالبان پر ضائع نہیں گئے۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ طالبان علماء حق کے لئے ایک عظیم قوت ہے۔ جن کے پاس اتنا اسلحہ ہے کہ چند صوبوں کا اسلحہ پاکستان کے اسلحے سے زیادہ ہے پہلے روس نے اپنا سارا اسلحہ ادھر منتقل کر کے طالبان تک پہنچایا جو کمی رہ گئی تھی وہ اب ایران پوری کر رہا ہے اور طالبان مخالفین کو اسلحہ پہنچا رہا ہے جو طالبان کے لئے غنیمت بنتا ہے۔

نوٹ!! (یہ طالبان کی پسپائی سے پہلی کی تقریر ہے لیکن انشاء اللہ مستقبل قریب میں اللہ تعالیٰ سے ہم مکمل پرامید ہیں کہ دوبارہ یہ دور آئے گا اور کوئی بعید نہیں کہ طالبان کے ہاتھوں امریکہ پاش پاش ہو جائے گا)

میں آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ علماء حق کی قدر کریں جو آدمی علماء سے محبت رکھتا ہے اس کی اولاد میں کوئی نہ کوئی عالم بن جاتا ہے اور جو آدمی علماء حق سے بغض رکھتا ہے اس کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو جاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یا عالم بنو یا متعلم بنو یا ان سے محبت کرنے والے بنو چوتھا نہ بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ افغانستان کے طالبان نے بڑی قربانیاں دے کر اللہ تعالیٰ کے دین کو سر بلند کیا ڈاڑھی کو عزت بخشی لفظ ملاں کو عزت بخشی پگڑیوں کی عظمت کو بحال کیا اور مساجد و مدارس کی عظمت کو دوبالا کیا اور شریعت محمدیہ کو مکمل طور پر نافذ کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ طالبان عالم اسلام کے بارے میں علمائے دیوبند کے خوابوں کی تعبیر بن کر ابھرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ظاہری وباطنی حفاظت فرمائے۔ استقامت و اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۲۴شوال ۱۴۱۶ھ ۱۵مارچ ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

اسلام میں ہجرت کا تصور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرہ ۱۹۱)

''اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے''۔

قال علیہ السلام لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَقَالَ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

''حضور نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد یہ خاص ہجرت باقی نہیں رہی البتہ اچھی نیت اور جہاد باقی رہے گا اور فرمایا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے وہی ہجرت مقبول ہے''۔

معزز حاضرین!!

ہجرت دین اسلام کے باقی احکامات کی طرح ایک حکم ہے۔ قرآن عظیم نے کئی آیتوں میں ہجرت کے فضائل و مسائل بیان کئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس فرامین کے ذریعہ سے اس کی ترغیب بھی دی ہے اور خود صحابہ کرام نے اس پر عمل بھی کیا ہے اور ہجرت تمام انبیاء کا عملی عمل اور خصوصی شعار و علامت بھی رہی ہے۔ ہر نبی نے کسی نہ کسی طریقہ پر ہجرت کی ہے ہجرت کا ایک لغوی مطلب اور مفہوم ہے اور اس کا ایک شرعی اور اصطلاحی مفہوم و تعریف ہے۔ لغت میں ہجرت کسی چیز کے چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے چاہے وہ گھر ہو علاقہ ہو، دکان ہو یا کوئی کام ہو یا کسی سے ترک سلام کلام ہو، دوپہر کے عین نصف النہار کو عربی میں ہاجرہ اور ہجیرہ کہا جاتا ہے کیونکہ گرمی کے اس سخت وقت میں لوگ کام کاج کو چھوڑ کر گھروں میں آرام کے لئے چلے جاتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں اپنی جان وایمان کی حفاظت کے لئے اپنے گھربار اور علاقہ و وطن کو چھوڑ کر دار اسلام یا دار امن کی طرف جانے کا نام ہجرت ہے، تو کفر سے جانے کی دو صورتیں ہوئیں ایک یہ کہ دار امن کی طرف آدمی چلا جائے جیسا کہ ابتداء میں صحابہ کرامؓ مکہ سے حبشہ کی طرف چلے گئے تھے۔ حبشہ دار

اسلام تو نہیں تھا البتہ دار امن تھا وہاں صحابہ کرام کو جان و مال و عزت و آبرو اور ایمان و اسلام کا کوئی خطرہ نہیں تھا اگر چہ کفار قریش نے اپنے سفیروں کے ذریعہ سے حبشہ کے بادشاہ کو رشوتیں دے کر صحابہ کرام کو واپس لانا چاہا لیکن حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی نے کفار قریش کی بات ٹھکرا دی. کفار قریش نے مذہبی منافرت بھڑکانے کی بھی کوشش کی لیکن نجاشی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر اور پھر سورت مریم کی تلاوت سن کر زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ انجیل کی تعلیمات اور قرآن کی تعلیمات میں ایک ذرہ برابر فرق نہیں ہے اس کے بعد اس نے قریشی وفد کو حبشہ سے باہر نکال دیا اور صحابہ کرام کو اپنے ملک میں پناہ دے دی. بعد میں یہ بادشاہ مسلمان ہو گیا اور مرنے کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی.

ہجرت کی دوسری صورت دار کفر سے دار اسلام کی طرف جانے کی ہے. ابتدائے اسلام میں یہ ہجرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہوتی تھی. ۱۳ سالہ مکی دور میں کفار قریش نے مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کر دی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو کسی بھی طرف نکل کر جان و ایمان بچانے کی اجازت دے دی، ۸۴ کے لگ بھگ صحابہ تو حبشہ چلے گئے اور باقی صحابہ مدینہ منورہ کی طرف چلے گئے. حضور اکرم نے حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ نکلنے کا اشارہ دیا تو صدیق نے دو سواریوں کا اہتمام کیا اور ۱۳ نبوی کو رات کے وقت حضورؐ کفار کے سخت پہرہ کے باوجود مکہ مکرمہ سے نکل گئے. مقام "حزورہ" پر آپؐ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

"خدا کی قسم اللہ کی زمین میں تو سب سے بہتر سر زمین ہو اور اللہ کے ہاں سب زمینوں سے تو محبوب تر زمین ہو اگر مجھے میری قوم نہ نکالتی تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر نہ نکلتا"

شہر مکہ سے باہر صدیق اکبرؓ آپؐ سے ملے اور دونوں محبوب راتوں رات غار ثور میں جا کر تین دن تک قیام پذیر ہوئے اور پھر دونوں نے وہاں سے مدینہ منورہ کا سفر فرمایا. اب مدینہ منورہ دار الاسلام بن گیا اور مکہ مکرمہ سے ہر اس مسلمان پر ہجرت فرض قرار دے دی گئی جو نکلنے کی کوئی طاقت رکھتا تھا البتہ اہل عذر حضرات اس فرض سے مستثنیٰ تھے. ابتداء اسلام میں مکہ کے کسی مسلمان کا ایمان معتبر ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ نہ جاتا. اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ایمان کا تحفظ اور اسلام پر چل کر عمل کرنا جہاں ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ چونکہ ہجرت کے بعد فوراً جہاد کا حکم ممکن ہی نہیں جب تک کہ مسلمان کفار سے مکمل علیحدگی اختیار نہ کرتے، جب مسلمان الگ ہو جاتے ہیں اپنے بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو کسی محفوظ مقام میں بسا کر مطمئن ہو جاتے ہیں تو پھر کفار پر حملہ آور ہونے کے راستے کھل جاتے ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ ہجرت جہاد کے لئے پیش خیمہ ہے اور ہجرت بھاگنے کا نام نہیں بلکہ تیاری کرنے اور پلٹ کر حملے کا نام

ہے، ان ہی دو وجوہات کی بنا پر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی جو کسی مسلمان کے ایمان کے لئے لازمی علامت تھی اور بغیر ہجرت مرنے والوں کے لئے قرآن کریم میں سخت سزاؤں کا ذکر ہے۔

بہر حال تاریخ کی روشنی میں جب دیکھا جاتا ہے تو جہاد کا صحیح نقشہ جہاد کے بعد قائم نظر آتا ہے، اس وقت کشمیر کے مسلمانوں کی سب سے بڑی پریشانی اور کشمیر کے عمومی جہاد میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ وہاں سے مسلمانوں کے نکلنے اور ہجرت کرنے کا راستہ نہیں ہے۔

میں پھر یہ عرض کروں کہ ہجرت بھاگنے کا نام نہیں ہے بلکہ پلٹ کر حملے کا نام ہے نیز یہ بھی یاد رہے کہ ہجرت اسلام میں بہت بڑی قربانی ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں بیوی بچوں کو چھوڑتا ہے مال و دولت اور گھر بار کو خیر باد کہہ کر بے سروسامانی اور غربت و افلاس کی زندگی گزارنے لگتا ہے، عزیز و اقارب سے الگ ہو جاتا ہے ملک و وطن سے الگ ہو جاتا ہے یہ بہت بڑی قربانی ہے دیکھئے ایک شخص جان کی بازی لگا کر شہید ہو جاتا ہے وہ سب سے بڑی قربانی ہے لیکن ایک ہی دفعہ تکلیف اٹھا کر ہمیشہ راحتوں میں چلا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس ایک مہاجر زندگی بھر کے لئے ہر روز جان کنی کی تکلیف سے دوچار ہوتا ہے، قربانی کی اس عظمت کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ اور صحابہ نے متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا دن وہ تھا جس میں نبی کریمؐ نے سب سے بڑی قربانی دی تھی وہ ہجرت کی قربانی تھی ہجرت کی سب سے بڑی قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جب ایک مسلمان اتنی بڑی قربانی دیتا ہے تو اس کے لئے ہجرت کے بعد ہرگز یہ مناسب نہیں کہ وہ پھر گناہوں میں ملوث ہو جائے بلکہ ان کو تو ہر چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے کنارہ کش رہنا چاہئے تا کہ وہ حقیقی معنوں میں مہاجر بن جائے اسی کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ " **والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب**"، یعنی حقیقی مہاجر تو وہی ہے جو چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑ دے بہر حال یہ فرض ہجرت مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد موقوف ہوگئی اور جب مکہ دارالاسلام بنا تو حضورؐ نے اعلان فرمایا "**لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية**" یعنی اب مکہ کی فتح کے بعد یہ خصوصی ہجرت ختم ہوگئی البتہ جہاد اور جہاد وغیرہ کی اچھی نیت باقی رہے گی اب اگر کوئی شخص کسی کافر ملک یا کفار کے قابض فوج کی وجہ سے کسی دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرتا ہے تو وہ بھی ہجرت ہے اور بعض اوقات فرض بھی ہو جاتی ہے لیکن ہجرت بھاگنے کا نام نہیں بلکہ پلٹ کر حملے کا نام ہے کیونکہ اسلام کے لئے اور نفاذ اسلام کے لئے زمین کا ہونا لازم ہے لہٰذا نفاذ اسلام اگر فرض ہے تو اس کے لئے زمین حاصل کرنا یا زمین کی حفاظت کرنا بھی فرض ہے قرآن مجید کا اعلان ہے ﴿**واخرجوهم من حيث اخرجوكم**﴾ جہاں سے

حفاظت کرنا بھی فرض ہے قرآن مجید کا اعلان ہے ﴿واخرجوھم من حیث اخرجوکم﴾ جہاں سے ان کفار نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔

اس آیت نے مسلمانوں کی سرزمین کو اسلام اور ایمان اور حفاظتِ جان کے لئے انتہائی ضروری قرار دیا ہے انگریز نے ہندوستان مسلمانوں سے چھینا تھا پھر جب انگریز اس ملک سے نکل رہا تھا تو ان کو چاہئے تھا کہ اس ملک کو وہ مسلمانوں کے حوالے کر دیتے لیکن اس عیار و مکار نے انتہائی چالاکی سے ملک کا بٹوارہ کیا اور مسلمان کے قلم سے لکھوا دیا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ اس فیصلے کے تحت جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے ان کو یا ہلاک کر دیا گیا یا جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ لاکھوں تو مارے گئے اور لاکھوں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، ہزاروں عورتیں کفار کے ہاتھ میں چلی گئیں اور اب تک کفار کے پاس موجود ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہاں سے آئے ہوئے مسلمان پلٹ کر ہندوستان پر حملہ کرتے اور اپنے ملک کو ان سے چھین لیتے جس طرح کہ افغانستان میں روس کا کافرانہ انقلاب آیا تو وہاں کے غیور مسلمانوں نے اپنی بیوی بچوں کو پاکستان وغیرہ ممالک میں بسالیا اور خود روس کے ساتھ جہاد شروع کر دیا اور الحمد للہ روس کو شکست فاش دیکر اس کا نام ونشان ختم کر دیا۔

یہ جہاد کی برکت تھی اپنا ایمان بھی محفوظ کر لیا وطن کی بھی حفاظت کی عزت بھی بچالی اور سرخرو بھی ہو گئے، اگر یہ لوگ مقابلے میں کھڑے نہ ہوتے تو آج سویت یونین پوری دنیا کا فرعون بن چکا ہوتا، لیکن دنیا بھر کے غیور مسلمانوں نے اور خاص کر افغانوں نے سویت یونین کو ایسا ہتھوڑا مارا کہ اب تک چیچنیا، بوسنیا، تاجکستان وغیرہ میں اس کی ہڈیاں ٹوٹ ٹوٹ کر پس رہی ہیں۔ اب مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ ہجرت ونصرت اور مہاجرین وانصار کے مفہوم کو اپنی جگہ پر رکھیں ہر کام کو ہجرت ونصرت نہ کہیں۔

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے وقت اسلام کا ایک نیا حکم آسمان سے نازل ہوا وہ حکم جہاد کا تھا کہ اب ان مظلوم مسلمانوں کو اپنے دین کی حفاظت واشاعت کے لئے ہتھیار اٹھانے اور کفر کے ساتھ ٹکر لینے کی اجازت ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں صرف مہاجرین کے ساتھ ملکر کفار پر حملے شروع کر دیئے اور ایک چھاپہ مار جنگ شروع ہو گئی پھر دو ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر انصار مدینہ بھی جہاد مقدس میں شامل ہو گئے اور قلیل عرصہ میں جزیرۂ عرب کفر کی نجاستوں سے پاک ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور انصار مدینہ نے اس بھائی چارہ میں اس

طرح دل کھول کر حصہ لیا کہ اپنی زمینوں کو، مکانوں کو اور باغات کو مہاجرین کے ساتھ تقسیم کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انصار کی جا بجا تعریف فرمائی آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں جزیرۂ عرب اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا اور آٹھ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار کا لشکر جرار مکہ مکرمہ پر لا کر ڈال دیا، یہ وہی شہر ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نکال دیا تھا کہ آپؐ دن کے بجائے رات کو اس شہر سے نکل گئے لیکن آج الحمدللہ جہاد کی برکت سے دس ہزار کے لشکر کے سامنے ابوسفیان جو اس پورے عرصے میں مقابلے پر کمان سنبھالے ہوئے تھا خود سرنگوں تھا اور عاجزی سے امن کی درخواست دے دے کر بچاؤ کی بھیک مانگ رہا تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سرغنے سرنگوں تھے اور حضور اکرمؐ سر پر خود رکھے ہوئے سیاہ عمامہ پہنے ہوئے اونٹ پر سوار بیت اللہ میں داخل ہوئے ﴿قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا﴾ کی عظیم الشان آیت آپ کی زبان پر تھی اور ہاتھ کی لاٹھی سے بتوں کو اشارہ کر کے گرا رہے تھے پھر بیت اللہ کے اندر سے بتوں کو نکلوا کر آپ خود اندر چلے گئے شکرانہ کی نماز پڑھی اور بیت اللہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر کفار قریش سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا، سب نے عاجزانہ طور پر کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک خیر خواہ بھائی بن جائیں ہم آپ سے اسی کی امید رکھتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے اعلان فرمایا:

"لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء"

آج تم پر کوئی ملامت و سرزنش نہیں جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔

پھر حضرت بلال نے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر زور زور سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر اذان دینا شروع کی تو کسی قریشی نے کہا کہ دیکھو یہ حبشی غلام کیسے بیت اللہ پر کھڑا ہے تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا خاموش! یہ غلام نہیں ہمارا سردار ہے۔ اس طرح اسلام کو ہجرت کی بدولت اور پھر جہاد مقدس کی برکت سے شان و شوکت حاصل ہو گئی۔ اللہ کا گھر اللہ کی عبادت کے لئے خاص ہوا، ہر مشرک نجس کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی اور کسی رسم و رواج کے شوقین کی تمام رسموں کو پامال کر دیا گیا اور آج تک الحمدللہ وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادتیں ہو رہی ہیں۔ اب قارئین ہجرت کے متعلق سورت نساء کی آیتوں کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت شیخ الہند اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت اور ان سے

پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے. آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور بچے ہیں اور عورتیں کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو کوئی ہجرت کا راستہ معلوم ہے وہ قابل معافی ہیں. اس سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کہ جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں.

حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ سورت نساء (۱۹۹) اور (۱۰۰) کے تحت مزید لکھتے ہیں اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اسکو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اسکی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے؟ اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید راستہ میں موت آجائے تو نہ ادھر کے ہوں نہ ادھر کے، کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنی وقت ہی پر آنی ہے وقت مقررہ سے پہلے نہیں آسکتی۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۲۳)

الغرض مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے دین کے لئے ہجرت کا جذبہ دل میں پیدا کریں اور پھر اپنی دین کے لئے ہجرت کر کے جہاد کریں جوانوں کو چاہئے کہ جہاد کا جذبہ دلوں میں بیدار کریں اور بوڑھوں اور خواتین کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہروں بیٹوں اور رشتہ داروں کی حوصلہ افزائی کریں. یہ پوری دنیا مسلمانوں کا دیس ہے مسلمان جہاں بھی ہوں اللہ کا یہ ملک اس کا ہی ملک ہے صرف شرط یہ ہے کہ مسلمان اس زمین پر اللہ کا قانون نافذ کریں. کفار سے مقبوضہ زمین واپس کرنا ہم پر فرض ہے. اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ یہ جہان تمہارا ہے اللہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین.

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے ہم
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

سالارِ کارواں ہے میرِ حجازؐ اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

قرآن وحدیث

﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَسَعَةً﴾ (سورت نساء آیت ۹۹)

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (سورت توبہ آیت ۹۹)

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِامْرَءَةٍ يَّتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ. (بخاری)

لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. (ابوداود)

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ. (ابوداود)

۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء معسکر حرکت الانصار سلمان فارسی غنڈ افغانستان

موضوع

الجہاد فی الاسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (سورۃ نساء آیت ۹۵)

برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے، اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان کے ساتھ بیٹھ رہنے والوں پر درجہ، اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا، اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَیْکُمْ مَعَ کُلِّ اَمِیْرٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ" (مشکوٰۃ ص ۱۰۰)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ہر قسم کے امیر کی ماتحتی میں جہاد فرض ہے، چاہے وہ امیر نیک ہو یا گناہ گار، ہو اگر چہ کبائر کر رہا ہو"۔

میرے مجاہد ساتھیو!!

دین اسلام کے احکامات میں سے ایک حکم جہاد بھی ہے جس طرح باقی فرائض نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہے اسی طرح جہاد بھی اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے بلکہ باقی فرائض کی بقاء اور اس کی تنفیذ اور حفاظت کے لئے جہاد بطور محافظ اور دفاعی لائن ہے۔

جہاد فی الاسلام ایک اصطلاحی لفظ ہے اور اسکا ایک شرعی مفہوم ہے اور دین اسلام میں احکامات کا مدار شرعی اصطلاحی مفہومات پر ہوتا ہے لغوی مفہوم پر شرعی احکام کا مدار نہیں ورنہ بہت سارے احکامات میں بڑی پیچیدگیاں آجائیں گی، مثلاً صلوٰۃ لغت میں دعا کے معنیٰ میں ہے اب اگر ایک شخص کہے کہ میں دعا کروں گا اور نماز نہیں پڑھوں گا یہ شخص گمراہ ہو جائے گا، کیونکہ نماز کا شرعی مفہوم اس طرح ہے کہ مخصوص

اوقات میں مخصوص ارکان کو مخصوص طریقہ سے بجالانے کا نام نماز ہے۔ چنانچہ اسی غلط سوچ کی بنیاد پر ''ذکری'' فرقہ وجود میں آگیا ہے۔اسی طرح ''صوم'' کا لفظ ہے جس کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ کچھ دیر کے لئے کھانے پینے سے اپنے آپ کو روک لینا اب اگر ایک شخص یہ کہے کہ میں بھی کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو کھانے پینے سے روک لوں گا بس روزہ ہوجائے گا تو اس طرح کرنے سے وہ شخص گمراہ ہوجائے گا کیونکہ روزہ کا خود ایک شرعی مفہوم ہے یعنی صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کرنا، اسی طرح لفظ حج کو لیجئے، اس کا لغوی مفہوم قصد وارادہ ہے، اب اگر ایک شخص کسی ملک کا قصد کرتا ہے یا گھر کا یا کھانے پینے کا قصد کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں نے حج ادا کردیا تو اس طرح وہ شخص گمراہ ہوجائے گا کیونکہ حج کا ایک شرعی مفہوم ہے جو ایک مخصوص زمانہ میں مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص مقامات کا قصد کرنا ہے۔

بالکل اسی طرح جہاد کا ایک لغوی مفہوم ہے اور دوسرا اصطلاحی شرعی مفہوم ہے، قرآن وحدیث نے مسلمانوں سے جس جہاد کا مطالبہ کیا ہے اور سلف صالحین نے جہاد کا جو مفہوم سمجھا تھا اور اس میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا وہ اصطلاحی شرعی جہاد ہی تھا نہ کہ لغوی جہاد، بلکہ جس طرح آج عوام الناس نماز کا نام سن کر ایک خاص عبادت سمجھ لیتے ہیں، روزہ اور حج کے لفظ سے ایک خاص عبادت محسوس کردیتے ہیں اسی طرح ازمنۂ ماضیہ میں لفظ جہاد کو سن کر سلف صالحین اس کے اصلی شرعی مفہوم کو سمجھ لیتے تھے اور اس کے ذہن میں اسلحہ اور میدان جنگ میں کفار سے مقابلہ اور مسلح جنگ کا ایک نقشہ سامنے آتا تھا، چنانچہ سلف وخلف نے جہاد کا جو شرعی ولغوی مفہوم اپنی کتابوں میں لکھا ہے یا احادیث کی کتابوں میں جہاد کا مفہوم بتایا گیا ہے میں اس کے چند نظائر پیش کرتا ہوں۔

جہاد کی تعریف

سب سے اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ارشاد شدہ تعریف ملاحظہ کیجئے:

(۱) ''قِيْلَ وَمَا الْجِهَادُ ؟ قَالَ اَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ اِذَا لَقِيْتَهُمْ قِيْلَ فَاَىُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ'' (کنز العمال ج ۱ ص ۲۷)

''پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! جہاد کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم مقابلے کے وقت کفار سے لڑو، کہا گیا افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ افضل ترین جہاد

اس شخص کا جہاد ہے جس کا گھوڑا جہاد میں کٹ مرے اور پھر خود اس کا خون گرے۔

(۲) قَالَ فَایُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ اَلْجِھَادُ، قَالَ وَمَاالْجِھَادُ ؟ قَالَ اَنْ تُقَاتِلَ الْکُفَّارَ اِذَالَقِیْتَھُمْ وَلَاتَغُلَّ وَلَاتَجْبُنْ ۔ (کنزالعمال ۱ ص ۷۶)

''ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے افضل ہجرت کونسی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین ہجرت جہاد کی ہجرت ہے۔ صحابی نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑو اور اس راستے میں نہ خیانت کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ''۔

(۳) وَفِی الْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ الَّذِیْ رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاالْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؟ قَالَ قِتَالُ الْکُفَّارِ ۔ (رواہ احمد بحوالہ ڈاکٹر عزام شہیدؒ)

''مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ جہاد فی سبیل اللہ کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کا نام جہاد ہے''۔

(۴) اَلْجِھَادُ بِکَسْرِ الْجِیْمِ اَصْلُہٗ لُغَۃً ھُوَالْمُشَقَّۃُ وَشَرْعًا بَذْلُ الْجُھْدِ فِیْ قِتَالِ الْکُفَّارِ۔

(فتح الباری ج۶ ص ۴)

ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں جہاد کی تعریف اس طرح کی ہے کہ جہاد کسرۂ جیم کے ساتھ لغت میں بمعنی مشقت ومحنت ہے اور اصطلاح شرع میں کفار سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت استعمال کرنے کا نام جہاد ہے۔

(۵) الجھاد استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ۔ (مفردات القرآن ص ۹۹)

''یعنی دین کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا نام جہاد ہے''۔

(۶) الجھاد ھو قھر الاعداء ای المحاربۃ مع الکفار ۔ (شرح شرعہ الاسلام ص ۵۱۷)

''یعنی دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے اور کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے''۔

(۷) الجھاد قتال با دشمنان (قاموس مادۂ ج، ھ، د)

یعنی دشمنان اسلام سے لڑنے کا نام جہاد ہے۔

میرے نوجوان ساتھیو!!

ذرا غور کرکے دیکھو کہ شرعی جہاد کی جن حضرات محدثین نے تعریف کی ہے یا خود حضور اکرمؐ نے

بیان فرمایا ہے ہر جگہ قتال اور لڑنے کا لفظ اس کے مفہوم میں مذکور ہے، ایک طرف یہ صراحت و وضاحت اور دوسری طرف ہماری معذرت کہ چھانٹ کانٹ کر جہاد کو اس طرح گول مول کر کے پیش کرتے ہیں کہ اس مبارک اور مقدس لفظ کا رعب اور اس کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے اور جہاد کا مصداق ایک کونے میں بیٹھ کر چار اطراف سے شکست کو تسلیم کرنا بنایا گیا ہے اور ہر حقیر سے حقیر محنت کو جہاد قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مچھر کے خلاف جہاد ملیریا کے خلاف جہاد، مہنگائی کے خلاف جہاد، بھوک کے خلاف جہاد، اور مکھیوں کے خلاف جہاد، ناخواندگی کے خلاف جہاد وغیرہ وغیرہ۔

جہاد کو اس طرح کمزور کرنے والوں کو کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ کہہ دیں کہ امریکہ کے خلاف جہاد، برطانیہ، فرانس، چین کے خلاف جہاد اور ہندوستان کے خلاف جہاد ہر باطل اور ہر ظالم و جابر کے خلاف جہاد۔ اس کی توفیق ان کو اس لئے نہیں ہوئی کہ یہاں جان کا خطرہ ہے، خون دینے کا مرحلہ ہے قربانی کا جذبہ ہے اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کو کچھ دینا تو جانتے نہیں بس صرف لینے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ قرآن کریم کا حکم ہے ﴿ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم﴾ پہلے تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تب اللہ تمہاری مدد کر کے تمہیں ثابت قدم بنا دے گا۔

جہاد کی قسمیں

قرآن کریم کی جس آیت کو میں نے شروع میں ذکر کیا ہے سورۃ نساء کی اسی آیت نے جہاد کو دو قسموں کی طرف تقسیم کیا ہے اور فقہاء کرام اور محدثین عظام نے اسی آیت کے پیش نظر جہاد کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

جہاد کی پہلی قسم فرض کفایہ۔

دوسرے لفظوں میں اس کو جہاد اقدامی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر اسلام کو عالم میں غلبہ اور شوکت حاصل ہے لیکن وقت کا خلیفہ صرف فریضہ جہاد کو زندہ رکھنے کے لئے کسی علاقہ میں کفار سے مقابلہ کے لئے کسی جماعت کو روانہ کرتا ہے تو یہ قسم اقدامی ہے اور یہ قسم فرض کفایہ ہے اور اس کی چند شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سرپرست کی اجازت ہو (۲) امیر عام ہو (۳) بعض کے ہاں طاقت کا توازن ہو (۴) دعوت الی الاسلام ہو۔

یاد رہے جہاد سے پہلے جس دعوت کی ضرورت ہوتی ہے اور جس پر جہاد موقوف ہوتا ہے اس دعوت کے تین جملے ہیں کافروں سے کہا جائے (۱) اسلام قبول کر لو (۲) ورنہ جزیہ ادا کرو (۳) نہیں تو پھر

قتال کے لئے میدان میں آجاؤ یہ دعوت بھی ان لوگوں کے لئے ہے جن تک کسی طور پر اسلام کی آواز نہیں پہنچی ہو لیکن اگر ان لوگوں تک کسی طرح ایک بار اسلام کی دعوت پہنچی ہو یا نشریاتی ذرائع سے انہوں نے اسلام کا نام سنا ہو تو ان لوگوں کو دوبارہ اسلام کی دعوت دینا ضروری نہیں ہاں میدان جنگ میں اگر مسلمانوں نے ان کو دوبارہ دعوت اسلام دے دی تو یہ مستحب ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی مشرک ایسا نہیں کہ جن تک اسلام کی آواز نہیں پہنچی ہو ہاں اگر دور دراز کی قوم تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور ان سے لڑنے کی نوبت آگئی تو پہلے دعوت دی جائے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جو ممالک مسلمانوں کے پڑوس میں ہوں اور وہ اپنے کفر پر قائم ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری نہیں ہے بلکہ پڑوس میں رہنا کافی ہے ان کو خود معلوم ہے کہ مسلمان کون ہوتے ہیں کیا چاہتے ہیں اور کس بنیاد پر کفار سے لڑتے ہیں۔

ائمہ احناف نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ دعوت پہنچانے کے دو طریقے ہیں، اول یہ کہ کوئی آدمی یا وفد جا کر براہ راست کفار کو اسلام کی دعوت دیدے۔ دوم یہ کہ اسلام مشرق و مغرب میں اتنا مشہور ہو جائے کہ اس کی آواز خود پھیل کر سب تک پہنچ جائے، اول قسم دعوت حقیقی ہے اور قسم دوم دعوت حکمی ہے، جس قسم کی دعوت پہنچ گئی دعوت کا حق ادا ہو گیا یعنی ایک دفعہ دعوت پہنچنے سے دعوت کا وجوبی حق ادا ہو جاتا ہے، آج کل جو رشد و ہدایت اور اصلاح و نصیحت کی دعوت مسلمانوں کے ہاں چلتی ہے یہ جہاد والی دعوت نہیں ہے اور نہ جہاد اس پر موقوف ہے کیونکہ جہاد کا تعلق کفار سے ہے تو اس کی دعوت کا تعلق بھی کفار سے ہے مندرجہ بالا تفصیل رحمۃ الامۃ کتاب میں ہے۔

جہاد اقدامی کی بات آگئی تو یہ بات یاد رکھیں کہ اسلام میں جس طرح جہاد دفاعی ہے اسی طرح جہاد اقدامی بھی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو اگر دیکھا جائے تو چند غزوات کے علاوہ سارے اقدامی ہیں، مثلاً احد و خندق کو چھوڑ کر باقی تمام غزوات میں آپؐ نے اقدام کیا ہے جنگ خندق کے اختتام پر آپؐ نے فرمایا کہ اب ہم ان کفار پر چڑھائی کریں گے اور وہ ہم پر چڑھائی نہیں کرسکیں گے چنانچہ خیبر، بنی مصطلق، ہوازن، مکہ، تبوک اور جزیرۂ عرب کے دیگر غزوات اقدامی ہی تھے بلکہ اگر دیکھا جائے تو خود جنگ بدر میں اقدام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اسی طرح سرزمین شام پر صحابہ کرامؓ کی سینکڑوں جنگیں اور پھر مصر، فارس اور پھر خراسان و کابل بلکہ ملتان تک صحابہ و تابعین کی کاروائیاں سب اقدامی غزوات تھے۔ لہٰذا جو لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں اقدامی جہاد نہیں تھا اور نہ ہے تو یہ لوگ ملحد

اور بے دین ہیں اور یہ لوگ قرآن وحدیث اور صحابہ کرام کی مقدس تاریخ کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ کفار کو کسی نہ کسی طرح تھوڑا فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ اور فقہاء حنفیہ کی دیگر کتابوں کو دیکھا جائے تو سب نے دفاعی جہاد کے ساتھ اقدامی جہاد کو فرض لکھا ہے قرآن تصریح کرتا ہے کہ ﴿**قاتلوهم حتى لاتكون فتنة**﴾ اس وقت تک ان کفار سے لڑو جب تک کہ فتنہ یعنی کفر وشرک باقی ہو، تو جب تک دنیا میں کہیں کفر باقی رہے گا جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ سب لوگ یا مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں تو کفر کا اس طرح تعاقب کرنا اقدام نہیں تو اور کیا ہے؟

اس وقت دنیا میں سرکاری طور پر کہیں بھی جہاد اقدامی نہیں ہے ہر جگہ دفاعی جنگ ہے اور وہ بھی غیر سرکاری ہے البتہ آج کل طالبان نے افغانستان کے اندر اقدام شروع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ اقدامی جہاد وسط ایشیا تک پھیل جائے گا اور اسی کے ساتھ دین اسلام بھی پھیل جائے گا اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے. انھوں نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کی ہیں جو لوگ طالبان سے بغض رکھتے ہیں وہ بدبخت ہیں. جہاد اقدامی کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ "**فَاِنْ لَمْ يَقُمْ بِهٖ اَحَدٌ اَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ**" یعنی اگر جہاد اقدامی اور فرض کفایہ کو تمام مسلمانوں نے ترک کر دیا تو تمام مسلمان گناہ گار ہو جائیں گے.

جہاد کی دوسری قسم!!

جہاد دفاعی ہے اور اس قسم کو جہاد فرض عین کہا جاتا ہے. دفاعی کا مطلب یہ ہے کہ کفار نے کسی مسلم علاقہ پر قبضہ کر لیا یا چڑھائی کر کے مال لوٹا لوگوں کو مارا عورتوں کو قید کر لیا اور مسلمان دفاع کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے یہ جہاد دفاعی ہے یہ ابتداءً علاقے کے لوگوں پر فرض عین ہو جاتا ہے لیکن اگر ان میں مقابلہ کی طاقت نہیں تو رفتہ رفتہ مشرق سے مغرب تک تدریجاً تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے اس میں صرف نفیر عام کی ضرورت ہے نفیر عام کے بعد تمام مسلمانوں کو نکلنا پڑے گا اس قسم کے لئے کسی قسم کی شرط نہیں، ہر شخص بغیر کسی کی اجازت کے میدان میں کود پڑے گا حتیٰ کہ بیوی کو اپنے شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی. اس میں دعوت الی الاسلام بھی ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ یہ عقلاً ونقلاً بے جا ہے کہ ایک شخص کسی مسلمان کے سینہ پر بیٹھا ہے اسکو ذبح کر رہا ہے اور وہ نیچے سے بول رہا ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ، اس قسم کے جہاد کے لئے وجود خلیفہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی بس صرف نفیر عام ہونا چاہئے یہ نفیر عام یا تو وقت کے حاکم کی طرف سے ہوگا اور یا مظلوم مسلمانوں کے ظلم کی خبر جہاں جہاں پہنچ جائے اور سننے والا لڑنے پر قادر ہو تو اس پر جہاد فرض ہو جائے گا۔

بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اگر مشرق میں کسی نے مسلمان عورت کو قید کر لیا تو مغرب تک تمام مسلمانوں پر اس کا چھڑانا فرض ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس طرح تو پورا نظام زندگی معطل ہو کر رہ جائے گا کیونکہ جب سارے لوگ میدانِ جہاد میں کود پڑیں گے تو پیچھے نظام کون سنبھالے گا اسکا جواب فتح القدیر نے یہ دیا ہے کہ فرض عین کا مطلب یہ نہیں کہ ایک ہی وقت میں سارے کے سارے لوگ نکل جائیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک جماعت جہاد کرنے چلی گئی جب وہ واپس آجائے گی تو دوسری جماعت چلی جائے گی اس طرح نظام بھی برقرار رہے گا اور جہاد میں بھی لوگ جاتے آتے رہیں گے فتح القدیر نے اس کی مثال حج کے ساتھ دے دی ہے کہ حج بھی تو مالداروں پر فرض ہوتا ہے اور فرض عین کی صورت میں ایک سال کچھ لوگ جاتے ہیں تو دوسرے سال دوسرے چلے جاتے ہیں بہر حال فرض کفایہ کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بس جانا ہی نہیں چھٹی ہو گئی اور فرض عین کا یہ مطلب نہیں کہ ایک دم سارے کے سارے نکلیں گے جہاد کا فرض کفایہ ہونا یا فرض عین ہونا یہ جہاد کے اپنے خصوصی احوال ہیں کہ کسی وقت فرض عین اور کسی وقت فرض کفایہ ہو جاتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاد فرض ہے چاہے کفایہ ہو یا عین ہو یہ ثانوی چیز ہے پہلے اس کو دیکھنا چاہیئے کہ اسلام میں جہاد فرض ہے اور فرض کا انکار کفر ہے باقی یہ دو قسمیں اس لئے بنیں کہ چونکہ سورت نساء کی آیت ۹۵ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد پر جانے اور نہ جانے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ یعنی ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اسی لفظ سے علماء نے فرض کفایہ کو اخذ کیا ہے کہ بعض اوقات جہاد پر نہ جانے والا بھی معاف رکھا جاتا ہے اور اسے بھی پسندیدہ کہا جاتا ہے اور وہ بھی مقبول بارگاہ الٰہی بن سکتا ہے جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ جہاد کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ اگر اس میں کچھ لوگ نہیں گئے تو ان سے مواخذہ نہیں ہو گا اور یہی رخصت کی نشانی ہے۔ البتہ یہاں ایک اہم بات یہ ذہن نشین کر لی جائے کہ جو لوگ میدان کارزار کی طرف نکل جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی لوگ مجاہدین کہلائے جاتے ہیں گھروں میں بیٹھے رہنے والے چاہے کتنے نیک کیوں نہ ہوں وہ مجاہدین کہلانے کے مستحق نہیں، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ یہاں گھروں میں بیٹھنے والے بعض صحابہ کرام تھے جو اس وقت جہاد میں کسی وجہ سے نہیں جا سکے تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کو قاعدین کے نام سے یاد کیا مجاہدین کے نام سے نہیں کیونکہ مجاہد وہی ہوتا ہے جو کفار سے لڑنے کی غرض سے میدان جہاد میں نکل جائے یہاں بیٹھنے والے صحابہ تہجد گزار شب بیدار اور متقی اور پرہیزگار تھے اور نفس کے ساتھ سخت مجاہدہ کرنے والے بھی تھے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو

مجاہد نہیں کہا، معلوم ہوا ہر عابد مجاہد نہیں ہوا کرتا بلکہ مجاہد وہی ہوتا ہے جو جہاد میں شریک ہو کر میدان میں جائے ثواب حاصل ہونے نہ ہونے کی بات الگ ہے۔

انواع جہاد

ایک حدیث کے پیش نظر بعض علماء مثل امام راغب اصفہانی وغیرہ نے جہاد کی چند انواع کو بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث اس طرح ہے۔

"وعن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ . (ابو داؤد)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے خلاف اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو، چنانچہ اس حدیث میں جہاد کی تین انواع کا ذکر آ گیا ہے۔

اول جہاد بالمال

جہاد بالمال یہ ہے کہ کسی شخص کا مال جہاد کے میدان میں لگ جائے اور اس سے مجاہدین کا اسلحہ اور دیگر ضروریات کا انتظام اور اہتمام ہو جائے یعنی اس مال سے میدان جہاد کو فائدہ پہنچے یہ جہاد بالمال ہے اور اگر کسی شخص نے کسی فقیر کے ساتھ تعاون کیا ان کی مدد کی ان پر خرچ کیا، تو یہ ایک نیک کام تو ہو سکتا ہے لیکن یہ جہاد بالمال نہیں ہے اور نہ اس کو جہاد کہہ سکتے ہیں۔

دوم جہاد باللسان

اسی طرح جہاد باللسان وہ ہوتا ہے کہ زبان کے ذریعہ سے جہاد کی ترغیب ہو، جہاد کی تقریر و تحریر ہو فضائل جہاد کا تذکرہ ہو اور شوق جہاد کے واقعات و حکایات ہوں، جہاد کے متعلق جوشیلے اشعار ہوں، جاندار نظمیں ہوں، کفار کو للکار ہو، ان کو دھمکی ہو، نہ یہ کہ دو گھنٹہ تقریر تو کھانے پینے سونے جاگنے اور چلنے پھرنے کے فضائل پر کی اور پھر فرمانے لگے کہ میں نے جہاد باللسان کیا یہ ایک نیک کام تو ہے مگر جہاد باللسان نہیں ہے۔

سوم جہاد بالنفس

جہاد بالنفس جہاد بالجان ہے یہ وہ جہاد ہے کہ نفس کو جہاد کے میدان میں جھونک دیا جائے اور اس

کو کفار سے لڑنے کے لئے ذریعہ اور آلہ اور واسطہ بنایا جائے بالنفس میں با آلہ پر داخل ہے مطلب یہ کہ نفس لڑنے کے لئے آلہ بن گیا، حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم خود اس نفس کے ساتھ لڑنا شروع کردو اور اس کے ساتھ ریاضت میں لگ جاؤ کیونکہ حضور اکرمؐ کا فرمان اس طرح ہے کہ مشرکین کے ساتھ اس نفس کے ذریعہ سے لڑو اور جہاد کرو تو مقابلہ میں مشرکین ہیں نہ یہ کہ حضورؐ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنے نفس کے ساتھ لڑو یا جہاد کرو اس کے لئے تو یہ لفظ ہونا چاہئے تھا کہ "جاھدوا انفسکم" تم اپنے جانوں کے ساتھ مقابلہ کر کے لڑو جبکہ حضور اکرمؐ نے نفس کے مقابلے میں مشرکین کو لا کھڑا کیا ہے کہ اس نفس کو واسطہ بنا کر کفار سے لڑو، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک حدیث ہے "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے اور بڑا جہاد نفس کی اصلاح کا جہاد ہے اور چھوٹا جہاد کفار سے جہاد کرنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ موضوعات کبیر میں ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ یہ ابراہیم بن علیہؒ کا مقولہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کو "حدیث باطل لا اصل له" فرمایا ہے کہ یہ حدیث باطل بے اصل ہے۔

فتاویٰ عزیزی میں شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ مجھے حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث نہیں ملی اور یہ حدیث اس لئے بھی نہیں ہے کہ اس کی عبارت بھی صحیح نہیں ہے۔

البتہ ایک روایت خطیب بغدادیؒ نے اس سے ملتی جلتی تاریخ بغداد میں ذکر کی ہے لیکن ابن تیمیہ وغیرہ رجال حدیث نے اس کو بھی ضعیف قرار دیا ہے اور اس میں ایک راوی کذاب بھی ہے۔ بہر حال جہاد اسلام کا ایک عظیم رکن ہے اور فرض ہے ہر مسلمان کو اس میں حصہ لینا چاہئے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد تم پر لازم ہے چاہے امیر نیک ہو یا برا ہو، ایک اور حدیث میں ہے کہ جہاد جنت کا مختصر ترین راستہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص جہاد کے لئے نکلا تو اس نے ہر قسم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دی۔

ایک حدیث میں ہے کہ صبح اور شام میں تھوڑے وقت کے لئے جہاد میں نکلنا دنیا اور دنیا کے اندر تمام اشیاء سے بہتر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اسلام کی چوٹی کا بلند حصہ جہاد ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مرا اور اس نے نہ جہاد کیا اور نہ جہاد کا جذبہ رکھا تو وہ نفاق کے شعبہ پر مرا۔ ایک اور حدیث میں ایک شخص کے جواب میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ (تیرے اعمال میں) نہ جہاد ہو اور نہ زکوٰۃ ہو تو تم کس چیز کو لے کر جنت میں جاؤ گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے سوائے

حقوق العباد کے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کی توفیق دے۔ آمین۔

یَـــا اُمَّتِـــیْ وَجَـــبَ الْـــجِهَـــادُ فَشَـــمِّـــرِیْ
فَـــالْـــمَـــوْتُ فِـــیْ سَـــاحِ الْبُـــطُـــوْلَةِ اَرْوَعُ

اے میری قوم جہاد فرض ہو چکا ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ
کیونکہ بہادری کے میدان میں موت عالیشان ہے

وَاِذَا اَرَادَتْ اُمَّـــــــةٌ نَیْـــلَ الْـــعُـــلٰـــی
ضَـــحَّـــتْ وَلَـــوْ اَکْبَـــارُهَـــا تَتَـــقَـــطَّـــعُ

جب کوئی قوم بزرگی حاصل کرنا چاہتی ہے تو قربانی دیتی ہے اگرچہ اس قربانی میں جگر ٹکڑے ہو جائیں

قرآن وحدیث

﴿اِنَّ اللّٰـهَ اشْتَـرٰی مِنَ الْـمُـؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ﴾ (سورت التوبہ ایت ۱۱۰)

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (سورت الصف ایت ۴)

عَـنْ عِـمْرَانَ ابْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِـیْ یُـقَـاتِـلُـوْنَ عَـلَـی الْـحَقِّ ظَاهِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰی یُقَاتِلُ اٰخِرُهُمُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ. (ابوداود ۳۳۶ میر محمد کتب خانہ)

لَـوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَـلَ فِـیْ سَبِـیْـلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ. (بخاری ج ۲ ص ۳۹۲ قدیمی کتب خانہ)

مَـنْ جَهَّـزَ غَـازِیًـا فِـیْ سَبِیْـلِ الـلّٰـهِ فَـقَـدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِخَیْرٍ فَقَدْ غَزَا. (بخاری ج ۱ ص ۳۹۹ قدیمی کتب خانہ)

۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء مصطفیٰ مسجد ہارون آباد کراچی

موضوع
انگریز کی جہاد دشمنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾ (بقرہ ۲۱۷)

''اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر قابو پالیں''۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (بقرہ ۲۱۶)

''فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید کہ تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو''۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرہ ۲۵۱)

''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع کرا دینا ایک دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک، لیکن اللہ جہاں کے لوگوں پر بہت مہربان ہے''۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ

''حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ دین اسلام کے کوہان کی بلند چوٹی جہاد ہے''۔

اسلام کے مجاہد نوجوانو!!

اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ جب دین اسلام کا کوئی حکم لوگوں کے ذہنوں سے نکلنے لگ جاتا ہے اور عوام وخواص کے ہاں اس کے اہتمام میں کوتاہی شروع ہو جاتی ہے اور وہ حکم دین اسلام میں اہم مقام رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ حادثاتی طور پر یا یوں سمجھیں کہ ہنگامی طور پر اس حکم کو زندہ فرما دیتا ہے۔ اور دنیا پر اس حکم کو اس طرح زندہ فرما دیتا ہے کہ ہر طبقہ کا ہر فرد اس کو پہچان لیتا ہے کیونکہ یہ اصول ہر عقلمند کے ہاں مسلم ہے کہ ٹکراؤ کے ساتھ نظریات زندہ رہتے ہیں اور عقائد کی تحقیق وتدقیق اور اس کی بحث وتمحیص ان عقائد کی حفاظت اور زندہ رکھنے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو اجاگر کر

ناہوتا ہے وہاں مقابلہ میں مشرک لوگوں کے بے جان مورتیوں اور اس کی پوجا پاٹ کا ذکر آتا ہے جہاں توحید باری تعالیٰ کو واضح کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں شرک وکفر اور بت پرستی کے تذکرے ضرور آتے ہیں، چنانچہ شاعر ساحر متنبّی نے اپنے شعر میں اسی فلسفہ کو بیان کیا ہے۔

ونذیمهم وبهم عرفنا فضله
وبضدها تتبین الاشیاء

ہم ان حاسدوں کی مذمت بھی کرتے ہیں لیکن ممدوح کی قدر ہم نے انہی حاسدین کی وجہ سے پہچان لی ہے۔
کیونکہ اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے فضائل اسی طرح تقابل کے دوران عام ہوکر سامنے آئے، اسی طرح حضرت علیؓ کی جب مخالفت شروع ہوگئی تو آپ کے فضائل جہاں جہاں کسی کے دل ودماغ میں محفوظ تھے وہ منظر عام پر آگئے بلکہ خود صحابہ کرام کے متعلق جب بعض مریض ذہنوں میں قصور وفتور پیدا ہوگیا اور انہوں نے صحابہ کرام پر مطاعن اور دشنام طرازی کا بازار گرم کیا تو امت کے علماء کرام اور محدثین نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جمع کئے جن کا تعلق صحابہ کرام کے مناقب سے تھا اور اس طرح امت کے سامنے مناقب صحابہ کے متعلق احادیث مقدسہ کے انبار لگ گئے۔ اسی طرح ختم نبوت کے عقیدہ کو لیجئے جب اس میں بعض بدباطنوں نے سلف صالحین کے زمانے میں رخنہ اندازی شروع کی تو محدثین کرام اور مفسرین عظام نے عقیدۂ ختم نبوت کے ہر ہر پہلو کو اس طرح واضح کیا کہ اس میں کوئی تشنگی باقی نہیں رہی، اس طرح قرآنی آیات کی تشریحات واحادیث مقدسہ کے فرمودات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ امت کے سامنے آگیا اور عقیدۂ ختم نبوت ہر لحاظ سے مصون ومحفوظ ومبرہن ہوگیا بالکل اسی طرح اس پچھلی صدیوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم پردۂ نسیان میں چلا گیا اور عوام وخواص کے ذہنوں سے یہ حکم اوجھل ہونے لگا حتی کہ خواص تک اس کے احکام وفضائل اور اس کے اقسام ومسائل اور اس کی تعریفات وتعارف اور اس کی ضرورت واہمیت میں کمزوری دیکھنے میں آنے لگی۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

برصغیر میں انگریز کی آمد

انگریزوں کی پہلی آمد ہندوستان میں ۱۶۰۱ء میں ہوئی تھی۔ یہ آمد محض تجارتی مشن کے تحت شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت میں ہوئی تھی اس کے بعد انگریزوں کو ۱۶۰۸ء میں شہر سورت (ہند) میں تجارتی کوٹھی قائم

کرنے کی اجازت ملی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے سے انگریز نے اجتماعی طاقت پیدا کرلی ۱۶۶۳ء میں انگریز ملعون اس قابل ہوگئے کہ وہ ہر قسم کی دست درازیوں اور اشتعال انگیزیوں پر اتر آئے اور حکومت وقت سے جنگ کرنے کے لئے پر تولنے لگے لیکن چونکہ جہانگیر کی حکومت مستحکم تھی اس لئے انگریز در پردہ سازش تو کرتے رہے کہ کبھی مرہٹوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے اور کبھی کوئی اور سازش سوچتے رہے مگر کھل کر سامنے نہیں آئے جہانگیر کی وفات سے ایک خلاء پیدا ہوگیا لیکن اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت نے اس خلاء کو پر کرلیا اور انگریز کھل کر ہندوستان پر قابض نہ ہوسکے مگر ۱۷۰۷ء میں جب اورنگ زیب عالمگیر نے وفات پائی تو آپ کی وفات سے مغلوں کی حکومت برصغیر پر کمزور پڑگئی کیونکہ نئے آنے والے بادشاہ عیاش پرست بھی ہوئے اور انگریزوں کی سازشوں کی وجہ سے آپس میں دست وگریبان بھی ہوئے، ادھر نادرشاہ ایرانی نے دھلی پر ۱۷۳۸ء میں حملہ کیا جس سے دھلی کی حکومت مزید کمزور ہوگئی، اس وقت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکیں انگریزوں کے خلاف شروع ہوگئیں، چنانچہ سلطان ٹیپو نے انگریزوں سے جنگیں لڑیں اور امیر علی خان انگریز کے مقابلے کے لئے میدان میں کود پڑے لیکن ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو کو شہید کردیا گیا اور اس کے بعد ۱۸۱۸ء میں امیر علی خان نے بھی انگریزوں سے صلح کرلی اس طرح اب انگریزوں کو برصغیر پر مکمل بالادستی حاصل ہوگئی۔ گویا ۱۶۰۱ء میں انگریزوں نے ہندوستان پر قدم رکھا اور دوسو چھپن سال ۱۸۵۷ء تک وہ اس ملک پر اپنے مخصوص قدم جمائے رکھے تھے جس وقت انگریز نے شاہان مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ختم کیا تو انگریز نے راتوں رات ہندوستان کی عدالتی اسلامی نظام کو معطل کیا جبکہ فقہ حنفیہ کی کتاب فتاویٰ عالمگیری ان عدالتوں میں سرکاری حیثیت رکھتی تھی، فارسی زبان چونکہ اسلامی حکومتوں کی سرکاری زبان تھی اس لئے انگریزوں نے اس پر پابندی لگادی اور حکومت کے تمام اداروں میں اب انگریزوں کے قوانین رائج ہوگئے، اسی نقشہ کو شاہ نعمت اللہ ولی صاحبؒ متوفی ۱۶۸ھ نے اپنی عجیب پیشگوئیوں میں پیش کیا ہے۔

شاہ نعمت ولی اللہ صاحبؒ کی یہ پیش گوئیاں سات سوسال پرانی ہیں اور پڑھنے والا جب اس کو پڑھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ واقعات دیکھ کر پھر لکھ دیئے ہیں۔ یہ پیش گوئیاں فارسی اشعار میں ہیں اور کتاب کا نام عظیم پیش گوئیاں ہے اس کتاب میں جنگ عظیم اول اور دوم کا تذکرہ ہے مقتولین کی تعداد کا ذکر ہے، ہندوستان کے بعد ترکوں کی خلافت کے خاتمہ کا ذکر ہے پھر روس کے غالب آنے کا ذکر ہے، پھر افغانوں کے جہاد کا ذکر ہے، پھر ہندوستان پر مسلمانوں کے غلبے کا ذکر بھی ہے۔ عجیب کتاب ہے۔

چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

پس ایں زمانہ آید چوں آخری زمانہ
شہباز صدر بینی از دست رائگانہ

ترجمہ: اس زمانے کے بعد جو زمانہ آئے گا تم دیکھو گے کہ مسلمانوں کا عروج جاتا رہیگا۔

رفتہ حکومت از شاں، آیند بقہر مہماں
اغیار سکہ رانند از ضربِ حاکمانہ

ترجمہ: ولوگ مہمان بن کر آئیں گے وہی سخت دشمن بن جائیں گے اور حکومت پر قبضہ کرلیں گے دشمن اپنا سکہ چلائیں گے۔

نوٹ : انگریز تاجر بن کر انڈیا آیا پھر تجارت کی حفاظت کے لئے اسلحہ حاصل کیا اور پھر حکومت پر ۱۹۴۷ء تک قابض رہے اس کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی شروع ہوگئی۔

قوم نصاریٰ ہرسُو اغوا غلو نمایند
پس ملک او بگیر مکر نداز از بہانہ

ترجمہ: انگریز قوم ہر طرف لوٹ مار اور زیادتی کرے گی اور مکر وفریب سے مسلمانوں کی حکومت چھین لے گی۔

آں را جگانِ جنگی مخمورو مست و بنگی
در ملک شاں فرنگی آیند غاصبانہ

ترجمہ: بہادر مسلمان حکمران شراب اور بھنگ میں مست ہوں گے اور ان کے ملک میں انگریز غاصبانہ طریقے سے تسلط حاصل کرلیں گے۔

قتلِ عظیم سازد از دست او بمیرید
بر قوم ترکمانہ آیند چوں ظالمانہ

ترجمہ: بڑی قتل وخونریزی کریں گے لوگ ان کے ہاتھوں مریں گے اس کے بعد ترکوں پر ان کا غلبہ ہوگا۔

آں مومناں بزاری از جنگ آری آیند
چوں سگ پئے شکاری گیرند بے ایمانہ

ترجمہ: مسلمان جنگ سے عاجز آجائیں گے اور انگریز شکاری کتوں کی طرح ان مسلمانوں کے پیچھے

پڑے ہوں گے۔

جنگ عظیم باشد قتل عظیم سازد
یک صد وسی ویک لک باشد شمار خانہ

ترجمہ: ایک عظیم جنگ ہوگی جس میں عظیم قتل عام ہوگا جس میں ایک کروڑ اکتیس لاکھ جانیں تلف ہوں گی۔

نوٹ: پہلی جنگ عظیم جو مورخہ (۴) اگست ۱۹۱۴ء سے شروع ہوکر ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو گیارہ بج کر گیارہ منٹ پر ختم ہوگئی، برطانیہ نے اس جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا جس نے سوا سال کے بعد اپنی رپوٹ تیار کی اس میں جانی نقصان کی تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ سے زائد اور اکتیس لاکھ کے قریب بتائی ہے۔

بر کوہ قاف بندر روسی شوند حاکم
از خوارزم و خیوہ گیرند تا کرانہ

ترجمہ: کوہ قاف کی بندرگاہ پر بھی روسی حاکم ہوجائیں گے اور خوارزم سے خیوہ اور چترال تک تمام اطراف پر قبضہ کرلیں گے۔

اسلام و اہل اسلام گرد غریب د میداں
در ملک روم و ایران درہند سندھیانہ

ترجمہ: روم وایران اور ہندوستان وسندھ غرض ہر جگہ اسلام اور مسلمان غریب اور پریشاں ہوں گے۔

دوکس بنام احمد گمراہ کنند بے حد
سازند از دل خود تفسیر فی القرآنہ

ترجمہ: احمد نام کے دو آدمی لوگوں کو بہت گمراہ کریں گے وہ من گھڑت طریقے سے قرآن کی تفسیر بیان کریں گے۔

نوٹ: احمد نام کے دو مشہور آدمی جو ہندوستان میں گذرے ہیں اور جنہوں نے تفسیر بھی لکھی ہے ایک تو سرسید احمد خان صاحب ہیں اور دوسرے احمد رضا خان صاحب ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہی دو حضرات مراد ہوں جن کے نظریات قرآن وحدیث سے بہت ہٹ کر ہیں، ادھر ایک اور شخص بھی ہے جس کا نام غلام احمد قادیانی ہے اس نے بھی تفسیر لکھی ہے اور پھر نبوت کا دعویٰ کیا یہ شخص تو بالکل کافر تھا، بہرحال اس پیش گوئی میں یہی لوگ مراد ہوسکتے ہیں۔ واللہ اعلم

پس سال بست ویکم آغاز جنگ دوئم
مہلک ترین زاول باشد بجارحانہ

ترجمہ: جنگ اول کے ۲۱ سال بعد دوسری جنگ عظیم ہوگی جو اپنی جارحانہ نوعیت میں جنگ اول سے زیادہ مہلک ثابت ہوگی۔

نوٹ: یہ دوسری جنگ عظیم تھی جو ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو شروع ہوکر ۹ مئی ۱۹۴۵ء کو ختم ہوئی۔

نصرانیاں کہ باشد ہندوستاں سپارند
تخم بدی بکار نداز فسق و جاودانہ

ترجمہ: انگریز ہندوستان سے چلے جائیں گے لیکن اپنی بدکاری اور برائیوں کے بیج ہمیشہ کے لئے بوجائیں گے۔

نوٹ: انگریز ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے چلے گئے لیکن آپس میں ایک دوسرے کو دشمن بنا کر گئے اور فسادات کے اسباب چھوڑ کر گئے۔

تقسیم ہند گردد در دو حصص ہویدا
آشوب و رنج پیدا از مکر از بہانہ

ترجمہ: ہندوستان کی تقسیم دو حصوں میں ہوگی مکر وفریب سے باہمی رنج پیدا ہوں گے۔

نوٹ!! ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم ہوئی، ایک حصہ کا نام ہندوستان اور بھارت ہے اور دوسرے کا نام پاکستان ہے بڑے فسادات ہوئے دس لاکھ انسان مارے گئے۔

بے تاج پادشا ہاں شاہی کنند ناداں
اجراء کنند فرماں فی الجملہ مہملانہ

ترجمہ: بے تاج حکمران حکومت کریں گے اور بے ہودہ و بے کار احکامات جاری کریں گے یعنی جمہوری نظام رائج ہوگا۔

احکام دین اسلام چوں شمع گشت خاموش
عالم جہول گردد جاہل شود علامہ

ترجمہ: دین اسلام کے احکام چراغ کی طرح بجھنے لگیں گے لوگ عالموں کو جاہل اور جاہلوں کو عالم

تصور کریں گے۔

در مکتب و مدارس علم نجوم خوانند
از علم فقہ و تفسیر غافل شود بے گانہ

ترجمہ: اسکولوں اور کالجوں میں علم نجوم جیسی فضولیات پڑھائی جائیں گی اور فقہ و تفسیر یعنی علوم دینیہ سے لوگ غافل ہو جائیں گے۔

شہر عظیم باشد اعظم ترین مقتل
صد کربلا چوں کربل ہر جا بہ خانہ خانہ

ترجمہ: ایک بڑا شہر سب سے بڑی مقتل گاہ بنے گا اور ہر گھر میں کربلا جیسی سیکڑوں کربلائیں مچ جائیں گی۔

نوٹ: یہ مشرقی پاکستان کے المیہ کی طرف اشارہ ہے جہاں ڈھاکہ شہر میں عظیم خون ریزی ہوئی اور ملک کٹ گیا۔

از غازیانِ سرحد لرزد زمین چوں مرقد
بہرِ حصول مقصد آیند والہانہ

ترجمہ: اس کے بعد سرحد کے بہادر غازیوں سے زمین لرز اٹھے گی وہ لوگ اپنی کامیابی کے لئے دیوانہ وار جہاد میں کود پڑیں گے۔

غلبہ کنند ہم چوں مور و ملخ شباشب
حتیٰ کہ قوم افغاں باشند فاتحانہ

ترجمہ: راتوں رات چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح حملہ کردیں گے یہاں تک کہ افغان قوم فتح حاصل کرے گی یعنی پیدل و شہسوار میدان جنگ میں مقابلہ کے لئے کود پڑیں گے۔

اعراب تیر انداز از کوہ و دشت ہاموں
سیلاب آتشیں را از ہر طرف روانہ

ترجمہ: جنگل پہاڑ اور دشت و بیاباں اور دریا و صحرا سے جنگجو عرب آتشیں اسلحے لئے سیلاب کی طرح امنڈ آئیں گے۔

نوٹ: روس نے جب افغانستان میں جارحیت کی تو عرب و عجم نے مل کر ان کو دندان شکن جواب دیا۔ (اور مستقبل میں بھی ممکن ہے انشاء اللہ)

یک جاشوند افغاں ہم دکنیاں و ایراں
فتح کنند ایشاں کل ہند غازیانہ

ترجمہ: افغانی ایرانی اور بلوچستانی ایک ہو جائیں گے اور یہ لوگ پورے ہندوستان کو غازیانہ شان سے فتح کریں گے۔

پنجاب شہر دلی کشمیر ملک دکن
بازور شہر جموں گیرند غائبانہ

ترجمہ: پنجاب، دہلی، کشمیر، دکن اور جموں کے شہر کو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے فتح کرلیں گے۔

چوں ہندیاں بمغرب قسمت خراب گردد
تجدید یاب گردد جنگ سہ نو بتانہ

ترجمہ: ہندوستان کی طرح یورپ کی بھی قسمت خراب ہو جائے گی اور تیسری جنگ عظیم چھڑ جائے گی۔

بہادر شاہ ظفر کے بیٹے ابوبکر شاہ نے جب مندرجہ بالا اشعار سنے تو جواب میں فرمانے لگے ؎

سنا قاصد نے ''یورپ'' سے پیام جنگ لایا ہے
بحمداللہ کہ اب خون شہیداں رنگ لایا ہے

آمدم برسر مطلب مرزا قادیانی

بہر حال انگریز جب ہندوستان پر واحد فاتح کی حیثیت سے قابض ہوا تو اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی دفاعی لائن اور دفاعی نظام کہاں اور کس چیز میں پوشیدہ ہے، اس چالاک دشمن نے جان لیا کہ مسلمانوں کے پاس ان کی حفاظت اور ان کے دین و دنیا کی حفاظت کے دفاع کا راز جہاد میں پوشیدہ ہے چنانچہ اس عیّار، مکّار دغا رشطّار نے مسلمانوں کی اس دفاعی لائن کو توڑنا چاہا تو اس کام کے لئے اس نے غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کھڑی کرادی اور غلام احمد قادیانی کو جہاد مقدس کو کمزور کرنے کے لئے خوب استعمال کیا، مرزا قادیانی نے جہاد کے خلاف جو کچھ کہا اور جو کچھ لکھا وہ اسکی کی زبانی ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں، خبیث کہتا ہے۔ ؎

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسمان سے نورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۹)

(۲) بعض احمق

''بعض احمق اور نادان یہ سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں، سو یاد رہے کہ ان کا یہ سوال نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا؟'' (شہادت القرآن صفحہ ۸۶)

(۳) میرے مرید

''میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی جہاد کا انکار کرنا ہے''۔ (تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۷)

(۴) سخت نادان بدقسمت اور ظالم

''اور جو لوگ مسلمانوں میں ایسے بدخیال جہاد اور بغاوت دلوں میں مخفی رکھتے ہیں، میں ان کو سخت نادان اور بدقسمت ظالم سمجھتا ہوں''۔ (تریاق القلوب صفحہ ۲۶)

(۵) خدا اور رسول کا نافرمان

''آج سے دین کے لئے لڑنا حرام کیا گیا، اب اس کے بعد جو دین کے لئے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے''۔
(منارۃ المسیح صفحہ ب، ت، ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

(۶) ہرگز جہاد درست نہیں

''میں نے بیسیوں کتابیں عربی فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ (برطانیہ) سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلام میں پہنچائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک پر بھی پڑا ہے''۔ (تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۶۵)

(۷) پچاس الماریاں

میں نے ممانعت جہاد اور انگریز اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔
(تریاق القلوب ص ۲۵)

(۸) ساٹھ برس کی عمر تک اہم کام

دوسرا امر قابل گذارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اہم کام میں مشغول ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کو دور کروں جو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں''۔ (تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۰)

انگریز نے مسلم لباس میں ایک اور منافق کو بھی منتخب کیا اور اس کو سر کا خطاب دے کر سرسید احمد خان بنایا۔ اس نے ہر طرح جہاد کیخلاف زہر اگلا۔ مندرجہ ذیل ایک خط سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں، اس خط میں جو زبان استعمال کی ہے اس طرح کسی انگریز نے بھی استعمال نہ کی ہوگی یہ زبان شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوے کو عملی جامہ پہنانے والے علماء کرام امداد اللہ مہاجر مکیؒ رشید احمد گنگوہیؒ محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ وغیرہم کے خلاف استعمال کی ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی اور مجاہدین کے خلاف سرسید احمد خان کی تحریر۔

مجاہدین کے خلاف سرسید احمد خان کا خط

جو ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا (یعنی جہاد مشہور ہو گیا) اگر ہم اس کو جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش و اصطلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی۔ غور کرنا چاہیئے کہ اس

زمانے میں جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ایسے خراب اور بدرویہ اور بداطور آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ ورنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا بھلا یہ کیونکر پیشوا اور مقتدائے جہاد گنے جاسکتے تھے۔

اس ہنگامہ میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی ۔سب جانتے ہیں کہ سرکاری خزانہ اور اسباب جو امانت تھا اس میں خیانت کرنا (یعنی لوٹ مار کرنا) ملازمین کا نمک حرامی کرنا (یعنی ترک موالات کرنا) مذہب کی رو سے درست نہ تھا۔صریح ظاہر ہے کہ بے گناہوں کا قتل علی الخصوص عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا قتل مذہب کے بموجب گناہ عظیم تھا پھر کیونکر یہ ہنگامہ غدر جہاد ہوسکتا تھا ہاں البتہ چند بد ذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورے کرنے اور جاہلوں کے بہکانے کو اور اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام دے دیا۔پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرام زادگیوں میں سے ایک حرام زادگی تھی نہ واقع میں جہاد۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی جلد ۴ ص ۱۰۸)

ان دو اشخاص کے علاوہ انگریز نے کچھ اور حضرات کو بھی اس کام پر لگا دیا کہ وہ اہل جہاد اور مجاہدین کو بدنام کریں۔ان پر طرح طرح کے مطاعن اور فتوے چسپاں کریں، چنانچہ اہل بدعت حضرات سے اس کام کے لئے ایک جماعت تیار کی گئی اور انہوں نے اہل حق اور جہاد کا جذبہ رکھنے والے حضرات کو بدنام کرنا شروع کردیا۔چنانچہ انگریز نے ان کو ایک لفظ وہابی کا الاٹ کرکے دیا اور انہوں نے اس لفظ کو بے دریغ استعمال کیا اور جو حضرات جہاد سے زیادہ وابستہ تھے ان کو زیادہ نشانہ بنایا گیا۔چنانچہ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور انکے قافلے کو سب سے زیادہ ہدف تنقید بنایا اور مزے کی بات یہ ہے کہ آج بھی کابل کی کٹھ پتلی حکومت مجاہدین کیخلاف زور وشور سے اسی نسخہ کو استعمال کررہی ہے کہ خبردار! وہابی لوگ ہمارے ملک پر قبضہ کے لئے آگئے ہیں۔

ان تمام حربوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے ذہنوں سے لفظ جہاد اور اس کا مفہوم کافی حد تک غائب ہوگیا۔پڑھانے والوں نے پڑھایا، پڑھنے والوں نے پڑھا مگر بے شعوری سے اور جہاد کے ساتھ وابستگی تقریباً ختم ہوگئی اور اس پر مٹی کے انبار لگ گئے ۔کتاب الحیض اور کتاب النفاس کی حیثیت کتاب الجہاد اور کتاب المغازی سے زیادہ حساس اور نمایاں ہوگئی تھی۔پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جہاد چھوٹنے سے مسلمان مجموعی طور پر غلام بن گئے ۔ان کا قانون ناقابل استعمال قرار دیا گیا اور ہر جگہ مسلم امت پر مصائب ٹوٹنے شروع ہوگئے، حالانکہ کل دنیا میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہیں، یعنی ایک

ارب کے قریب اور دوسرے نمبر پر عیسائیت پوری دنیا میں ۵۲ کروڑ ہیں۔ مسلمانوں کی ۴۵ حکومتیں ہیں اور جہاد افغانستان کی برکت سے چھ اور ریاستیں روس سے آزاد ہوئیں۔ دنیا کی ۴۲ فیصد زمین پر صرف مسلمان قابض ہیں اور یہ تناسب بڑھنے والا ہے اور یہ حکومتیں جنگی نقشہ کے اعتبار سے ایسے مرکزی مقام پر واقع ہیں کہ ایک دن میں پوری دنیا کو بری، بحری اور فضائی راستوں سے جام کر سکتی ہیں، دنیا کے ۷۵ فیصد تیل پر صرف مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ یہ ساری قوت اس لئے بے کار ہوگئی کہ مسلمانوں نے اپنے دین سے وابستگی اور پھر جہاد کو چھوڑ دیا۔ آج بھی اگر اس پوری قوت کا رخ کفار کی طرف ہو جائے تو مسلمان امن وعزت کی زندگی سے مالا مال ہو جائیں گے اور آپس کے جھگڑے یکسر ختم ہو جائیں گے۔ اس یاس و ناامیدی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے افغانستان کی سرزمین سے ایک ہنگامہ کھڑا کیا۔ کمیونسٹ انقلاب آیا اور اس کی مدد کے لئے اور مزید آگے بڑھنے کے لئے اور دنیا پر قبضہ جمانے کے لئے بدقسمت روس اپنے آب وتاب کے ساتھ لاؤ لشکر لے کر افغانستان میں داخل ہوا، افغانستان میں اس نے لرزہ خیز مظالم ڈھائے۔ شعائر اللہ اور آثار اسلام کو چن چن کر ختم کیا، مساجد کی بے حرمتی کی، قرآن کریم کی توہین وتحقیر کر کے اسے گولیوں کا نشانہ بنایا۔ مدارس وعلماء کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر اتر آیا۔

الغرض اس نے توہین وتحقیر کی انتہاء کر دی، ادھر سے مسلمانوں کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی اور جہاد کا فریضہ زندہ ہونے لگا۔ ہزاروں پردوں کے پیچھے سے اور انباروں مٹی کے نیچے سے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے شمشیر اسلام ذروۃ سنام الاسلام نمودار ہوا اور معاً نصرت خداوندی دوڑ دوڑ کر پہنچی، ہولناک معرکے ہوئے۔ کفر کے ٹینکوں سے ایمان کی کلہاڑیوں نے ٹکرانا شروع کر دیا، ایمان سے بھرے ہوئے سینوں نے توپ کے گولوں کا فراخدلی سے استقبال کیا۔ عقابی روحوں نے فضاؤں میں بموں کو خوشامدید کہا۔ ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

بڑھ کر خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین ووطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے؟

زمین لرز گئی مگر خوش بھی ہوئی کہ صدیوں کے بعد صحراؤں میں اللہ اکبر کے نعرے گونج اٹھے۔ شہر اور گاؤں اجڑ تو گئے مگر تعمیر نو کے لئے۔ ؎

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں، خیز
لاکھوں شہید ہوگئے لیکن ایک نئی حیات کے لئے
ہزاروں گردنیں کٹ تو گئیں مگر جھکی نہیں
جب کچھ نہ بن پڑا تو ڈبو دیں گے سفینہ
ساحل کی قسم منت طوفان نہ کریں گے

بدمست وبدمعاش کفار کے شر سے مخلوق خدا اور زمین نے آرام کا سانس لیا تب جا کر جہاد کا حکم ظاہر ہوگیا اور اس کی رونق بحال ہوگئی چھوٹا بڑا ہر آدمی بغیر لغوی تحقیق کے جہاد کو پہچاننے لگا کہ ہاں جہاد وہی ہوتا ہے کہ جس کے ذریعے سے دنیا کے وحشی اور درندہ صفت قوموں کو بھی قابو کیا جاسکتا ہے اور سپر پاور کو "سُپرَہ" کر کے صفر پاور میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

اب مسئلہ جہاد واضح ہوگیا، ابواب الجہاد کی نئی الگ کتابی شکل میں تصنیف ہونے لگی، فقہ کے اصول وقواعد کی روشنی میں احکام ومسائل ڈھونڈنے شروع ہوگئے اور قرآنی آیتوں میں فرضیت جہاد کے لئے سینکڑوں آیتیں چمکنے لگیں، علماء اور طلباء نے تلوار کو ہاتھ میں لے کر "**الجنة تحت ظلال السيوف**" کا مستانہ نعرہ لگایا اور مسلمان نوجوان کی اسلام کے ساتھ شعوری وابستگی کا دور شروع ہوگیا اور **سبیلنا سبیلنا الجهاد الجهاد** کی فلک شگاف صدائیں بلند ہوئیں۔

والحمد لله علىٰ ذالک

وصلى الله على خير خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

جنوری ۱۹۹۵ء معسکر حرکت الانصار سلمان فارسی غنڈ افغانستان

موضوع

جہاد اور ہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ فَاِذَاقَالُوْهَا عَصَمُوْامِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّابِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا.

وَقَالَ اَيْضًا رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌمِّنَ الدُّنْيَا وَمَاعَلَيْهَا.

دین اسلام کے مجاھد ساتھیو!! اور عظمت اسلام کے سپاہیو!

میں آج آپ کے سامنے چند باتیں واضح کرنا چاہتا ہوں اور میری کوشش یہی ہوگی کہ آپ جہاد کے متعلق بنیادی باتیں سمجھ لیں۔ میں بیان وتقریر کے فن کا نہ مظاہرہ کرسکتا ہوں اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں اور نہ میں اس وادی کا اہل ہوں البتہ چند حقائق واضح کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات جو میں سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے قرآن عظیم اور احادیث مقدسہ میں سبیل اللہ کا لفظ بار بار استعمال کیا ہے جس کا معنی ہے اللہ کا راستہ، اللہ کی راہ۔

دیکھنے والے اگر دیکھیں تو قرآن کریم نے اس کو تین طرح سے استعمال کیا ہے اسی طرح احادیث مقدسہ میں تین ہی طرح وارد ہوا ہے۔

(۱) **سبیل اللّٰہ** کا پہلا اطلاق عام ہے جو پورے دین پر بولا گیا ہے، جگہ جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا پورے دین پر اطلاق کیا ہے۔ جیسے ﴿ویصدون عن سبیل اللّٰہ﴾

(۲) دوسرا اطلاق خاص ہے جو جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ﴿یقاتلون فی سبیل اللّٰہ﴾

(۳) اس کا تیسرا اطلاق مشترک ہے یعنی جہاد والا معنی میں بھی اور عام معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے **انفاق فی سبیل اللہ** (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) اور انفاق فی سبیل الجہاد (جہاد کی راہ میں خرچ کرنا) عام معنی میں یہ آیت ہے ﴿وَانفقوا فی سبیل اللّٰہ﴾ . اور خاص معنی میں یہ آیت ہے ﴿وانفقو فی سبیل

اللہ و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ﴾

(ترجمہ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو)۔

سبیل اللّٰہ کا عام استعمال تقریباً ۲۶ آیتوں میں وارد ہے۔ مثلاً **یصدون عن سبیل اللہ** یعنی ''یہ کفار اللہ کی راہ سے روکتے ہیں''۔

یہاں سبیل اللہ سے مطلق دین مراد ہے **سبیل اللّٰہ** کے تعدد کی طرف اشارہ خود قرآن میں موجود ہے، ﴿**وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**﴾ سبل سبیل کی جمع ہے یعنی جو لوگ ہمارے دین کے بارے میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھاتے ہیں، اس میں آپ دین کا کوئی سا شعبہ لے سکتے ہیں کہ دین کا فلاں فلاں شعبہ اس کے ماتحت ہے۔ اسی آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ یہاں اس کا اولین مصداق جہاد بالسیف ہے اور اس کے بعد دین کے دیگر شعبوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔

اور **یصدون عن سبیل اللّٰہ** یہ آیت مطلق دین کے بارے میں ہے چاہے نماز سے روکے یا روزہ سے روکے یا کسی بھی نیک کام سے روکے وہ یصدون عن سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہے۔ تو میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ۲۶ آیتیں ایسی ہیں جن میں سبیل اللہ کا لفظ پورے دین پر بولا گیا ہے۔ اس میں یہ احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ جب وہ مطلق ہے تو ہر شعبہ کو شامل ہے پھر اسے کسی خاص شعبے میں بند نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جتنے بھی نیکی کے راستے ہیں وہ سب اللہ کے راستے ہیں چاہے تہجد کی نماز ہو چاہے نفل نماز ہو یا روزہ ہو یا حج ہو یا جہاد و تبلیغ ہو! یہ لفظ سب پر بولا جاتا ہے لیکن کسی ایک کے ساتھ اس کو خاص نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان **یصدون عن سبیل اللّٰہ** (اللہ کے راستے سے روکتے ہیں) یہ کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ نماز، روزہ سے روکے تو یہ بھی اللہ کے دین سے روکنا ہوا، کلمۂ توحید سے روکے یہ بھی اللہ کے دین سے روکنا ہوا۔ وھکذا۔

دوسرا اطلاق: خاص جہاد کے لئے ہے کہ یہ جب بولا جائیگا تو پھر خاص میدان جہاد کے لئے ہوگا اسے آپ عام نہیں کر سکتے۔ کسی اور شعبہ میں استعمال نہیں کر سکتے۔ اس معنی میں **سبیل اللّٰہ** کا لفظ قرآن کریم کی ۳۶ آیتوں میں آیا ہے جو خاص جہاد و قتال کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے ﴿**یقاتلون فی سبیل اللّٰہ**﴾ ''راہ خدا میں لڑتے ہیں'' یہاں پر بھی اطلاق خاص ہے جسے عام نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ کا لفظ مثلاً **جاھد فی سبیل اللّٰہ یجاھدون**

فی سبیل اللہ ،یجاھدون فی سبیلہ صفاً. ایک ساتھ آپ کوان سورتوں میں نہیں ملے گا جو مکہ میں اتری ہیں۔ پورے قرآن عظیم کو الٓمٓ سے والناس تک پڑھ لیجئے یہ اطلاق آپ کو صرف مدنی سورتوں میں ملے گا مکی میں نہیں مل سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کا حکم ہجرت کے بعد آیا تھا تو یہ لفظ ہجرت سے پہلے استعمال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات جاھَدَ کے لفظ کے متعلق میں عرض کر رہا ہوں قتل کے بارے میں نہیں لہٰذا لفظ سبیل اللہ جہاد کے مادہ کے ساتھ آپ کو مکی سورتوں میں مل ہی نہیں سکتا کیونکہ الجہاد فی سبیل اللہ یہ ایک خاص ترکیب ہے اور خاص اطلاق ہے۔ خالص جہاد کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ آپ عربی لغت میں یہ کلمہ نہیں پائیں گے۔ جہاد اور جاھَدَ کا لفظ تو مل سکتا ہے مگر ڈکشنری میں آپ کو الجہاد فی سبیل اللہ کا لفظ نہیں مل سکتا یہ کلمہ خالصتاً شرعی اصطلاح ہے اور آسمان سے اس کا نزول خاص کر جہاد کے لئے ہوا ہے تو یجاھدون فی سبیل اللہ ، جہاد کا لفظ سبیل اللہ کے ساتھ ۳۶ مرتبہ خاص معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی لئے ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں جہاں لغدوۃ فی سبیل اللہ اوروحۃٌ خیرٌ من الدنیاومافیھا (اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے) کی شرح لکھی ہے تو وہاں وہ سبیل اللہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔ ''ای الجھاد'' پھر آگے تصریح کرتے ہیں کہ جب کوئی قرینہ، یا مانع وغیرہ نہ ہو اور مطلقاً سبیل اللہ کا لفظ بولا جائے تو اس کا اولین مصداق جہاد ہے۔

علامہ کوثریؒ نے مقالات کوثری میں اس پر بحث کی ہے اور علیحدہ ایک مقالہ لکھا ہے اور اس میں شوافع، احناف، حنابلہ سب کی کتابوں سے حوالے دے کر آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ جب بغیر قرینہ کے مطلق بولا جائے تو اس کا مطلق مفہوم اور پہلا مفہوم جہاد ہے۔ اور انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اہل شرع کے نزدیک جب ایک لفظ متبادر معنی میں بولا جائے تو وہی متبادر معنی اس کی حقیقت شرعی ہوتی ہے تو لفظ سبیل اللہ کا شریعت میں متبادر استعمال جہاد ہی کے لئے ہے، ہدایہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

صاحب ہدایہ نے جہاں مصارف زکوٰۃ کو ذکر کیا ہے جیسے انما الصدقات للفقراء والمساکین (الخ) تو آگے چل کر جب وفی سبیل اللہ کے لفظ پر پہنچتے ہیں کہ زکوٰۃ ان لوگوں کو دی جا سکتی ہے جو اللہ کے راستے میں ہوں تو اس کی تشریح میں فرماتے ہیں ای منقطع الغزاۃ لانہ المتفاھم عند الاطلاق یعنی وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد میں جا رہے ہوں اور راستے میں سفر کا خرچہ وغیرہ ختم ہو گیا ہو کیونکہ سبیل اللہ جب مطلق مذکور ہو تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے بہر حال فقہائے حنفیہ کا یہ فتویٰ ہے کہ غازی مالدار ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے البتہ اگر غریب ہو تو افضل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ پانچ آدمی ایسے ہیں کہ مالدار ہوتے ہوئے بھی ان کوزکوٰۃ دی جاسکتی ہے اوران میں سے ایک المجاہد فی سبیل اللہ ہے۔یہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہےتو غازی مالدار ہو یا غریب دونوں حیثیتوں سے مستحق زکوٰۃ ہے تاہم بعض فقہائے حنفیہ کی ایسی عبارات ملتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر آپ نے غریب غازی کوزکوٰۃ دی تو یہ مالدار غازی کو دینے سے بہتر ہے البتہ دینا سب کو جائز ہے پھر آگے اس کی وجہ بھی بتلاتے ہیں جیسے روح المعانی میں اس کی توجیہ ذکر کی ہے کہ اگر آپ بغیر تردد کے دینا چاہتے ہیں تو نکلے ہوئے مجاہد کو دیدیں جو غازی بھی ہے اور مسافر بھی ہے جو اصناف زکوٰۃ میں سے مستقل صنف ہے جب یہ سفر میں ہے اور مال، جائداد اپنے علاقے میں چھوڑ چکا ہے،تو آپ اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

بہرحال اس لفظ کا فقہاء وشارحین حدیث کی اصطلاح میں اور قرآن عظیم کے اطلاق میں پہلا مصداق مجاہدین ہیں،اس کے بعد موقع اور محل کے اعتبار سے یا کسی قرینہ کے تحت اس کا اطلاق مطلق دین پر بھی ہوا ہے اس لفظ کا تیسرا اطلاق مشترک ہے کبھی جہاد کے ساتھ خاص کیا گیا اور کبھی دوسری نیکیوں پر بولا گیا ہے جیسے **ینفقون فی سبیل اللہ** ۔اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن دوسری جگہ جو آیا ہے ﴿**وانفقوا فی سبیل اللہ ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** ﴾۔اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

یہ آیت ایک تابعی نے اس وقت پڑھی جب ایک صحابی نے کفار کے بھرے مجمع میں اپنے آپ کو گھوڑے سمیت ڈال دیا تابعی نے کہا کہ قرآن تو کہتا ہے **ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** (اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو) اورانہوں نے آنکھ بند کر کے کفار کے جمگھٹے میں چھلانگ لگادی تو صحابی نے فوراًان کوٹوکا اور کہا تم نہیں جانتے ہو،یہ آیت اوراس کا مفہوم ہم جانتے ہیں کیونکہ یہ ہم انصار پراتری ہے جب یہ آیت اتر رہی تھی تو ہم موجود تھے اور ہوا یہ کہ جب دین اسلام کوایک حدتک اللہ تعالیٰ نے غلبہ دے دیا تو انصارؓمیں سے بعض صحابہ کرامؓ نے یہ سوچا کہ اب اسلام کوغلبہ دلانے والے اس میدان کے کارندے بہت ہوگئے ہیں۔اب ہم اپنے اموال کی دیکھ بھال کرلیں گے اوراس کی اصلاح کریں گے اب اگر ہم مال خرچ نہ بھی کریں تو بھی کوئی حرج نہیں۔کام کرنے والے اور میدان کوسنبھالنے والے بہت ہوگئے ہیں لہٰذا وہ سستی کی طرف مائل ہونے لگے تو فوراًیہ آیت اتری کہ اللہ کے راستے جہاد میں خرچ کروتو یہ آیت جہاد کے ساتھ خاص ہے کہ جہاد میں مال خرچ کرو اور اگر نہیں کیا تو ہلاک ہوجاؤ گے۔وہ کیسے؟اس کی وضاحت میں یوں کرتا ہوں کہ مثلاً ہم اور آپ لوگ یہاں ہیں۔ہم کراچی یا دیگر علاقوں سے یہاں آئے ہیں۔یہاں تک پہنچنے اور یہاں رہنے کا جونقشہ ہے اس میں ہرجگہ مال کا مسئلہ لازماً آتا ہے،ہم نے یہاں آکر جان تو پیش

پڑی لیکن یہاں آنے کے لئے سب سے پہلے کرائے کی ضرورت ہے۔ پھر گاڑی کی پھر خورد و نوش کی پھر سر چھپانے کے لئے جگہ پھر ٹریننگ کے لئے اسلحہ اور گولیوں کی ضرورت ہے اساتذہ کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ ہر مرحلہ مال کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر انفاق فی سبیل اللہ بند ہو گیا تو یہ پورا نظام ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ ایک مجاہد کے پاس جب سواری نہ ہو تو وہ میدان میں کیسے پہنچے گا؟ اور جب اس کے پاس بندوق نہ ہو تو وہ کیسے مقابلہ کرے گا جب مقابلہ نہیں کرے گا تو میدان کارزار خالی رہ جائے گا اور کفار آ کر حملہ کر دینگے اور سب کو ہلاک کر دینگے یہ مطلب ہوا ﴿ولا تلقوا بایدیکم﴾ کا یعنی خرچ نہ کر کے ہم نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالدیا تو سبیل اللہ کا مشترک اطلاق جو کبھی عام معنی میں اور کبھی خاص جہاد پر ہوا ہے اس کے لئے قرآن کریم میں کل سات مقامات ہیں، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ سبیل اللہ کا اطلاق ۲۶ جگہ مطلق آیا ہے۔ سات جگہ مشترک آیا ہے جبکہ ۳۶ جگہ جہاد کے ساتھ خاص ہو کر آیا ہے۔

لہٰذا اس حوالے سے میں اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ ''اللہ کی راہ'' اس لفظ کا سب سے اولین مصداق شریعت مطہرہ میں (فقہائے کرام کی تصریح اور شارحین حدیث کی تشریح کی روشنی میں) جہاد کا راستہ ہے اسکے بعد یہ مطلق دین پر بھی بولا گیا ہے اور مشترک بھی استعمال ہوا ہے۔

اگر یہ بات کافی حد تک آپ کی سمجھ میں آ گئی تو آپ دیگر چیزیں بھی سمجھ لیں گے۔ دوسری بات جو میں عرض کروں گا وہ یہ کہ اس وقت جو مسلمانوں کی طاقت وحیثیت ہے وہ بہت بڑی اور عظیم الشان طاقت ہے، اس کے باوجود مسلمان ہر جگہ مار کیوں کھا رہا ہے؟ اور غلامی کی زندگی کیوں بسر کر رہا ہے؟ میں پہلے مسلمانوں کی طاقت کے بارے میں عرض کروں کہ افرادی قوت کے اعتبار سے مسلمان پوری دنیا میں ایک ارب سے تجاوز کر چکے ہیں اور ان کی تعداد سوا ارب کے قریب ہے چلیں سوا ارب نہ سہی ایک ارب کہہ دیں یا اسی کروڑ یا ساٹھ کروڑ کہہ دیں پھر بھی مسلمان ایک بڑی اکثریت ہے عیسائیوں کے بعد مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے مگر انہوں نے سوا ارب مسلمانوں کو غلام بنا رکھا ہے وہ آقا بنے ہوئے ہیں اور ہم غلام! اگر آپ حکومتوں کا موازنہ کریں تو مسلم حکومتیں ۵۴ ہیں جو دیگر مذاہب کی حکومتوں کی تعداد سے بڑھ کر ہیں چاہے عیسائی ہوں یا یہودی، چاہے ہندو ہوں یا دیگر اقوام، پھر یہ مسلم حکومتیں جغرافیائی اعتبار سے زمین کے ایسے خطہ میں واقع ہیں کہ اگر پوری دنیا کو جام کرنا اور بند کرنا چاہیں تو ایک دن میں بحری و بری اور فضائی تمام راستے مسدود کر سکتی ہیں اگر آپ جغرافیہ دانوں سے پوچھیں تو جس مرکزی مقام میں اسلامی ممالک واقع ہیں وہ باقی دنیا کے لئے بمنزلہ شہ رگ کے ہیں۔ پھر اقتصادیات کے حوالے سے دنیا میں اسی

ملک کا جھنڈا بلند رہتا ہے جو وافر مقدار میں ''سیاہ سونا'' رکھتا ہو جس کے پاس سیاہ سونا نہ ہو وہ پیچھے رہ جاتا ہے ۔سیاہ سونے سے مراد تیل اور پٹرول (معدنیات) ہیں اس لحاظ سے زمین کا ۷۵ فیصد تیل مسلم ممالک کی ملکیت ہے۔رقبہ کے لحاظ سے زمین کا بیالیس فیصد زمین مسلمانوں کے زیر تسلط ہے۔باقی حصے پر دیگر اقوام آباد ہیں تو روئے زمین پر ان کی حکومتیں زیادہ، ان کی اقتصادی حیثیت سب سے مستحکم پھر بھی یہ غلام؟ اس چیز کو سمجھنے کے لئے ایک صاحب درد صحافی نے ایک کتاب لکھی ہے میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی مگر ایک بڑے عالم سے سنا ہے کہ اس جوان نے خواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور پوچھا کہ اے صدیق !یہ تو بتادیں کہ ہر لحاظ سے ہم زیادہ ہیں پھر بھی ہر جگہ غلام کیوں ہیں، پٹ کیوں رہے ہیں؟ تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جس طریقہ کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا جب تک اسے نہیں اپناؤ گے ذلیل رہو گے اور وہ طریقہ جہاد ہے۔

صدیق اکبر ہی کا ایک مشہور قول ہے **"ماترک قوم الجهاد الاوقد ذل"** ''جس قوم نے بھی جہاد کو چھوڑا تو وہ ذلیل ہو گئی''۔اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے

اذاتبايعتم بالعينة واتبعتم الزرع واخذتم بأذناب البقروتركتم الجهاد سلط الله عليكم الذلة.

''جب تم کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاؤ گے اور بیلوں کی دُموں کو پکڑ لو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا''۔

ٹھیک ہے،ہم اور آپ جانتے ہیں کہ ہم گناہ گار ہیں اور ہمارے اعمال کمزور بھی ہیں لیکن یہ گناہ گار مسلمان اتنا گیا گذرا بھی تو نہیں ہے کہ ایک کافر،مشرک ،ملحد،دہریے کے مقابلے میں نہ آسکے جبکہ یہ گناہوں کا اقرار بھی کرتا ہے نادم بھی ہے تو کیا یہ کافر مشرک کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مسلمانوں کی ذلت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو غلبہ والی چیز تھی وہ مسلمانوں نے چھوڑ دی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تداعی علیکم الامم** الخ یعنی دیگر قومیں تم کو تر لقمہ سمجھ کر ایک دوسرے کو بلائیں گی تو صحابہؓ نے پوچھا کیا ہم تھوڑے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں تم بہت زیادہ ہو گے مگر تم میں دو چیزیں آجائیں گی جس کی وجہ سے تم پانی کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں سے نکال دے گا اور وہ دو چیزیں یہ ہیں ''**حب الدنيا و كراهية الموت**'' یعنی دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ گے اور اس کے بعد موت کو بھی ناپسندیدہ اور مکروہ سمجھنے لگو گے جیسا کہ ''**عسى ان تكرهوا شيئاً وهو خير لكم**'' میں اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ بزدل پڑ جاؤ گے ۔میدان جہاد میں آگے

نہیں جاؤ گے اور موت سے ڈرنے لگو گے اس کے نتیجے میں جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے۔ جدہ میں ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد تقویٰ ہے وہاں پر دنیا کا نقشہ ایک بڑے بورڈ پر دکھایا گیا ہے جس کے اوپر کے حصے سے پائپ کے ذریعے سے خون ٹپکتا ہے نیچے شیشے کی بوتل رکھی ہوئی ہے اوپر سے خون ٹپک رہا ہے اور نیچے ہر قوم کا نام لکھا ہوا ہے تو کسی قوم کا خون کم گرتا ہوا دکھایا گیا ہے اور کسی کا زیادہ، تو سب سے پہلے یہود کا خون دکھایا گیا ہے، اس میں بڑی دیر کے بعد خون کا معمولی قطرہ ٹپکتا ہے جس سے بوتل میں معمولی سی سرخی نظر آرہی ہے لیکن خون جمع نہیں ہوا۔ پھر عیسائیوں کا خون دکھایا گیا ہے وہ یہود سے کچھ زیادہ ہے مگر حقیقۃً وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے بعد بدھ مت والوں کا خون اس سے کچھ زیادہ گر رہا ہے مگر اس قدر وافر مقدار میں نہیں کہ بوتل بھر جائے۔ اس کے بعد چوتھے نمبر پر مسلمان کا خون دکھایا گیا ہے اور لکھا بھی ہے "**ھــذادم مســلــم**" یہ مسلمان کا خون ہے، تو مسلمان کا خون ایک ڈرم میں دکھایا گیا ہے (جو الٹا رکھا ہوا ہے) اور اسی سے فوارے کی شکل میں خون بہہ رہا ہے اور نیچے کی پوری زمین سرخ ہے وہاں تو صرف نقشہ ہے مگر واقعی حقیقت بھی یہی ہے جہاں دیکھو وہاں مسلمان کا خون بہایا جا رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی یہ فرما چکے ہیں کہ اس عمل جہاد کو چھوڑو گے تو ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

میں پھر عرض کروں کہ اعمال کے اعتبار سے ہم کمزور سہی لیکن وہ اصل چیز جسے ہم نے چھوڑ رکھا ہے وہ جہاد ہے اس کا جو لازمی نتیجہ تھا وہ سامنے آ گیا کہ ہم اجتماعی طور پر ذلت سے دوچار ہوئے ورنہ صحابہ کرام کے اعمال کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ وہ سو فیصد درست تھے اس کے بعد بھی آپ بتائیں کہ دنیا کا کون سا ملک خود بخود ٹوٹا ہے؟ صحابہ کرام کے سامنے بغیر جہاد اور تلوار کے کون سا ملک زیر ہوا ہے؟ آپ خود بتائیں؟ صرف مدینہ منورہ کے ایک شہر میں چھ بڑی جنگیں ہوئی ہیں جو مدینہ کے دفاع اور آزادی کے لئے تھیں۔

مکہ مکرمہ میں صحابہ آپ علیہ السلام کے ساتھ سو فیصد اعمال والے رہ رہے تھے لیکن وہاں بھی ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو اگر یہ فلسفہ ہے کہ سو فیصد اعمال بنا لو یہ کفار خود بخود اڑ جائیں گے مٹ جائیں گے اور پٹ جائیں گے تو پھر مکہ مکرمہ میں کفار کو ختم ہونا چاہئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مجبور کر دیا کہ آپؐ رات کو خفیہ طور پر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دن کو نہ نکل سکے۔ اسی طرح صحابہ کرام کو ہجرت کرنی پڑی لیکن مدینہ میں یہی اعمال تھے جب جہاد کا حکم آیا اور اسلامی ڈھانچہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد مقدس کا پرزہ جوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ دیکھیں کہ پورا جزیرۂ عرب اسلام

کے تحت آ گئے، پھر وہی مکہ ہے کہ آٹھ سال بعد آپ علیہ السلام دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ آ رہے ہیں۔

ابوسفیان کا سر جھکا ہوا ہے اور وہ نیچے کی طرف دیکھ رہا ہے (یہ اس وقت تک مشرک تھے) حضرت عباسؓ نے نبی علیہ السلام کے روبرو ان کو پیش کیا اور فرمایا کہ یہ قوم کا سردار ہے مسلمان نہیں ہوا مگر کچھ اعزاز مانگتے ہے لہذا کچھ نہ کچھ اعزاز دے دیں۔ عمر فاروقؓ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا۔ خدا کا دشمن کہاں چلا آیا ہے۔ میں ابھی اس کی گردن اڑا دیتا ہوں تو حضرت عباسؓ نے فرمایا عمر! ذرا صبر کرو دیکھتے نہیں حضور کی اونٹنی پر سوار ہے (یہ اونٹنی حضرت عباسؓ لے گئے تھے) ابوسفیان جب حضور علیہ السلام کے سامنے جا کر بیٹھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا! الہ الا اللہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ابوسفیان وہی شخص تو تھا کہ احد کی عارضی فتح کے بعد اس نے کہا أعــل هبــل اعــل هبــل (ھبل بلند ہے) ھبل زندہ باد! یہ ھبل بیت اللہ میں رکھا ہوا سب سے بڑا بت تھا تو آپ علیہ السلام نے صحابہؓ سے فرمایا تم نعرہ لگاؤ اللہ اعلی واجل اللہ اعلی واجل، اللہ تعالی بلند و بالا ہے، اللہ تعالی بلند و بالا ہے۔ لیکن اس نے چونکہ عارضی فتح پالی تھی لہذا مشرکانہ نعرہ تو اس نے لگانا ہی تھا۔ پھر حضور علیہ السلام کے جواب میں اس نے کہا لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم ہمارا تو عزیٰ ہے جبکہ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لنا مولی ولا مولی لکم ہمارا تو کارساز ہے جبکہ تمہارا کوئی کارساز نہیں۔

یہی ابوسفیان ہے آج فتح مکہ کے دن اپنا سر جھکایا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بتاؤ کیا خیال ہے کہنے لگا لا الہ الا اللہ کے بارے میں تو سینہ کھل گیا ہے کہ کوئی دوسرا معبود نہیں کیونکہ جن کو ہم حاجت روا مشکل کشا مانتے تھے اگر یہ حاجت روا مشکل کشا ہوتے تو ہماری کچھ مدد کرتے۔ معلوم ہوا کہ حاجت روا مشکل کشا اللہ کے سوا کوئی نہیں، آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا، محمد رسول اللہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ابوسفیان بہرحال ابوسفیان تھے زبان اور دل ایک تھا سخت لوگ تھے، کہنے لگا اس کے بارے میں ابھی تک شبہ ہے، میرا دل کھلا نہیں ہے، حضرت عباسؓ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا ابوسفیان خاموش ہو جا! عمرؓ سن رہا ہے مار دے گا مگر انہوں نے دل کی بات کہہ دی پھر عرض کیا کہ میں امن مانگنے آیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امن دیتا ہوں جو تیرے گھر میں داخل ہوا وہ امن میں ہے اس نے کہا میں تو پورے مکہ کے لئے آیا ہوں میرے گھر میں کتنے آدمی آ سکتے ہیں سو آدمی بھی نہیں سما سکیں گے یہ نامکمل امان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حرم میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے اس نے کہا کہ حرم میں بھی اتنے زیادہ لوگ نہیں آ سکیں گے (حرم آج کل کی طرح اتنا وسیع تو تھا ہی نہیں) امن میں مزید وسعت ہو، آپ علیہ السلام نبی

رحمت نے فرمایا: **من القی السلاح فھو امن و من اغلق علیه الباب فھو امن** ۔جس نے اسلحہ رکھ دیا وہ امان میں ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا وہ امن میں ہے۔ابوسفیان کہنے لگا اب امن مکمل ہے اور وہاں سے واپس چلا آیا۔

آپ علیہ السلام مکہ میں یہ آیت پڑھتے ہوئے داخل ہوئے، ﴿**جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا**﴾ آنحضرت علیہ السلام کے سر مبارک پر خود تھا، سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔بغیر احرام کے مسلح ہو کر اونٹ پر سوار تھے، نیزے یا لاٹھی سے بتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ فوراً منہ کے بل گر جاتے تھے۔

یہ بھی ایک حالت تھی پہلے بھی ایک دور تھا آخر وہ کونسا پرزہ تھا جو اسلامی ڈھانچے میں جڑ گیا جس کی بدولت یہ عزت ورفعت حاصل ہوئی۔وہ یہی جہاد کا مسئلہ تو تھا جس کے چھوڑنے سے قومیں ذلیل ہوتی ہیں اور جسے اپنانے سے معزز بن جاتی ہیں۔میں پھر عرض کروں صحابہ کرام کے اعمال سو فیصد درست تھے مگر کوئی بھی ملک بغیر اسلحہ اٹھائے نہیں ٹوٹا، مکہ مکرمہ میں بھی لڑائی ہوئی ہے۔

مکہ میں باب الحارۃ کے پاس خالد بن ولیدؓ نے بڑی تلوار چلائی ہے اور حضور علیہ السلام بھی جبل کدا کے راستے سے داخل ہوئے ہیں اس معرکہ میں کچھ صحابہ کرام شہید بھی ہوئے ہیں اور کئی کافروں کو بھی مارا گیا ہے، اس کے بعد فتح مکمل ہوئی ہے۔

مکہ میں ابن خطل (یہ وہ ملعون ہے جس کے بارے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جہاں ملے قتل کردو) بیت اللہ کے پردوں میں چھپ گیا تھا اور نیچے سے منہ نکال کر دیکھنے لگا کہ کوئی مجھے مارنے تو نہیں آیا، اس کا یہ خیال تھا کہ یہاں میں بچ جاؤں گا، ایک شخص نے آ کر بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ "**ان ابن خطل متعلق بأستار الکعبة**" ابن خطل خانہ خدا کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے آپؐ نے فرمایا "**اذھب اقتله**" جاؤ اسے قتل کردو، چنانچہ جب انہوں نے اسے قتل کیا تو حدیث کے الفاظ ہیں کہ اس کے خون کے چھینٹے بیت اللہ کی دیوار پر گرے، یہ ایک دن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو خصوصی اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ زمین حرم میں لڑو،۔تو ان نفوس قدسیہ کے مقابلے میں جب بغیر مقابلہ کے کوئی ملک نہیں ٹوٹا تو ہم گناہ گاروں کے سامنے بغیر مقابلے کے کیونکر ٹوٹے گا؟

اس نظریئے کا تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ صرف انتظار میں بیٹھو کہ چند محنتیں اور ریاضتیں کرو ہندوستان خود بخود ٹوٹ جائے گا، یہ فلفسہ نہ اسلام نے پیش کیا ہے اور نہ اسلام میں اس کی گنجائش ہے، میں آپ

کو بتاؤں حج میں چالیس لاکھ کے قریب مسلمان عرفات میں الحاح وعاجزی سے کشمیر کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور ہندوؤں کے لئے بددعا بھی کرتے ہیں لیکن کیا اس کے نتیجے میں ایک بھی ہندو ایک انچ پیچھے ہٹا ہے؟ یا سرینگر میں کسی نے کہا ہے کہ بھائی چالیس لاکھ مسلمان عرفات میں دعا کر رہے ہیں لہٰذا ہم پیچھے ہٹ جاتے ہیں؟ لیکن یہاں ایک چھوٹا سا مجاہد ٹرائیگر پر انگلی دباتا ہے اور فائرنگ کرتا ہے تو کفار کی پوری فوج ہٹ جاتی ہے، یہ ایک نسخہ ہے جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے کہ کافر روحانی طاقت کو نہیں مانتا، لاکھ دعائیں کرو مگر یہ نہیں مانتا کچھ ٹھکائی کرو تو فوراً سمجھ جاتا ہے۔

حضور اکرمؐ نے دس سالہ مدنی دور میں خود ستائیس جنگوں میں حصہ لیا اور ۵۶ چھاپہ مار کارروائیوں میں صحابہ کرام کو بھیجا اس حساب سے گویا کل ۸۳ جنگیں مدینہ منورہ کے دس سالہ دور نبوت میں ہوئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد صدیق اکبرؓ نے جہاد کے اس عمل کو جزیرۂ عرب سے باہر ملک شام تک پھیلا دیا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس مقدس عمل کو مزید وسعت دیکر شام کو مکمل فتح کر کے مصر اور پھر فارس وعراق تک کے تمام ممالک کو فتح کرلیا، پھر عثمان بن عفانؓ نے فارس کے بقیہ علاقے فتح کرلئے اور جہاد کا دائرہ افریقہ تک وسیع کر دیا۔ الغرض حضور اکرم علیہ السلام کے بعد آپ کے صحابہ نے اس مہم کو فارس شام اور مصر کی طرف پھیلا دیا۔

یہ کابل ہے ہمارے بالکل قریب واقع ہے یہاں تک صحابہ کرامؓ پہنچے ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ جو بالکل جوان صحابی تھے جب حضور علیہ السلام کے بعد یہ مقدس جنگیں پھیل گئیں تو یہ کابل کے مہم میں امیر الجیش تھے، اس وقت افغانستان کا اصل نام کابل تھا افغانستان بعد میں بنا ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام کے چچا ابوطالب نے اس زمانے میں کابل کا نام لیا ہے، اپنے اشعار میں کفار اور مشرکین مکہ کے ظلم وجبر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں " وسدوا علینا طرق ترک و کابل"

ان قریش نے ہم پر کابل اور ترک کے راستے بھی بند کر دیئے ہیں کہ ہم وہاں بھاگ جائیں اور یہاں ہمیں شعب ابی طالب میں بند کر رکھا ہے، اس سلسلے میں ابوطالب کا ایک لمبا قصیدہ ہے، یہ خود تو مسلمان نہیں ہوئے لیکن حضور علیہ السلام کی حمایت میں باقاعدہ مہم چلائی اور ذرہ برابر بھی سستی نہیں دکھائی بلکہ آگے آگے رہے اور اپنے خاندان کو حضور علیہ السلام کی حمایت میں اکٹھا رکھا جس کی وجہ سے پورا خاندان چاہے مسلمان ہوں یا کافر (سوائے ابولہب کے) شعب ابی طالب اور شعب ابی ہاشم میں اکٹھے مقید تھے بہر حال حضور علیہ السلام نے جزیرۂ عرب اور صحابہ کرام نے چار دانگ عالم میں اس جہاد مقدس کا علم بلند کیا۔

انہی عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے فتح کابل کے موقع پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور فرمایا کہ ’’اگر مال غنیمت کی ایک رسی بھی چرائے یا ایک چھوٹا سا کپڑا بھی ضائع کرے تو روز محشر یہ رسی اور کپڑے کا ٹکڑا جہنم کی آگ بن جائے گا اور اس آدمی کو جلائے گا‘‘ ابوداؤد اور بخاری میں فتح کابل کا قصہ ہے۔

الغرض دنیا کا وہ کونسا خطہ ہے جہاں صحابہ کرام کا مقدس خون نہیں گرا ہو تو کیا یہ صحابہ چیونٹیوں کی طرح بے وقعت تھے کہ چلتے رہے اور لوگوں کے پیروں تلے کچلے جاتے رہے اور مؤرخین لکھتے رہے کہ فلاں صحابی فلاں جگہ شہید ہوئے اور فلاں صحابی فلاں جگہ شہید ہوئے، ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے صحابہ نے ہزاروں کا تنہا مقابلہ کیا ہے اور میدان کارزار میں اترے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کفار نے جب صحابہ کے خوبصورت چہروں کو معاف نہیں کیا تو ہمارے اور آپ کے چہروں کو کیوں کر معاف کریں گے؟

جہاد مقدس کے متعلق چند شبہات

اس میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تمہارے پاس امیر نہیں ہے اور جہاد کے لئے پہلے حکومت ہونی چاہیئے امیر ہونا چاہیئے! میں بھی کہتا ہوں کہ جہاد کے لئے حکومت اور امیر ہونا چاہیئے، طریقہ تو یہی تھا کہ کوئی اسلامی ملک جہاد کی سرپرستی کا اعلان کرتا اور پوری دنیا پر حکمران بن جاتا، یہ آپ کا اور ہمارا پاکستان اگر آج بھی جہاد کی سرپرستی شروع کردے تو پوری دنیا پر حکمران بن سکتا ہے لیکن یہ لوگ جہاد کی سرپرستی نہیں کر رہے ہیں۔ دیکھیئے آج سے کوئی ڈیڑھ صدی قبل شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک مہم چلائی لیکن چونکہ پیچھے مرکز نہیں تھا اس لئے کماحقہ، مدد اور سپورٹ نہیں مل سکی، وہ ایک حد تک تو چلے گئے مگر جب وہ شہید ہو گئے پھر یہ سارا معاملہ جام اور بند ہو کر رہ گیا اس لئے کہ ان کے پیچھے کوئی ایسی باقاعدہ حکومت نہیں تھی جو ان کی مدد کرتی اور جہادی سلسلہ کو جاری رکھتی۔

اسلام میں تو یہی طریقہ ہے کہ اگر ہزاروں کی تعداد بھی شہید ہو جائے تو پیچھے سے باقاعدہ مرکز ہوتا ہے جہاں سے دوبارہ آدمی بھیجے جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں اور بعد میں بھی ایسا ہی مرکز تھا، مدینہ طیبہ کے بارے میں حدیث ہے کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ ایسے شہر کی طرف ہجرت کرو کہ ’’تاکل القریٰ‘‘ جو دوسرے شہروں کو کھا لینے والا ہے‘‘ تو اگر مدینہ میں کوئی حکومت جہاد کا اعلان کردے تو وہ پوری دنیا کو اپنے ماتحت کر سکتی ہے مگر مسلم حکمران اس چیز کو سمجھتے نہیں ہیں اور بین الاقوامی طور پر ان پر یہ پابندی ہے کہ مذہبی بنیاد پر جنگ لڑنا ممنوع ہے (یہ بات اقوام متحدہ کے چارٹر میں لکھی گئی اور سب ممالک نے اس پر دستخط کئے ہیں) اب مذہب کی بنیاد پر تو صرف مسلمان ہی

لڑتے ہیں، دوسری قوموں کے پاس تو مذہب ہی نہیں ہے، جب مذہب کی بنیاد پر لڑنا ممنوع ٹھہرا اور ہمارے حکمران اس کو تسلیم بھی کر چکے ہیں، تو ان سے جہاد کی توقع رکھنا عبث ہے یہ جہاد کا نام کیسے لے سکتے ہیں، یہ تو مجاہدین کو زیادہ سے زیادہ حریت پسند کہیں گے یا آزادی پسند کہیں گے اگر انھوں نے مجاہدین کا نام لیا تو پھر ان کی خیر نہیں کیونکہ کفار کہیں گے کہ تم نے اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کئے ہیں اب خلاف ورزی کیوں کر رہے ہو؟ تو یہ بے چارے اب جہاد کا نام نہیں لے سکتے، جہاد کا یہ کام انہی کو کرنا چاہئے تھا مگر جب یہ لوگ سرپرستی نہ کریں تو شریعت مطہرہ میں جس طرح اس کے علاوہ دیگر عبادات کے لئے ہم (اپنی مدد آپ کے تحت) نظم بنا سکتے ہیں تو جہاد کے لئے بھی ایسے نظم کی گنجائش ہے۔ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں ابوبصیرؓ کو واپس کر دیا تھا قانون کے تحت ایسا کرنا ضروری تھا انہوں نے بڑی عاجزی سے کہا کہ یارسول اللہ! میں بھاگ کر آیا ہوں، یہ لوگ واپس جا کر مجھے ماردیں گے میں بڑی مشکل سے ان کی قید سے چھوٹا ہوں مجھے واپس نہ کریں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے حدیبیہ میں صلح کی ہے اور آپ کو امن دینا یہ صلح کی خلاف ورزی ہوگی، آپ اگرچہ مسلمان ہیں مگر واپس جاؤ۔

ابوبصیر کو واپس لینے کے لئے دو مشرک آئے تھے، ابوبصیر کو ان کے حوالے کر دیا گیا، یہ راستے میں ایک مقام پر پہنچے تو ایک مشرک پیشاب کرنے گیا، ابوبصیرؓ نے دوسرے مشرک سے کہا کہ تمہاری تلوار بڑی چمکدار ہے بڑی مزیدار ہے! ذرا مجھے دکھایئے تو سہی! وہ پھول گیا کہ واقعی میری تلوار کی تعریف ہورہی ہے اس نے فوراً تلوار ابوبصیر کے ہاتھ میں دیدی، ابوبصیرؓ نے فوراً اس کا سر قلم کر دیا تو وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا دوسرا مشرک جو قضائے حاجت سے واپس آرہا تھا اس نے جب دیکھا کہ میرا ساتھی تو مارا جا چکا ہے اور اب قیدی کے ہاتھ میں تلوار ہے اور وہ مجھے گھورتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے تو وہ بھاگ گیا اور ابوبصیرؓ دوبارہ مدینہ پہنچے، جب مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے تو حضور اکرمؐ نے دیکھ کر فرمایا یہ تو آگ بھڑکانے والا ہے، کاش اس کے ساتھ ساتھی ہوتے انہوں نے فرمایا یارسول اللہ! اب تو میں اپنی ذمہ داری پر آیا ہوں، آپؐ تو مجھے واپس کر چکے تھے! حضورؐ نے فرمایا نہیں معاہدہ کچھ اس طرح ہوا ہے کہ وہ لوگ پھر بھی اعتراض کریں گے میں ابھی بھی تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا، البتہ اتنا ہے کہ اب کفار کے حوالے نہیں کروں گا جہاں جانا چاہو جاؤ، مگر یہاں مدینہ میں نہیں رہ سکتے، چنانچہ انہوں نے ساحل سمندر پر جا کر معسکر بنالیا (جیسے کہ آج کل مجاہدین کے معسکر ہوتے ہیں) جو بھی مظلوم مسلمان مکہ سے بھاگتا وہ مدینہ تو جا نہیں سکتا تھا وہ یہاں آکر ابوبصیر کے ساتھ مل جاتا جب چند ساتھی جمع ہو گئے تو انہوں نے قرب وجوار سے گذرنے والے تجارتی

قافلوں پر حملے شروع کر دیئے اور کفار کا رومیوں کیساتھ باہمی رابطہ وتجارت منقطع کر دیا، جب کاروائیاں بڑھ گئیں تو کفار نے مکہ سے خط لکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور کہا کہ تمہارے ساتھی راستے میں بیٹھے ہیں ہمارے قافلے لوٹ لیتے ہیں ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ انہیں مدینہ منورہ میں واپس بلالیں۔

اس سارے قصے کے ذیل میں شارحین حدیث یہ فرماتے ہیں کہ اس کاروائی میں ابوبصیرؓ ان کے امیر تھے جن کی ماتحتی میں یہ کاروائی کی گئی، اور یہ ایک صحابی کا عمل ہے! جس نے یہ کاروائی کی ہے اور اسلام نے اس عمل کو صحیح اور مستحسن ٹھہرایا ہے اور باعث اجر قرار دیا ہے ابوبصیرؓ کا یہ واقعہ ہمارے لئے بھی دلیل ہے کہ اگر ہم بھی بحالت مجبوری ایسا کرلیں تو یہ ہمارے لئے بھی جائز ہے اس بارے میں ایک دوسری دلیل ہندوستان کی ہے۔

انگریز کے خلاف مقابلے کے لئے تھانہ بھون میں ایک اجلاس ہوا کہ انگریز کے خلاف جنگ لڑنے شاملی کے میدان میں جانا ہے، اس مجلس میں ایک عالم جو محدث بھی تھے وہ شریک تھے ان کا نام مولانا محمد احمد تھا، انہوں نے مولانا نانوتویؒ پر اشکال پیش کیا کہ حضرت! آپ جہاد کی بات کر رہے ہیں آپ کے پاس طاقت کہاں ہے؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ کفار کے مقابلے میں خاطر خواہ طاقت بھی تو ہونی چاہئے (جہاد کے لئے طاقت کا توازن کا شرط ہونا یہ ایک الگ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے) مولانا نانوتویؒ نے فرمایا: کیا اتنی طاقت بھی نہیں ہے جتنی بدر میں صحابہ کے پاس تھی؟ وہاں محض آٹھ تلواریں تھیں یہاں تو آٹھ سے زیادہ ہیں! وہاں تو صرف دو گھوڑے تھے یہاں دو سے زیادہ ہیں! انہوں نے جواب میں ذرا مزید وزنی اشکال پیش کیا کہ حضرت آپ جہاد کی بات کرتے ہیں جہاد کے لئے تو امیر کا ہونا شرط ہے آپ کے پاس کون امیر ہے؟ تو مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ ''امیر بننے میں کیا دیر لگتی ہے حضرت شیخ (امداد اللہ مہاجر مکیؒ) موجود ہیں، ان کے ہاتھ پر بیعت کرلو! ان بزرگ نے کہدیا کہ بس حضرت! اب بات سمجھ میں آ گئی، چنانچہ بیعت ہوئی اور حضرات علماء میدان میں نکلے، حافظ محمد ضامن شہیدؒ ان کے ''چیف آف آرمی اسٹاف'' اور ''جنرل کمانڈر'' تھے۔ وہ آگے آگے تھے اپنا بہترین لباس پہنے ہوئے تھے اس نے لڑنے سے پہلے یہ وصیت کی کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو میری روح اس حالت میں نکلے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی جھولی میں میرا سر ہو۔ چنانچہ ناف میں گولی لگ گئی اور حضرت گنگوہی کی گود میں شہید ہو گئے۔

بیشتر حضرات کی رائے یہ تھی کہ انگریزوں کے اسلحہ ڈپو پر حملہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ مشکل محاذ ثابت ہوگا کسی اور کمزور محاذ پر حملہ کرنا چاہئے لیکن مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ نہیں! یہ اسلحہ ڈپو ہے اگر یہ ہمارے ہاتھ میں آجائے تو پھر ہم انگریز کو دوسرے محاذوں پر بھی شکست دے سکیں گے کیونکہ ہمارے پاس اسلحہ آجائے گا، بہرحال جنگ ہوئی کچھ فتح بھی ملی مال غنیمت بھی ہاتھ آیا لیکن چونکہ عقب سے کوئی باقاعدہ سپورٹ نہیں تھی اس لئے جتنے مجاہدین میدان میں تھے انگریز نے ان کو گھیر لیا کوئی شہید ہوا کوئی مہاجر کی بنا کسی کو روپوش ہونا پڑا، مولانا نانوتویؒ تین دن روپوش رہے، مولانا گنگوہیؒ کو جیل جانا پڑا مولانا نانوتویؒ تین دن کے بعد باہر نکل آئے شاگردوں نے کہا کہ حضرت آپ کو گرفتار کردینگے، آپ نے فرمایا کہ تین دن حضورؐ غارِ ثور میں روپوش رہے تھے میں بھی سنت پوری کرنا چاہتا تھا اس کے بعد چھپنا جائز نہیں، یہ علماء ہند کے کارنامے ہیں۔

اس سے پہلے سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلی سے قافلہ اٹھا کر پشاور اور پھر بالاکوٹ تک گئے ہیں اور ان کے معرکوں میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے ہیں اور بہت بڑی تعداد میں کفار کو بھی جہنم رسید کیا ہے اس مہم میں بھی ان کے پاس اپنا ہی امیر تھا، اسی طرح ''جہاد کشمیر'' میں بھی ہمارے پاس اپنے امیر ہوتے ہیں اور جہاد افغانستان میں بھی مجاہد تنظیمیں بڑے امیر کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

اگر حکومت پاکستان سرپرستی نہ کرے تو شرعی طور پر اپنا امیر بنا کر اس نظم کو چلانا جائز ہے ناجائز نہیں اور اس کا شرعی جواز موجود ہے۔ یہ امیر کی شرط بھی اسی صورت میں ہوتی ہے جب جہاد اقدامی ہو جب دفاعی جہاد ہو رہا ہو تو وہاں تو امیر عموماً میسر ہی نہیں ہوتا اب جہاد کشمیر میں اگر کوئی مجاہد لڑ رہا ہے تو کیا وہ خلیفہ اور امیر بنائے اور پھر لڑے؟ ورنہ لڑنا جائز نہیں ہوگا؟ نہیں شرعاً وہ بغیر کسی خلیفہ کی ماتحتی کے لڑ سکتا ہے کیونکہ دفاعی جہاد کے لئے تقریباً تمام شروط ساقط ہو جاتی ہیں۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان بنایا ہے اور مسلمان بنانے کے بعد جہاد کا مکلف بنایا ہے اور الحمدللہ مسلمانوں کو ہی اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ

﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾

''اور ان کفار کے لئے جہاں تک ہو سکے طاقت اور گھوڑے تیار کر کے رکھو جن کے ذریعہ سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ''۔

اب یہاں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ قوت سے مراد ''ایمانی قوت'' ہے اور مطلب آیت کا یہ

ہے کہ کافروں کے لئے ''ایمانی طاقت'' مضبوط کرو تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اَلاَاِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ اَلاَاِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ!اَلاَاِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ!

''یاد رکھو! قوت پھینکنے کا نام ہے، مارنے کا نام ہے، یہ رمی ایسا لفظ ہے کہ آپ دنیا کا کوئی بھی ہتھیار استعمال کریں اس میں رمی کا معنی موجود ہے، تلوار چلاؤ اس میں رمی ہے، تیر چلاؤ وہ رمی ہے، نیزہ مارو اس میں بھی رمی ہے، گرنیڈ پھینکو اس میں بھی رمی ہے، بمباری اور گولہ باری میں بھی رمی ہے الغرض جو بھی کفار پر حملہ کرنے کا طریقہ ہو وہ رمی کے ذیل میں آتا ہے، جہاد کی تیاری سنت نبویؐ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کی ہے اور اپنے ساتھیوں کو سکھائی بھی ہے اور سیکھنے کی ترغیب بھی دی ہے چنانچہ مدینہ منورہ میں حبشہ کے کچھ لوگ آئے تھے، نیزہ بازی کا مظاہرہ کر رہے تھے، حجاب کا حکم اب تک نازل نہیں ہوا تھا لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑی ہو کر مظاہرہ دیکھ رہی تھیں یہ بخاری شریف کی روایت میں مذکور ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ میں دیکھ رہی تھی'' وھم یلعبون بالحراب '' وہ نیزوں برچھیوں سے مظاہرہ کر رہے تھے، اس طرح ٹریننگ ہوتی تھی، اس میں گھوڑسواری کی بھی باقاعدہ ٹریننگ ہوئی ہے۔

مسجد نبوی سے مسجد بنی زریق تک چھ میل کا فاصلہ ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ اور نیزہ بازی کا باقاعدہ مسابقہ کرایا ہے، اور جو لوگ تربیت یافتہ نہیں تھے ان کے لئے دوسرا میدان منتخب فرمایا اور ان کے لئے تھوڑا سا فاصلہ رکھا (جس طرح کہ آج کل مجاہدین کے ٹریننگ سینٹروں میں الگ الگ کلاسیں لگتی ہیں)۔

تیراندازی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تیراندازی سیکھ لی اور پھر اس کو بھلا دیا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے، یہ صاف حدیث ہے۔

لہٰذا ٹریننگ حاصل کرنے والے کو چاہئے کہ جو کچھ سیکھے اسے بھلانے کی کوشش نہ کریں بلکہ بار بار جا کر اسے دُہرائے، اس لئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جو کچھ سیکھا ہے اس کو مضبوط رکھیں کیونکہ بھولنے کی صورت میں باقاعدہ وعید ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مجاہد بنائے، مجاہد رکھے اور جہاد مقدس و ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

کَیْفَ الْقَـرَارُ وَکَیْفَ یَھْدَاءُ مُسْلِمٌ

وَالْمُسْلِمَاتُ مَعَ الْعَدُوِّ الْمُعْتَدِیْ

ایک مسلمان کو سکون وقرار کیسے آ سکتا ہے جبکہ مسلمان خواتین ظالم دشمن کی قید میں ہوں

اَلضَّارِبَاتُ خُدُوْدَهُنَّ بِرَنَّةٍ

اَلدَّعِيَاتُ نَبِيَّهُنَّ مُحَمَّدٖ

جو رو رو کر اپنے رخساروں کو مارتی ہوں اور اپنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتی ہوں

اَلْقَائِلَاتُ اِذَا خَشِيْنَ فَضِيْحَةً

جُهْدَ الْمَقَالَةِ لَيْتَنَا لَمْ نُوْلَدٖ

جب رسوائی سے ڈر جاتی ہیں تو افسوس سے کہتی ہیں اے کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتیں۔

قرآن وحدیث

﴿يَااَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (۶۵/انفال)

عَنْ معَاذٍ ؓ ......قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. (ص ۱۴ مشکوٰۃ)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ. (ص ۳۳۱ مشکوٰۃ)

جنوری ۱۹۹۵ء معسکر سلمان فارسی غنڈ افغانستان

موضوع

اسلام میں جہاد کی اہمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿فَقَاتِلُ فِیُ سَبِیُلِ اللّٰہِ لَاتُکَلَّفُ اِلَّانَفُسَکَ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾

(نساء ۸۴)

پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ بجز آپ ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور مسلمانوں کو ترغیب دیجئے

﴿یَاَیُّھَاالنَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ﴾ (انفال ۶۵)

اے پیغمبر آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے

وقال علیہ السلام اُمِرۡتُ اَنۡ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشۡھَدُوۡااَنۡ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ.

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ کلمہ توحید کی گواہی نہیں دیتے۔

دین اسلام کے سپاہیو!

جہاد مقدس اسلام کے اہم احکامات میں سے ایک حکم ہے۔ یہ فرض ہے چاہے یہ فرض کفایہ ہو یا فرض عین ہو یہ حکم ہر حالت میں فرض ہے، نہ یہ واجب ہے نہ سنت ہے نہ مستحب ہے بلکہ فرض ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص جہاد کا انکار کرے گا کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ فرض کا منکر بنے گا اور فرض کا منکر کافر ہو جاتا ہے، ذرا غور کریں اللہ تعالیٰ نے کس طرح تاکیداً اور تصریحاً اپنی کتاب قرآن مجید میں جہاد کے اس حکم کو اپنے پیارے نبی علیہ السلام پر واضح کیا، مدینہ منورہ میں قرآن مجید کا جو حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے اس میں بڑے پیمانے پر جہاد کے فضائل و مسائل اور اس کے احکامات و اعلانات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے ہر پیرائے میں سمجھا دیا اور کلام کے ہر اسلوب پر جہاد مقدس کا ذکر فرمایا کبھی ترغیب دی تو کبھی ترہیب کے ذریعے سے سمجھایا، کبھی نرمی سے تو کبھی سختی سے سمجھایا، کبھی ماضی کے صیغوں میں کلام فرمایا تو کبھی مضارع امر اور مصدر کے صیغوں سے کلام ادا فرمایا۔ اس طرح مدنی سورتوں میں تقریباً ہر سورت میں جہاد کو نمایاں مقام عطا فرمایا، چنانچہ سورت بقرہ میں اگر آپ دیکھیں تو جہاد و قتال کی بہت ساری آیتیں آپ کو ملیں گی۔ ان

میں آیت نمبر ۲۱۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۴۴، ۲۵۱، ۱۵۴، ۲۴۶، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۴۰ کو ملاحظہ کریں تو آپ پر جہاد کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

اس کے بعد سورت ال عمران میں اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام سے جہاد کو بیان فرمایا ہے اس سورت میں مضمون جہاد پانچ رکوعات پر مشتمل ہے جو رکوع تیرہ سے شروع ہو کر ۱۷ تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ پھر سورت نساء میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسئلہ جہاد کو خوب واضح کر کے بیان فرمایا، چنانچہ آیت نمبر ۹۵، ۷۴، ۷۶، ۸۴، ۸۹، ۱۹۱، ۷۷، میں اس کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ سورت مائدہ بھی اس عظیم الشان موضوع سے خالی نہیں ہے، چنانچہ آیات نمبر ۳۴، ۳۵، ۵۴ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے اس کے بعد سورت انفال ہے، جس کا دوسرا نام سورت بدر ہے یہ سورت دس رکوعات پر مشتمل ہے اور یہ اول سے لے کر آخر تک جہاد کے موضوع فضائل و مسائل آداب و مستحبات قوانین جنگ اور دیگر جنگی وجوہات پر مشتمل ہے اس کے بعد متصل سورت توبہ ہے جس کا نام بھی توبہ ہے کہ جہاد و جنگ کی وجہ سے اگر کوئی توبہ کرے تو کس طرح اس کی توبہ قبول ہوگی اس کا دوسرا نام برأت ہے کہ انفال میں قوانین جنگ سیکھنے کے بعد اب اعلان جنگ ہے اور کفار سے مکمل لاتعلقی کا اعلان ہے، یہ سورت سولہ رکوعات پر مشتمل ہے، جس میں جہاد کے فضائل و مسائل اور نہ کرنے والوں کے لئے سخت وعیدات اور عظیم اعلانات موجود ہیں اس طرح ۲۶ رکوعات پر مشتمل قرآن عظیم کا بڑا حصہ متصلاً بغیر فاصلہ کے جہاد کے موضوع پر اترا ہے جو تقریباً ڈیڑھ پارہ قرآن بنتا ہے۔ اسلام میں توحید کے علاوہ کسی مسئلہ کے بارے میں اس طرح اہتمام نظر نہیں آتا ہے جو اہتمام جہاد کا کیا گیا ہے کہ پوری پوری اور بڑی بڑی سورتیں اس کے متعلق اتریں ہیں۔ دسویں پارے کا عنوان ﴿واعلموا انما غنمتم﴾ جہاد سے حاصل شدہ مال غنیمت کے متعلق ہے۔

اس کے بعد گیارواں پارہ ہے، جس کا عنوان ہے ﴿یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیھم﴾ یہ بھی جہاد سے پیچھے رہنے والوں اور جھوٹے بہانے بنانے والوں سے متعلق ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

”جب تم واپس (مدینہ) ان لوگوں کی طرف لوٹ جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے“

جہاد کی اہمیت کے سلسلے میں سورت احزاب کو دیکھ لیجئے کہ دو رکوعات مکمل طور پر اس اہم موضوع کے متعلق ہے۔ سورت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی جہاد اور ہتھیار اٹھانے چلانے کا تذکرہ ہے نیز قیدیوں کے مسائل اور فدیہ کے قواعد ہیں، یہ سورت اول سے آخر تک جہاد سے متعلق ہے اور اس کا دوسرا نام بھی سورت القتال ہے، سورت فتح میں جہاد کے اہم نظم وضبط کے احکامات اور اصول و قواعد مذکور ہیں، پوری سورت اس

مقدس فریضہ کے متعلق ہے اور اس کا نام بھی جہاد کے جزء اعظم "فتح" کے نام پر رکھا گیا ہے، پھر سورت حدید میں جہاد کے آلات وساز وسامان کی طرف بنیادی اشارہ ہے کہ دین کی مدد لوہے سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس لوہے کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کون کرتا ہے، اس سورت کا نام بھی آلات حرب لوہے کے نام پر رکھا گیا ہے، سورت صف بھی دیکھیں جس میں جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب قرار دیا اور سورت کا نام بھی جہاد کی صف کی مناسبت پر رکھا گیا ہے سورت حشر میں بھی جہاد کی ترغیب ہے کفار کی ذلت ورسوائی کا تذکرہ ہے کفار کو اکٹھا کر کے دھکیلنے کی مناسبت سے سورت کا نام بھی "الحشر" اکٹھا ہونا رکھا گیا ہے، سورت عادیات میں گھمسان کی جنگ کا نقشہ دکھایا گیا ہے، مجاہدین کی ہر ادا کی قسم کھا کر ان اداؤں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور ہر ادا کا منظر پیش کیا گیا ہے، اور آخر میں سورت "نصر" میں اللہ تعالیٰ کی مدد، نصرت اور غلبہ اسلام کے بعد لوگوں کا جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کا تذکرہ کر کے سورت کا نام بھی "سورت نصر" رکھا گیا ہے۔

قرآن کریم کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ میں بھی نہایت بسط وتفصیل سے جہاد کا موضوع پیش کیا گیا ہے، احادیث کی کتابوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ صاف نظر آجائے گا کہ جہاد کے متعلق جو احادیث یکجا موجود ہیں وہ ہر موضوع اور ہر حکم سے بدرجہا زیادہ ہیں، یعنی نماز یا زکوٰۃ، روزہ یا حج کے متعلق جو احادیث مذکور ہیں اس کے مقابلے میں جہاد سے متعلق احادیث زیادہ ہیں بلکہ جہاد کے مسائل وفضائل کے متعلق ۸۰ سے زیادہ کتابیں احادیث کی لکھی گئی ہیں، ابن نحاس کی کتاب مشارع الاشواق دو جلدوں میں ہے پہلی جلد ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد ۶۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، حدیثوں کی ہر کتاب میں جہاد کے بڑے لمبے لمبے مباحث ہیں، بخاری شریف میں کتاب الجہاد اور مغازی ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

احادیث کے بعد فقہائے کرام نے اپنی فقہ کی کتابوں میں کتاب الجہاد یا کتاب السیر کے عنوان سے جہاد کے سارے ابواب اور اس کے اصول وفروع نہایت مؤثر اور مناسب انداز میں پیش کئے ہیں، فتاویٰ تاتارخانیہ میں ۴۰۰ صفحات جہاد سے متعلق ہیں، تاریخ اور سیرت کی کتابوں نے مسائل سے ہٹ کر صرف واقعات بیان کرنے کی حد تک جہاد کو بھرپور انداز میں پیش کیا ہے، بڑی بڑی کتابیں ہزاروں صفحات پر مشتمل منظر عام پر آچکی ہیں لوگ اسے پڑھ رہے ہیں اور فائدہ اٹھا رہے ہیں، قرآن مجید کی تفسیریں لکھنے والے حضرات علماء کرام نے بھی جہاد مقدس کو نمایاں مقام دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ جہاد کے میدان میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جہاد مقدس کو نمایاں جگہ دی اور مدینہ منورہ کی دس سالہ زندگی میں آپ کے اکثر اوقات جہاد ہی میں لگے، ۲۷ بڑی جنگوں میں آپ خود نکلے کبھی سخت جنگ کی نوبت آجاتی اور کبھی دشمن بھاگ جاتا تو جنگ کے بغیر آپؐ واپس آتے لیکن گھر سے آنحضرتؐ اپنے صحابہ کو تیار کر کے جنگی جھنڈے لے کر خود اسلحہ زیب تن کر کے نکلتے تھے، جس کا مقصد جنگ ہی ہوتا تھا ۵۶ چھاپہ مار جنگوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو روانہ کیا، اور انہوں نے جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں جہاد کیا اس طرح بالواسطہ یا بلا واسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی دور کے دس سالوں میں ۸۳ جنگیں لڑیں گویا ہر سال کم از کم آٹھ جنگیں ہوتی تھیں تب جا کر جزیرۂ عرب پر اسلام کا جھنڈا بلند ہوا۔

آپؐ نے مرض وفات میں بستر علالت پر بھی حضرت اسامہ کا لشکر تیار کر کے روانہ فرمایا گویا وفات سے کچھ دن قبل بلکہ وفات سے متصل بھی آپؐ نے جہاد کا عمل جاری رکھا اور اپنے ہاتھ سے حضرت اسامہ کو جنگی جھنڈا باندھ کر جیش اسامہ کو رخصت کیا، آپ نے جنگوں میں زخم بھی کھائے اور مقابل کو بھی مارا جنگ احد میں ایک کافر ابی بن خلف کو آپ نے نیزہ مار کر قتل کیا، آپؐ نے میدان جہاد میں ہمیشہ جرأت و شجاعت دکھائی ،حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم سخت جنگ میں آنحضرتؐ کی پناہ میں آکر کھڑے ہوتے تھے آپ سب سے زیادہ بہادر تھے، کبھی بھی دشمن سے پیچھے نہیں ہٹے، آپؐ نے بزدلی سے بار بار پناہ مانگی ہے کیونکہ بزدل آدمی جہاد سے پیچھے رہ جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے جہاد کا علم عالم پر بلند کیا اور سینکڑوں جنگیں سرزمین شام پر ہوئیں۔ بالآخر شام فتح ہوا اور ہرقل نے انطاکیہ دارالامارۃ سے بھاگ کر کشتی میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ سوار ہو کر سرزمین شام پر آخری نظر ڈال کر یوں الوداعی سلام کیا!

"السلام علیک یاارض الشام لااراک الی یوم القیامۃ"

''اے شام کی سرزمین! تجھے آخری سلام ہو میں قیامت تک تجھے دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا''

صحابہ کرام نے کئی ہزار مقدس جانوں کا نذرانہ پیش کر کے سرزمین شام پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا، اس کے بعد سینکڑوں جنگیں مصر میں ہوئیں اور اس علاقے کو صحابہ نے فتح کیا اور وہاں پر اسلام کا علم بلند کیا، سینکڑوں جانیں قربان ہوئیں اس کے بعد مصر ہاتھ میں آگیا اور وہاں دین مقدس کے احکامات جاری ہوئے،

پھر صحابہ کرامؓ نے دیار بکر کے علاقوں میں کئی سالوں تک جہاد کیا اوران علاقوں کو فتح کیا، گھمسان کی جنگیں ہوئیں صرف صعید مصر کے علاقہ میں بھنساء قلعے کے سامنے پانچ ہزار صحابہ کرامؓ شہید ہوگئے، چنانچہ وہاں ایک ہی قبرستان میں پانچ ہزار شہداء مدفون ہیں، پھر صحابہ کرامؓ نے فارس کا رخ کیا اور لاکھوں کفار کو واصل جہنم کر کے اللہ کی زمین کو اللہ کی عبادت کے لئے آزاد کرادیا، ایک معرکۂ جسر میں چھ ہزار صحابہ وغیرھم ایک دن میں شہید ہوگئے، قادسیہ میں قیامت خیز جنگیں ہوئیں، جلولاء وتکریت اور مدائن میں حشر برپا کرنے والے معرکے ہوئے اور آخر کار حق غالب آیا اور باطل نے شکست کھائی بس ایسی شکست کھائی کہ نہ قیصر کا نام ونشان باقی ہے اور نہ کسریٰ کا کوئی وجود ہے اسلام کا یہ غلبہ جہاد مقدس کی برکت سے ہوا کیوں کہ اس وقت دنیا کا کوئی ملک ایسا نہ تھا جہاں صحابہ کرام کا خون نہ گرا ہو؟ وہ کونسا بڑا علاقہ ہے جو جہاد اور جنگ کے بغیر صحابہ کرام کے سامنے خود بخود ٹوٹا ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ دنیا کے فتنوں کے خاتمہ کے لئے قرآن نے اعلان کیا کہ جہاد فرض کیا گیا ہے تو جہاد کے بغیر یہ فتنے کیسے ختم کئے جاسکتے تھے، جہاد نے کفر وظلم کی طاقت کو توڑا ہے اور پھر لوگ آزادانہ طور پر اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اس طرح بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام جہاد کے ذریعے سے عالم میں پھیلا ہے اور مساجد ومدارس اور علماء کرام کے ذریعے سے برقرار چلا آرہا ہے، یہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر ان مسلمانوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کو اس پر نافذ کریں گے، شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا ـــ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے ـــ آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا
تیغوں کے سائے میں پل کر جواں ہوئے ہم ـــ خنجر بلالؓ کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری ـــ تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم ـــ سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو ـــ اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجازؐ اپنا ـــ اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

(تیسرے شعر میں تغیر کی معذرت)

عبادات میں جہاد کی اہمیت

اسلام میں جتنی عبادات ہیں ہر ایک اللہ تعالیٰ کا حکم اور واجب الاطاعت ہے، ہر عبادت کی اپنی

الگ ایک شان ہے اور ہر عبادت کا اپنا ایک مقام ہے اور ہر عبادت کی اپنی ایک تاثیر ہے مثلاً نماز دین اسلام میں ایک عظیم عبادت ہے جس کی تاثیر ذکر اللہ اور عظمت الٰہی کا دل و دماغ میں پیوست ہونا ہے زکوٰۃ کی تاثیر پاکیزگی اور ہمدردی اور ایثار و قربانی اور خدمت خلق کا جذبہ دل و دماغ میں بیدار کرنا ہے اور روزے کی تاثیر کسر شہوت اور تحمل مشقت کی عادت اور جفاکش زندگی کی ریاضت کا مادہ جسم میں پیدا کرنا ہے، اور حج کی تاثیر فدائیت اور والہانہ محبت و بے پناہ عقیدت اور دیوانہ وار عبادت کا فلسفہ دل و دماغ میں بٹھانا ہے لیکن جہاد وہ عظیم محنت و عبادت ہے جو ان تمام عبادتوں کے لئے بطور حفاظت مقرر کیا گیا ہے اور جو ان سب کے لئے دفاعی لائن کا کام کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ باقی عبادات کو وقتی طور پر مؤخر کیا جا سکتا ہے مگر جہاد کو اپنی جگہ اور اپنے وقت سے اِدھر اُدھر نہیں کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اگر دشمن حملہ کرتا ہے اور مسلمان مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور نماز کی بالکل فرصت نہیں ملتی ہے تو نماز کو مؤخر کیا جا سکتا ہے قضاء پڑھی جا سکتی ہے لیکن جہاد کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر جہاد کو موقوف کیا گیا اور دشمن نے غلبہ حاصل کر لیا تو پھر نہ نماز رہے گی اور نہ نمازی رہیں گے اور نہ نماز کی جگہ رہے گی، اس لئے جنگ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نمازیں ظہر، عصر اور مغرب قضا ہو گئیں لیکن آپؐ مورچے سے پیچھے نہیں ہٹے، جہاد کی تاثیر یہ ہے کہ عالم پر اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا ہو اور پوری دنیا فتنہ و فساد سے امن میں ہو دین بھی محفوظ اور دنیا بھی محفوظ ہو۔

صلوٰۃ خوف

اسی طرح اگر عین لڑائی میں نماز کا وقت آجاتا ہے اور سارے مجاہدین نماز میں شریک نہیں ہو سکتے تو قرآن کریم نے اجازت دیدی ہے کہ ایک طائفہ نماز پڑھے اور دوسرا طائفہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا رہے جب پہلے طائفہ نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لی تو وہ نماز ہی کی حالت میں جا کر مورچہ زن ہو جائے اور وہاں کا دستہ آکر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے اور پھر نماز کی حالت میں جا کر اس طائفہ کو نماز کے لئے بھیج دے جو وہاں متعین تھا وہ آکر اپنی نماز مکمل کر لے اور پھر جا کر اس طائفہ کو نماز کی طرف روانہ کر دے جو ابھی گیا ہے، صلوٰۃ خوف یعنی دشمن کے خوف کی وجہ سے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کے کئی طریقے ہیں جن میں یہ ایک طریقہ ہے جو احناف نے اختیار فرمایا ہے۔

صلوۃ خوف کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر دشمن امام کے سامنے قبلہ رخ مد مقابل کھڑا ہے تو پھر نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی جماعت کی کچھ صفیں پہلے سجدے میں جائیں اور باقی صفیں دشمن کے مقابلے

میں کھڑی رہیں، جب وہ طائفہ اٹھ جائے تو یہ لوگ سجدے میں چلے جائیں۔ اس طرح اگر دیکھا جائے اور سوچا جائے تو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جہاد کتنا اہم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نماز خود پڑھائی ہے، روزے کو دیکھو کہ ایک عبادت ہے لیکن جہاد میں شرکت کے دوران اگر روزہ توڑنے کی ضرورت پیش آئے تو روزہ توڑنا پڑے گا تاکہ خوب سیر ہو کر کفار سے مقابلہ کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر عبادت کا نقشہ تبدیل ہو سکتا ہے لیکن جہاد مقدس کا نقشہ سفر و حضر میں یکساں رہتا ہے بلکہ شریعت مطہرہ میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو بطور خاص جہاد کے ساتھ خاص ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں۔

جہاد کی خصوصیات

(۱) چونکہ جہاد میں دشمن سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے جنگی حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں اس لئے اس میدان میں دشمن سے بچنے کے لئے یا دشمن کو زیر کرنے کے لئے ''الخدعة'' سے کام لینا جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''الحرب خدعة'' یعنی لڑائی تدبیر وحیلہ سازی اور مکر وفریب کا نام ہے اب اس میدان میں دشمن سے اپنے منصوبے مخفی رکھنے کے لئے خلاف واقع جملہ زبان پر لانا جائز ہے، مثلاً ارادہ کسی اور طرف جانے کا ہے اور ظاہر یہ کرے کہ میں کسی اور طرف جا رہا ہوں، کرنا کچھ اور ہے اور ظاہر کچھ اور کرے حقیقت کچھ اور ہے اور یہ کچھ اور بتائے دشمن کو خوف وہراس میں ڈالنے کے لئے یا اس کو مرعوب کرنے کے لئے یا ان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے وہ کچھ کیا جا سکتا ہے جو کچھ ہو سکتا ہے چاہے اس میں حقیقت سے ہٹ کر کچھ بولنا کیوں نہ پڑے البتہ یہ یاد رکھے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو جائے یا دیانت کے حوالے سے کچھ معاملہ آجائے تو اس میں دھوکہ کرنا یا خیانت کرنا اسلام میں جائز نہیں، اوپر جواز کی جو صورت بتائی گئی ہے وہ توریہ کی صورت ہے جس کو جنگی زبان میں کوڈ نمبر کہتے ہیں۔

(۲) جہاد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو آدمی میدان جنگ میں ریشمی لباس استعمال کر سکتا ہے کہ جس سے دشمن کی تلوار یا کسی اور وار سے بچا جا سکتا ہو یا جسم میں کھجلی خارش وغیرہ کی شکایت ہو تو مجاہد ریشمی لباس زمانۂ جہاد میں استعمال کر سکتا ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی وقت ریشمی لباس کا استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں۔

(۳) نیز زمانہ جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے اگر کوئی مجاہد سفید ریش پر کالا خضاب لگانا چاہے تو وہ لگا سکتا ہے اسی طرح مونچھوں کو بڑھانا چاہے یا بالوں کو بڑھانا چاہے یا دشمن کو گرفت میں کرنے یا زخمی کرنے کے لئے ناخنوں کو لمبا کرنا چاہے تو جہاد کے پیش نظر یہ سب کچھ جائز ہے جبکہ جہاد کے

علاوہ اس کی گنجائش نہیں ہے اگر حد اعتدال سے باہر ہو۔

(۴) مجاہد اگر شہید ہو جاتا ہے تو ان کو غسل دیئے بغیر ہی اپنے لباس میں دفنایا جا سکتا ہے بلکہ ایسا ہی کرنا پڑتا ہے کیونکہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے نام بلند کرنے کی غرض سے اپنی جان کی قربانی دی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز سے نوازا ہے کہ اس کے لباس قمیص و شلوار کو ہاتھ نہ لگایا جائے تا کہ اس کی بے اکرامی نہ ہو جائے۔ اسی طرح ان کے جسم اور زخم کے خون کو مشک و عنبر کا درجہ دے کر بغیر دھوئے رہنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں ایک طرف اعزاز بھی ہے اور دوسری طرف مجاہدین کی حالت کے پیش نظر سہولت بھی ہے کیونکہ پہاڑوں، میدانوں، صحراؤں اور خالی درّوں میں کفن کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے خصوصاً جبکہ روزانہ کئی کئی آدمی شہید ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہید کو غسل دینے سے مستثنیٰ قرار دے کر ان کا اعزاز و اکرام کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ پیش نظر تھا کہ جن دشتوں میں پینے کے لئے پانی کا ملنا دشوار ہوتا ہے وہاں کئی کئی شہیدوں کے غسل کا انتظام کہاں ممکن ہے اس لئے سہولت بھی دی اور اعزاز بھی دیا۔

(۵) جہاد سے دین کے پھیلنے کے راستے کھلتے ہیں کیونکہ مفسدین اور فتنہ پرور کفار کا زور ٹوٹ جاتا ہے عوام الناس اسلام کو آزادانہ طور پر قبول کرتے ہیں اور خطہ میں امن قائم ہو جاتا ہے کیونکہ جہاں اسلام نافذ ہو وہاں امن کا ہونا لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ کے قیام سے لوگ خود بخود اسلامی معاشرہ سے جڑ جاتے ہیں اور جوان صالح افراد کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔

تفسیر

مذکورہ سورت نساء کی آیت ۸۵ کی تفسیر میں شیخ الہند محمود الحسنؒ لکھتے ہیں، یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے یہ منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گذرا ڈرتے ہیں تو اے رسول! تُو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر، اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کر دے جو ساتھ نہ دے اسکی پرواہ مت کر، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے گا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ؐ نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاؤں گا اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۱۹)

جہاد کی اہمیت پر چند احادیث

(۱) وَعَنْ مَعَاذِبْنِ جَبَلٍؓ فِی حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. (ترمذی شریف)

''حضرت معاذ بن جبلؓ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اصل کام اسلام ہے اور اسلام کا عمود اور ستون نماز ہے اور اس کا اعلیٰ مقام جہاد ہے''۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ. (مسلم شریف)

''ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں''۔

(۳) وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْهَا. (مسلم شریف)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صبح اللہ کی راہ میں جہاد میں نکلنا اور ایک شام اللہ کی راہ جہاد میں نکلنا ساری دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے''۔

(۴) وَعَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوْا الْمُشْرِکِیْنَ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ. (ابوداؤد)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے خلاف اپنے مالوں سے اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو''۔

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ فَلَمْ یَغْزُوَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ. (مسلم شریف)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے دل ہی میں جہاد کا ارادہ کیا وہ ایک قسم کے نفاق پر مرے گا''۔

(۶) وعن ابی ھریرةؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ بِغَیْرِ اَثَرٍمِّنَ الْجِهَادِ لَقِیَ اللّٰهَ وَفِیْهِ ثُلْمَةٌ . (ترمذی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قیامت کے روز اللہ کے سامنے اس طرح حاضر ہوا کہ اس کے جسم پر کوئی نشان جہاد کا نہ ہو تو وہ ایک عیب کے ساتھ اللہ کے ساتھ ملے گا''۔

یعنی جہاد کے میدان میں کوئی زخم نہیں لگا یا جہاد کے غبار و اسفار کا کوئی نشان نہ ہو۔

(۷)قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْجِهَادُ مُخْتَصَرُ طَرِیْقِ الْجَنَّةِ. (المغنی لابن قدامه ج ۱ ص ۴)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہاد جنت کا مختصر راستہ ہے''۔

(۸)وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ یَعْدِلُ الْجِهَادَ قَالَ لَااَجِدُهٗ. (بخاری ج ۱ ص ۳۹۱)

''حضرت ابو ہریرۃؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو جہاد کے برابر ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں ایسا عمل نہیں پاتا ہوں'' (جو جہاد کا ہم پلہ ہو)۔

(۹)قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَاتَبَایَعْتُمْ بِالْعِیْنَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِوَرَضِیْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَکْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ الذِّلَّةَ. (ابوداؤد)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم عینہ کا کاروبار شروع کرو گے اور بیلوں کی دموں کو پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا''۔

(عینہ ایک ناجائز بیع وشرا ہے)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی جیش الانبیاء والمرسلین
وخاتم النبین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔آمین

قَالُوْاغَزَوْتَ وَرُسُلُ اللّٰهِ مَابُعِثُوْا
لِقَتْلِ نَفْسٍ وَّلَاجَآؤُالِسَفْکِ دَم

جَهْلٌ وَّتَضْلِیْلُ اَحْلَامٍ وَسَفْسَطَةٌ
فَتَحْتَ بِالسَّیْفِ بَعْدَ الْفَتْحِ بِالْقَلَم

عَلَّمْتَهُمْ کُلَّ شَیْئٍ یَجْهَلُوْنَ بِهٖ
حَتّٰی الْقِتَالَ وَمَافِیْهِ مِنَ الذِّمَم

﴿احمد شوقی﴾

جنوری ۱۹۹۵ء معسکر سلمان فارسی غنڈ افغانستان

موضوع

ہم کافروں سے کیوں لڑتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّام بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا﴾ (سورت محمد)

"سو تمہارا جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو (اڑاؤ) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں"۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ o یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ﴾ (سورت توبہ ۱۱۱)

"اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں"۔

قَالُوْا غَزَوْتَ وَرُسُلُ اللّٰہِ مَا بُعِثُوْا
لِقَتْلِ نَفْسٍ وَّلَاجَآؤُا لِسَفْکِ دَم

نصاریٰ نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے جہاد کیا حالانکہ اللہ کے رسول کسی کے قتل کرنے اور خون ریزی کے لئے نہیں بھیجے جاتے۔

جَھْلٌ وَّتَضْلِیْلُ اَحْلَامٍ وَسَفْسَطَۃٌ
فَتَحْتَ بِالسَّیْفِ بَعْدَ الْفَتْحِ بِالْقَلَمِ

یہ ان کی جہالت، عقلوں کو گمراہ کرنا اور دھوکہ دہی ہے کیونکہ حضور اکرمؐ نے قلم سے ابتدا کرنے کے بعد تلوار سے ابتدا کی تھی۔ یعنی تلوار اٹھانے سے پہلے کفار کو خوب دعوت دی گئی تھی سمجھایا بجھایا تھا اکثر قرآن مجید مکہ مکرمہ میں اتر کر اتمام حجت ہو گیا تھا بلکہ اگر دیکھا جائے تو آیت قلم اسلام میں سب سے پہلے اتری ہے

افتتاح تو قلم سے ہوا، لیکن کفار نے جب ہٹ دھرمی کی تو تلوار اٹھانی پڑی۔

عَلَّمْتَهُمْ كُلَّ شَيْءٍ يَجْهَلُونَ بِهِ
حَتَّى الْقِتَالَ وَمَافِيْهِ مِنَ الذِّمَمِ

آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو ہر اس چیز کی تعلیم دی جس سے وہ ناواقف تھے یہاں تک کہ آپؐ نے ان کو جنگ کے طریقے اور ان کی ذمہ داریاں بھی سکھادیں۔ (قصیدہ احمد شوقی)

میرے مجاہد نوجوانو!

عام ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ مسلمان کافروں کو کیوں قتل کرتے ہیں اور میدان جہاد کو قائم کر کے ان کو کیوں مارتے ہیں؟ یہ سوال عام کفار بھی کرتے ہیں اور عام مسلمان بھی کرتے ہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مناسب جواب دیا جائے جس کے ضمن میں جہاد کی حکمت بھی واضح ہو جائے گی۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے اور اپنی غلامی کے لئے پیدا فرمایا ہے، انسان سب کے سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب انسانوں کا خالق و مالک ہے اب جو لوگ اپنے خالق و مالک کے ماننے سے بھی انکار کرتے ہیں اور اس کی عبادت واطاعت سے بیزار رہتے ہیں بلکہ کھل کر بغاوت پر اتر آتے ہیں اور کفر و شرک اور تمرد و سرکشی کے اعمال کو اپناتے ہیں تو ایسے لوگ درجہ حیوانیت میں چلے جاتے ہیں، ﴿اولئک کالانعام بل هم اضل﴾ یعنی یہ لوگ جانوروں سے بدتر ہو جاتے ہیں کیونکہ حیوان دن بھر چرتا ہے تو شام کو اپنے مالک کے گھر آتا ہے مگر یہ انسان کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوا بلکہ مکمل طور پر بغاوت اور مقابلہ پر اتر آیا جب لوگ باغی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار اور وفا شعار بندوں کو حکم دیا کہ اب ان کو مارو، ان کی جان اب ایک حیوان کی طرح ہے جس کا ذبح کرنا بھی جائز ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے اور گھر میں بطور خدمت رکھنا بھی جائز ہے، اصول فقہ میں ''رق'' یعنی غلام بنانے کے ابواب میں یہ ذکر ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ باغی انسان اللہ تعالیٰ کی غلامی کو قبول نہیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم میرے غلام نہیں رہتے ہو تو میرے غلاموں کے غلام رہو اس طرح ان وفادار انسانوں کو یہ حق حاصل ہوا کہ وہ ان غداروں سے لڑیں اور انہیں ماریں اور انہیں قید کرلیں اور قید کرنے کے بعد ان کو غلام بنائیں اور پھر ان کی خرید و فروخت شروع کریں یا اپنے گھر میں رکھیں اور ان سے خدمت لیں، اگر لونڈی ہے تو بغیر نکاح کے ان سے ہمبستری بھی کریں یہ سب کچھ جائز ہے۔

مثال نمبرا

اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ مثلاً ایک حکومت ہے اس میں بغاوت ہوئی اور فوج دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک حصہ باغی افواج کا بن گیا اور دوسرا حصہ حکومت کی وفادار فوج کا ہوگیا۔اب حکومت اپنی وفادار فوج کو حکم دیتی ہے کہ اس باغی فوج کو ہلاک وتباہ اور قتل وبرباد کردو،ان کے اموال کو ضبط کرلو اور ان کو ختم کردو،اب اس باغی فوج کے خلاف بھی اقدامی ہجومی اور تعاقبی عمل ہوتا ہے،قرآن اور حدیث اور حضور اکرمؐ وصحابہؓ کے اقدامات کی روشنی میں اقدامی جہاد بھی فرض ہے تاکہ اس باغی مخلوق کا صفایا ہوسکے،اگر انہوں نے اقدام کیا تو وفادار فوج کو دفاعی انداز سے بھی لڑنے کا حکم ہے۔

اس حکم پر وفادار فوج میدان کارزار میں اترتی ہے اور جان کی بازی لگا کر باغی افواج کا قلع قمع کرتی ہے،اس اقدام کو عرفاً اور قانوناً دنیا کے لوگ حق بجانب سمجھتے ہیں اور اس فعل کو وہ مستحسن عمل قرار دیتے ہیں بالکل اسی طرح مسلمان اللہ جل جلالہ کی وفادار فوج ہے ان کو حکم ہے کہ ان باغی افواج (جو کفار ہیں) کو قتل کردو،ان کی جان،مال،اولاد اور بیوی بچے تمہارے لئے حلال ہیں،اب صورت حال یہ بنی کہ اگر اس باغی فوج نے اس وفادار فوج کو مارا تو ان وفادار افواج کو صدائے احتجاج بلند کرنے کا حق حاصل ہے کہ ہمیں کیوں مارا جارہا ہے اور ہم وفاداروں کو کیوں قتل کیا جارہا ہے لیکن اگر وفادار افواج نے باغی افواج کو مار کر پسپا کیا یا قید کیا تو ان کو اصولاً چیخنے یا فریاد کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ باغی فوج ہے جو صدائے احتجاج بلند کرنے سے محروم ہے کیونکہ یہ ظالم ہیں اور ظالم کی سزا بہر حال تباہی اور بربادی ہوتی ہے اسی کی طرف کسی شاعر نے اشارہ کیا ہے،ـ

نُسَمّٰى الظّٰالِمِيْنَ وَمَاظَلَمْنَا
وَلٰكِنَّا نُبِيْدُ الظّٰالِمِيْنَا

ہمیں ظالم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا ہے البتہ ظالموں کو ہم تباہ وبرباد کرتے ہیں۔

مثال نمبر۲

کفار کے قتل کے اس پس منظر کو آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مثلاً پوری دنیا کے انسان ایک جسم کی مانند ہیں مگر کفار اس جسم کا وہ حصہ ہے جو خطرناک ناسور میں مبتلا ہے اب ہر عقلمند یہ فیصلہ کرے گا کہ اس ناسور کا آپریشن ہونا چاہئے ورنہ یہ ناسور پورے جسم کو کھا جائے گا اور جسم کے صحت مند حصے کو بھی متاثر

کردے گا۔ اِدھر ڈاکٹروں نے بھی متفقہ فیصلہ سنادیا کہ اس حصہ کو فی الفور کاٹا جائے کیونکہ یہ حصہ فاسد ہو چکا، اب انصاف کیجئے اس حصہ کا آپریشن باقی جسم کی حفاظت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ یقیناً جواب اثبات میں ہوگا، بعینہ قتل کفار کی یہی صورت ہے، یہ ایک فاسد حصہ ہے جو عالم کائنات میں جسم انسانی کے لئے ناسور بنا ہوا ہے۔ میدان جہاد میں اس کا آپریشن نہایت ضروری ہے تاکہ یہ حصہ باقی جسم کو خراب نہ کردے اس مثال کے لئے بطور دلیل آپ خیبر کی جنگ سامنے رکھ دیجئے کہ وہاں ۹۲ یہودی مارے گئے اور جسم انسانی سے اس خطہ میں فاسد حصہ کاٹ دیا گیا اس کے بعد اسی سرزمین پر کروڑوں انسان اسلام پر پیدا ہورہے ہیں اور اسلام پر مر رہے ہیں اور جنت جارہے ہیں۔ اگر اس وقت فاسد حصہ کا آپریشن نہ ہوتا تو وہ حصہ اب تک موجود ہوتا اور لوگ یہودی یا نصرانی پیدا ہوتے اور یہودیت وعیسائیت پر مر کر سب جہنم چلے جاتے۔

قرآن کریم اور قتال کفار

میدان جہاد میں قتل کفار کے سلسلے میں قرآن عظیم نے غیر مبہم الفاظ میں تصریح کردی ہے کہ فتنہ اور شرک وکفر ختم کرنے کی غرض سے ان کافروں کو اس وقت تک قتل کرو جب تک فتنہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوجاتا، ان کی گردنیں اڑاؤ اور ٹھیک ٹھیک ان کے ایک ایک پور پر کاری ضرب لگاؤ۔

قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ ان کفار کو مارو کیونکہ اب اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دینا چاہتا ہے اور ان کو رسوا کرنا چاہتا ہے اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے سینوں اور دلوں سے غیظ وغضب کی سوزش کو نکال کر ان کے سینوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔ قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ شیطان کے حامیوں سے خوب لڑو اور کفر کے سرغنوں کو قتل کرو کیونکہ ان لوگوں کا کوئی عہد و پیمان نہیں قرآن کریم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ان کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم ان کو نکالو، قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ ان کو قتل کرو کیونکہ کفار کی سزا یہی ہے، قرآن کا یہ بھی اعلان ہے کہ سب مشرکوں سے ہر حال میں ایسا ہی لڑو جیسے وہ ہر حال میں تم سب سے لڑتے ہیں، قرآن ہمیں یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ اپنے قریب کے کافروں سے اس طرح لڑو کہ وہ تم میں سختی محسوس کریں۔

قرآن کہتا ہے کہ کفار سے لڑنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں بھاری معلوم ہوتا ہے لیکن بسا اوقات ایک چیز تمہیں بھاری معلوم ہوتی ہے مگر انجام کے اعتبار سے وہ تمہارے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اور ایک چیز تمہیں اچھی لگتی ہے (یعنی نہ لڑنا) مگر وہ تمہارے لئے بری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

قرآن ہماری غیرت کو اس طرح بھی جھنجھوڑتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے راستے میں نہیں لڑتے ہو حالانکہ ضعیف مرد اور عورتیں اور بچے فریاد کر کے کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس شہر سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، الغرض قرآن عظیم کی تمام آیتوں کی طرف اشارہ مشکل ہے کیونکہ قتل وقتال کے متعلق قرآن کریم میں ۷۹ صیغے ایسے استعمال ہوئے ہیں جو کفار سے لڑنے، انہیں مارنے اور مارنے والوں کی حوصلہ افزائی کے بارے میں ہر انداز سے آئے ہیں، مضارع کے صیغے بھی ہیں اور ماضی کے بھی اور مصدر رواسم فاعل کے صیغے بھی ہیں اس کو الگ الگ گن کر دیکھ لیا جائے تو ستر آیتوں سے یہ آیتیں کم نہیں ہوں گی اس کے علاوہ جو جہاد کے صیغے ہیں وہ ۲۶ صیغے ہیں جس سے بیس سے زیادہ آیتوں کا پتہ چلتا ہے اور وہ آیتیں جس میں ضَرَبَ کے صیغے آئے ہیں وہ بھی کافی ہیں اور وہ عام آیتیں جو میدان جہاد کے متعلق قرآن کریم میں موجود ہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں، اس سے ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی باغی مخلوق سے لڑنا انہیں قتل کرنا اور انہیں راہ راست پر لانا اللہ تعالی کا حکم ہے اور مسلمانوں کا ایک دینی فریضہ ہے یہ ظلم نہیں بلکہ ظالم کو ہٹانا مٹانا ہے ۔

نُسَمّٰی الظَّالِمِیْنَ وَمَا ظَلَمْنَا
وَلٰکِنَّا نُبِیْدُ الظَّالِمِیْنَا

ہمیں ظالم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا ہے البتہ ظالموں کو ہم تباہ و برباد کرتے ہیں۔

تفسیر

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے سورت بقرہ آیات ۲۵۱، کی تفسیر میں چند جملے ارشاد فرمائے ہیں ملاحظہ ہو: ”اس سے معلوم ہوگیا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے نادان کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں“۔ (تفسیر عثمانی ص۵۲)

احادیث اور قتال کفار

جس طرح قرآن کریم میں کفار سے قتل وقتال کے غیر مبہم بلکہ واضح احکامات موجود ہیں اور کثیر مقدار میں ایات ہیں بالکل اسی طرح احادیث مقدسہ میں بڑے پیمانے پر کفار سے لڑنے اور انہیں مارنے اور قتل کرنے کے فضائل ومسائل اور واضح دوٹوک احکامات موجود ہیں۔ احادیث کی کتابوں میں کتاب الجہاد طویل مباحث اور میدان جنگ کے تمام فضائل پر مشتمل ہوتی ہے، صرف بخاری شریف میں کتاب

الجہاد ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے اور جلد ثانی میں کتاب المغازی ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس طرح جہاد وغزوات کے مباحث مکمل بخاری شریف میں ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہیں جو ۷۱ اوراق بنتے ہیں، یہ کوئی معمولی اہتمام نہیں بلکہ بہت بڑا اہتمام ہے۔

فضائل جہاد احادیث کی روشنی میں

(۱) وعن ابی ھریرۃؓ قال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لایجتمع کافر وقاتلہ فی النار ابداً. (مسلم شریف)

''حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر اور اس کا مارنے والا (مسلمان) کبھی بھی دوزخ میں یک جا نہیں ہوسکتے یعنی مسلمان جنت میں اور کافر دوزخ میں ہوگا''۔

(۲) وعن جابر بن سمرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لن یبرح ھذاالدین قائمایقاتل علیہ عصابۃ من المسلمین حتی تقوم الساعۃ . (مسلم شریف)

''حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی جماعت اس دین کی حفاظت کے لئے لڑتی رہے گی یعنی قرب قیامت تک روئے زمین جہاد سے خالی نہیں رہے گی کسی نہ کسی صورت میں کہیں نہ کہیں جہاد ہوتا رہے گا''۔

(۳) وعن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اغار علی بنی المصطلق غارین فی نعمھم بالمریسیع فقتل المقاتلہ وسبی الذریۃ . (بخاری ومسلم)

''حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی المصطلق پر اس وقت ٹوٹ پڑے تھے جب وہ مریسیع میں اپنے مویشیوں کے درمیان غافل پڑے تھے چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کردیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لے آئے۔

(۴) وعن ابی موسیٰؓ قال جاء رجل الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر. والرجل یقاتل لیریٰ مکانہ فمن فی سبیل اللّٰہ ؟قال من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیاء فھو فی سبیل اللّٰہ. (بخاری ومسلم)

''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور عرض کیا کہ ایک تو وہ شخص ہے جو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے دوسرا وہ شخص ہے جو شہرت اور نام ونمود کے لئے لڑتا ہے تیسرا وہ شخص ہے جو اس لئے لڑتا ہے تاکہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے اور اس کی بہادری کا ڈنکا ہر طرف بجے ان تینوں میں کون اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہو جائے وہ اللہ کے راستے اور صحیح جہاد میں ہے''۔

(۵) وعن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال. (ابوداؤد)

''حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت وحفاظت کے لئے لڑتی رہے گی اور جو شخص بھی اس (جماعت) سے دشمنی کرے گا وہ اس پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ مسیح دجال سے جنگ کریں گے''۔

(۶) وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افشوا السلام واطعموا الطعام واضربوا الهام تورثوا الجنان. (ترمذی)

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام کو عام کرو اور محتاج لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کفار کی کھوپڑیاں (جہاد میں) اڑاؤ جنت کے وارث بنائے جاؤ گے''۔

(۷) وعن معاذ بن جبلؓ انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من قاتل في سبيل الله فواق ناقة فقد وجبت له الجنة. (ابوداؤد)

''حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ جہاد میں اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے بقدر (تھوڑی دیر کے لئے) بھی لڑا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی''۔

(۸) وعن ثوبان بن يزيد ان النبي صلى الله عليه وسلم نصب المنجنيق على اهل الطائف. (ترمذی مرسل)

''حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی''۔

(۹) وعن ابن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اراد قتل عقبۃ بن ابی معیط قال من للصبیۃ؟ قال النار. (ابوداؤد)

''حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ میری بچیوں کا کیا بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا ان کے لئے دوزخ ہے''۔

(۱۰) غزوۂ بنو قریظہ میں گرفتار شدہ ایک نوعمر لڑکے عطیہ قرظی کا بیان ہے کہ میں بنو قریظہ کے قیدیوں میں شامل تھا ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے گئے، صحابہ کرام ہر نوعمر لڑکے کو دیکھتے تھے اگر زیر ناف بال موجود ہوتے تو اس کو جوانوں میں شامل کر کے قتل کر دیا کرتے تھے اور جس کے بال نہ آئے ہو اس کو چھوڑ دیا کرتے تھے میری شرم گاہ کو بھی دیکھا تو بال نہیں اگے تھے اس لئے مجھے قیدیوں میں رکھا۔

(۱۱) میدان احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک کافر ابی بن خلف کو نیزہ مار کر قتل کیا تھا۔ مکہ مکرمہ جب فتح ہوا تو ابن خطل بیت اللہ کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ جاؤ اسے قتل کر دو، کعب بن اشرف اور ابو رافع اور ابو عفک یہودی سب کو آپؐ کے حکم پر صحابہ کرام نے موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر حضور اکرمؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے لاکھوں کفار کو سرزمین شام اور پھر مصر، پھر دیار بکر اور پھر فارس میں قتل کیا کیونکہ قرآن کریم واحادیث نے صحابہ کرام کو واضح طور پر ان کے قتل کا حکم دیا تھا لہٰذا صحابہ نے قرآن پر عمل کیا اور کفار کو مارا یہ نہیں کہ صحابہ جو قرآن کریم کے پہلے مخاطب تھے انہوں نے عیاذ باللہ قرآن پر عمل نہیں کیا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے قرآنی احکامات کا حق ادا کیا اور مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ساری زمین پر غلبہ حاصل کر کے اسلام کو حاکم بنایا اور کفار کو نیست و نابود کیا۔ سچ ہے ؎

خلق اللہ للحروب رجالا
و رجالا لقصعۃ و ثرید

''اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو جہاد کے لئے اور بعض کو صرف کھانے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

قرآن وحدیث

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (۳۹/ انفال)

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ (۳۹/حج)

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ ۲۱ اگست ۱۹۹۸ء جلسہ بمقام جہانگیری مسجد جہانگیر روڈ کراچی

موضوع

بڑوں کی جرأت، چھوٹوں کی ہمت

بسم الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وحدہ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ وعلی آلہ وصحبہ الذین أوفوا عھدہ، أما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

﴿قَالَتْ اِنِّیٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتَابٌ کَرِیْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمَانَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝﴾

بلقیس نے کہا میری طرف ایک معزز خط لکھا گیا ہے درحقیقت یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا ہے کہ مجھ پر سرکشی نہ کرو بلکہ جھک کر میری طرف آؤ۔

وَقَالَ عَلَیْهِ الصلوۃ والسلام "اَسْلِمْ تَسْلَمْ"

یعنی حضور اکرمؐ نے فرمایا اے ہرقل اسلام لے آؤ بچ جاؤ گے (ورنہ تیرا بچنا محال ہے)

نگہ بلند سخن دلنواز جان پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے
افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات

محترم علماء کرام اور معزز سامعین!!

میں آپ حضرات کے سامنے جہاد مقدس کے عنوان سے ایک ایسے پہلو پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے بہت کم سنا ہوگا۔ جہاد کے حوالے سے ہمیں انتخاب موضوع میں یہ دشواری ہوتی ہے کہ اس کے کس پہلو سے بحث کی جائے کیونکہ جہاد کے اتنے زیادہ فضائل و مسائل ہیں کہ ایک ایک پہلو مستقل وقت چاہتا ہے اور مستقل تفصیل مانگتا ہے اس وقت میں آپ کے سامنے وقت کے تقاضے کے مطابق جہاد کے اس پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بڑوں میں جب ہمت و جرأت اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے تو اس کا ایک نفسیاتی اثر چھوٹوں پر پڑتا ہے اگر بڑے عالی ہمت ہو کر زبان سے بڑی اور عالی ہمت بات کرتے ہیں تو چھوٹوں کو اس

سے حوصلہ ملتا ہے۔ میری مراد بڑوں اور چھوٹوں سے حکمران اور عوام ہے اگر حکمران شہامت و جرأت اور شجاعت والے ہوتے ہیں تو اس کا براہ راست اثر عوام پر پڑتا ہے اور عوام ہمت والے بن جاتے ہیں تو سب سے پہلے آپ اس بات کو سمجھ لیں کہ جو قومیں اور حکمران اپنے قانون پر چلتے ہیں تو جتنا وہ اپنے قانون کو بلند رکھیں گے اتنا ہی وہ خود بلند ہوتے جائیں گے اور جتنا وہ اپنے قانون کو گرائیں گے اتنا وہ خود ذلت کے غاروں میں جا گریں گے بلکہ قانون کی گراوٹ سے دس گنا زیادہ نیچے جا کر گریں گے۔

پھر بات قانون کی بھی ہے جتنا کسی کا قانون بلند و عالیشان ہوگا اتنا ہی وہ لوگ خود عالیشان ہوں گے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سب سے عالی شان قانون اور نظام مسلمانوں کے پاس ہے اگر مسلمان اپنے اس قانون کو بلند رکھیں تو اس شان والے قانون کی برکت سے مسلمان عالی شان بن جائیں گے جس طرح کہ سلف صالحین میں ایسا ہی ہوا اور اس راز کی طرف اس حدیث میں اشارہ بھی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا لْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ.

یعنی اللہ تعالیٰ اس کلام اللہ کے ذریعے سے بعض لوگوں کو آسمان عروج پر بلند فرماتا ہے اور بعض کو قعر مذلت میں نیچے گرا دیتا ہے تو اس کو اپنانے والے بلند ہوں گے اور چھوڑنے والے ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ پھر جب قانون بلند ہوا اور قانون پر چلنے والے بھی بلند ہوں تو وہ جب کوئی بات کریں گے وہ بات بھی بلند ہوگی جرأت و شجاعت اور ہمت والی ہوگی جس کا براہ راست اثر ماتحت حضرات پر پڑے گا اور وہ ہمت والے ہوتے چلے جائیں گے چند بڑوں کی جرأت والی باتیں ملاحظہ ہوں۔

حضرت سلیمانؑ کی جرأت

حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت تک سوائے رسول اللہؐ کے اور کسی نے بادشاہی حکم دے کر اتنی جرأت والی بات نہیں کی ہوگی اور اتنا جرأت مندانہ خط کسی بادشاہ کے نام کسی نے نہیں لکھا ہوگا جو سلیمانؑ نے لکھا ہے تاریخِ عالم میں اگر کسی بادشاہ نے کسی بادشاہ اور اسکی سلطنت کے نام سب سے زیادہ زوردار خط لکھا ہے تو وہ حضرت سلیمانؑ کا خط ہے جس کو قرآن نے بھی نقل کیا ہے۔

قصہ یوں پیش آیا کہ ہُد ہُد پرندہ سیر و تفریح کے طور پر نکل گیا اور اچانک ملک سبا میں ملکۂ بلقیس کی سلطنت میں جا پہنچا۔ وہاں ہُد ہُد نے دیکھا کہ ایک سلطنت قائم ہے زمام اقتدار مشرکین و کفار کے ہاتھ میں ہے اور سربراہ مملکت ایک عورت ہے جس کا نام بلقیس ہے۔ ہُد ہُد نے واپس آ کر سارا نقشہ حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے ہُد ہُد سے فرمایا کہ میں تجھے آزماتا ہوں کہ تم سچ کہتے ہو یا

جھوٹ بولکر جان بچاتے ہو۔ چلو میں ایک خط اس سلطنت کے نام لکھ دیتا ہوں پتہ لگ جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے اس طرح خط لکھا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ (نمل)

یعنی یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اس میں بسم اللہ کے بعد لکھا ہے کہ مجھ پر سرکشی اور زور آزمائی مت کرو بلکہ گردن جھکا کر آجاؤ۔

اس خط کو ملکہ بلقیس نے پڑھا حیران ہوئیں کہ سارے دروازے بند تھے یہ خط اندر تخت پر لا کر کس نے رکھا پھر اس سے مزید گھبرا گئیں کہ اس زوردار دوٹوک الفاظ میں خالص اطاعت کی طرف بلانے والے کیسے آدمی ہیں۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے اسمبلی کا اجلاس طلب کیا اور یہ خط پڑھ کر سنایا اور کہا کہ میں اکیلی کوئی فیصلہ نہیں کرتی ہوں آپ بتائیں کہ کیا کرنا چاہیئے اس وقت کے شاہ کے وفاداروں نے شاہ سے بڑھ کر وفاداری کا مظاہرہ کیا خوب ڈینگیں ماریں اور اپنی طاقت کا بھرپور اعلان کیا۔ ملکہ بلقیس نے کہا کہ یہ ایک بادشاہ کی طرف سے خط ہے بڑا زوردار اور بڑا مزیدار ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ بادشاہ لوگ جب کہیں چڑھائی کرتے ہیں تو سب کچھ برباد کر جاتے ہیں۔ بڑے لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں اور نقشہ بدل جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے، ہاں میں سیاسی طور پر اس بادشاہ کو آزماتی ہوں کہ دنیاداری پر یہ خط مبنی ہے یا اس کے پیچھے وہی حقیقت ہے جو اس میں لکھی ہے۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے بڑے بڑے تحفے تحائف اور سونا چاندی اور غلام پیکر جمال وکمال بھیج دیئے، اِدھر حضرت سلیمانؑ نے حکم دے دیا کہ اتنے میل کے فاصلے پر ایک سڑک اس راستے پر بنائی جائے جس سے یہ لوگ آرہے ہیں اور سڑک میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی جوڑ کر اس کے اوپر سمندری جانوروں کو باندھ لیا جائے۔

چنانچہ سونے چاندی کی اینٹوں سے یہ سڑک تیار ہوگئی اور بلقیس کے لوگ اس پر پہنچ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو سڑکیں سونے چاندی سے بنی ہوئی ہیں تو وہ لوگ اپنا تحفہ ظاہر ہی نہ کر سکے اور واپس چلے گئے۔ پھر ملکہ بلقیس مسلمان ہو کر گردن جھکا کر آگئیں اور اس کے ملک پر اسلام اور حق کا جھنڈا لہرانے لگا۔

اس قصہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جب بڑوں میں جرأت ہوتی ہے تو چھوٹوں میں ہمت آجاتی ہے اور اگر بڑے کمزور پڑ جاتے ہیں معذرت منت سماجت پر اتر آتے ہیں تو چھوٹے بزدل بن جاتے

ہیں۔ اب اسی خط کو لیجئے یہ سربراہ مملکت کا ایک مختصر ترین خط ہے سربراہ بادشاہ خلیفہ بھی ہے اور وقت کا نبی اور پیغمبر بھی ہے۔ اس وقت یہ خط نشریات کے اپنے انداز سے خوب پھیل گیا ہوگا تو عوام الناس پر اس کا کتنا بڑا اثر ہوا ہوگا۔ سچ ہے

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

تفسیر:

اس خط کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے چند جملے بھی ملاحظہ ہوں۔

ایسا مختصر، جامع اور پُر عظمت خط شاید ہی کسی نے لکھا ہو، مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ حاصل ہوگا، خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ، تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گا۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۰۵)

رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط

بڑوں میں جب جرأت وشجاعت ہوتی ہے تو چھوٹوں پر اس کا نفسیاتی اور طبعی اثر پڑتا ہے بڑوں کی زبان سے جب جرأت کی بڑی بات نکلتی ہے تو چھوٹوں کو حوصلہ ملتا ہے اور ان کی ہمتیں بلند ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے مسلمانوں کے بادشاہ اور خلیفہ کے لئے شجاعت اور جرأت و بہادری کو بطور شرط ذکر کیا ہے اور ایسا خلیفہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے جو کسی فیصلہ کے قابل نہ ہو اور انتہائی درجہ کا بزدل ہو، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ بادشاہ اپنی بزدلی کی وجہ سے پوری امت مسلمہ کو بزدل بنا کر چھوڑ دے گا اور اسلام کا بڑا نقصان ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم شجاعت اور بڑی ہمت عطا کی تھی گویا آپ کے حق میں کسی نے کہا ؎

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا
وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

یعنی آپ کی بڑی ہمتوں کا تو کوئی اندازہ نہیں اور آپ کی سب سے چھوٹی ہمت بھی پہاڑوں اور زمانوں سے بڑی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی بہادری کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ گھمسان کی سخت لڑائی میں ہم حضور اکرم ﷺ کی آڑ لے کر کھڑے ہو جاتے لیکن آپ کو کوئی خوف نہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے بہادروں نے حضور اکرم ﷺ کو قبول کر کے مانا ہے اگر آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر نہ ہوتے تو کبھی بھی

حضرت خالد بن ولیدؓ یا ضرار بن ازورؓ یا علی مرتضیٰؓ جیسے بہادر آپؐ کو نبی ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے کیونکہ طبعی طور پر بہادر آدمی کسی بزدل آدمی کی اطاعت کو قبول نہیں کرتا ہے۔

اب آیئے اور حضور اکرمؐ کے دو خطوط ملاحظہ فرمائیں جس میں سے ایک خط اس وقت کے سپر پاور ہرقل بادشاہِ روم کے نام تھا دوسرا کسریٰ بادشاہ فارس کے نام تھا جو اس وقت کی دوسری سپر طاقت کہلائی جاتی تھی آپؐ نے ہرقل کے نام جو خط لکھا اس کے ابتدائی چند جملے ملاحظہ ہوں۔

ہرقل کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْد. فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ، اَسْلِمْ يُؤْتِکَ اللّٰهُ اَجْرَکَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْکَ اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ الخ .

یعنی یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے روما سلطنت کے بڑے ہرقل کے نام ہے جو کوئی ہدایت قبول کرے اسے سلام قبول ہو۔

امابعد! میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آ ؤ بچ جاؤ گے (ورنہ تیرا بچنا محال ہے) اسلام لے آؤ اللہ تعالیٰ تجھے دو اجر عطا کر دے گا اگر تم نے اعراض کیا تو وڈیروں اور رعایا کی ساری ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔

شاہ فارس کسریٰ کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی كِسْرٰی عَظِيْمِ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی. اَدْعُوْکَ بِدِعَایَةِ اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَی النَّاسِ كَافَّةً لِاُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْكَافِرِيْنَ اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ .

یعنی یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فارس کے بڑے کسریٰ کے نام ہے جو کوئی حق کو قبول کرے اس پر سلامتی ہو، میں تجھے اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اللہ کی طرف سے

سارے انسانوں کے لئے رسول ہوں تاکہ میں اسلام پر آنے والے کو ڈراؤں اور کافروں پر اتمام حجت ہوجائے۔ اسلام لے آؤ بچ جاؤ گے (ورنہ تیرا بچنا محال ہے) اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو مجوسیوں کا سارا گناہ تم پر ہوگا۔

شاہ مصر مقوقس کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقِسَ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ. فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ،اَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمُ اَهْلِ الْقِبْطِ الخ

یعنی یہ خط اللہ کے بندے محمد رسول اللہ کی طرف سے مصری قبطیوں کے بڑے مقوقس کے نام ہے ہدایت قبول کرنے والے پر سلام ہو۔

امابعد! میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آ، بچ جاؤ گے (ورنہ تیرا بچنا محال ہے) اسلام لے آ، تجھے اللہ دو اجر عطا کرے گا اور اگر تم نے اعراض کیا تو قبطیوں کا سارا گناہ تم پر ہوگا

شاہ یمامہ ہوذہ کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى هُوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاعْلَمْ اَنَّ دِيْنِيْ سَيَظْهَرُ اِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ

یعنی محمد کی طرف سے یہ خط ہوذہ بن علی کے نام ہے جو کوئی حق کو قبول کرے اس پر سلام ہو۔ خوب یاد رکھو! میرا لایا ہوا یہ دین عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک اونٹ کا موزہ اور گھوڑے کا کھر پہنچ سکتا ہے۔ پس اسلام قبول کر لو بچ جاؤ گے (ورنہ بچنا محال ہے) یعنی جہاں اونٹ اور گھوڑا پہنچے گا وہاں تک جہاد ہوگا اور دین پھیلے گا۔

محترم سامعین!

یہ فرامین نبی الرحمۃ ورسول الملاحم کے ہیں صاحب الجمل الاحمر و السیف

نستنہر ہے ہیں، جیش الانبیاء والمرسلین کے ہیں۔ ان کی عظمت کو دیکھو اور ان کی حقیقت وحقانیت، سنجیدگی ومتانت کو دیکھو ان کی سادگی اور قوت کو دیکھو۔ بڑوں کے جملے جب اس طرح پُر عزم ہوں تو چھوٹوں کو اس سے حوصلہ ملتا ہے اور اگر بڑوں کے جملے معذرت خواہانہ ہوں عاجزانہ ہوں اور منت وسماجت پر مبنی ہوں تو دشمن شیر ہو جاتا ہے اور رعیت بزدل بن جاتی ہے پھر مسلمان اپنے عقیدے اور تقدس کو کبھی بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے۔

حضور اکرمؐ کے اس پُر شکوہ اور پُر عظمت خطوط سے آپ اندازہ لگائیں کہ جب ۱۴سو سال بعد بھی ان خطوط میں اتنی جان ہے کہ آج کا کمزور مسلمان اس سے ایک عجیب حوصلہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت جب ان جملوں کا چرچا ہوا ہوگا اس سے لوگ کتنے حوصلہ مند ہوئے ہوں گے۔ یہی خطوط وہ بنیاد تھی۔ جس پر صحابہ کرامؓ نے سرزمین شام میں جہاد کیا اور اس کو فتح کیا پھر دیار بکر فتح کیا اور پھر وسط ایشیا کی سرحدوں اور فارس کے آخری ایوانوں تک پہنچ کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کیا۔

انہی خطوط میں جلندی کے دو بیٹوں کے نام بھی ایک خط ہے جس میں اس طرح عظیم جملے واقع ہیں۔

اَسْلِمَا تَسْلَمَا فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً وَاِنْ اَبَیْتُمَا اَنْ تُقِرَّا بِالْاِسْلَامِ فَاِنَّ مُلْکَکُمَا زَائِلٌ عَنْکُمَا وَخَیْلٌ تَحُلُّ بِسَاحَتِکُمَا وَتَظْهَرُ نُبُوَّتِیْ عَلٰی مُلْکِکُمَا.

"یعنی اسلام لے آؤ تم دونوں بچ جاؤ گے (ورنہ بچنا محال ہے) پھر یہ سنو کہ میں سارے انسانوں کے لئے اللہ کی طرف سے رسول ہوں اور اگر تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو یاد رکھو کہ تم دونوں کی حکومت زائل ہونے والی ہے اور تمہارے آنگنوں، صحنوں اور میدانوں میں غازیوں کے گھوڑے حملہ کرتے ہوئے نظر آئیں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آجائے گی۔

یہ عظمت کے وہ اعلانات تھے جن سے عام صحابہ کرام کو حوصلہ ملا اور وہ دنیا کے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال کے مالک ہو گئے اور وہاں پر اللہ کا دین بلند کیا۔ اسی نقشہ کو حضرت حسانؓ اپنے شعر میں اس طرح سے پیش کرتے ہیں ؎

وَکُنَّا مَتٰی یَغْزُ النَّبِیُّ قَبِیْلَةً

نَصِلُ جَانِبَیْهِ بِالْقَنَا وَالْقَنَابِلِ

"یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کیخلاف اعلان جنگ فرماتے ہیں تو ہم نیزوں اور گھوڑوں

کے ذریعے سے آپ کے دونوں جانب چاق وچوبند دستوں کی طرح کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ کا جرأت مندانہ اعلان

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ ہو گئے۔ آپؓ نے ایک جرأت مندانہ اعلان اس وقت کیا جب کہ مرتدین کیساتھ جنگ شروع ہونے والی تھی اور جیش اسامہ کو شام کی طرف روانہ کرنے اور نہ کرنے میں رائے کا اختلاف آنے لگا تھا۔

پہلا اعلان

جب حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ نے اصرار کیا کہ مدینہ کو مرتدین کی طرف سے خطرہ لاحق ہے لہٰذا اسامہ کا لشکر شام کی طرف نہ بھیجا جائے تو صدیق نے اس طرح اعلان کیا:

"حالات جیسے بھی ہوں، نتائج کیسے بھی ہوں، رسول اکرمؐ کا ترتیب دیا ہوا لشکر ضرور بضرور اپنے جہادی مہم پر جائے گا۔ ٥ خدا کی قسم! جس جھنڈے کو حضور اکرمؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہے میں اُسے ہرگز نہیں کھولوں گا۔ ٥ خدا کی قسم! اگر مجھے کتے اور بھیڑیئے بھی اُچک لیں تب بھی اسامہ کا لشکر روانہ کروں گا۔ ٥ میرے جسم کی بوٹیاں پرندے نوچ نوچ کر لے جائیں وہ مجھے پسند ہے اس سے کہ میں رسول اکرمؐ کے کسی فیصلے میں تغیر کروں۔ ٥ خدا کی قسم! اگر ازواج مطہرات پر بھی کتے حملہ آور ہو جائیں تب بھی میں جیش اُسامہ روانہ کروں گا۔ ٥ اگر کوئی نہ ملا تو میں اکیلے اس مہم پر چلا جاؤں گا۔"

محترم دوستو!

ذرا سن تو لیں یہ کون سی آواز ہے جو بجلی کی طرح کانوں کے پردے جلا کر ہٹا رہی ہے یا آسمان کی کڑک ہے جو دلوں کو جھنجوڑ رہی ہے۔ تاریخ نے لکھا ہے کہ اس اعلان کے بعد صحابہ کرام اس جوش سے تیار ہو گئے کہ مدینہ میں ایک عجیب منظر دیکھنے والوں نے دیکھا۔

دوسرا اعلان:

حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد جزیرۂ عرب میں اکثر لوگ تو مرتد ہو کر اسلام سے پھر گئے اور کچھ نے صرف زکوٰۃ سے انکار کیا تھا یعنی نمازیں پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے کلمہ شہادت کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن خلیفہ رُسول صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان لوگوں کے خلاف بھی لڑنے کا اعلان کیا تو اس پر حضرت عمر فاروقؓ اور صدیق اکبرؓ کے درمیان کچھ اختلاف ہو

گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ یہ لوگ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں آپ ایک کلمہ گو کے خلاف کیسے جہاد کریں گے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جوشخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اگرچہ وہ نمازیں پڑھتا ہو میں ان کیخلاف لڑوں گا اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کو یہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے۔

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ ؟

اے عمر! جاہلیت میں تو آپ بڑے دلیر، جری اور بہادر تھے کیا اسلام میں بزدل بن رہے ہیں؟

اِنَّهٗ قَدْ اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقُصُ (الدِّيْنُ) وَاَنَا حَیٌّ؟

بے شک دین اسلام مکمل ہو چکا ہے، وحی بند ہو گئی ہے کیا دین مٹتا رہے گا اور میں زندہ رہوں گا؟ (یہ نہیں ہوسکتا)۔

عزت و عظمت اور جرأت وشجاعت کے ان جملوں نے صحابہ کرام میں نئی روح پھونک دی اور پھر سب نے متفق ہو کر مرتدین کے خلاف کاروائی کی۔

تیسرا اعلان:

صدیق اکبرؓ جب داخلی طور پر مرتدین کی سرکوبی سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ارادہ کر لیا کہ اب جزیرہ عرب سے باہر جہادِ مقدس کے اس عظیم عمل کو جاری کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے صدیق اکبرؓ نے مدینہ منورہ میں عام صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک زوردار خطبہ دے کر سلطنت روما سے ٹکر لینے کا اعلان فرما دیا۔ اس خطبے کے چند کلمات اس طرح ہیں۔

يَااَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ عَوَّلْتُ اَنْ اُوَجِّهَكُمْ اِلٰی الشَّامِ لِتَأْخُذُوْهَا مِنْ اَيْدِی اللِّئَامِ الطُّغَامِ

اے لوگو! آپ کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ میں تمہیں سرزمین شام کی طرف متوجہ کر کے روانہ کروں تاکہ وہاں کمینوں اور سرکشوں سے تم سرزمین شام چھین لو۔

صدیق اکبرؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے خطبہ میں جو اعلان فرمایا اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا! اے لوگو! سن لو کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔"

صدیق اکبرؓ کے ان جرأت مندانہ اعلانات کی روشنی میں سرزمین شام، مصر اور پھر فارس میں عظیم الشان جہاد ہوا علاقے فتح ہو گئے اور اسلام عام ہو گیا سچ ہے

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

حضرت عمر فاروق ؓ کی جرأت

حضرت عمر فاروق ؓ کی حمیت اسلامی اور غیرت دینی تو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے نبی کریم ؐ نے ''اشدھم فی امر اللہ عمر '' کے شاندار الفاظ سے آپ کی جرأت وشجاعت اور اللہ کے دین میں سیف یزدان اور تلوار بے نیام ہونے کی طرف اشارہ فرمادیا ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ شیطان ابلیس اس راستہ پر چل کر سامنے سے نہیں آسکتا ہے جس راستہ سے حضرت عمر فاروق ؓ کا گذر ہو۔ تیز شدت ایمانی اور غیرت دینی ہی کی وجہ سے آپ کو دربار نبوی سے "الفاروق" کا شاندار لقب بھی ملا۔ لہٰذا جرأتوں، عزتوں، عظمتوں اور ہمتوں کا آپ امتیازی نشان تھے۔ آپؓ جب صدیق اکبر ؓ کے بعد امیر المؤمنین بنے تو ہرقل نے اپنی پارلیمان میں تمام ممبروں کے سامنے یہ بیان دیا۔

اے بنی اصفر! یہ عمر وہی شخص ہے جس سے میں تمہیں ڈرایا کرتا تھا اور تم نہیں مانتے تھے۔ اب اس گندمی رنگ کے مالک اور سیاہ آنکھوں والے شخص کو حکومت ملی ہے اس کے آنے سے اب معاملہ زیادہ سنگین اور خطرناک ہوگیا ہے اب وہ وقت زیادہ دور نہیں کہ یہ شخص میرے تخت کا مالک ہوجائے گا۔ یہ شخص حرب وضرب کا ماہر اور روم وفارس کو زیروزبر کرنے والا ہے اپنے دین کا زاہد اور دوسری ملتوں کے تابعین پر بہت سخت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق ہرقل کی جو رائے تھی اور جو اندازے تھے وہ بالکل درست تھے۔ ہرقل نے سابقہ کتابوں کی روشنی میں یہ باتیں بیان کیں تھیں۔

فاروق اعظمؓ کا پہلا اعلان

سرزمین شام میں افواج اسلامیہ کے امیر عام (چیف آف آرمی) حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو حضرت فاروق ؓ نے کفار سے ٹکر لینے کے لئے جو خط لکھا تھا اس کے چند جملے یہ ہیں:

فَاِذَا قَرَأْتَ کِتَابِیْ ھٰذَا فَاعْقِدْ عَقْدًا لِعِیَاضِ بْنِ غَنَمِ الْاَشْعَرِیِّ وَجَھِّزْ مَعَہٗ جَیْشًا اِلٰی اَرْضِ رَبِیْعَۃِ وَدِیَارِبَکْرٍ وَاِنِّیْ اَرْجُوْ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَنْ یُّفْتَحَھَا عَلٰی یَدَیْہِ وَاِنِّیْ اُوْصِیْہِ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالْجِھَادِ وَالْاِجْتِھَادِ فِیْ طَاعَتِہٖ"

آپ جب میرے اس خط کو پڑھ لیں تو فوراً عیاض بن غنم کیلئے جنگی جھنڈا باندھ لیں اور دیار بکر اور سرزمین ربیعہ کی طرف ان کو ان کے لشکروں کیساتھ روانہ کردیں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ علاقے ان

کے ہاتھوں پر فتح ہو جائیں گے۔ میں ان کو تقویٰ اور خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں اور ان کو جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں محنت کی وصیت کرتا ہوں۔

نوٹ: یہ خط کچھ لمبا ہے میں نے چند جملے لکھ دیئے نیز یہ وہی خط ہے جس میں فاروق اعظمؓ نے فارس کی فتوحات کا دروازہ کھولا ہے اور دیار بکر اس کی ابتدا تھی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دوسرا اعلان

فاروق اعظم نے حضرت سعدؓ کو ایک تاریخی خط لکھا جس کے چند جملے یہ ہیں:

فَاِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ وَمَنَحَكَ اللّٰهُ اَدْبَارَهُمْ فَاِذَا هَزَمْتَهُمْ فَلَا تَنْزِعْ عَنْهُمْ حَتّٰى تَقْحَمَ عَلَيْهِمُ الْمَدَائِنَ فَاِنَّهٗ خَرَابُهَا اِنْشَآءَ اللّٰهُ. (البدایہ والنہایہ ج۷ص۳۸)

اے سعد! جب دشمن سے آمنا سامنا ہو جائے اور دشمن پیٹھ پھیر کر کے بھاگ جائے تو ان سے ہاتھ نہ کھینچنا بلکہ ان کا پیچھا کرتے کرتے مدائن کے اندر گھس جانا اور یہ دارالخلافہ انشاءاللہ خراب و برباد ہونے والا ہے۔

فاروق اعظمؓ نے اس قسم کا ایک خط حضرت قعقاع بن عمرو کو بھی لکھا تھا کمانڈر زہرہ اور ہاشم وغیرہ کے نام بھی لکھا تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تیسرا اعلان

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ وَاللّٰهِ لَاَرْمِيَنَّ مُلُوْكَ الْعَجَمِ بِمُلُوْكِ الْعَرَبِ.

(بدایہ نہایہ ج۷ص۳۷)

خدا کی قسم میں مسلمان عرب شہزادوں کو عجمی بادشاہوں پر دے ماروں گا۔

نوٹ: یہی ہوا کہ عرب مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر عجم کفار کو ایسا مارا کہ فارس کی شہنشاہیت کے پرخچے اڑ گئے اور فارس پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ سچ ہے۔

وَبَاتَ اِيْوَانُ كِسْرٰى وَهُوَ مُنْصَدِعٌ
كَشَمْلِ اَصْحَابِ كِسْرٰى غَيْرُ مُلْتَئِمِ

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا چوتھا اعلان

يَامَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ كُوْنُوْا اَسُوْدًا فَاِنَّمَا الْفَارِسِيُّ التَّيْسُ. (بدایہ نہایہ ج۷ ص۳۶)

اے مہاجرین وانصار تم شیر بن جاؤ یہ فارس کے لوگ تو بکریاں ہیں ان کو دبوچ لو۔

بھائیو! دوستو اور بزرگو! یہ ہے ہمارے اسلاف کی جرأت وہمت اور یہ ہے صحابہ کرام کا جذبۂ جہاد اور یہ ہے ان کا جذبہ شہادت، آج کل کے ہمارے بڑوں اور بزرگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو شیروں والا جذبہ دیں نہ لومڑیوں والا، تا کہ ہمارے چھوٹے عالی ہمت بن جائیں کیونکہ

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سیف اللہ خالدؓ کا اعلان جرأت

حضرت خالد بن ولیدؓ کی جرأتوں کو جمع کرنا، اکٹھا کرنا اور ایک نشست میں بیان کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور جن کے بارے میں صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ خالد اللہ کی وہ سونتی ہوئی تلوار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کفار پر سونت لیا ہے میں اسے کبھی بند نہیں کر سکتا۔

صدیق اکبرؓ نے جب سنا کہ مسیلمہ کذاب نے بڑا زبردست لشکر مقابلہ کے لئے اکٹھا کیا ہے تو آپؓ نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَاَشْفِيَنَّ وَسَاوِسَهُمْ بِخَالِدٍ

خدا کی قسم میں اُن لوگوں کے دماغی وسوسوں کو خالد بن ولید کے ذریعہ سے درست کر کے شفا بخشوں گا۔

چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے مسیلمہ کذاب اور ان کے ساتھیوں کو جہنم رسید کر کے سب کے وساوس دور کر دیئے۔

خالد بن ولیدؓ کے بارے میں دنیائے اسلام کے علاوہ دنیائے کفر بھی اقرار کر رہی ہے کہ ہاں خالد خالد ہی تھے جن کے جنگی معرکوں اور تدبیروں اور حکمتوں سے آج تک مسلم اور غیر مسلم افواج استفادہ کر رہی ہیں۔ اسی جرنیل اسلام کے دو خط فارس کے بادشاہوں کے نام احادیث میں ملتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا خط

وَعَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلٰی اَهْلِ فَارِسٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اِلٰی رُسْتَمَ وَ مِهْرَانَ فِیْ مَلَاءِ فَارِسٍ، سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ

الْهُدٰی اَمَّابَعْدُ:

فَاِنَّانَدْعُوْکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ ، فَاِنْ اَبَیْتُمْ فَاعْطُوْا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍوَّاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ ، فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَا یُحِبُّ الْفَارِسُ الْخَمْرَ، وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (مشکوٰۃ ص ۳۲۴)

"حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فارس کے جرنیلوں کو اس طرح خط لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ خط خالد بن ولید کی طرف سے فارس کے جرنیلوں کے نام ہے۔ ہدایت قبول کرنے والوں کو سلام قبول ہو۔ اما بعد۔ ہم تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اگر تم نے انکار کیا تو پھر ذلیل وخوار ہو کر جزیہ ادا کرو۔ اگر تم نے اس کا بھی انکار کیا تو یاد رکھو میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں شہادت کی موت کو اس طرح پسند کرتے ہیں جس طرح فارس کے لوگ شراب پسند کرتے ہیں، حق کو قبول کرنے والوں کو سلام۔

دوسرا خط

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اِلٰی مَرَازِبَةِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی . اَمَّا بَعْدُ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّ خَدَمَکُمْ وَسَلَبَ مُلْکَکُمْ وَوَهَّنَ کَیْدَ کُمْ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکُمُ الْمُسْلِمُ . لَهٗ مَالَنَا وَعَلَیْهِ مَاعَلَیْنَا اِذَاجَآءَ کُمْ کِتَابِیْ، فَابْعَثُوْا اِلَیَّ بِالرُّهُنِ وَاعْتَقِدُوْا مِنِّی الذِّمَّةَ وَاِلَّا فَوَاللّٰهِ لَااِ لٰهَ غَیْرُهٗ لَاَبْعَثَنَّ اِلَیْکُمْ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا تُحِبُّوْنَ الْحَیَاةَ . (رجال حول الرسول ص ۲۹۳)

خالد بن ولید کی طرف سے یہ خط فارس کے وڈیروں اور لینڈ لاڈوں کے نام ہے جس نے حق کو قبول کیا اس پر سلام ہو۔ اما بعد۔ پس سب تعریف اس پروردگار کے لئے ہے جس نے تمہاری رعایا کو توڑ ڈالا اور تمہارا ملک تم سے چھین کر ہمیں دے دیا اور تمہاری ساری تدبیریں بے کار بنا دیں۔ جو شخص مسلمان ہو کر ہماری طرح نماز پڑھے گا، ہمارا قبلہ اپنائے گا اور ہمارا ذبیحہ کھائیگا تو یہ شخص مسلمان ہے اب اس کے اور ہمارے حقوق یکساں ہیں (اور جو اسلام نہیں لاتا) تو جس وقت میرا یہ خط تمہیں مل جائے تو فوراً مقرر شدہ (جزیہ) روانہ کردو اور ذمیوں کا عہدہ قبول کرلو اور اگر ذمی بننے سے انکار کرو گے تو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قسم میں تمہاری

طرف ایسا لشکر روانہ کروں گا جو موت کو اس طرح پسند کرتا ہے جس طرح تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔

تیسرا خط

صعید مصر کا علاقہ بہنسا میں مسلمانوں کو بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا حضرت عیاضؓ نے اس موقعہ پر حضرت خالدؓ کو بذریعہ خط پوری صورت حال سے آگاہ کر کے فوجی کمک کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ نے جرأتوں اور عظمتوں سے بھرپور چند جملوں پر مشتمل ایک خط انکے خط کے جواب میں لکھ دیا جس کے چند جملے یہ ہیں:

اِنَّ الْاَمِیْرَ خَالِدٌ قَادِمٌ عَلَیْکَ بِرِجَالِہٖ وَاَیُّ رِجَالٍ، وَالسَّلَامُ .

یعنی افواج اسلامیہ کے امیر خالدؓ آپ کے پاس اپنے جوانوں کے ساتھ پہنچنے والے ہیں، واہ واہ ان جوانوں کا کیا کہنا۔ والسلام

جرأت کا مظاہرہ

سرزمین شام میں ایک موقع پر رومی افواج کے سب سے بڑے جرنیل نے چاہا کہ حضرت خالدؓ کو چند زوردار جملوں سے مرعوب کر دے چنانچہ رومی افواج کے جرنیل باہان نے حضرت خالدؓ سے کہا:

" ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم لوگوں کو بھوک وافلاس اور فقر وفاقہ کی تنگی نے جزیرہ عرب سے نکال کر ہماری طرف متوجہ کیا ہے اب اگر تم لوگ چاہو تو میں تم میں سے ہر آدمی کو دس دس دینار، کچھ کپڑے اور کھانے کے لئے کچھ سامان دے دوں گا تم وہ لیکر واپس چلے جاؤ اور آئندہ سال بھی اتنا ہی دے دوں گا۔

یہ چونکہ میدان جنگ میں مدمقابل ایک جرنیل کے وہ جملے تھے جس سے وہ اسلامی افواج کے کمانڈر انچیف خالد بن ولیدؓ پر نفسیاتی اثر ڈالنا چاہتا تھا اس لئے حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی اسی زبان میں جواب دے کر فرمایا:

جس طرح تم نے کہا ہے کہ ہمیں بھوک نے اپنے وطن سے نکال کر یہاں لا کھڑا کیا ہے یہ بات غلط ہے ہمیں بھوک نہیں لگی ہے۔ البتہ ہمیں پیاس لگی ہے اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ پیاس بجھانے کے لئے خون پینے کے عادی ہیں اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انسانوں میں سب سے زیادہ لذیذ اور میٹھا خون رومیوں کا ہے تو ہم اسے پینے آئے ہیں۔

عزت وعظمت اور جرأت کے یہ جملے رومی جرنیل سن کر حواس باختہ ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

(رجال حول الرسول ص ۲۹۷)

جرأت کا جملہ

ایک جنگی معرکہ میں ایک دفعہ حضرت خالدؓ نے ایک کافر جرنیل کا تعاقب کیا وہ بھاگنے اور چھپنے میں کامیاب ہوگیا تو حضرت خالدؓ نے آسمان میں بادل کی طرف دیکھ کر کافر سے اس طرح کہا:

اے اللہ کے دشمن تم مجھ سے چھپنے اور بھاگنے کی کوشش کرتے ہو خدا کی قسم اگر تم آسمان کے اس بادل میں بھی جا کر چھپ جاؤ گے تو بھی اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نہ کوئی راستہ دے کر تجھے بادلوں میں پکڑ کر قتل کر دوں گا۔

جرأت کا درس

حضرت خالدؓ کی ہمیشہ یہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت عطا کرے لیکن رسول اکرمؐ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی تلوار قرار دیا تھا تو ظاہر ہے یہ تلوار کفار کے ہاتھ سے ٹوٹ نہیں سکتی تھی آپ کی تمنا جو جہاد کے متعلق تھی۔ وہ آپ کے ان جملوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

اگر کسی رات میری طرف کوئی دلہن بھیج دی جائے یا مجھے بیٹے کی خوشخبری سنائی جائے اس سے مجھے وہ ٹھنڈی اور مشقتوں والی رات زیادہ محبوب ہے جس کی صبح کو میں صحابہ کرامؓ سے ملکر مشرکین پر حملہ کرنے والا ہوں۔

(رجال حول الرسول ص ۳۰۵)

اس سے بڑھ کر حضرت خالدؓ کے وہ جملے ہیں جو وفات کے وقت آپ نے شہادت کی تمنا میں ارشاد فرمائے تھے۔ فرمایا:

میں سو سے زیادہ ایسے معرکوں میں شریک ہوا ہوں کہ ہر معرکہ میں شہادت کی تمنا کی تھی، میرے جسم میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں تلوار، نیزہ یا تیر کا زخم نہ لگا ہو، پھر اس وقت دیکھو تو سہی کہ میں اپنی طبعی موت سے اپنے بستر پر اونٹ کی طرح مر رہا ہوں۔ **فلا نامت اعین الجبناءِ** ، خدا کرے کہ بزدلوں کی آنکھیں کھل جائیں۔

مجھے ایک صاحب نے بیان کیا کہ عربی میں اسی مضمون کی عبارت اردن کے علاقہ حمص میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی قبر پر لکھی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جرأتوں اور عزم و ہمت کے اس پیکر اور بہادروں کے حوصلے بڑھانے والے اس مرد مجاہد پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے جو وفات کے بعد بھی جرأت و شجاعت کا درس دے رہے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کا جرأت مندانہ خط

جس وقت حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا آپس میں اختلاف ہوا اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی تو ایک رومی بادشاہ نے حضرت معاویہؓ سے رابطہ کیا اور خط لکھا کہ آپ کا مقابلہ علیؓ سے ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں مدینہ پر حملہ کر کے تیرے دشمن علی کو ختم کر دوں۔ حضرت معاویہؓ نے روم کے اس بادشاہ کے نام جرأت پر مبنی جو خط لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے۔

"مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِیْ سُفْيَانَ اِلٰی كَلْبِ الرُّوْمِ الخ"

معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے یہ خط رومی کتے کے نام ہے۔ امابعد۔ علیؓ سے میرا اختلاف نیک مقصد کے لئے ہے علیؓ میرا بھائی ہے یاد رکھو! اگر تم نے غلط ارادہ سے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو علیؓ کی فوج میں تیرے مقابلے پر آنے والے سپاہیوں میں پہلا سپاہی معاویہ ہوگا، یاد رکھو! میں تجھے پکڑ کر گرفتار کر لوں گا اور پھر جنگل میں خنازیر کی اولاد تیرے ذریعے سے چرواؤں گا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی جرأت

روما سلطنت کا فرمانروا ہرقل تھا اس نے چاہا کہ مسلمانوں سے کسی نہ کسی طرح مذاکرات کر کے ان کی طوفانی پیش قدمی کو روکا جائے، چنانچہ اس نے اپنا معتمد افسر حضرت ابوعبیدہؓ کی طرف روانہ کر دیا، حضرت ابوعبیدہؓ اس وقت افواج اسلامیہ کے سربراہ تھے۔ چنانچہ اس افسر نے آ کر اسلامی جرنیل ابوعبیدہؓ سے کہا۔

اگر لشکر اسلام رومیوں کے ملک شام سے واپس چلے جانے پر آمادہ ہو جائے تو قیصر روم ہرقل کی طرف سے اسلامی لشکر کے ہر مجاہد کو دو دو دینار اور لشکر کے سپہ سالار کو ایک ہزار دینار بطور انعام دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے رومی سفیر سے کھلے الفاظ میں جرأت کے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

تم رومی لوگ ہمیں اتنا ذلیل سمجھتے ہو کہ دو دو دینار ہماری قیمت مقرر کی ہے؟ میں تم سے بالکل صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ ہم یہاں نہ مال و دولت کی لالچ لے کر آئے ہیں اور نہ ہمیں مال کی کوئی پرواہ ہے تم اگر ہمیں ایک لاکھ دینار بھی پیش کرو گے تب بھی ہم اپنے اس مطالبہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے مطالبہ یہ ہے کہ یا اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کرو۔ اگر یہ پسند نہیں تو پھر میدان میں آ جاؤ تا کہ تلوار دونوں کا فیصلہ کر دے۔ پھر تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ذلیل اور کم حیثیت والے لوگ کون ہیں ہم یا تم؟

حضرت عمرو بن عاصؓ کی جرأت

حضرت عمرو بن عاصؓ جہاں بہت بڑے بہادر بہت بڑے جنگجو اور بہت بڑے فاتح تھے وہیں پر آپ بہت بڑے ہوشیار اور سفارتی امور میں آزمودہ کار بھی تھے۔ نبی کریمؐ نے آپ کو ایک دفعہ جیفر نامی بادشاہ کے دربار میں بطور سفیر و داعی روانہ فرمایا جیفر نے کچھ کلام کیا آخر میں حضرت عمروؓ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

"اے جیفر! کان کھول کر سن لو! جو لوگ اسلام سے محروم رہے وہ برباد ہو گئے، اب اگر تم لوگ بھی اسلام سے محروم رہو گے تو برباد ہو جاؤ گے تباہی میں مبتلا ہو جاؤ گے یاد رکھو اگر تم اپنی اس ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو ہمارے گھوڑے تمہاری حکومت کو اپنی ٹاپوں تلے روند ڈالیں گے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا علاقہ مسلمانوں کے نیزوں کی رسائی سے کچھ دور نہیں اور نیزے بھی ایسے جن کے ڈر سے بڑے بڑے بہادر دشمنوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں"۔ (مسلمان فاتحین)

ایک اور واقعہ بھی عجیب جرأت کا ہے صدیق اکبرؓ کے دور میں جب فتنہ ارتداد اٹھا تو حضرت عمرو بن عاصؓ ایک مہم پر عمان بھیجے گئے۔ واپسی پر ایک مسلمان سردار عامر نے حضرت عمروؓ سے کہا کہ اگر تم لوگ زکوٰۃ لوگے تو سارے عرب ناراض ہو کر باغی ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت عمروؓ غضبناک ہوئے اور فرمایا:

کیا تو کافر ہو گیا ہے جو مجھے عربوں سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم یہ خالص مذہبی مسئلہ ہے، یاد رکھو ہم ایسے باغیوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل ڈالیں گے یہاں تک کہ وہ سیدھے راستے پر آجائیں گے۔ کان کھول کر سن لے ہم کسی ایک عرب کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے جو فتنہ پرور ہوگا۔ اب عرب کے آسمان پر ایک ہی خدا ہوگا اور عرب کی زمین پر ایک ہی رسول ہوگا اب عرب کی سرزمین پر جھوٹے خداؤں اور جھوٹے نبیوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسلامی جرنیل طارق بن زیاد کی جرأت

طارقؒ زیاد کے بیٹے تھے اور زیاد موسیٰ بن نصیر کا بہت بڑا جرنیل تھا زیاد کی وفات کے بعد موسیٰ بن نصیر نے ان کے بیٹے طارق کو اپنی نگرانی میں پالا اور ان کو فوجی حیثیت کا ایک اچھا مقام بھی دیا۔ موسیٰ بن نصیر امیر المومنین ولید بن عبدالملک کی طرف سے شمالی افریقہ پر گورنر مقرر ہوئے تھے یہ علاقہ اندلس کے قریب تھا اندلس اور اسپین پر اس وقت ایک عیسائی عیش پرست بادشاہ کی حکومت تھی جس کا نام راڈرک تھا۔ اس شخص نے ایک بااثر عیسائی افسر کاؤنٹ جولین کی بیٹی فلوریڈا سے زنا بالجبر کیا لڑکی نے باپ سے شکایت

کی۔ لڑکی کے باپ نے مسلمان گورنر موسیٰ بن نصیر سے مدد مانگی۔ مسلمان گورنر نے وقت کے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے حملہ کرنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اندلس کے حالات معلوم کرنے کے لئے کہا۔ مسلمانوں کے ایک جاسوس دستے نے جاکر تمام احوال معلوم کئے تو موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو بارہ ہزار کا لشکر دو قسطوں میں دے کر روانہ کیا چنانچہ ۹۲ھ کو طارق بن زیاد کشتیوں کی مدد سے ساحل اندلس پر جا اترے اور تمام کشتیوں کو جلانے کا حکم دے دیا۔ کسی تدبیر والے نے کہا کہ سامنے دشمن کا ایک لاکھ تیار لشکر کھڑا ہے ہم بارہ ہزار ہیں پردیس میں مسافر ہیں اگر شکست ہوجائے تو بھاگنے کے لئے یہی کشتیاں تھیں۔ وہ آپ نے جلا ڈالیں تو کیسے بھاگیں گے؟

طارق بن زیاد نے کہا کہ ہم بھاگنے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ جہاں ہیں وہیں پر رہیں گے۔ ان جرأت مندانہ کلمات کے بعد آپ نے ایک زوردار تقریر بھی اپنی فوج کے سامنے کی جس کے چند جملے یہ ہیں۔

اے مسلمانو! میدان جنگ سے اب بھاگنے کی کوئی صورت نہیں تمہارے سامنے دشمن کا وسیع ملک ہے اور پیچھے ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر ہے اور کشتی نہ دارد ہے۔ خدا کی قسم! اب صرف ثابت قدمی اور بے جگری سے لڑنے میں تمہاری بھلائی ہے۔ صبر واستقامت ہی میدان جنگ کا وہ جوہر ہے جس کی بنیاد پر اللہ فتح عطا کرتا ہے تعداد کوئی چیز نہیں ہے۔ میں جب حملہ کروں گا تو تم بھی یک جان ہوکر حملہ کردو، اگر میں مارا جاؤں تو بزدل نہ بنو اور اختلاف سے بچو۔ اے مسلمانو! ذلت کی زندگی پر کبھی بھی راضی نہ ہونا، مشقت اور جفاکشی کی زندگی کو اپناؤ اس میں دونوں جہانوں کی عزت ہے۔

طارق بن زیاد کی اس جرأت مندانہ اقدام اور فوج سے اس مکالمے کو علامہ اقبال نے فارسی نظم میں اس طرح پیش کیا ہے۔

طارق چوں بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بنگاہِ خرد خطا ست

طارق نے جب ساحل اندلس پر اپنی کشتیاں جلا ڈالیں تو ان کے ساتھیوں نے کہا کہ تمہارا یہ فعل ازروئے عقل سراسر غلط ہے۔

دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم؟
ترکِ سبب زروئے شریعت کجا رواست؟

کیونکہ ہم اپنے ملک سے بہت دور ہیں تو بھاگنے کی صورت میں واپس کیسے جائیں گے؟ ظاہری

اسباب کونظرانداز کرنا شریعت میں کہاں جائز ہے؟

خندید و دست بر سر شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست

یہ سن کر طارق ہنسا، اور پھر اپنا ہاتھ تلوار کی نوک پر رکھ کر کہا ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ یہ ہمارے رب کا ملک ہے۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

جرأت کے ان جملوں سے حملوں کا شدید سلسلہ اس انداز سے شروع ہوا جس کے نتیجے میں اندلس فتح ہوا اور جامع قرطبہ کے مینار آٹھ سو سال تک دنیا کو ہدایت سے منور کرتے رہے۔

حجاج بن یوسف کی جرأت

حجاج بن یوسف بڑے ظالم انسان گزرے ہیں لیکن یہ ظلم ان کی حکومتی سیاست نے جنم لیا تھا جہاں تک انسانی اقدار اور جرأت وغیرت اور عزت نفس وحمیت کا معاملہ ہے تو اس میدان میں حجاج کے وہی جذبات اور وہی احساسات تھے جو ایک مسلمان حکمران میں ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سندھ کے علاقے دیبل میں مسلمانوں کی ایک کشتی کو علاقے کے ہندو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا خواتین اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ اس میں ایک خاتون نے یہ فریاد کی:

"یاحجاج اغثنی ،اے مسلمانوں کے بادشاہ ہماری مدد کرو"۔

یہ غائبانہ آواز اور فریاد تھی کسی نے جا کر حجاج کے سامنے دہرادی۔ حجاج پیچ وتاب کھانے لگے کہ فریاد آئی ہے اور دادرسی نہیں ہورہی ہے۔ ہائے افسوس ہائے افسوس۔ پھر وہ رات بھر دنیا کے نقشے پر سندھ کا مقام دیبل تلاش کرتا رہا اور جب وہ مقام ملا تو کہنے لگا اچھا یہ ہے سندھ، پھر اس میں اپنا تیر چبھودیا اور صبح صبح بارہ ہزار کا لشکر جرار حضرت محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں راجہ داہر کی شرکشی توڑنے کے لئے روانہ کیا۔ معرکے ہوئے اور ملتان تک ملک آزاد ہوگیا اور سندھ پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

ہارون الرشیدؒ کی جرأت

ایک کافر حکومت تھی جس کی سربراہ ایک عورت تھی جب وہ مرگئی تو مرد سربراہ بنا جس کا نام نقفور تھا

نقفور نے ہارون الرشید کو خط لکھا کہ پہلے ہماری سربراہ ایک عورت ذات تھی جو کمزور تھی وہ جزیہ ادا کرتی تھی اب بہادر مرد آ گیا ہے۔ ہم آپ کو جزیہ اور ٹیکس نہیں دیں گے۔ ہارون الرشید نے اپنے خط میں صرف دو جملے لکھ دیئے۔

مِنْ هَارُوْنِ الرَّشِيْدِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى نَقْفُوْرَ كَلْبِ الرُّوْمِ اَلْجَوَابُ مَاتَرَاهُ لَا مَاتَسْمَعُهُ

"یعنی ہم باتوں سے جواب نہیں دیا کرتے ہیں بلکہ عمل سے جواب دیتے ہیں رومی کتے نقفور! میں آ رہا ہوں"

یہ کہہ کر ہارون الرشید نے افواج اسلامیہ کو اس ملک کی سرحد تک پہنچا دیا۔ یہ دیکھ کر کافر غادر گھبرا گیا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لی اور جزیہ دینا شروع کر دیا۔

انہی ہارون الرشید کا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ بغداد میں وہ اپنے تخت پر بیٹھے تھے آسمان میں بادل تیز تیز کسی طرف جا رہا تھا بغداد میں خود بارش کی ضرورت تھی لیکن بادل بھاگ رہا تھا ہارون الرشید نے بادل کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا اے بادل تم جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ اور جہاں پانی برسانا ہو برساؤ لیکن یہ یاد رکھو کہ جہاں پانی برساؤ گے وہاں کا غلہ میرے پاس یہاں بغداد میں آئے گا یہ عظمت و عزت اور جرأت کے جملے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم دنیا کے اکثر حصّوں پر اسلامی جھنڈا لہرا چکے ہیں۔

معتصم باللہ کی جرأت

شام کے کسی علاقے میں کافروں نے ایک مسلمان خاتون پر ظلم کیا اس خاتون نے غائبانہ طور پر یہ فریاد کی "وامعتصماہ" ہائے میرے معتصم باللہ آپ کہاں ہو مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ جب یہ جملہ معتصم باللہ تک پہنچ گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"لبیک یا بنتی "اے میری بیٹی! میں تیری مدد کے لئے حاضر ہوں" اس کے بعد معتصم باللہ نے ہزاروں افواج اسلامیہ کو ان عیسائی علاقوں کی طرف روانہ فرمایا اور بڑی جنگیں ہوئیں جو عموریہ کی جنگوں کے نام سے مشہور ہیں اور پورا ملک فتح کیا اور اس مسلمان خاتون کا بدلہ لے لیا۔ ایسے ہوتے ہیں مسلمانوں کے بادشاہ اور ایسے ہوتے ہیں مسلمانوں کے سربراہ۔ ان کی ان جرأتوں سے ان کی عوام بہادر ہو گئی ان کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ دنیا کے باعزت، با اقتدار بادشاہ رہے اور دنیا کے کفار ان کے غلام رہے دنیا کے تمام کفار کے فیصلے مدینہ و کوفہ و شام میں ہوتے تھے یا بغداد و عراق میں ہوتے تھے لیکن جب بادشاہ بزدل ہو گئے بے ہمت ہو گئے بے دین بھی ہو گئے تو عوام کے حوصلے بھی انہوں نے پست کر دیئے اور پھر سب مل کر کفار

کے غلام بن گئے اب ان کے فیصلے جینوا میں ہوتے ہیں پیرس میں ہوتے ہیں واشنگٹن میں ہوتے ہیں اور یہ اپنے بارے میں ناپسندیدہ فیصلوں کو خوشی ناخوشی قبول کرنے کے پابند ہیں۔

اصل حقیقت وہی ہے جو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جب تم جہاد چھوڑ دو گے اور دنیا کے پیچھے لگ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی جرأت

سلطان صلاح الدین ایوبی اسلام کے ایک نامور سپوت گزرے ہیں آپ نے عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا اور اسلام کا جھنڈا دوبارہ ان ممالک میں لہرایا جہاں یہ جھنڈا مسیحی اقوام کی شرارتوں سے سر نگوں ہو گیا تھا مسیحی دنیا نے سلطانؒ کیخلاف ایک شوشہ انگریزی دارالافتاء سے چھوڑا تا کہ اس انگریزی فتویٰ سے مسلمانوں میں تشویش پیدا کر کے سلطان کی یلغار کو روکا جائے۔ بحث یہ چلائی گئی کہ آیا "اسلام تلوار سے پھیلا ہے یا اخلاق سے پھیلا ہے" صلاح الدین ایوبی نے جب دیکھا کہ اچھی خاصی تشویش پیدا ہو گئی ہے تو آپ نے عظمت و ہمت و جرأت کا یہ جملہ ارشاد فرمایا:

"میں نہیں جانتا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے یا اخلاق سے، البتہ میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ اسلام کی سربلندی اور کفر کو مٹانے کے لئے اسلام میں تلوار ضروری ہے اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

ٹیپو سلطان کی جرأت

انگریز کے خلاف ٹیپو سلطان بھی عرصہ دراز تک میدان کارزار میں رہے اور بڑے معرکے لڑ کر ۱۷۹۹ء میں شہید ہو گئے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم جرأت و ہمت عطا فرمائی تھی آپ کا ایک جملہ آج تک بطور یادگار مشہور چلا آ رہا ہے جو ہر جوان کو ہمت و حوصلہ دے رہا ہے فرمایا:

" گیڈر کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔"

سچ کہا اس مرد مجاہد نے کہ ذلت کی زندگی کا طول درحقیقت ذلت کی طوالت ہے اور ایسی رسوا کن زندگی سے موت کئی درجے بہتر ہے اور اس سے عزت کی مختصر زندگی بہتر ہے بلکہ شیر کی طرح تابناک زندگی اگر ایک دن کی بھی ہو وہ لومڑی کی طویل زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پھر انکی پرانی عظمت عطا فرمائے۔ امین

ایک دل والے اللہ والے بندے نے مسلمانوں کو جگانے کے لئے اور نوجوانوں کو ہمت دلانے

کے لئے کیا ہی خوب کہا ہے۔

اب فتح مبین ، فتح مبین پڑھتے رہو تم
سیلاب صفت بڑھتے رہو بڑھتے رہو تم
طوفان کی طرح چڑھتے رہو چڑھتے رہو تم
دریا ہی نہیں ، بڑھ کے سمندر بھی کھنگالو
اے لشکر اسلام کے جانباز جیالو

تم خالدؓ وضرارؓ کی عظمت کا نشان ہو
تم قاسمؒ و محمودؒ کی غیرت کا بیان ہو
تم طارقؒ و ٹیپوؒ کے عزائم کا جہاں ہو
ڈٹ جاؤ اگر تم ، تو زمانے کو جھکالو
اے لشکر اسلام کے جانباز جیالو

اے حق کے پرستارو، صداقت کے نقیبو!
اے گرم سخن شاعرو ، فنکارو ادیبو!
اے منبر ومحراب کے پُر جوش خطیبو !
اب اپنے قلم توڑ کے تلوار بنالو
اے لشکر اسلام کے جانباز جیالو

۱۲ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ ۴ ستمبر ۱۹۹۸ء جامع مسجد امن آباد کراچی

موضوع

اپنی دولت کی خود حفاظت کیجئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ ، وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین اوفوا عهده ،امابعد:

فاعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ﴿وَاقْتُلُوْ هُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْ هُمْ وَاَخْرِجُوْ هُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (بقرہ ۱۹۱)

”اوران کفار کو مار ڈالو جہاں ان کو پاؤ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا وہاں سے ان کو تم نکالو اور دین سے ہٹانا اور شرک وفساد پر لانا قتل سے بھی زیادہ سخت ہے“۔

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تُدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَّةُ الْمَوْتِ. (ابوداؤد)

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ عنقریب دنیا کے کفار تمہیں ہڑپ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو ایسے پکاریں گے جیسا کہ کھانے والوں کو دستر خوان کی طرف بلایا جاتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ اس دن ہم بہت تھوڑے ہوں گے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت بہت زیادہ ہوں گے لیکن تم سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح ہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دل میں وہن ڈال دے گا ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ وہن کیا چیز ہے فرمایا کہ دنیا کی محبت اور شہادت کی موت سے نفرت وہن ہے۔

محترم حاضرین:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت مرحومہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ کو ظاہری اور

باطنی ، دینی اور دنیوی ، روحانی اور مادی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال فرمایا ہے اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر امت مسلمہ ہر دولت سے مالا مال ہے اور یہ بات واضح اور اظہر من الشمس ہے کہ جن لوگوں کے پاس جتنا سرمایہ زیادہ ہوتا ہے اتنے ہی انکے دشمن زیادہ ہوتے ہیں اور اتنا ہی ان کو زیادہ حفاظت اور محافظین کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا اس وقت امت مسلمہ کو سب سے زیادہ حفاظت اور محافظین کی ضرورت ہے ، مسلمانوں کے پاس بطور حفاظت یا دفاعی لائن یا سیکیورٹی کے حوالے سے جو پاور اور طاقت ہے وہ شریعت مطہرہ اور قرآن وحدیث کے اعلان کے مطابق جہاد ہے جو دوسرے الفاظ میں جنگ نہیں بلکہ مقدس جنگ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل آپ اس طرح سمجھ لیں کہ پہلے امت مسلمہ کی ظاہری اور باطنی دولت کا اندازہ لگا لیجئے اور پھر دفاع کا سوچئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جو رسول عطا کیا ہے یہ اتنی بڑی دولت ہے جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ سے وعدہ فرمایا کہ:

﴿وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ﴾ (الضحیٰ آیت ۵)

یعنی عنقریب تیرا رب تجھے اتنا عطا کریگا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا بخدا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو یعنی کلمہ پڑھا ہوا مسلمان اگر ایک بھی دوزخ میں ہوگا اس کو بھی نکلوا کر تب راضی ہو جاؤں گا۔ حضور اکرمؐ کی اپنی امت کیلئے یہ غمخواری و ہمدردی ، سفارش وشفاعت امت کے لئے بڑا سرمایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ امتوں کے بعض انبیاء کرام نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی تمنائیں کیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کی دعا قبول ہوئی اس روحانی دولت کی وجہ سے بہت لوگ حسد کر کے ہمارے دشمن ہو گئے۔ تفصیل آئندہ آ رہی ہے۔

قرآن عظیم

اس امت کے بڑے سرمایوں میں سے ایک بہت بڑا سرمایہ اور بڑی روحانی دولت قرآن عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایسی نعمت ہے کہ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا یعنی اس نعمت پر خوشی مناؤ اس نعمت پر خوشی مناؤ۔ ایک حدیث میں ہے:

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ بَھَاءٌ وَبَھَاءُ اُمَّتِیْ الْقُرْآنْ

یعنی ہر چیز کے لئے ایک زینت ہوتی ہے اور میری امت کی زینت قرآن ہے۔

الغرض قرآن عظیم روحانی لحاظ سے بھی اور معاشی واقتصادی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے لئے عظیم سرمایہ ہے قرآن اس امت کے لئے روحانی شفاً بھی ہے اور جسمانی بھی۔ اس سرمایہ اور دولت کی وجہ سے بھی دیگر کافر قومیں امت مسلمہ کی دشمن بن گئیں۔ تفصیل آرہی ہے......

کعبۃ اللہ

امت مسلمہ کے پاس ایک بڑا روحانی سرمایہ بیت اللہ شریف ہے جس کی برکات سے امت مسلمہ فیضیاب ہورہی ہے، وہاں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہے اگر ایک مسلمان کعبۃ اللہ کو صرف محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے نہ تلاوت میں ہے نہ نماز میں نہ طواف میں نہ ذکر اللہ میں ہے بلکہ صرف خاموش بیت اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی ۲۰ خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جو شخص حجر اسود کا بوسہ لیتا ہے۔ گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا بوسہ لیا کیونکہ حدیث میں ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حجر اسود کی آنکھیں ہوں گی جس سے وہ دیکھے گا اور باتیں کرے گا اور یہ گواہی دے گا کہ فلاں شخص نے حق کیساتھ مجھے چوما تھا۔ پھر بیت اللہ میں ملتزم ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر حطیم ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے وہاں پر نماز پڑھی اور باہر آکر لوگوں سے کہا کہ خدا کی قسم ابھی ابھی جنت میں نماز پڑھ کر آرہا ہوں لوگوں نے دیکھا تو آپ نے حطیم میں نماز پڑھی تھی۔ وہاں چاہ زمزم ہے جو برکت ہے، صفا مروہ ہے جو رحمتوں کا مینار ہے پھر میدان عرفات ہے جہاں اللہ تعالیٰ حاجیوں کے گناہوں کو اس طرح معاف فرماتا ہے کہ بڑا گنہگار اس دن وہ شخص ہوتا ہے جس کا یہ خیال ہو کہ آج مجھے میرے رب نے معاف نہیں کیا۔ پھر برکات سے بھرپور مزدلفہ ہے پھر منیٰ ہے اس کے بعد زمین حرم کی الگ برکات ہیں جو بہت بڑی دولت ہے اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو حسد ہو گیا اور وہ مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔

مسجد نبویؐ

پھر امت مسلمہ کے پاس ایک بڑا روحانی سرمایہ مسجد نبوی ہے جہاں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں

کے برابر ہے جہاں حضور اکرمؐ کے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے اور آنے جانے کے مقامات موجود ہیں جہاں آپ کے مکانات کے نشانات ہیں آپ کا محراب ومنبر ہے۔آپ کا مدرسہ ہے اور آپ پر وحی لانے والے فرشتے کے آنے جانے کے نشانات ہیں۔آپ کے صحابہ کے گھروں کی علامات ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود آپ روضۂ اطہر میں زندہ وتابندہ موجود ہیں یہ سب بڑی برکات ہیں۔اس کی وجہ سے بھی دشمنوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنیاں قائم کیں۔

مسجد اقصیٰ

پھر الحمد اللہ مسلمانوں کے پاس مسجد اقصیٰ ہے جہاں پر ایک نماز ۲۵ ہزار نمازوں کے برابر ہے اور وہاں دیگر برکات بھی ہیں۔اس کی وجہ سے بھی یہود ونصاریٰ ہمارے دشمن ہو گئے۔اب آپ سوچیں ہمارے دشمن ابلیس کے علاوہ انسانوں میں کتنے ہوں گے ذرا دیکھیئے۔

رسول اللہ کی وجہ سے دشمنی

یہود نے کہا کہ یہ نیا رسول کہاں سے آ گیا۔موسیٰؑ کے بعد یہ کیوں آ گیا۔نیز بنو اسرائیل سے نبوت بنو اسماعیل کی طرف کیوں منتقل ہو گئی۔نبوت کی یہ برکات مسلمانوں کو کیوں مل گئیں۔اس وجہ سے یہود مسلمانوں کے دشمن ہو گئے۔شرارت وفساد میں وہ اسپیشلسٹ تھے۔انہوں نے ایک دن میں ۷۰ انبیاء کرام کو شہید کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی مبغوض مخلوق قرار پائی لیکن ان کو تجربہ تھا وہ تفرقہ بازی میں ماہر تھے انہوں نے نہایت بغض وعداوت سے اسلام اور پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور دشمنیاں شروع کیں حضور اکرمؐ کے سوا لاکھ صحابہ کرام میں دوسو سے زیادہ ایسے مسلمان نہیں ملیں گے جو پہلے یہودی تھے اور پھر مسلمان ہو گئے یہ ان کی عداوت کی کھلی دلیل ہے۔

الغرض انکو حسد کھا گیا کہ یہ روحانی برکات ان کے علاوہ دوسروں کو کیوں مل گئیں گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تقسیم کے یہ پہرہ دار ہیں اور ان کی مرضی کے خلاف کسی کو کچھ نہیں ملنا چاہیئے اور کسی کو یہودیت کے علاوہ کسی مذہب پر آنے کی اجازت نہیں۔قرآن کا اعلان ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرہ ص ۱۲۰)

یعنی یہ یہود ونصاریٰ آپ سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے الا یہ کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی کریں۔

یہود ونصاریٰ جانتے تھے کہ یہی نبی آخر الزمان ہے اور تورات میں جس نبی آخر الزمان کا ذکر ہے

یہی نبی ہے جن کے بارے میں تورات میں یہ لکھا تھا کہ نبی الرحمة و رسول الملاحم عیناہ حمراوان من القتال یعنی رحمت کے نبی اور گھمسان کی جنگوں والا نبی کہ جہاد کی محبت سے جن کی آنکھیں سرخ لال ہوں گی فاران کی چوٹیوں سے اٹھے گا اور اللہ تعالیٰ اپنا حق ان کے منہ میں ڈالے گا۔ یہ سب کچھ یہود کو معلوم تھا۔ قرآن کہتا ہے ﴿یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم﴾ یعنی اپنی اولاد کو جس طرح پہچانتے ہیں۔ اسی طرح واضح طور پر حضور اکرم ﷺ کو بھی پہچانتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی حسد و عناد اور بغض و فساد کا نتیجہ ہے۔ اہل کتاب میں سے عیسائیوں نے بھی کم و بیش یہی طریقہ اختیار کیا اور مسلمانوں کے دشمن ہو گئے کہ یہ دولت ان کو کیوں ملی۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے خود اعلان بشارت فرمایا تھا:

﴿یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ﴾ یعنی ایک رسول میرے بعد آئے گا جن کا نام احمد ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا نام سابقہ امتوں اور کتابوں میں اور اسی طرح آسمان پر فرشتوں میں احمد مشہور تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اسی نام کی بشارت دی تھی۔ بہر حال ان دونوں قوموں کی دشمنی، حسد و عداوت کو آپ دیکھیں کہ سوالاکھ صحابہ کرام میں سے دوسو یہودیوں نے بمشکل اسلام قبول کیا ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں بہت تھوڑے عیسائی مسلمان ہوئے تھے یہ سب کچھ ان یہود و نصاریٰ کی اسلام سے دشمنی کا نتیجہ تھا۔

قرآن مجید کی وجہ سے دشمنی

یہودی اس حسد میں جل بھن گئے کہ تورات کے بعد قرآن کیوں اترا؟ اور ہماری کتاب کو منسوخ کیوں قرار دیا گیا؟ عیسائیوں نے یہ حسد کیا کہ ہماری کتاب انجیل کے بعد قرآن کیوں آیا اور انجیل کا دور کیوں ختم ہو گیا حالانکہ یہ ان لوگوں کا ایک خام خیال ہے۔ منسوخی کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ تورات کی برکات کا جتنا زمانہ تھا وہ پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ قرار دیا اور انجیل اتاری اسی طرح انجیل کی برکات کا دور جب تک تھا تو انجیل موجود تھی اور جب اس کا دور ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ قرار دے دیا اور قرآن کریم اتارا، اس میں یہود و نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی بلا وجہ ہے۔ منسوخی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتاب میں خود اتنی تحریفیں کیں کہ یہ کتابیں خود قابل اعتماد نہ رہیں۔ اس میں مسلمانوں کا کیا قصور ہے اور ان سے عداوت کا کیا جواز ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ یہ آسمانی برکات سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہ جب جسے چاہتا ہے اس کی مرضی ہے کوئی شخص یا کوئی قوم وملت یہ حق نہیں رکھتی کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو کنٹرول کر کے اپنی مرضی

کے تابع بنائے کیونکہ ﴿ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ﴾ (الجمعۃ ۴)

انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہود ونصاریٰ قرآن عظیم کو سب سے پہلے قبول کرتے کیونکہ تورات وانجیل کی بنیادی تعلیمات کو مکمل طور پر قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے سمودی ہیں ہیں تو جو یہودی قرآن کو مان لے گویا اس نے تورات کی بنیادی تعلیمات کو غیر تحریف شدہ صورت میں پالیا یہی حالت انجیل اور عیسائیوں کی ہے کہ انجیل کی بنیادی تعلیمات سب قرآن نے اپنے اندر لے لی ہیں قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ﴾ (المائدہ ۴۸)

یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی سچی کتاب اتاری ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور ان کے مضامین پر نگہبان ہے۔

اب اگر یہودی یا عیسائی قرآن کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ درحقیقت تورات وانجیل کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے ارادے کچھ اور ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے کہ:

﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ﴾

یعنی یہود ونصاریٰ آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ انکی اتباع نہ کریں۔

بس یہی حقیقت ہے کہ یہود ونصاریٰ پوری دنیا کے انسانوں کو یہودی یا عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔

کعبۃ اللہ کی وجہ سے دشمنی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کعبۃ اللہ کی صورت میں جو ایک روحانی دولت مسلمانوں کو ملی ہے یہ اتنی بڑی دولت ہے جس کی برکت سے نہ صرف مسلمان قوم بلکہ اقوام عالم کی مسلم وغیر مسلم قومیں اور ساری کائنات کا وجود باقی ہے جب تک بیت اللہ قائم ودائم رہے گا یہ کارخانۂ عالم چلتا رہے گا اور جب کعبۃ اللہ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ اٹھالے گا تو پھر یہ کائنات ختم ہو کر قیامت قائم ہو جائے گی۔

بیت اللہ کی اتنی بڑی برکت ہے کہ ایک آدمی اگر صرف بیت اللہ پر نظرِ محبت ڈالتا ہے اور خاموش بیٹھا ہوا ہے نہ تلاوت میں مشغول ہے نہ ذکر اللہ میں اور نہ طواف ونوافل میں مشغول ہے اس کی طرف دیکھنے سے اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۲۰ رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ بیت اللہ میں حجر اسود ہے جو شخص اس کا بوسہ لیتا ہے حجر اسود قیامت کے دن اس کے لئے گواہ بن جائے گا۔ بیت اللہ میں ملتزم ہے جہاں ہر دعا قبول ہوتی ہے، زمزم ہے جو ہر مقصد کے لئے شفاء ہے، مقام ابراہیم ہے جہاں بہت برکتیں ہیں پھر منیٰ کی

رحمتیں ہیں پھر مزدلفہ کی عظمتیں اور رحمتیں ہیں اور پھر عرفات کی اتنی بڑی برکت ہے کہ جو شخص عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن گڑ گڑا کر دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص عرفہ کے دن یہ خیال کرتا ہے کہ آج میرے رب نے مجھے معاف نہیں کیا تو وہ اس دن کا سب سے بڑا گناہگار ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرماتا ہے۔

ان تمام برکات پر مسلمانوں سے یہودیوں نے دشمنی شروع کی اور کہا کہ مسلمانوں کو الگ قبلہ کیوں ملا۔ حضور اکرمؐ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سولہ سترہ ماہ تک آپ نے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں۔ یہودیوں نے کہا کہ یہ نبی آہستہ آہستہ ہماری طرف آئے گا حالانکہ بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے میں ایک تو تالیف قلوب مقصود تھی دوسرا یہ کہ آپؐ کے متعلق سابقہ کتابوں میں لکھا ہوا تھا کہ آپؐ دونوں قبلوں والے نبی ہوں گے۔ تیسری بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ برکات بھی عطا کرنا چاہیں جو بیت المقدس میں تھیں کیونکہ سابقہ تمام انبیاء کرام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ پھر جب حضور اکرمؐ نے سولہ سترہ ماہ بعد بیت اللہ کا رُخ کیا اور قبلہ تبدیل ہو گیا تو لوگوں نے اعتراضات شروع کئے اور دشمنیاں پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْ عَلَيْهَا﴾ (بقرہ ۱۴۲)

یعنی یہ بے وقوف عنقریب کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس چیز نے موڑ دیا جس پر یہ پہلے سے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے مشرق ومغرب صرف اللہ کے لئے ہے جس طرف موڑنا چاہے گا ان کی مرضی ہے۔ ادھر یہودیوں کیساتھ عیسائی بھی جلنے لگے کہ ان مسلمانوں کو بیت اللہ کیوں ملا ہے۔ اس دن سے لیکر آج تک یہود و نصاریٰ بیت اللہ کی وجہ سے مسلمانوں کے دشمن چلے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ فرانس کے ایک سابقہ صدر نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے دو مقامات اگر ختم کر دیئے جائیں تو مسلمان ختم ہو جائیں گے یعنی مکہ اور مدینہ، الغرض باطل اقوام کی دشمنی کیساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ بھی مسلمانوں کے اوّل نمبر کے دشمن بن گئے حالانکہ قرآن کریم نے ان کو اہل کتاب کے نام سے یاد کیا اور فرمایا کہ تم اسلام کے اوّل نمبر کے دشمن نہ بنو کیونکہ باقی لوگ تمہیں دیکھ دیکھ کر اسلام کی طرف نہیں آئیں گے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہی اہل کتاب مشرکین سے کہتے تھے کہ نبی آخر الزمان آئے گا اور ہم ان کو مانیں گے اور تم کو قتل کر دیں گے لیکن معاملہ اس کا الٹ ہو گیا۔

مدینہ منورہ کی وجہ سے دشمنی

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک مرکزی مقام مدینہ منورہ عطا فرمایا اور وہاں اسلامی خلافت قائم ہوگئی تو یہود ونصاریٰ جل گئے کہ ان مسلمانوں کو مرکز کیوں مل گیا۔ مسجد نبوی کیوں ملی اور اس مسجد میں ریاض الجنۃ کا مقام کیوں ملا، ان کے سامنے ان کے نبی کا گھر کیوں ہے نبی کا مدرسہ اور مسجد کیوں ہے وحی لانے والے جبرئیل امینؑ کے آنے جانے کے مقامات کیوں ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ کے گھر کے نشانات کیوں ہیں ان کے نبی کے ساتھیوں کی قبریں کیوں ہیں اور ایک زندہ تابندہ حقیقت کیوں ان کے ہاتھ میں ہے کہ ایک امتی اپنی آنکھوں سے اپنے نبی کے روضے کو دیکھتا ہے۔ نبی کے اٹھنے بیٹھنے کے مقامات کو دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ جبکہ عیسائی اس شش وپنج میں مبتلا ہیں کہ ان کا نبی کہاں ہے زندہ ہے یا زندہ نہیں ہے۔ زمین پر ہے یا آسمان میں ہے۔ اسی طرح یہودیوں کے پاس اپنے نبی کا کوئی مرکزی مقام نہیں ہے نہ نبی کی قبر کا پتہ چلتا ہے اور نہ دیگر مقامات کا پتہ ہے۔ صرف مصر میں شجرۂ موسیٰؑ سے تسلی حاصل کرتے ہیں حالانکہ اس درخت کی تاریخ اور اس کا وجود بھی قرآن کریم کی برکت سے ہے پھر یہود اس لئے بھی دشمن ہوگئے کہ ان کا خیال ہے کہ مدینہ یہود کی بستی تھی۔

چنانچہ اس وقت یہود کے ہاں اسرائیل میں ان کے پارلیمنٹ کے دروازے پر لکھا ہے کہ اے یہود تمہارے ملک کی سرحدیں یہاں سے وہاں تک ہیں۔ اس نقشہ میں یہود نے مدینہ منورہ اور خیبر کو اپنی وسیع تر اسرائیلی حکومت میں شامل کرلیا ہے حالانکہ یہود بے وقوف ہیں ان کو اپنی تاریخ کا پتہ ہی نہیں مدینہ میں جو یہودی آکر آباد ہوئے تھے وہ تو نبی آخر الزمان کے انتظار کے لئے یہاں ہجرت کرکے آئے تھے کہ نبی آخر الزمان یہاں آئیں گے ہم ان پر ایمان لائیں گے پھر یہ بے ایمان ایمان نہیں لائے اور دشمنی شروع کی چنانچہ سوا لاکھ صحابہ کرام میں سے دو سو سے زیادہ یہودیوں نے حضور اکرمؐ پر ایمان نہ لایا بمشکل صرف دو سو مسلمان ہوئے ہوں گے۔ مدینہ کی سرزمین درحقیقت عربوں کی تھی یہودی تو مسافر بن کر آئے تھے۔

مسجد اقصیٰ کی وجہ سے دشمنی

یہود نے یہ حسد کیا کہ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ کسی وقت کچھ عرصہ کے لئے کیوں رہا ہے اور ان کے رسولؐ نے معراج کی رات وہاں جاکر تمام انبیاء کرام کی امامت کیوں کرائی اسی حسد اور عداوت کی وجہ سے وہ مسجد اقصیٰ کے دشمن ہوگئے اور اس کے گرانے کے چکر میں ہیں تاکہ مسلمانوں کے تاریخی یادگار کو ختم

گرا کے ہیکل سلیمانی کی شکل میں اپنی یادگار تعمیر کرادیں۔ چنانچہ وہ مسلمانوں اور مسجد اقصیٰ دونوں کے سخت دشمن ہوگئے۔ ادھر عیسائی بھی دشمن ہوگئے کہ مسجد اقصیٰ کیساتھ مسلمانوں کی تاریخ کیوں وابستہ ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس وقت عیسائی یہ کوشش کررہے ہیں کہ یہودی مسجد اقصیٰ کو گرادیں حالانکہ وہاں پر عیسائیوں کا قبلہ بھی ہے لیکن وہ سب رسوائی کے لئے صرف اس لئے تیار ہیں کہ مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ تکلیف پہنچ جائے۔

الغرض ان تمام روحانی برکات کی وجہ سے اہل باطل اور یہود ونصاریٰ سب کے سب مسلمانوں کے دشمن ہوگئے ہیں اور ان کو مرتد بنانے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ قرآن کریم کا اعلان ہے کہ:

﴿وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

یعنی یہ یہود ونصاریٰ تم لوگوں سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ تم خود یہودی یا عیسائی نہ بن جاؤ۔

قرآن کہتا ہے ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِی صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ﴾

یعنی ان کے مونہوں سے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی اور جو سینوں میں ہے وہ تو بہت بڑا ہے۔

قرآن کا اعلان ہے ﴿وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

یعنی یہ کفار تم سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک یہ تمہیں مرتد نہ بنالیں اگر ان کے بس میں یہ ہو۔

مادی وسائل کی وجہ سے دشمنی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کو روحانی برکات سے نوازا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مادی وسائل سے بھی مالا مال کیا ہے۔ اہل باطل اور خاص کر یہود ونصاریٰ کی دشمنی اور عداوت کی ایک بڑی وجہ یہ مادّی وسائل بھی ہیں وہ دوسروں کے ہاتھوں میں تر لقمہ دیکھ کر کتوں کی طرح للچائے ہوئے ہیں کہ یہ لقمہ ہمارے منہ میں کیوں نہیں ہے اور مسلمان مادی وسائل سے مالا مال کیوں ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی بے وقوفی ہے کیونکہ دنیاوی ارزاق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس پر کسی کا کنٹرول نہیں تو اب یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنے کا سوچ رہے ہیں یہ ان کی خالص حماقت ہے اب آیئے اور ذرا دیکھ لیجئے کہ کن کن مادی وسائل کی وجہ سے یہود ونصاریٰ مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں۔

تعداد کی وجہ سے دشمنی

پوری دنیا میں مسلمان سوا ارب ہیں اس میں سے کچھ کھوٹے ہیں تو چلو اسی کروڑ لے لیں یہ بڑی

تعداد ہے۔ اس چیز نے یہود و نصاریٰ کو کھالیا کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ کیوں ہے جبکہ خود روز بروز ان کی تعداد گھٹتی چلی جارہی ہے۔ بعض شہر تو اجڑ گئے کیونکہ لوگوں سے خالی ہو گئے اس پر یہود و نصاریٰ نے حسد کیا اور مسلمانوں کے لئے عائلی قوانین بنا کر ایک سے زائد شادی پر پابندی لگادی لیکن جب ایک بیوی سے بھی بہت سارے بچے پیدا ہونے لگے تو یہود و نصاریٰ نے خاندانی منصوبہ بندی کا اعلان کیا کہ بچے دو ہی اچھے۔ اس پر انہوں نے کروڑوں روپے خرچ کئے تاکہ مسلمانوں کے بچے کم ہو جائیں۔ اور ان کی تعداد گھٹ جائے۔ حالانکہ خود اسرائیل میں کئی شادیاں کرنے کی یہودیوں کو ترغیب دی جاتی ہے اور جو یہودی بچہ پیدا ہوتا ہے اسی دن سے اس کا معقول وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے، ادھر تو بچوں کی کثرت کی کوشش کی جارہی ہے اور ادھر مسلمانوں کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں۔

مسلمانوں کی حکومتیں

دنیا میں تقریباً مسلمانوں کی ۵۳ حکومتیں قائم ہیں اور یہ حکومتیں اس طرح سنٹرل مقامات پر واقع ہیں کہ اگر یہ دنیا کو مفلوج کرنا چاہیں تو ایک ہفتہ میں دنیا کے بری، بحری اور فضائی راستوں کو کاٹ سکتے ہیں اس وجہ سے بھی کفار ہمارے دشمن ہو گئے کہ ان کی اتنی زیادہ حکومتیں کیوں ہیں اور اگر یہ ایک متحدہ قوّت بن جائیں تو ہمارا کیا بنے گا۔ اس چیز نے ان کافروں کو کھالیا اور انہوں نے طے کرلیا ہے کہ بس اب صرف ایک ہی تدبیر رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے ان ممالک کو آپس میں لڑاؤ۔ چنانچہ کفار نے پہلے مسلمانوں کی خلافت ختم کردی اور اب زمین پر ان کو رہنے کے حق سے بھی محروم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ افسوس اس پر ہے کہ مسلمانوں کے جو زیادہ تر حکمران ہیں یہ درحقیقت منافق ہیں اور انہیں کے ذریعے سے کفار اسلام کو نشانہ بنارہے ہیں ورنہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی قوت کے بارے میں کہا تھا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

مسلمانوں کی زمین

پوری دنیا میں صرف مسلمانوں کے پاس جو زمین ہے وہ ۴۲ فیصد ہے اس کے علاوہ ۵۸ فیصد میں دنیا کے دیگر اقوام اور کفار بس رہے ہیں اس کو دیکھ کر کفار برداشت نہیں کرسکتے ہیں اور وہ ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے یہ زمین کس طرح چھین لیں۔ چنانچہ اسپین، اندلس، وسط ایشیاء، روس

اور چین و ہندوستان، اسرائیل، ایتھوپیا وغیرہ وغیرہ سارے علاقے کفار نے مسلمانوں سے چھین لئے ہیں۔ حالانکہ قرآن کا مسلمانوں کو کھلا اعلان ہے کہ:

﴿وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾

جہاں سے ان کفار نے تم کو نکالا ہے وہاں سے تم ان کو نکال دو۔

اس اعلان کے بعد مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے چھینے ہوئے علاقے کفار سے واپس لے لیں اور مملوکہ زمین کی حفاظت کریں۔

مسلمانوں کے پاس تیل کے ذخائر

اس دور میں مالدار ممالک وہی شمار ہوتے ہیں جن کے پاس سیاہ سونا یعنی تیل کے ذخائر موجود ہوں الحمدللہ ان مادی وسائل سے بھی مسلمان مالا مال ہیں اور دنیا کا ۷۵ فیصد تیل صرف مسلمان کے پاس ہے باقی پوری دنیا ۲۵ فیصد تیل میں وقت گذار رہی ہے۔ شاہ فیصل مرحوم کے زمانہ میں انہوں نے صرف چار دن کے لئے امریکہ پر تیل بند کیا تھا جس سے امریکہ کی حکومت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر امریکہ نے دھمکی دے دی کہ اگر تیل نہیں کھولا گیا تو میں چھاتہ بردار فوج سعودی عرب میں اتار دوں گا اس دھمکی سے تیل کھل گیا تھا اور پھر شاہ فیصل کو اس کی سزا دے دی گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔

تیل کی وجہ سے دشمنی

اب دنیا کے سارے کافر مسلمانوں کیخلاف مہذب اور غیر مہذب دونوں طریقوں سے اکٹھے ہو گئے اور تیل کی اس دولت کو ہڑپ کرنے کے لئے دشمن بن گئے۔ پہلے روس کی مستی اور عالمی غنڈہ گردی شروع ہوگئی اور اس نے تیل سے مالا مال بہت سارے اسلامی ممالک کو قبضہ میں کرلیا اور پھر خلیج کے تیل کی طرف چل پڑا، چونکہ خلیج تک پہنچنے کے لئے افغانستان سے گذر کر گرم سمندر ساحل گوادر اور کراچی تک آنا تھا اس لئے راستے میں غیور افغانوں سے روس کا واسطہ پڑا۔ مسلمان غیور افغانوں نے ۱۴ سال جنگ کر کے سولہ لاکھ شہداء کی قربانی دے کر روس کو ایسا دندان شکن جواب دے دیا کہ روس کے ٹکڑے ہو گئے بلکہ اب تک اس کی ہڈیاں دنیا کے مختلف مقامات پر چور چور ہو رہی ہیں خواہ وہ بوسنیا ہو یا کوسوؤ میں ہو یا چیچنیا، داغستان وغیرہ میں ہو، روس کے ٹوٹنے اور اس کی سرکشی نکلنے کے بعد امریکہ کے سر میں تیل کی مستی پیدا ہوگئی ہے اور اس نے انتہائی چالاکی سے مسلمانوں کو لڑا کر جزیرہ عرب میں اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج اتار دی

اور خلیج کے تیل پر انتہائی دہشت گردی اور غنڈہ گردی سے قبضہ جمالیا۔ مسلمانوں کی دفاعی لائن افغانستان کی طالبان حکومت گرادی اور پھر عراق پر حملہ کر کے وہاں کے تیل پر قبضہ کرلیا لیکن مجاہدین نے عراق میں امریکہ کا تیل نکالنا شروع کر دیا ہے اور افغانستان میں بھی امریکہ کا خون بہہ رہا ہے۔

امریکی فوج

روس سے امریکہ کی سرد جنگ جب ختم ہوگئی تو پانچ لاکھ فوج وہاں سے فارغ ہوگئی جس کو امریکہ نے جزیرہ عرب میں ڈال دیا ان کی نوکریاں بھی ہوگئیں اور تیل پر قبضہ بھی ہوگیا چنانچہ جزیرہ عرب میں خشکی کے اہم جنگی مقامات پر امریکی فوج کا قبضہ ہے اور یہ کل ۱۳۰ اہم اڈے ہیں جس سے امریکہ نے جزیرہ عرب اور خلیجی ممالک کا محاصرہ کر رکھا ہے اور وہ جس وقت بھی چاہتا ہے ہر مسلمان ملک کو ان اڈوں سے نشانہ بنا سکتا ہے۔ خشکی کے ۱۳۰ اہم اڈوں کے علاوہ امریکہ نے سمندر پر بھی قبضہ کر رکھا ہے اور ۱۹ بحری بیڑے سمندر کے کناروں اور اہم مقامات پر اس نے تعینات کئے ہیں جس پر سینکڑوں جنگی طیارے اور ہزاروں افواج موجود ہیں۔

ابھی اگست ۱۹۹۸ء میں امریکہ نے افغانستان پر جو میزائل سے حملہ کیا تھا وہ انہیں اڈوں سے کیا تھا۔ اور پھر طالبان کی اسلامی خلافت گرانے اور افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے امریکی کاراوئی انہیں اڈوں سے ہوئی۔ پھر یہ بھی دیکھیئے کہ پورے سمندر میں چار اہم تنگ آبی گذرگاہیں ہیں اور چاروں پر امریکہ قابض ہے۔ ایک آبنائے ہرمز ہے اس تنگ گذرگاہ سے روزانہ امریکہ کے لئے بلاناغہ تین بڑے جہاز تیل سے بھر کر لیجائے جاتے ہیں۔ دوسری آبی گذرگاہ جبوتی میں ہے اس پر بھی امریکہ قابض ہے تیسری تنگ گذرگاہ سویز میں ہے اس پر بھی امریکہ کا قبضہ ہے اور چوتھی تنگ آبی گذرگاہ جبل الطارق ہے وہاں پر بھی امریکہ کا قبضہ ہے گویا دنیا کا سمندر امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور سات سمندر پیچھے سے آکر جبل الطارق سے داخل ہو کر کھلے سمندر میں غنڈہ گردی کے اڈے چلا رہا ہے اور بحری بیڑے سجا رہا ہے۔ دو بحری بیڑے صرف بیت اللہ کے قریب کھڑے ہیں اور ایک بحری بیڑہ مدینہ منورہ کے قریب کھڑا ہے اور مسلمان حکمران سوئے پڑے ہیں بلکہ دبا کر سلا دیئے گئے ہیں۔

اس ظلم کو ملاحظہ کیجئے کہ ۱۹۷۵ء میں ایک بیرل خام تیل ۴۵ ڈالر کا بکتا تھا اور اب ۲۳ سال بعد ۱۹۹۸ء میں ایک بیرل تیل دس ڈالر کا بکتا ہے اور جب مزدوروں کی مزدوری تیل دینے والے ادا کرتے ہیں تو یہ دس ڈالر مزدوری میں لگ جاتے ہیں لہٰذا امریکہ کو تیل مفت میں دے دیا گیا۔ اس ظلم کے علاوہ کروڑوں ڈالر ماہانہ ان فوجوں پر خرچ ہو رہے ہیں جو زبردستی آکر جزیرہ عرب میں قابض ہو چکے ہیں ان کی تنخواہوں

کے علاوہ ان کی عیاشی کا پورا سامان بھی ان کو مہیا کیا جاتا ہے اور اس پاک زمین پر ان کے منحوس قدم کا استقبال بھی کیا جاتا ہے۔ ہائے افسوس تیل کی وجہ سے خلیجی ممالک کو ایک دن میں جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ پاکستان کے سالانہ بجٹ سے زیادہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ امریکہ اس وقت بالکل باؤلے کتے یا اندھے اونٹ کی طرح آپے سے باہر ہو گیا ہے اور وہ ہر اس جگہ کو قبضہ میں لینا چاہتا ہے جہاں تیل کے ذخائر موجود ہوں خواہ وہ چیچنیا میں ہو یا کویت میں ہو یا صومالیہ میں ہو، سوڈان ہو یا فلسطین ہو، سعودی عرب ہو یا مصر، الجزائر ہو یا ترکیہ، عراق ہو یا لیبیا ہو جہاں کہیں تیل کا نام ونشان ہو، امریکہ بہادر وہاں پہنچتا ہے اور اس پر قبضہ جمالیتا ہے اور اس کا بدنام صدر کہتا ہے کہ میں دنیا کا قائد ہوں، میرے ہاتھ لمبے ہیں۔ عجیب قیادت ہے جو سر سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک بے حیائی اور رسوائی میں آلودہ ہے دنیا کی کون سی زبان ہے جس کے ذریعے سے پوری دنیا میں کلنٹن کی رسوائی نہیں ہوئی؟ اور وہ کون سا نشریاتی ادارہ ہے جس نے اس بدنام زمانہ شخص کو برہنہ کر کے نہ رکھا ہو؟ اور وہ کون سی قوم ہے یا زمین کا کون سا خطہ ہے جس تک اس بے شرم شخص کی بے شرمی کے چرچے نہ پہنچے ہوں لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو ایک انسان سمجھتا ہے کسی نے سچ کہا ہے:

انسان کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم
شرم مگر تم کو آتی نہیں

دنیا کے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ امریکی اور یہودی افواج کو جزیرہ عرب سے نکال دیں تاکہ یہ روحانی اور مادی خطرات ٹل جائیں اور جزیرہ عرب آزاد ہو جائے۔

کرنسی

کسی ملک کے دولت مند ہونے اور بلند ہونے کی نشانی اس کی کرنسی ہوتی ہے اس وقت دنیا میں سب سے بڑی کرنسی بھی ایک مسلمان ملک کے پاس ہے جو کویت ہے اس کا دینار دنیا کی تمام کرنسیوں سے بڑا ہے اس وجہ سے بھی کفار عداوت رکھتے ہیں کہ مسلمان کرنسی میں ہم سے آگے کیوں ہیں اس عداوت کے باوجود اس وقت امریکہ کے بینکوں میں مسلمانوں کی اتنی رقم موجود ہے کہ اگر مسلمان صرف اپنی رقومات کو واپس نکال دیں تو امریکہ کا دیوالیہ نکل جائے گا لیکن مسلمان یہ جرأت بھی نہیں کر سکتے ہیں کہ ایک دشمن اسلام ملک کے بینکوں سے واپس لے لیں۔ اس وقت دنیا میں عالمی بینک آئی ایم ایف کے پاس مسلمانوں کی آٹھ سو بلین ڈالر کی رقم موجود ہے جبکہ آئی ایم ایف پوری دنیا میں انسانوں کو جو قرض فراہم کرتی ہے وہ صرف ۳۱۹

بلین ڈالر ہیں۔ اس طرح تقریباً پانچ سو بلین ڈالر آئی ایم ایف کے پاس مفت میں رہ جاتے ہیں اور جو قرض وہ مسلمانوں کو دیتی ہے اس پر ہر اخلاق سوز اور دین کش شرائط بھی لگاتی ہے۔ ہائے افسوس مسلمانوں کا احساس کہاں گیا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دفاعی لائن

ہر عقلمند اور فکر مند انسان اس چیز کو خوب جانتا ہے کہ جس قوم کے پاس اتنی بڑی روحانی اور مادی دولت ہو اس کے دشمن زیادہ ہوں گے اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ جن کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں ان کو زیادہ دفاع اور زیادہ سیکورٹی کی ضرورت پڑتی ہے تو آئیں اور دیکھیں کہ مسلمانوں کے پاس جو اتنی بڑی روحانی دولت ہے اور اتنے بڑے مادی وسائل ہیں اس کے دفاع کے لئے اور اس کے تحفظ اور حفاظت کے لئے ان کے پاس سیکورٹی کے کیا انتظامات ہیں جبکہ چاروں طرف ان کے دشمن تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں تو لیجئے اس کا فیصلہ خود قرآن عظیم نے کیا ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ﴾

اور ہم نے لوہا اتارا ہے جس میں سخت جنگ بھی ہے اور لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ اس کی مدد اور اللہ کے رسولوں کی مدد اس لوہے کے ذریعے سے کون کرتا ہے۔

اس آیت سے بالکل ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کے پاس جو روحانی برکات اور مادی وسائل ہیں اس کی حفاظت لوہے سے ہو سکتی ہے اور لوہے سے مراد ہتھیار ہے کہ تیر و تلوار ہو، نیزہ و سپر ہو، خود و زرہ ہو، بندوق و پسٹل ہو، توپ و ٹینک ہو، بکتر بند گاڑیاں اور ہر قسم کے میزائل ہوں۔ گن شپ ہیلی کاپٹر اور جنگی جہاز ہوں ہر قسم کے راکٹ اور بم اور ایٹم بم ہوں تب جا کر مسلمان اپنے سرمایہ کی حفاظت کر سکتے ہیں اسی دفاعی لائن اور اسی حفاظت کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے جو دیگر مقدسات کے لئے حفاظت بھی ہے اور خود عبادت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾

(سورہ الانفال آیت ٦٠)

یعنی جو کچھ تم سے ہوسکتا ہے کفار کے مقابلے کے لئے تیار کرو جن میں پلے ہوئے گھوڑے ہوں جن کے ذریعے سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دہشت بٹھلا دو۔

اسی دفاعی لائن کے متعلق قرآن کریم کی سینکڑوں آیتیں اتری ہیں اور ہر لحاظ سے اس فریضہ کی ترغیب دی ہے اور اس کو مسلمانوں پر فرض قرار دے دیا ہے۔ اسی طرح ہزاروں حدیثیں موجود ہیں جس میں حضور اکرمؐ نے فریضۂ جہاد کو مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے اور دین کی حفاظت کے لئے اس کو ضروری بتایا ہے اسی طرح مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے اور دین کی حفاظت کے لئے اس کو ضروری بتایا ہے اسی طرح فقہائے کرام نے بھی کفار کو دفع کرنے کے لئے اور اپنے مقدسات کی حفاظت کے لئے جہاد کی فرضیت کا واضح فتویٰ دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس فریضہ کو اپنائیں اور اپنی عبادت گاہوں اور مقدسات کی حفاظت کا انتظام فرمائیں کیونکہ حفاظت کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَمَا مَنُعَتْ دَارٌوَّلَاعَزَّ اَهْلُهَا
مِنَ النَّاسِ اِلَّا بِالْقَنَا وَالْقَنَابِلِ

یعنی کوئی گھر اور گھرانہ اس وقت تک باعزت زندگی نہیں گذار سکتا
جب تک کہ دفاع کے لئے نیزے اور گھوڑے وگرنیڈ نہ ہوں۔

جمعہ ۹ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ ۲۹ مارچ ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

عقیدۂ ختم نبوت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً ﴾ (سورہ احزاب)

ترجمہ: ''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالےٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

وعن ابی ہریرةؓ ان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ (١) اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ (٢) وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (٣) وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ (٤) وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَطُهُوْراً (٥) وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً (٦) وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ. (مسلم شریف)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاکؐ نے فرمایا دوسرے انبیاء کرام پر مجھے چھ خصوصیات سے فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا (۲) دشمن پر رعب و دبدبہ سے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کا استعمال میرے لئے حلال کیا گیا (۴) میرے لئے زمین مسجد بنادی گئی (یعنی ہر پاک زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے) اور پاکی کا ذریعہ بنایا گیا (یعنی مٹی پر تیمم جائز قرار دیا گیا) (۵) مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا (۶) میرے ذریعے سے نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا''۔

محترم سامعین!!

عقیدۂ ختم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے جس طرح اللہ تعالےٰ کو واحد لاشریک لہٗ، ماننا فرض ہے اور اس عقیدہ کے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی ماننا فرض ہے۔ جس طرح یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ اس زندگی کے بعد مرنا ہے اور مرنے کے بعد میدانِ محشر میں آنا ہے ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے اور پھر وہاں ایک طویل زندگی ہے یا جنت میں یا دوزخ میں۔ اسی طرح ختم نبوّت کا عقیدہ بھی جزوِ ایمان ہے اور جس طرح یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے رسولوں کو بھیجا اور رسالت کا سلسلہ قائم کیا وہیں پر یہ عقیدہ رکھنا بھی فرض ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔ ختم نبوت کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے انبیاء کرام آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد نبیوں کی آمد کے اس تسلسل پر مہر لگ گئی اب جتنے تھے اتنے ہیں نہ ان میں سے کسی ایک کو سربمہر فہرست سے نکالا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو اس میں نئے سرے سے داخل کیا جاسکتا ہے اگر اس فہرست سے کسی ایک کو نکالنے کی کوئی بھی شخص کوشش کرے گا تو کافر ہوجائے گا یا اس مہر شدہ فہرست میں کوئی شخص کسی جعلی نبی کو داخل کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا۔

ختم نبوت مقامِ کمال ہے

ختم نبوت اس حوالہ سے کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو روحانی یا مادی یا اخلاقی یا معاشرتی یا عباداتی یا اعتقادیاتی برکات دینا چاہتا تھا وہ کامل بلکہ اکمل طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے چکا گویا ظاہری اور باطنی نعمتوں برکتوں اور عظمتوں کی انتہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہوگئی جتنا اللہ تعالیٰ نے دینا تھا دے دیا اور یہی وہ کمال ہے کہ اس تکمیل کے بعد کسی اور چیز کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ سابقہ جگہ اتنی پُر ہے کہ نوآمدہ کسی چیز کی نہ ضرورت ہے اور نہ وسعت ہے۔ مثال کے طور پر ایک برتن صاف شفاف دودھ سے چھلکتا ہے اس میں مزید دودھ ڈالنے کی گنجائش کہاں ہوتی ہے اگر کوئی ڈالنے کی کوشش کرے گا تو نقصان کرے گا فائدہ نہیں ہوگا بالکل اسی طرح حضورؐ اپنی ذات وصفات، اخلاقیات وکمالات اور عبادات ومعاملات میں اتنے عروج اور بلندی پر فائز تھے کہ نہ پہلے اس بلندی پر کوئی آیا تھا اور نہ آئندہ آنے کا امکان ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نظیر آپ تھے کسی نے خوب کہا

مَضَتِ الدُّھُوْرُ وَمَا اَتَیْنَ بِمِثْلِہٖ
وَلَقَدْ اَتٰی فَعَجِزْنَ عَنْ نُظَرَائِہٖ

"یعنی زمانے گزر گئے مگر محبوبِ خدا کی طرح کسی کو نہ لاسکے اور جب خاتم النبیین تشریف لائے تو اب آپ کی نظیر سے زمانے عاجز ہوگئے"۔

"تاج وتخت ختم نبوت بطور کمال" سمجھنے کیلئے اتنا کافی ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں علماء اس اجمال سے تفصیل کو سمجھ سکتے ہیں

نبوت کے چند جھوٹے دعویدار

اسلام کے دور اوّل میں چار ایسے بدبخت گذرے ہیں جنہوں نے تاج وتخت ختم نبوّت پر ڈاکہ

ڈالنے کی کوشش کی، اس کے بعد قرون وسطیٰ میں بھی کچھ بد بخت آئے ہیں لیکن ان سے بحث اس وقت مقصود نہیں میں اسلام کے دورِ اوّل کے اور پھر ہمارے اس دور آخر کے مدعیان نبوت کے کچھ حالات آپ کے سامنے رکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ اسود عنسی:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام تھے ۱۰ھ کا زمانہ تھا حضورؐ کے گورنر یمن اور دیگر علاقوں پر متعین تھے یمن کا گورنر شہر بن باذام فارسی تھا کہ اچانک اسود عنسی یمن میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یہ بڑا شعبدہ باز تھا اس کے ساتھ دو شیطان تھے ایک کا نام سحیق تھا اور دوسرے کا نام شقیق تھا۔ اسود عنسی کا نام عبہلہ بن کعب بن غوث تھا اور یہ کہف حنان علاقہ کا رہنے والا تھا۔ ابتداء میں اس کے ساتھ ۷۰۰ جنگ آزمودہ آدمی تھے اس نے حضور کے مقرر کردہ گورنروں کو اس طرح لکھا:

أَيُّهَا الْمُتَمَرِّدُوْنَ عَلَيْنَا اَمْسِكُوْا عَلَيْنَا مَا اَخَذْ تُمْ مِنْ اَرْضِنَا فَنَحْنُ اَوْلٰى بِهَا.

اے ہم پر سرکشی کرنے والو! ہم سے باز آجاؤ تم نے جو زمین ہم سے چھین لی ہے ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس اعلان کے بعد یہ شخص نجران کی طرف متوجہ ہوا اور دس دنوں میں ان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر صنعاء یمن کی طرف روانہ ہوا، ہاں شہر باذام سے لڑائیاں ہوئیں مگر یہ غالب آیا اور شہر بن باذام کو اس نے شہید کردیا اور اس کی بیوی کو اس نے اپنے نکاح میں زبردستی لے لیا اور پورے یمن پر قابض ہوگیا۔ حضرت معاذؓ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ آپؓ کو راستے میں ابوموسیٰ اشعریؓ بھی ملے سب کو یمن سے نکلنا پڑا، یمن کے اکثر لوگ مرتد ہوگئے اور اسود عنسی کا فتنہ بڑا مضبوط ہوگیا۔ یہ فتنہ ۳۵ دن میں مکمل طور پر پھیل گیا اور چار ماہ کے بعد اسے ختم کردیا گیا اور یہی اس خبیث کی مدت دعوائے نبوت تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط

اسود عنسی کے قتل کے لئے حضور اکرمؐ نے عام مسلمانوں کے نام ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون تھا کہ سب مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور سب مسلمانوں کو چاہئے کہ اسود عنسی کے قتل کے لئے کھڑے ہو جائیں چاہے میدانِ مقابلہ میں ہو، چاہے خفیہ طور پر ہو اس کو قتل کیا جائے اس خط کے نتیجہ میں اسود عنسی کے اپنے گھر میں فارسیوں کا ایک ایسا گروپ تیار ہوگیا جو اس کے قتل کا باعث بنا جس میں شہر بن باذام شہیدؓ کی بیوی ازاذ اور اس کا بھائی فیروز دیلمیؓ اور دیگر وہ مسلمان جو بظاہر اسود عنسی کے ساتھ تھے مگر اس کے پکے دشمن

تھے ان حضرات نے بڑی محنتیں کر کے منصوبہ بنایا اور بالآخر وہ اسود عنسی کے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے گھر کی عقبی دیوار سے نقب لگا کر فیروزؓ وغیرہ اندر داخل ہو گئے اور سوتے میں اس شیطان کو ذبح کیا اس نے بڑا شور کیا۔ باہر بہت سخت پہرہ تھا انہوں نے اندر والوں سے پوچھا کیا ہو رہا ہے ازاذ نے کہا ''نبی یوحی الیہ'' یعنی نبی پر وحی آ رہی ہے اس کا شور ہے جب اسود عنسی ٹھنڈا ہو گیا تو صحابہؓ نے فجر کی اذان میں زور سے یہ کلمات پڑھے۔'' اشهد ان محمد رسول الله وان عبهلة كذاب'' یہ کہہ کر اسود عنسی کا سر میدان میں پھینک دیا اسی رات جبرئیل امینؑ نے حضور اکرمؐ کو خبر دے دی کہ اسود عنسی کو فیروز نے قتل کیا۔ حضور اکرمؐ نے صحابہؓ کو خوشخبری سنائی اور فرمایا فیروز فیروز فاز فیروز، یعنی فیروز کامیاب ہوا، بہر حال یہ فتنہ ختم ہوا۔ حضور اکرمؐ اس اطلاع کے ایک دن بعد دنیا سے تشریف لے گئے۔

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والی نے ‏ ‏ کہ بوجہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایمان ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی ‏ ‏ برائے دین اسلام رقص کرنا عین عبادت ہے

۲۔ طلیحہ اسدی!!

یہ شخص ۹ھ کو قبیلہ اسد کے وفد کیساتھ مدینہ منورہ آیا اور اسلام قبول کر لیا لیکن واپس جا کر وہ نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہو گیا اور اپنی طاقت جمع کرنی شروع کی۔ بنو اسد، غطفان وفزارہ بنو جدیلہ عبس وذبیان اور غوث قبائل کے مرتدین ان کے ساتھ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کے لئے حضرت ضرار بن ازورؓ کو بھیجا تھا لیکن یہ شخص بچ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا فتنہ انتہائی مضبوط ہو گیا۔ عیینہ بن حصن اس کا نائب بنا جس کا لقب حضور اکرمؐ نے احمق مطاع رکھا تھا اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ساتھ پہرہ کے لئے دس ہزار اسلحہ بردار گھومتے رہتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کو ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے علاقہ بُزاخہ کی طرف روانہ فرمایا ادھر تمام جنگجو قبائل کا ایک جنگی معاہدہ ہو گیا تھا کہ لشکر اسلام کا اجتماعی طور پر مقابلہ کریں گے۔ بزاخہ کے علاقے میں شدید معرکے ہوئے اور طلیحہ کا بھائی مارا گیا اس کے بڑے بڑے کمانڈر ہلاک کر دیئے گئے۔ احمق مطاع گرفتار ہوا اور طلیحہ ابنِ خویلد اسدی جھوٹا نبی ایسا بھاگا کہ جزیرۂ عرب سے نکل کر شام چلا گیا اس طرح یہ فتنہ بھی ختم ہو گیا، اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

۴۔ جھوٹی نبیہ سجاح!!

اس عورت کا تعلق بنو تمیم کے قبیلہ یربوع سے تھا لیکن یہ خود عراق میں رہتی تھی۔ خود مسلمان بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ بنو تغلب کی ایک عیسائی عورت تھی اس کو سرداری کا شوق تھا جب حضور اکرم کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے لشکریوں کو عراق سے بنو تمیم کے ہاں پہنچادیا تا کہ یہاں اپنی قوت کو مزید مضبوط بنا کر صدیقِ اکبرؓ کی خلافت کو گرا کر اس پر قبضہ جمالے اس مقصد کے لئے اس عورت نے بنو تمیم کے ہر مفسد سے امداد لینے کی کوشش بھی کی اور لڑائی بھی لڑی مگر اس کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس خبیثہ عورت نے اپنی فوجوں کے ذریعہ سے جگہ جگہ مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور بنو تمیم سے نکل کر نباج کے علاقہ میں جا کر غیر مسلموں سے بھی جنگیں لڑیں مگر ناکام ہوگئی پھر اس نے یمامہ کا رُخ کیا تا کہ مسیلمہ کذاب سے جنگ کرے۔ مسیلمہ کذاب کو چونکہ صحابہؓ کیساتھ جنگ کا سامنا تھا تو وہ بہت گھبرایا کہ اگر اس عورت کی طرف سے جنگ کا محاذ کھل گیا تو اس کی بڑی طاقت بٹ جائے گی اس لئے الکفر ملة واحدة کے اصول کے تحت مسیلمہ نے اس عورت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا اور پھر دونوں کی ملاقات کے بعد آپس میں سازشی نکاح ہوگیا پھر سجاح مسیلمہ پر ٹیکس لگا کر حضرت خالدؓ کے خوف سے خود عراق چلی گئی اس زمانہ کے ایک ظریف شاعر نے اس نکاح اور شادی خانہ بربادی پر اسطرح تبصرہ کیا۔

اَمَتْ سَجَاحُ وَوَالَاهَا مُسَيْلَمَةٌ
كَذَّابَةٌ فِي بَنِي الدُّنْيَا وَكَذَّابُ

یعنی سجاح بیوہ ہوگئی تو مسیلمہ نے اس سے شادی کر لی اوپر نیچے دونوں عالمی جھوٹے اکٹھے ہوگئے۔
ایک اور شاعر نے کہا ۔

اَمَسَتْ نَبِيَّتُنَا اُنْثىٰ نَطِيفُ بِهَا
وَكَانَ اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ ذُكْرَانَا

ہمیں نبی کی حیثیت سے ایک عورت مل گئی جس سے ہم جماع کرتے ہیں اور لوگوں کے انبیاء مرد چلے آئے ہیں۔
یہاں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیجئے۔

چار عورتیں نبوت کا دعویٰ کریں گی

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ دَجَّالُوْنَ سَبْعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ، مِنْهُمْ اَرْبَعُ نِسْوَةٍ وَاِنِّيْ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (مسند احمد، طبرانی)

''حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا میری امت میں ۲۷ بڑے جھوٹے بڑے فراڈی آئیں گے ان میں چار عورتیں ہوں گی (یاد رکھو) میں نبی آخر زمان ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۴۔ مسیلمہ کذّاب!!

یہ شخص یمامہ کا رہنے والا تھا قبیلہ بنو حنیفہ سے اس کا تعلق تھا طویل العمر شخص تھا، قیادت وسیادت کا شوقین تھا۔ شکل کے اعتبار سے انتہائی بدصورت تھا اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انتہائی بدکردار اور بد سیرت بھی تھا۔ ۹ھ کے زمانے میں یہ شخص اپنے قبیلہ کے وفد کیساتھ مدینہ منورہ آیا اور اسلام قبول کر لیا لیکن جب واپس یمامہ پہنچا تو اس نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خط لکھا۔

مسیلمہ کذاب کا خط

مِنْ مُسَيْلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ، اَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّيْ قَدْ اُشْرِكْتُ فِي الْاَمْرِ مَعَكَ وَاِنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَ لِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَّعْتَدُوْنَ.

یعنی مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہؐ کے نام یہ خط ہے آپ کو سلام ہو۔ امابعد! پس مجھے نبوت میں آپ کیساتھ شریک کر دیا گیا۔ اب آدھی زمین ہماری ہوگی اور آدھی قریش کی ہوگی لیکن قریش ظالم قوم ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جوابی خط

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلِمَةِ الْكَذَّابِ ، اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

امّابعد: فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥

یعنی محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جھوٹے مسیلمہ کے نام یہ خط ہے۔ ہدایت قبول کرنے والے پر سلام ہو۔ امابعد: زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا زمین کا وارث بنائے گا اور نیک انجام نیک لوگوں کا ہے۔

مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم اور اپنے علاقہ کے چالیس ہزار آدمیوں کو بطور خاص جنگ کے لئے تیار کیا تھا۔ اور اس انتظار مین بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کب اپنی فوجوں کیساتھ اس طرف آئے گا۔ حضرت خالدؓ سے پہلے مسیلمہ کذاب نے حضرت عکرمہؓ اور ان کے لشکر کو یمامہ سے پیچھے دھکیل دیا تھا جس سے ان کے حوصلے بلند ہو گئے مگر باطل کو آخر مٹنا ہوتا ہے چنانچہ وہ مٹ ہی گیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ یمامہ کی طرف بڑھ رہے ہیں

حضرت خالدؓ کیساتھ آٹھ ہزار کا لشکر تھا معرکۂ بطاح سے فارغ ہو کر آپؓ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے اس طرف بڑھ گئے۔ مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کو قومی اور خاندانی تعصب کی بنیاد پر خوب بھڑکا رکھا تھا اور اپنا مرکز مقام ''عقربا'' میں بنا رکھا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس مقام پر اپنے شاہینوں کیساتھ زبردست حملہ کر دیا ابتداء میں کچھ ناکامی ہوئی بلکہ تین دفعہ مسلمانوں کو مسیلمہ کذاب کی فوجوں نے پیچھے دھکیل دیا آخری دفعہ محمدی کچھار کے شیروں نے ایسا حملہ کر دیا کہ مسیلمہ کذاب کا لشکر میدان سے پاؤں سر پر رکھ کر ایسا بھاگا کہ لاشوں کا ڈھیر چھوڑ کر سب قلعہ بند ہو گئے۔ اب مسلمان باہر تھے اور مرتدین قلعہ کے اندر تھے اور مسلمانوں کو مارتے تھے۔ پھر ایک صحابی کو منجنیق کے ذریعے سے قلعہ کے اندر پھینکا گیا اور اس نے اندر سے دروازہ کھولا اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے اور دوبدو لڑائی شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کذاب ایک دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اور ساتھیوں کو لڑا رہا تھا ایک صحابی نے جا کر اس کو نیزہ مارا اور دوسرے نے اس کا سر کاٹ کر اس کو ذبح کر دیا۔ پھر اندر جنگ شروع ہو گئی۔ چنانچہ قلعہ کے اندر ایک ہی باغیچہ میں کفار کے بیس ہزار آدمی مارے گئے اور اس باغیچہ کا نام حدیقۃ الموت پڑ گیا۔ حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں اس دن نو تلواریں ٹوٹ گئیں اور آخر کار کافر مغلوب ہو گئے اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور ختم نبوّت کا اعلان پھر جزیرۂ عرب میں گونج اٹھا۔ بارہ سو شان والے علماء حفاظ اور قراء صحابہؓ شہید ہو گئے اور کذاب کا فتنہ ختم ہو گیا۔ سچ ہے

ہم نے ان کے سامنے اوّل تو سینہ رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا سر رکھ دیا دل رکھ دیا
سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والیؐ نے
کہ بوجہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایمان ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوکِ سنان سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایمان ہے

خَلَقَ اللّٰہُ لِلْحُرُوْبِ رِجَالاً
وَ رِجَالاً لِقَصْعَةٍ وَّ ثَرِیْدٍ

"اللہ نے بعض لوگوں کو جہاد کے لئے پیدا کیا ہے اور بعض کو قورمے اور ثرید کھانے کے لئے۔"

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ خطرناک فتنہ صحابہ کرام کے ہاتھوں ختم ہو گیا اور عام مسلمانوں کو قیامت تک تعلیم مل گئی کہ اس قسم کے فتنوں کی سرکوبی کے لئے قربانی دینی ہوگی جس طرح کہ ایک ہی معرکہ میں صحابہ کے بارہ سو علماء اور حافظِ قرآن نے مقدّس جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی دجال

جس طرح جھوٹے نبیوں کا سلسلہ اس امت کے دورِ اوّل میں چلا تھا دورِ آخر کا بدنام زمانہ غلام احمد قادیانی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دورِ اوّل میں ایسے جھوٹے دجالوں کا علاج سرکاری تلوار سے ہوا اور دورِ آخر کے دجالوں کو حکومتِ وقت نے تحفظ فراہم کیا۔ ان دجالوں کے اس تسلسل کا تذکرہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

وعن نعیم بن مسعودؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ کَذَّاباً کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ

"نعیم بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ۳۰ جھوٹے نہ نکل آئیں جن میں سے ہر ایک یہ جھوٹا دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے"۔

ان تیس دجالوں میں مرزا غلام احمد قادیانی ایک مشہور دجّال تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کون تھا؟

مرزا غلام احمد قادیانی علاقہ گورداسپور (الہند) کے ایک ضلع قادیان میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا تھا اور پھر لاہور میں ۱۹۰۸ء میں مستند روایات کے مطابق بیت الخلاء میں ہلاک ہوا۔ پھر ان کے آقاؤں نے اسپیشل ٹرین کے ذریعے سے اسے قادیان پہنچا دیا جہاں وہ بعض اولیاء اللہ کے قول کے مطابق کتّے کی شکل میں آگ سے بھری ہوئی قبر میں پڑا ہے۔ ۱۸۸۰ء میں اس نے کہا کہ میں مسیح موعود ہوں عیسیٰؑ وفات پا گئے ہیں ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ ۱۹۰۰ء میں غلام احمد نے اپنے آپ کو ظلی بروزی اور پھر حقیقی نبی کہہ کر نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء تک اس نے اپنے لئے ہر قسم کی برتری ثابت کرنے کوشش کی اور عجیب عجیب افسانے گھڑ کر وحی آنے کا دعویٰ کیا اس نے بعض ایسی وحی کا بھی ذکر کیا جس کا ذکر کرنا ایک شریف آدمی کے لئے ممکن نہیں اس نے بعض ایسی وحی بھی پیش کی جس کا مطلب نہ خود وہ سمجھتا تھا اور نہ کوئی اور، بلکہ مہمل قسم کی باتوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس نے اپنی خود ساختہ وحیوں میں بڑے بڑے علماء، صوفیاء اور اہل اللہ کو گالیاں دیں اور انبیاء کرام وعلماء عظام کو بھی گا

لیاں دیں۔ الغرض کافر ہونے کیساتھ ساتھ اس شخص میں دنیا کے تمام عیوب تقریباً جمع تھے۔ کسی نے کہا تھا۔

اگر مرزا ہوتا خدا کا نبی
تو ٹٹی میں گر کر نہ مرتا کبھی

یہ شکل کے اعتبار سے انتہائی بدصورت شخص تھا کانا دجال بھی تھا اور بدسیرت بھی تھا۔

تُو کیوں آیا؟؟

یہ ایک سوال ہے جو ہم پوچھتے ہیں غلام احمد قادیانی سے کہ تُو کیوں آیا؟ یہ اس لئے کہ مرزا غلام احمد کے آنے سے پہلے بھی اور آج بھی بلکہ قیامت تک الحمدللہ شریعت قائم ہے اور قائم رہے گی۔ قرآن کریم کامل و مکمل موجود ہے۔ احادیث مقدسہ موجود ہیں کعبہ موجود ہے نمازیں موجود ہیں حج اسی طرح قائم ہے مسجدیں اسی طرح قائم ہیں دینی مراکز موجود ہیں، بیوعات خرید و فروخت کے قواعد اسی طرح قائم ہیں۔ اسلامی اخلاقیات، معاشیات، معاشرت سب موجود ہیں زکوٰۃ وصوم قائم ہے۔ شریعت کے تمام ضابطے بحال ہیں۔ قصاص وحدود و جنایات کے اصول موجود ہیں اور اوامر ونواہی اپنی جگہ قائم ہیں الغرض کامل و مکمل بلکہ اکمل نظامِ اسلام موجود ہے تو ہم اس سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ مرزا صاحب! تم کیا لیکر آئے؟ کیا تم نے کوئی نئی نماز پیش کی نیا روزہ دیا یا کوئی زکوٰۃ کی نئی صورت دی یا حج کا کوئی نیا ضابطہ انسانوں کو دیا۔ آخر تم نے کیا دیا اگر کچھ بھی نہیں دیا تو تُو کیوں آیا اور کیا لایا؟ ؟ نہ کوئی اقتصادی نظام تم نے دیا نہ حج کی الگ صورت دی نہ خارجہ و داخلہ پالیسی میں کوئی نئے اصول وضع کئے نہ جنت کی نعمتوں کا کوئی اور تصور پیش کیا، شریعت میں تو تم نے کچھ بھی نہیں کیا نہ نئی شریعت لائے ہو اور نہ پرانی شریعت اپنانے کی بات کرتے ہو آخر تم کس بیماری کی دوا ہو؟ بس صرف اس لئے آئے کہ مسلمانوں کو تشویش میں ڈال کر پریشان کردو جہاد کا انکار کردو انگریز کو خوش کردو اور مسلمانوں کو ناراض کردو اور نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کی دنیا لوٹنے اور پھر ایمان بگاڑنے کی ایک مکروہ کوشش کرو کسی نے سچ کہا ہے۔

مسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کے جیب لے گئے پیغمبری کے نام سے

بس یہی چیز ہے جس کے حصول کے لئے پہلے بھی اس قسم کے خودغرض لوگ آئے تھے اور مرزا غلام احمد قادیانی بھی اسی مقصد کے لئے آیا تھا۔

مرزا قادیانی کے دعوے

ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مرزائی لوگ سب سے پہلے جب کسی کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو لوگوں کو علماء حق سے بدظن اور متنفر کرتے ہیں جب اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر بیعت کا ایک فارم پُر کرواتے ہیں یہ پیری مریدی کا فارم ہے جب ایک آدمی مرید بن جاتا ہے تو بس اب یہ جالِ دجال میں پھنس گیا۔ اب آہستہ آہستہ عورتوں، عہدوں اور پیسوں کے ذریعے سے اس کے سامنے غلام احمد قادیانی کی نبوّت کی بات رکھتے ہیں اور وہ آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ یہ لوگ دھوکہ دہی کے تحت یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو اس کا سخت خلاف ہے ایسے شخص کو تو اس نے کافر لکھا ہے تو عرض یہ ہے کہ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۰ء کے قریب تک تو ان کے یہی دعوے تھے کہ وہ نبی نہیں لیکن ۱۹۰۰ء کے بعد ۱۹۰۸ء تک ان کے کتنے سارے دعوے نبوّت کے ہیں اور وہ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کھل کر کہتا ہے کہ وہ نبی اور رسول ہے کہتے ہیں۔

منم مسیح زماں منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد
میں کبھی موسیٰ کبھی عیسیٰ کبھی ادریس ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

(۱) میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۲۶۵)

(۲) سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء ص ۱۱)

(۳) میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

(۴) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۷۲)

(۵) یہ عاجز (یعنی غلام احمد) اسرائیل یوسف سے بڑھکر ہے۔ (براہین حصہ پنجم ص ۷۶)

(۶) اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوّت ثابت ہو سکتی ہے۔ (چشمہ معرفت ص ۳۱۷)

(۷) میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۷۰)

محترم سامعین!

یہ چند عبارتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں یہ مشتے از نمونہ خروارے ہیں ورنہ دعوے بسیار ہیں البتہ یہ پھر کہہ دوں کہ مرزا قادیانی نے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۸ء تک نبوت کے دعوے کئے ہیں اس سے قبل وہ اپنے آپ کو مہدی محدث اور مسیح موعود کہتا تھا۔ اب چند احادیث پیش کرتا ہوں جن کا تعلق ختم نبوت سے ہے ترجمہ کی گنجائش نہیں صرف عبارت ملاحظہ ہو۔

ختم نبوت پر چند احادیث

(۱) وَعن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّبِیِّیْنَ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًافَاَ تَمَّھَا اِلَّا لَبِنَةً وَاحِدَةً فَجِئتُ اَنَا فَاَتْمَمْتُ تِلْکَ اللَّبِنَةَ. (رواہ مسلم)

(۲) وعن عبداللّٰہ بن ابراھیم بن قارظ اَشْھَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَةَ یَقُوْلُ قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَاِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ آخِرُ الْمَسَاجِدُ. (رواہ مسلم)

(۳) وعن انسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ اِنْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَانَبِیَّ. (ترمذی)

(۴) وعن ابی امامة رضی اللّٰہ عنہ عن النَّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ وَ اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ. (ابن ماجہ)

(۵) وعن نعیم بن مسعودؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ کَذَّاباً کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ. (طبرانی)

(۶)وعن ابن زمل الجھنیؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَ اُمَّتِیْ. (طبرانی)

(۷) وعن ابی امامةؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فِیْ خُطْبَةِ یَوْمِ حَجَّةِ الْوِدَاعِ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ اَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْاخَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوةَ اَمْوَالِکُمْ طَیِّبَةً بِھَا اَنْفُسُکُمْ وَاَطِیْعُوْاوُلَاةَ اُمُوْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَرَبِّکُمْ.

(منتخب کنز بر حاشیہ مسند احمد)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدالاوّلین والآخرین وخاتم النبیین آمین یارب العالمین.

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ ۱۶ اگست ۱۹۹۶ء — مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع
اطاعت والدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّاتَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْ کِلَاھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾

(سورت بنی اسرائیل ۲۲ و ۲۳)

''اور تیرا رب حکم کر چکا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر ان میں سے تیرے سامنے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ''ہوں'' نہ کہو اور نہ جھڑک ان کو، اور ان سے ادب کی بات کہو اور ان کے آگے عاجزی اور نیاز مندی کے کندھے جھکا دو اور کہہ دو اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا''۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِضَی اللّٰہِ فِی رِضَا الْوَالِدَیْنِ وَسَخَطُ اللّٰہِ فِی سَخَطِ الْوَالِدَیْنِ.

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا اور خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے''۔

محترم حاضرین!

''اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ'' دین مکمل طور پر ادب کا نام ہے اس میں خالق اور مخلوق کے تمام حقوق کا تعین کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر حقوق ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت کے الگ حقوق ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت کے اپنے حقوق ہیں اولیاء اللہ اور علماء کرام کے الگ حقوق ہیں اور اسی طرح والدین اور بزرگوں کے اپنے حقوق ہیں جو شخص والدین کے حقوق کو ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بجالاتا ہے جو شخص اللہ اور دین اسلام کے حقوق کا خیال رکھتا ہے وہ اپنے والدین کے حقوق کو بجالاتا ہے، الغرض دین اسلام کو صحیح طور پر اپنانا ترتیب کے ساتھ خالق اور مخلوق کے حقوق کو بجالانا ہی ہے

جس شخص نے مکمل دین پر چلنے کی کوشش کی اس نے سب کے حقوق بجالائے مگر جو شخص دین سے باغی ہوا وہ شخص خالق ومخلوق میں سے کسی کے حقوق پورے نہیں کرسکتا ہے گویا دین اسلام پر عمل کرنا خالق ومخلوق کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خالق ومخلوق کے حقوق ہی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوٹوک انداز سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے چنانچہ عبادت قولی ہو یا عبادت مالی ہو، ہر عبادت کا ہر ہر شعبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد بندوں کے حقوق کا مرحلہ آتا ہے، بندوں کے حقوق میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق کو تمام حقوق پر مقدم رکھا ہے کیونکہ اولاد کی تخلیق میں جس طرح اللہ تعالیٰ خالق حقیقی ہے اسی طرح والدین کو تخلیق مجازی کا مقام حاصل ہے اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بغیر ماں باپ کے کسی انسان کو پیدا فرمادے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور بغیر ماں کے بھی پیدا فرمادے جس طرح حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بغیر باپ کے کسی کو پیدا کردے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کی عادتِ عامہ، عادت جاریہ اور عادت مستمرہ یہ ہے کہ وہ والدین کے ذریعہ سے عام نوع انسانی کو پیدا فردیتا ہے تو اس تخلیق حقیقی میں والدین کو تخلیق مجازی کا سبب اور ذریعہ کا ایک مقام حاصل ہے اس وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بچہ کی پیدائش میں یہ والدین سبب بنے ہیں یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے والدین کو ایک عظیم مقام ملا ہے اور اولاد پر ان کے بہت بڑے حقوق عائد ہوگئے ہیں ان آیتوں کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

تفسیر

خدا تو حقیقۃً بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے والدین اسکی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق ذکر کئے گئے ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی، ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے والدین کے ساتھ بھلائی کرنا ایک یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان ومال سے خدمت اور دل سے تعظیم ومحبت کرے، مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھے، ان کے لئے دعا واستغفار کرے، ان کے عہد تامقدور پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم وحسن سلوک سے اور ان کے اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے، بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے، جس سے بعض اوقات اہل وعیال بھی اکتانے

لگتے ہیں، زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے، بڑی سعادت منداولاد کا کام ہے کہ اس وقت بوڑھے والدین کی خدمت گذاری وفرمان برداری سے جی نہ ہارے، قرآن نے تنبیہ کی کہ جھڑکنااور ڈانٹناتو کجاان کے مقابلہ میں زبان سے ''ہوں'' بھی مت کرو بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب وتعظیم کوملحوظ رکھو، حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایاایسی طرح بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔

علامہ عثمانیؒ مزید لکھتے ہیں یعنی جب میں بالکل کمزورونا تو ان تھا انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کردیا، اپنے خیال کے مطابق میرے لئے ہر راحت وخوبی کی فکر کی، ہزار ہا آفات وحوادثات سے بچانے کی کوشش کرتے رہے، بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں ڈالی، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی تعظیم کرتا ہوں لیکن پوراحق ادانہیں کرسکتا اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔　　(تفسیر عثمانی)

سورت بنی اسرائیل کی ان آیتوں کے علاوہ قرآن کریم میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی واحسان سے متعلق دیگر چند آیتیں بھی ہیں۔ چنانچہ سورت بقرہ آیت نمبر۸۳ میں اسی مضمون کی ایک آیت موجود ہے سورت نساء آیت ۳۶ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے، سورت انعام آیت ۱۵۱ میں اسی مضمون کوواضح کیا گیا ہے، سورت لقمان میں تو تقریباً ایک رکوع والدین اوراولاد کے حقوق کے متعلق اترا ہے وہاں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت اوران کے احسانات کے احکامات مذکور ہیں، سورت مریم آیت ۱۴ میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک اوراطاعت وفرمانبرداری کا مضمون آیا ہے، سورت عنکبوت میں آیت ۸ میں والدین سے حسن سلوک کی وصیت اورتاکید موجود ہے، سورت احقاف آیت ۱۵ میں بھی اسی قسم کا مضمون آیا ہے اس کے علاوہ قرآن عظیم کی کئی آیتوں میں والدین کے لئے دعائے مغفرت اوران کی خیرخواہی کرنے پر اولاد کو مامور کیا ہے۔ قرآن عظیم کے ارشادات کے بعد آپ احادیث مقدسہ کے وہ فرامین بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں والدین کی اطاعت اوران کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے۔

والدین کا مقام احادیث کی روشنی میں

(۱) وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رجل یارسول الله امن احق بحسن صحابتی؟ قال امک قال ثم من؟ قال امک قال ثم من؟قال امک قال ثم من؟ قال

ابوک وفی روایة قال امک ثم امک ثم امک ثم اباک ثم ادناک ادناک.

(بخاری ومسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کے لئے سب سے بہتر کون ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ تیری ماں اس شخص نے پوچھا کہ پھر کون؟ حضورؐ نے فرمایا تیری ماں، اس نے پھر سوال کیا کہ پھر کون؟ حضورؐ نے فرمایا کہ تیری ماں، اس نے پھر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیرا باپ، اور ایک روایت میں ہے کہ تیری ماں تیری ماں تیری ماں پھر تیرا باپ اور پھر درجہ بدرجہ رشتہ دار''۔

(۲) وعنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رغم انفه رغم انفه رغم انفه قیل من یارسول اللّٰہ؟ قال من ادرک والدیه عند الکبر احدهما او کلاهما ثم لم یدخل الجنة.

(مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی ''ناک خاک آلود ہوجائے، خاک آلود ہوجائے، خاک آلود ہوجائے پوچھا گیا یا رسول اللہ! کس کی ناک خاک الود ہوجائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بڑھاپے کے وقت اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو پالیا اور پھر وہ جنت کا مستحق نہیں بنا''، یعنی خدمت کرکے جنت حاصل نہیں کی۔

(۳) وعن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد. (رواہ ترمذی)

وفی روایة ابن حبان علی شرط مسلم عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال رضا اللّٰہ تعالیٰ فی رضا الوالدین وسخط اللّٰہ تعالیٰ فی سخط الوالدین.

''حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے اور رب تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے''۔

(۴) وعن محمد بن نعمان یرفعه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من زار

قبر ابویه او احدهما فی کل جمعة غفر له و کتب برا. (رواه ابن ابی الدنیا)

''محمد بن نعمان ایک مرفوع حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ہر جمعہ اپنے دونوں والدین یا ایک کی قبر کی زیارت کی تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، اور وہ فرمان بردار لکھا جائے گا''۔

(۵) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کبھی) کسی شخص کے والدین کا انتقال ہو جاتا ہے یا ان میں سے ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور یہ شخص ان دونوں سے عاق ہوتا ہے، پس یہ شخص ان دونوں کے لئے دعا مانگتا ہے اور استغفار کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرمان بردار لکھ لیتا ہے۔ (بیہقی)

(۶) مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے الّا یہ کہ وہ اپنے باپ کو غلامی کی حالت میں پالے اور پھر اسے خرید کر آزاد کر دے۔

(۷) ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں! حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ان میں جا کر جہاد کرو۔ یعنی ان کی خدمت کرنے سے اتنا ثواب ملے گا جتنا کہ جہاد میں ملتا ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب جہاد فرض عین نہ ہو ورنہ اجازت کی ضرورت نہیں نیز یہ اس وقت کے ساتھ خاص ہے کہ والدین کی خدمت کی اشد ضرورت ہو اور کوئی اور اس خدمت کو انجام نہ دے سکتا ہو۔

(۸) ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر لفظ ''اف'' سے بھی کمتر لفظ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی منع کر دیتے۔ اب نافرمان اولاد جو چاہیں عمل کریں وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتیں اور روالدین سے نیک سلوک والا جو چاہے عمل کرے وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور روالدین کی نافرمانی کرنا اور ناحق کسی کو قتل کرنا اور یمین غموس، کبیرہ اور بڑے گناہوں میں سے ہیں۔ (بخاری شریف)

(۱۰) روح المعانی میں ایک روایت اس طرح ہے ''اکبر الکبائر عقوق الوالدین و ان الجنة تحت اقدام الامهات ''یعنی والدین کی نافرمانی بہت بڑے گناہوں میں سے ہے اور جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو فرمان بردار صالح اولاد اپنے والدین کو رحمت وشفقت کی نگاہ سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ ہر دفعہ کی نگاہ کے بدلے اس کو مقبول حج کا ثواب عطا کریگا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر چہ وہ روزانہ ایک سو بار دیکھے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور بہت پاک ہے، یعنی اتنے محلات دے دیتا ہے کہ کمی کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، الغرض اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے دے دیتا ہے تعجب کی ضرورت نہیں۔

دس آداب

والدین کے بہت زیادہ حقوق ہیں حتی کہ اگر کسی باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کیا تو دنیا میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ والد بیٹے کی حیات کا ذریعہ بنا ہے تو بیٹا اس کی ہلاکت کا ذریعہ نہیں بنے گا فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باپ آرہا ہو اور بیٹا مجلس میں ہو کسی نے پوچھا یہ کون آرہا ہے؟ بیٹے نے کہا یہ میرا رشتہ دار ہے تو بیٹا عاق ہو جائے گا، علماء نے بیٹے پر باپ کے لئے دس حقوق لکھے ہیں۔ (۱) محتاج ہو تو ان کو کھلانا پلانا (۲) ضرورت ہو تو خدمت کرنا (۳) پکارنے کے وقت نرمی سے جواب دینا (۴) جائز امور میں اس کا حکم ماننا (۵) سختی چھوڑ کر نرم لہجے میں نرم کلام کرنا (۶) کپڑے نہ ہو تو کپڑے پہنانا (۷) راستے میں ان کے پیچھے پیچھے چلنا (۸) اپنی پسند کی چیز کو ان کے لئے پسند کرنا (۹) جس چیز کو اپنے لئے بُرا جانے وہ ان کے لئے برا جاننا (۱۰) ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

والدین کے دوستوں سے حسن سلوک

کئی روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگر کسی شخص کے والدین کا انتقال ہو جائے یا کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور ان کی اولاد چاہتی ہے کہ وہ والدین کو خوش کرنے کے لئے کوئی عمل کرے تو حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مرحومین کے ہم عمر وہم مجلس لوگوں سے حسن سلوک کیا جائے اور زندگی میں ان کے تعلقات جن لوگوں کے ساتھ اچھے تھے اور ان کی آپس میں محبت تھی تو یہ شخص اپنے والدین کو خوش کرنے کے لئے اور اپنی اطاعت گزاری اور فرماں برداری بروئے عمل لانے کے لئے والدین کے محبین سے حسن سلوک رکھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا ان کو تحفے دیئے، آپؐ کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے بھی حضور اکرمؐ کے اس حسن سلوک کو برقرار رکھا، مسلمان نوجوانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے چاہنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھے۔

(۱) ابن ماجہ کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والدین کے انتقال کے بعد بھی حسن سلوک کی کوئی صورت باقی ہے جس پر میں عمل کروں؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہاں، ان کے لئے دعا کرنا، استغفار کرنا، ان کے وعدے کو پورا کرنا، ان کے صلہ رحمی کا خیال رکھنا اوران کے دوستوں کا اکرام واحترام کرنا۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ کی مکہ مکرمہ کے راستوں میں ایک آدمی سے ملاقات ہوئی تو آپؓ نے ان کو سلام کیا اور پھران کو اپنی سواری پر سوار کیا اوراپنا عمامہ سر سے اتار کران کے سر پر رکھدیا ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے یہ تو دیہاتی لوگ ہیں جو معمولی چیز پر بھی خوش ہوجاتے ہیں آپ نے اتنا زیادہ عطیہ کیوں دیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس شخص کا باپ میرے باپ کا دوست تھا اور میں نے حضور اکرمؐ سے سنا کہ بہترین نیکی اوراعلیٰ احسان یہ ہے کہ بیٹا اپنے والد کے دوستوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے۔

حکایت نمبر ۱ :: حضرت ابن عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بیت اللہ کا طواف کررہا تھا اوراپنی ضعیف والدہ کو کندھوں پر اٹھائے طواف میں تھا اس شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ابن عمرؓ! آپ کا کیا خیال ہے کہ میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کردیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس سے تیری والدہ کا حق ادا نہیں ہوسکتا ہے اورنہ اس سے ادا ہوسکتا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو ہاں تم ایک اچھا کام کررہے ہو جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تجھے قلیل عمل پر کثیر ثواب عطا فرمائے گا۔

حکایت نمبر ۲ :: طبرانی اور بیہقی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرے باپ نے میرا سارا مال مجھ سے لے لیا ہے، حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جاؤ اوراپنے باپ کو بلالاؤ، اس دوران حضرت جبرئیل امینؑ تشریف لائے اورفرمایا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ تجھے سلام کہتا ہے اورفرماتا ہے کہ جب یہ بوڑھا شیخ آجائے تو ان سے پوچھو کہ تم نے جو چپکے سے اشعار کہے ہیں جو صرف تیرے کانوں نے سنے ہیں وہ سناؤ۔ جب وہ بوڑھا آگیا تو حضورؐ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تیرا بیٹا شکایت کرتا ہے کہ تم نے اس کا مال چھین لیا ہے، بوڑھے نے کہا یارسول اللہ! میں نے اس کی پھوپھیوں اور خالاؤں اوراپنے نفس پر خرچ کیا ہے، آپ اس سے خود پوچھ لے، حضورؐ نے فرمایا کہ یہ باتیں چھوڑ دواوران اشعار کے بارے میں بتاؤ جوتم نے چپکے سے پڑھے ہیں، اس بوڑھے شیخ نے اس طرح اشعار کا پورا قصیدہ سنادیا۔

غَذَوْتُکَ مَوْلُوْدًا وَعُلْتُکَ یَافِعًا تُعَلُّ بِمَا اُدْنِیْ عَلَیْکَ وَتُنْهَلُ

میں نے بچپن میں تجھے کھانا کھلایا اور جوانی میں تجھ پر مال خرچ کیا میں نے جو کچھ تجھے کھلایا تو نے بار بار اسے کھایا

اِذَا لَیْلَۃٌ نَابَتْکَ بِالسُّقْمِ لَمْ اَبِتْ لِسُقْمِکَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلْمَلُ

جب کوئی رات تجھے بیماری کی وجہ سے بے چین کرتی تھی تو میں تیری بیماری کی وجہ سے رات بیداری اور بے قراری میں گذارتا تھا۔

کَاَنِّیْ اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَکَ بِالَّذِیْ طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِیْ فَعَیْنِیْ تَهْمَلُ

گویا تو نہیں بلکہ میں بیمار ہوتا تھا اس مرض سے جو دراصل تجھے لگی ہوئی تھی نہ کہ مجھے، اور میری آنکھ آنسو بہاتی تھی

تَخَافُ الرَّدٰی نَفْسِیْ عَلَیْکَ وَاِنَّهَا لَتَعْلَمُ اَنَّ الْمَوْتَ حَتْمٌ مُؤَجَّلُ

میری جان تیری ہلاکت سے ڈرتی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ موت کا لازمی طور پر ایک وقت مقرر ہے۔

فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَایَۃَ الَّتِیْ اِلَیْهَا مَدٰی مَا کُنْتُ فِیْهَا اُؤَمِّلُ

جب تو اس عمر اور اس حد کو پہنچ گیا جہاں تک پہنچنے کی میں تیرے بارے میں اچھائی کی امید کرتا تھا۔ یعنی جوان ہو گیا۔

جَعَلْتَ جَزَائِیْ غِلْظَۃً وَفَظَاظَۃً کَاَنَّکَ اَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

تو نے پیشانی بل ڈالنے اور سختی کرنے سے مجھے بدلہ دیا گویا کہ تو ہی مجھ پر فضل و کرم اور احسان کرتا رہا ہے۔

فَلَیْتَکَ اِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ اُبُوَّتِیْ فَعَلْتَ کَمَا الْجَارُ الْمُجَاوِرُ یَفْعَلُ

جب تو نے میرے حق پدری کا لحاظ نہیں کیا تو کاش تو وہی سلوک کرتا جو ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کے ساتھ کرتا ہے

وَسَمَّیْتَنِیْ بِاسْمِ الْمُفَنَّدِ رَاْیُهٗ وَفِیْ رَاْیِکَ التَّفْنِیْدُ لَوْ کُنْتَ تَعْقِلُ

تو نے میرا نام جاہل اور بے عقل رکھا حالانکہ اگر تو سمجھے تو تیری رائے میں بے عقلی ہے۔

تَرَاهُ مُعِدًّا لِلْخِلَافِ کَاَنَّهٗ بِرَدٍّ عَلٰی اَهْلِ الصَّوَابِ مُوَکَّلُ

اے مخاطب تو میرے بیٹے کو جھگڑنے کے لئے ایسا تیار پائے گا گویا اسے دانشمندوں کی تردید پر مقرر کیا گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۵۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ اشعار سماعت فرمالئے تو آپ ؐ نے بڑے میاں کے بیٹے کو بلایا اور ان کو گریبان سے پکڑ کر فرمایا کہ ''انت ومالک لابیک'' تم اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

بہرحال والدین اس دنیا میں اولاد کے لئے ایک بڑی رحمت ہے ان کی خدمت جنت ہے اور ان کی دعائیں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے اور ان کا وجود اولاد کے لئے رحمت وشفقت وحفاظت کا سایہ ہے، والدین اپنی اولاد کی بچپن میں پرورش کرتے ہیں اور پھر ان کی اچھی تربیت کرتے ہیں اور پھر ان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد اور حقوق الوالدین کی تعلیم دیتے ہیں ان کے لئے جو راستہ دین ودنیا کے اعتبار سے مفید ومناسب ہوتا ہے اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور جب اولاد بالغ ہوجاتی ہے تو ان کی شادی کراتے ہیں اور پھر ان سے اپنے بارے میں اچھے توقعات وابستہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کے فرمان بردار اور اطاعت گذار بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا ابراہیم پدر اور پسر اٰذر ہیں

قرآن وحدیث

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ (۸/عنکبوت)

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (۱۵۱/انعام)

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاتخذ الفیٔ دُوَلاً والامانۃ مغنما والزکوۃ مغرما وتعلم لغیرالدین واطاع الرجل امرأتہ وعق امہ وادنی صدیقہ واقصی اباہ فارتقبوا عند ذلک ریحاحمراء وزلزلۃ وخسفا ومسخا وقذفا وآیات تتابع کنظام قطع مسلکہ فتتابع. (ص۴۷۰ مشکوۃ)

عن عبداللہ بن عمرؓ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستأذنہ فی الجہاد فقال احی والداک قال نعم قال ففیھما فجاھد. (ص۳۱۳ ج۲ مسلم شریف)

۲۹ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ ایک جلسہ میں خطاب

موضوع
دہشت گردی کیا ہے؟
اور اس کے اسباب کیا ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ومانقموا منھم الاان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید﴾ (سورت بروج)

اوران مسلمانوں سے اسی کا بدلہ اورانتقام لے رہے تھے کہ وہ زبردست خوبیوں والے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔

یوشک الامم ان تداعی علیکم کماتداعی الاکلة الی قصعتھا الخ

نبی آخرزمان نے فرمایا کہ قریب ہے کہ دنیا کے کفار تمہیں کھانے اور ہڑپ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گے جس طرح کھانا کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔

میرے مسلمان بھائیو!!

آج کل دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں کے ایک مخصوص اور مخلص طبقے کو ظلم وتشدد اور جبر واستبداد اور نفرت وعداوت کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ انسانی حقوق کے دعویدار اور دنیا بھر میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والے امن کے ٹھیکدار اور پوری دنیا کو اپنی ڈھب پر لانے والے دنیا کے تھانیدار اس بات کے لئے تیار نہیں ہیں کہ مسلمان ایک انسان کی حیثیت سے زندگی گذار سکیں۔

عالمی میڈیا کے زور پر اور مسلمان حکمرانوں کی مجرمانہ غفلت اور خاموشی کی وجہ سے دنیا کے کفار اہل ایمان پر ایسے جھپٹ پڑے ہیں جیسے بھوکے کتے اور درندے شکار پر جھپٹتے ہیں۔

دنیا کے سامنے مسلمانوں کا معصوم چہرہ ان کفار نے اس طرح مسخ کر کے پیش کیا ہے کہ گویا دنیا کی ساری برائیاں انہیں اہل ایمان میں آ کر جمع ہوگئی ہیں لہٰذا اب یہ اہل ایمان جہاں پائے جائیں گے تمام انسانوں پر فرض اور لازم ہے کہ ان کو قتل کردیں یا گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کردیں۔ اب یہ اہل ایمان جہاں سر چھپانے کے لئے بیٹھیں گے تمام انسانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ اس جگہ کو بموں سے اڑائی جائے یا آگ لگا کر اسے جلائی جائے۔ دنیا کے کفار کا حکم ہے کہ یہ اہل ایمان جن لوگوں سے ملاقات کریں گے ان

لوگوں کو مجرم قرار دیکر گرفتار کیا جائے اور ان پر دہشت گردی کا مقدمہ چلا کر پھانسی پر لٹکایا جائے۔ جس شخص نے ان اہل ایمان کو کھانا کھلایا وہ پوری دنیا کا مجرم سمجھا جائے گا اور جس نے ان کو پناہ مانگنے پر اپنے گھر میں پناہ دیدی یا گھر کے سامنے سائبان میں ستانے کی غرض سے بیٹھنے کی اجازت دیدی وہ شخص پوری دنیا کا غدار ہوگا جس شخص نے ان اہل ایمان کے یتیم بچوں اور بے یار و مددگار بیوہ عورتوں کی مدد کی یا چندہ کر کے ان سے تعاون کیا وہ بین الاقوامی طور پر قابل نفرت شخص قرار پائے گا وہ بدنام بھی ہوگا اور مورد الزام بھی ہوگا خلاصہ یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیگا یا اللہ والوں کا ساتھ دیگا وہ مجرم ناپسندیدہ شخص ہوگا، لسان العصر اکبرالہ آبادی مرحوم نے اسی پس منظر کا نقشہ یوں بیان کیا ہے۔

رپٹ لکھوائی ہے یاروں نے جا جا کر تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

یہود و نصاریٰ کا ایک عجیب شاطرانہ ظالمانہ طریقہ ہے کہ اپنے جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعہ سے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر کے دکھادیں گے اور بڑے فخر سے ظلم کو انصاف اور انصاف کو ظلم بنادیں گے۔ شرافت کو رذالت اور رذالت کو شرافت قرار دیدیں گے الٹے کو سیدھا اور سیدھے کو الٹا بنادیں گے اسی بے رحمی اور بے عقلی کے بارے میں کبیرا نامی شاعر نے یوں کہا ہے

رنگی کو نارنگی کہا دودھ کڑھے کو کھویا
چلتی کا نام گاڑی رکھا یوں کبیرا رویا

ایک زمانہ ایسا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں انگریز ملعون نے زبردست پروپیگنڈا کیا کہ اسلام میں کوئی اخلاق نہیں یہ مذہب اخلاق سے نہیں بلکہ تلوار کی قوت اور تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا ہے اُس وقت کے مخلص مسلمانوں اور علماء کرام نے جواب میں خوب زور لگایا اور کہا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق سے پھیلا ہے ایک طویل عرصے تک سوال و جواب کا یہ سلسلہ چلتا رہا پھر شاطر انگریز نے پلٹ کر برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے اسلام اور جہاد پر وار کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء نے خود لکھا ہے کہ اسلام اخلاق سے دنیا میں پھیلا ہے لہٰذا اسلام میں کسی موقع پر بھی تلوار اٹھانے کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام میں تلوار کا کوئی مقام ہی نہیں اور نہ کوئی وجود ہے، جو لوگ اسلام کی خدمت کے لئے میدان جہاد میں تلوار اٹھاتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں کیونکہ بڑے علماء نے خود لکھا ہے کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے تلوار سے نہیں پھیلا ہے لہٰذا برصغیر میں انگریز کے خلاف

جہاد کرنا اور تلوار اٹھانا جائز نہیں ہے۔

اس پروپیگنڈے کو توڑنے کے لئے علماء نے پھر جواب دینا شروع کیا کہ اسلام میں ہتھیار وتلوار کا ایک مقام ہے اور جہاد میں تلوار اٹھانا ہمارے دین اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو جواب دینے پر مامور کیا اور آپ نے ''اسلام اور ہتھیار'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور دیوبند کے علماء نے اس پر دستخط کر کے جاری کر دیا۔

پھر کئی صدیوں کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے سرزمین افغانستان سے جہاد کو دوبارہ زندہ کیا اور مسلمانوں کے معاشرہ میں جہاد اور شہادت کے فضائل بیان ہونے لگے اور مسلمان نوجوان دوڑ دوڑ کر باطل کے خلاف میدان جہاد میں اتر آئے اور روس کے دانت کھٹے کئے تو شاطر انگریز نے ایک نئے انداز اور پہلے سے زیادہ طاقتور طریقہ پر یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ دنیا میں دہشت گردی پھیلنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے لہٰذا پوری دنیا کو مل کر دہشت گردوں کا مقابلہ کرنا چاہئے ان خوشنما الفاظ سے یہود ونصاریٰ نے ایک بار پھر جہاد مقدس کو نشانہ بنایا اور بے ہمت وبے جرأت اور بے حس وبے مروت منافق مسلمان حکمرانوں کو ڈرایا کہ دہشت گردی ایک ایسی بلا ہے جس کی لپیٹ میں صرف ہم نہیں بلکہ تم بھی آنے والے ہو، دہشت گردی ایک عالمی خطرہ ہے۔ جس کا مقابلہ ہم سب پر لازم ہے اور جو حکمران اس مہم میں ہمارا ساتھ نہیں دیگا وہ خود دہشت گرد ہوگا ہم اس کو بھی نشانہ بنائیں گے مسلمانوں کے بے ہمت اور بے حس وبے مروت منافق حکمرانوں نے اپنے آقاؤں سے اس بات کی وضاحت طلب نہیں کی کہ جناب عالی! یہ دہشت گردی کیا چیز ہے اور دہشت گرد کون لوگ ہیں؟ بلکہ یہ منافق حکمران اپنے آقاؤں سے یہ بھی پوچھ نہ سکے کہ جناب عالی! دہشت گردی کے خلاف ہم کب تک تمہارا ساتھ دیں گے دو سال کا عرصہ لگے گا یا چار سال کا عرصہ لگے گا پھر ہم کس کس ملک تک دہشت گردوں کے پیچھے جائیں گے؟ اس وضاحت کے بغیر یہ منافق حکمران یہود ونصاریٰ کے لشکر میں آنکھیں بند کر کے شامل ہو گئے بلکہ ان کے لشکر کا ہراول دستہ بنے اور اپنے مخلص مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہو گئے۔

لطیفہ

پنجاب کے اطراف میں اور صوبہ سرحد کے سرائیکی علاقوں میں ایک عجیب رواج ہے کہ سال میں ایک دفعہ علاقے کا چوہدری اعلان کرتا ہے کہ مجھے شکار پر جانا ہے جن جن لوگوں کے پاس شکاری کتا ہو وہ اپنے اپنے کتے کے ساتھ آجائیں۔ اس علاقے میں بھنگیوں کے پاس بھی شکاری کتے ہوتے ہیں یہ بھی

جانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ آج چوہدری صاحب نے شکار کے لئے بلایا ہے مجھے بھی جانا ہے اور میرے کتے کو بھی جانا ہے پھر جب شکار سے چوہدری صاحب واپس آجاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ جانے والوں کو بطور انعام پھل وغیرہ کا ایک ایک ٹوکرہ دیتا ہے اور لوگ خوش ہو جاتے ہیں یہ جملے اتنے مشہور ہو گئے ہیں کہ اب بطور کہاوت لوگ یوں بولتے ہیں، آج چوہدری صاحب نے شکار کے لئے بلایا ہے مجھے بھی جانا ہے میرے کتے کو بھی جانا ہے ٹوکرہ بھی کمانا ہے۔

بالکل اسی طرح مسلمانوں کے بے ہمت و بے جرأت منافق حکمرانوں نے دہشت گردی کی وضاحت اپنے آقاؤں سے نہیں مانگی بلکہ بطور فخر کہنے لگے آج چوہدری صاحب نے شکار پر جانے کے لئے بلایا ہے مجھے بھی جانا ہے اور میرے کتے کو بھی جانا ہے ٹوکرہ بھی کمانا ہے۔

آج ان حکمرانوں کی حالت ایسی ہے گویا یہ اندھے اونٹ بنے ہوئے ہیں اور ان کی مہار یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ہاتھ میں ہے اب مردوں کے بجائے ان کی عورتیں ہمارے حکمرانوں پر حکم چلاتی ہیں اور مہار سے کھینچ کر جہاں موڑنا چاہتی ہیں یہ بیچارے اسی طرف مڑ جاتے ہیں اس پر ایک اور لطیفہ یاد آیا بنو خزاعہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے قبائل کو غلام بنا رکھا تھا اور جب بھی اور جہاں بھی لڑنے کی ضرورت پڑتی خزاعہ قبیلہ ان دوسرے لوگوں کو بلایا کرتا تھا ان قبائل میں سے ایک شاعر نے انکار کر کے یوں کہا ؎

أَكُلَّمَا حَارَبَتْ خُزَاعَةُ قَوْمًا
يَحْدُوْنِيْ كَأَنِّيْ لِأُمِّهِمْ جَمَلُ

یعنی جب بھی خزاعہ قبیلہ کسی سے لڑنے جاتا ہے تو بڑے مزے سے مجھے اس طرح ہنکاتا ہے گویا کہ میں ان کی ماں کا اونٹ ہوں۔

آج کا مسلمان حکمران امریکہ اور بش صاحب کی ماں کے اونٹ بنے ہوئے ہیں امریکہ ان کو جہاں ہنکانا چاہتا ہے یہ بے ہمت اور بزدل حکمران دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ آج چوہدری صاحب نے بلایا ہے مجھے بھی جانا ہے اور میرے کتے کو بھی جانا ہے ٹوکرہ بھی کمانا ہے۔
اس بزدلانہ طرز عمل سے غیور مسلمان اپنی قیادت سے محروم ہو گئے بلکہ قائدانہ صلاحیتوں کا انسان اب ان میں پیدا بھی نہیں ہو سکتا امت کی تباہی میں سب سے بڑا ہاتھ ان منافق حکمرانوں کا ہے یہ اپنے رب سے اپنے رسول سے اپنے قرآن سے بیزار ہیں اپنی عزت و عظمت اور اپنے تاج و تخت سے بیزار ہیں اب ان

کے دل و دماغ میں غلامی اور عظمت فروشی کے سوا کوئی تصور باقی نہیں رہا بلکہ اب اچھے مسلمانوں کے دو دشمن بن گئے ہیں ایک اصلی کافر جو یہود و نصاریٰ ہیں اور دوسرے یہ منافق مسلمان حکمران ہیں جو ہر بزدلی کے لئے تیار ہیں اور ہر ظلم سہنے کے خواستگار ہیں جس سے درحقیقت یہ خود ظالم بنتے ہیں ایک مشہور شاعر قتیل نے کہا ہے

قتیل اس سا ظالم زمانے میں نہیں کوئی اور
جو ظلم کو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

ایک اور شاعر نے کہا ہے

ناپختہ ذہانت سے غباوت اچھی
بگڑی ہوئی عقل. سے حماقت اچھی
ابلیس و ابوجہل پہ لعنت ہو مدام
سرمایۂ غلامی سے بغاوت اچھی

علامہ اقبال نے بزدل حکام سے فرمایا

افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے قدرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

حضرت امام مالکؒ نے صحیح فرمایا ہے

وهل افسد الدين الا الملوك
واحبار سوء ورهبانها

یعنی دین اسلام کو منافق حکمرانوں نے بدعتی مولویوں نے باطل پیروں اور درویشوں نے ہی مسخ کر کے رکھدیا۔

دہشت گردی کیا چیز ہے؟

یہ اردو لفظ ہے عربی میں اس کو "ارھاب" کہتے ہیں جس کا معنی رعب و ہیبت اور دہشت و دھاک بٹھانا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کفار پر دھاک و دہشت بٹھانے کے لئے لفظ ارھاب کو سورت انفال میں اس طرح ذکر فرمایا ہے ﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾۔ (سورۃ انفال ۶۰)

یعنی کفار کے مقابلے کے لئے تم سے جتنا ہو سکے قوت وطاقت اور ہتھیار واسلحہ تیار کرو اور چاق و چوبند پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جس سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی کفار پر اور اپنے دشمنوں پر دہشت و دھاک بٹھاؤ۔

آج کل دہشت گردی کا لفظ اردو زبان میں ایک خود ساختہ معنی کے لئے استعمال ہونے لگا ہے میں نے اردو پر لکھی گئی لغات کی کتابوں میں اس لفظ کو تلاش کیا اور اپنے احباب علماء کرام سے بھی مدد چاہی جو اردو پر عبور رکھتے ہیں لیکن اس لفظ کا جو مفہوم سامنے آیا وہ صرف اس حد تک ہے کہ لفظ ''دہشت'' خوف، حیرت اور پریشانی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ''گر'' کا لفظ بنانے والا، رکھنے ولا، کرنے والا اور صاحب کے لئے استعمال ہوتا ہے جو فارسی لفظ ہے اس مجموعی لفظ دہشت گر کا ترجمہ یہ ہوا، خوف بنانے والا پریشانی کرنے والا، خوف والا، خطرہ والا۔

اب مسلمان بھی دہشت والا ہے اور غیر مسلم بھی دہشت والا ہے کیونکہ خطرہ والا ہونا ایک صفت ہے جس میں آجائے وہ شخص اس سے متصف ہوگا اگر دنیا پر نظر ڈالی جائے تو اس وقت سب سے بڑا دہشت گرد امریکہ ہے جو پوری دنیا کے لئے خوف وخطر کا سبب بنا ہوا ہے اب افسوس اس پر ہے اور کتنا ظلم ہے کہ امریکہ اور تمام کفار جو صرف دنیوی مفادات تیل اور معدنیات کے لئے مخلوق خدا پر خوف و پریشانی ڈالتے ہیں وہ تو دہشت گرد نہیں ہیں بلکہ ان کو دفاع کا حق ہے اور اقدام کا بھی حق ہے۔ اور مسلمان جب اپنے مذہب کے لئے کافر پر خوف ڈالتے ہیں یہ ہشت گرد ہیں ان کو نہ دفاع کا حق ہے نہ اقدام کا حق ہے اور نہ زندہ رہنے کا حق ہے۔۔

کفار کے ہاں دہشت گردی کی تشریح

اسی دہشت کی طرف منسوب دہشت گردی ہے اگر دین اسلام کی عظمت وحفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مسلمان کسی مُحارب کافر پر جہاد کے میدان میں دہشت بٹھاتا ہے تو یہ جہاذ کے زمرے میں آتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا دہشت بٹھانے والا ہو جاتا ہے گویا تلوار جب حق کی حفاظت کے لئے استعمال ہوگی وہ جہاد ہوگا اور جب یہی تلوار باطل کے لئے استعمال ہو جائے گی تو وہ عمل معروف دہشت گردی کے زمرے میں آجائے گا پہلے والے عمل میں ثواب ہے اور مسلمانوں پر اس عمل کو باقی رکھنا فرض ہے

اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اس میں عذاب ہے اور دنیا سے اس کا خاتمہ ضروری ہے لیکن یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس چیز کو مسلمان جہاد کے نام سے یاد کرتے ہیں کافروں کے ہاں وہی دہشت گردی ہے۔

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا
ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

پچھلے سال ہندوستان کے صدر واجپائی صاحب نے واضح الفاظ میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ مسلمان جس چیز کو جہاد کہتے ہیں ہم اسی چیز کو دہشت گردی کہتے ہیں، ہندوستان کے کئی لیڈروں نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ قرآن میں سے چند آیات کو ہٹانا ضروری ہے جو دہشت گردی کی تعلیم دیتی ہیں جب ان سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے جہاد والی آیتوں کی نشاندہی کی، امریکہ، برطانیہ، پورا یورپ اور مغرب جہاد ہی کو دہشت گردی کہتے ہیں اور کسی بھی تعلیمی درسگاہ میں ان جہاد والی آیتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ تعلیمی اداروں سے ان آیات کے نکالنے پر زور دیا جارہا ہے ورنہ وہ ادارے دہشت گردی پھیلانے والوں کے زمرے میں آجائیں گے خلاصہ یہ کہ کفار جہاد ہی کو دہشت گردی کہتے ہیں اس کے سوا کسی بھی گھناؤنے جرم کو دہشت گردی نہیں کہتے آج اگر امریکہ سے کوئی پوچھے کہ چوہدری صاحب! فلاں مقام پر ڈاکوؤں کا بہت بڑا اڈہ قائم ہے ڈاکو معصوم لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں قتل کرتے ہیں عورتوں کے زیورات چھین لیتے ہیں اور آمد ورفت کے راستوں کو بند کر کے دہشت پھیلاتے ہیں تو امریکہ جواب میں کہنے لگے گا ''نو پرابلم'' یعنی کوئی پرواہ نہیں یہ دہشت گردی نہیں ہے چنانچہ دنیا کے ہر ملک میں ڈاکوؤں کی بڑی بڑی پارٹیاں ہیں مگر امریکہ کی نظر میں وہ دہشت گرد نہیں اگر کوئی شخص یا ملک امریکہ سے پوچھے کہ چوہدری صاحب! فلاں شخص نے ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور تمہارے ملک میں آکر پناہ لی ہے وہ دیکھو جرنل مالک تمہارے ہاں بیٹھا ہوا ہے جس نے دھوکہ کر کے دس ہزار طالبان کو مزار شریف میں شہید کر ڈالا ہے وہ دیکھو فلاں آدمی ہزاروں انسانوں کا قاتل ہے اور برطانیہ و امریکہ میں بیٹھا ہوا ہے وہ دہشت گرد ہے اس کے خلاف کام کرو تو امریکہ جواب میں کہیگا ''نو پرابلم'' یہ دہشت گردی نہیں ہے۔

اگر امریکہ سے کوئی پوچھے کہ چوہدری صاحب! فلاں آدمی اپنی ماں اپنی بیٹی اور اپنی بہن کی آبرو ریزی کرتا ہے حرام کاری کرتا ہے ہیروئن کا اڈہ چلاتا ہے سینما گھروں کو آباد کرتا ہے شراب خانہ اور قحبہ خانہ چلارہا ہے گاڑیاں چھینتا ہے لوٹ مار کرتا ہے لوگوں کے جیب کاٹتا ہے اغواء اور ڈکیتی میں ملوث ہے چھوٹے

بچوں کو اغوا کر کے بیرون ملک فروخت کرتا ہے اپنے مذہب کو گالیاں دیتا ہے تمہاری مذہب کو بھی گالیاں دیتا ہے۔وہ پوری زندگی اپنی مذہب سے بغاوت میں گذار رہا ہے اور دوسروں کو بھی مذہب سے روکتا ہے یہ دہشت گرد ہے اس کے خلاف اقدام کرو تو امریکہ جواب دیگا ''نو پرابلم'' کوئی پرواہ نہیں یہ دہشت گردی نہیں ہے اور نہ اس کا مرتکب دہشت گرد ہے۔پھر پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ چوہدری صاحب!اب تم بتاؤ کہ یہ دہشت گرد کون لوگ ہیں؟ اس کے جواب میں امریکہ کہتا ہے کہ جو شخص اپنے مذہب کے لئے کافروں سے لڑتا ہے اسلحہ اٹھاتا ہے یا اسلحہ بناتا ہے یا بندوق رکھتا ہے یا چلاتا ہے ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتا ہے اپنے دین میں بنیاد پرستی اپناتا ہے وہ دہشت گرد ہے۔پھر اگر کوئی شخص امریکہ سے پوچھے کہ چوہدری صاحب!وہ تو بہت شریف آدمی ہے اس کی لمبی داڑھی ہے سر پر پگڑی ہے خدا ترس ہے رات بھر تہجد پڑھتا ہے قرآن کی تلاوت کرتا ہے روزے رکھتا ہے اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلتا ہے لوگوں کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہے۔اپنے رب کے سامنے روتا ہے اپنے مخالفین کو زندہ رہنے کا حق دیتا ہے اس کا چہرہ بھی بہت نورانی ہے وہ ماں کو ماں کہتا ہے بہن کو بہن مانتا ہے بھائی کو بھائی تسلیم کرتا ہے وہ زنا نہیں کرتا وہ شراب نہیں پیتا وہ منشیات کے قریب نہیں جاتا وہ نائٹ کلبوں میں ڈانس نہیں کرتا وہ بلاوجہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا وہ چیونٹی کو بھی بلاوجہ نہیں مارتا وہ جہاں رہتا ہے اس کی وجہ سے وہاں بہت امن قائم ہے وہ حرام خوری نہیں کرتا ڈاکہ زنی نہیں کرتا وہ ایسا پاک انسان ہے کہ اگر اس کو کوئی قتل کردے تو طویل عرصہ تک اس کی لاش خراب نہیں ہوتی بلکہ اس کی لاش سے خوشبو مہکتی ہے اس سے سارے لوگ خوش ہیں اور اس کے علاقے میں راحت وسکون ہے۔

ان تمام خوبیوں کے جواب میں امریکہ کہتا ہے کہ یہی تو سب سے بڑا دہشت گرد ہے جو دنیا کے لئے خطرہ ہے اس کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اس کو تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور غاروں اور درّوں کی تہوں میں تلاش کر کے پکڑنا چاہئے یا قتل کرنا چاہئے،زندہ ہو یا مرا ہو ہمارے حوالہ کرنا چاہئے یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے جو اس میں ہمارا ساتھ نہیں دیگا یا غفلت کریگا وہ بھی ان دہشت گردوں کے زمرے میں آئیگا۔

غور سے سنو آج میرے ساتھ فلسطین کی طرف جانا ہے وہاں بہت سارے دہشت گرد اکٹھے ہو گئے ہیں جن کی قیادت احمد یاسین کر رہا ہے،ہمارا بغل بچہ اسرائیل ان سے خوف میں ہے اس دہشت گرد کو ختم کرنا ہے اس کے بعد عراق جانا ہے پھر مجھے چیچنیا جانا ہے وہاں پر بھی تم کو میرے ساتھ جانا ہوگا ادھر بھی بہت دہشت گرد پیدا ہو گئے ہیں پھر میرے ساتھ افغانستان جانا ہے وہ ملک دہشت گردوں کا گڑھ بن گیا ہے پھر صومالیہ جانا ہے ہاں کوسوؤ اور پھر بوسنیا بھی جانا ہے ایران اور شام بھی جانا ہے یہ علاقے دہشت

گردوں کے اڈے بن گئے ہیں ادھر پاکستان کے قبائلی علاقے ہیں اس میں خاص کر جنوبی وزیرستان ہے وانا بھی اہم ہے اور شمالی وزیرستان بھی ہے جو دہشت گردوں سے بھرے پڑے ہیں تم کو میرے ساتھ جانا ہوگا تا کہ وہاں ہم دہشت گردوں کا شکار کریں۔

امریکہ جب اس طرح اعلان کرتا ہے تو اس کے غلام حکمران بطور فخر اس طرح اعلان کرتے ہیں جس طرح بھنگی کہتا ہے، آج چوہدری صاحب نے شکار کے لئے بلایا ہے مجھے بھی جانا ہے اور میرے کتے کو بھی جانا ہے ٹوکرہ بھی کمانا ہے۔ ایک ستم زدہ شاعر نے سچ کہا

اکلما حاربت خزاعة قوماً
یحدونی کانی لامهم جمل

یعنی جب بھی خزاعہ کسی قوم سے لڑنے جاتا ہے تو مجھے اس طرح ہنکا کر لے جاتا ہے گویا کہ میں اس کی ماں کا اونٹ ہوں۔

پس چہ باید کرد؟

اب مسلمانوں کے پاس دو باتوں میں سے کسی ایک کو اپنانے کے سوا چارۂ کار نہیں ہے یا تو مسلمان بھی کافروں کی طرح جہاد کو دہشت گردی کہہ کر جہاد کا انکار کر دیں اور یا جہاد کو اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اس کے لئے تیار ہو جائیں۔

پہلی بات کے اپنانے سے مسلمان کافر ہو جائیں گے کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو معروف اصطلاح میں دہشت گردی قرار دینا کفر ہے اس لئے کہ جس عمل کو قرآن کریم نے ثواب کا عمل قرار دیا ہے اس کو معروف اصطلاح میں دہشت گردی کہنا کفر ہے۔

اسی طرح جس عمل کو نبی اخر زمان نے ثواب کا عمل قرار دیا اور دس سال تک مدینہ منورہ میں اس پر عمل کیا اور نبی آخر زمان کے بعد آپ کے صحابہ نے پوری زندگیاں اس عمل میں لگا دیں ایسے عمل کو معروف اصطلاح میں دہشت گردی کہنا کفر ہے۔

دوسری بات کے اپنانے سے مسلمانوں کو دہشت قرار دیا جائے گا اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا اب اس عالمی صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ مسلمانوں کے پاس اسلام کا سرمایہ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے لہٰذا ایک مسلمان کو حق کا ساتھ دینا چاہئے حق کے اپنانے سے اس کا ضمیر تو مطمئن ہوگا کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا بلکہ حق کا دامن تھاما ہے اور تاریخ

گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی حق کا ساتھ دیا ہے اور جہاد کا علَم بلند کیا ہے جلد ہو یا بدیر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی ہے اور ان کو فتح سے ہمکنار کیا ہے میں کہتا ہوں فتح ہو یا شکست ہو مسلمان اس کے پابند ہیں کہ ہمیشہ کے لئے جہاد کو جاری رکھیں جہاد جاری رکھنا اسلام کا حکم ہے فتح وشکست عارضی چیزیں ہیں۔

آج افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی ۵۵ حکومتیں ہیں لیکن جب سے یہ حکومتیں وجود میں آئی ہیں آج تک کسی ایک حکومت نے بھی شرعی جہاد کا اعلان نہیں کیا ہے.اور نہ شرعی جہاد کی بنیاد پر ان میں سے کسی حکومت نے کفار سے جنگ لڑی ہے یہی وجہ ہے کہ جہاد نہ کرنے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم حکم کے چھوڑنے کی وجہ سے مسلمان حکومتیں اور عوام اپنی عزت وعظمت اور اپنی آزادی سے محروم ہوگئے ہیں جب یہ منافق حکمران نہیں تھے اس وقت مسلمان آقا تھے کافر غلام تھے جب یہ حکمران آئے تو مسلمان غلام بن گئے کافر آقا بن گئے منافق حکمرانوں نے یہی ترقی کی ہے اب فریاد کرنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا الا یہ کہ جہاد پر اتر آجائیں۔

زورِ بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

دہشت گردی کے اسباب

امریکہ اور اس کے اتحادی جس دہشت گردی کو ختم کرنے کی مہم چلا رہے ہیں ان کو ٹھنڈے دماغ سے سوچنا چاہئے اور خوب جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ یہ دہشت گردی کہاں سے پیدا ہو رہی ہے، اس کے اسباب اور مضمرات کیا ہیں پھر ان اسباب کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو اسباب دہشت گردی کے ذریعے اور وسیلے بنتے ہیں۔

یہ قانون فطرت ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے دہشت گردی بھی کسی عمل کا ردعمل ہوسکتا ہے تو دنیا کو چاہئے کہ وہ صرف ردعمل کو نشانہ بنانے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ اس ردعمل سے پہلے اس عمل کو ختم کریں جس کی وجہ سے یہ ردعمل وجود میں آتا ہے بقول امریکہ اگر دنیا میں دہشت گردی عروج پر ہے تو اس کو سوچنا چاہئے کہ اس کے اسباب کیا ہیں اسباب وعلل کا سراغ لگا کر اس کو ختم کیا جائے دہشت ختم ہوجائے گی عقلمند اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ اگر کسی درخت کے پتے پیلے پڑ گئے ہیں اور اس کی شاخیں سوکھ رہی ہیں تو اس کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس درخت کی جڑوں میں مضر کیڑے پڑ گئے ہیں اور ان مضر کیڑوں نے اس ہرے بھرے درخت کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔اب اگر کوئی بیوقوف آدمی

درخت کی جڑوں میں لگے ہوئے مضر کیڑوں پر توجہ نہیں دیتا بلکہ شاخوں کی فکر میں لگا ہے اور شور کر رہا ہے کہ یہ شاخیں کیوں سوکھ رہی ہیں لوگوں پر طرح طرح کے الزامات لگا رہا ہے اور دھمکیاں دے رہا ہے اور شاخوں پر پانی چھڑک رہا ہے اس بیوقوف کی یہ ساری محنت رائیگاں ہے کیونکہ اس نے شاخوں کے سوکھنے کے اصل سبب کو نظر انداز کیا ہوا ہے۔

بالکل اسی طرح اس وقت دنیا کے امن تباہ کرنے اور دہشت پیدا کرنے کے لئے دنیا کے چند مقامات پر مضر کیڑے کام کر رہے ہیں جس کے ردعمل میں دہشت گردی پیدا ہوتی ہے اگر امریکہ ان مضر کیڑوں کو صاف کر دے تو دہشت کا عمل ختم ہو جائے گا۔لیکن اگر امریکہ درخت کی جڑوں میں لگے ہوئے تباہ کن کیڑوں کو پال رہا ہے اور ہر طرف سے ان مضر کیڑوں کو تحفظ فراہم کر رہا ہے تو اس کے ردعمل میں جو دہشت آئے گیؔ وہ تو آتی رہیگی کانٹے بونے سے پھل نہیں کانٹے ہی ملیں گے۔

مثال کے طور پر فلسطین کی سرزمین ہے اس کے قلب اور جڑ میں امریکہ نے اسرائیل کی صورت میں مضر کیڑا پال رکھا ہے اور ہر سطح پر اس کی اخلاقی اور غیر اخلاقی مدد کر رہا ہے جبکہ اسرائیل صرف عرب دنیا کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے جب تک امریکہ فلسطین کے سرسبز و شاداب درخت کی جڑوں میں اسرائیل جیسے تباہ کن کیڑے کا خاتمہ نہیں کرتا اور اس کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچتا وہاں دہشت گردی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اسرائیل کے مظالم فلسطین کی سرزمین پر دہشت گرد کو پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے اسرائیل اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ٹینکوں پر سوار ہو کر اپنی پوری فضائی طاقت کی جھرمٹ میں آ کر مسلمان بچوں عورتوں بوڑھوں اور نہتے مسلمانوں کو گولیو کا نشانہ بناتا ہے اسرائیل شیخ احمد یٰسین جیسے معذور و مفلوج اور لنگڑے لولے شخص کو معاف نہیں کرتا اور گن شب ہیلی کاپٹروں کی مدد سے ان پر میزائیل مارتا ہے اور ان کے جسم کے پرخچے اڑاتا ہے اور امریکہ بجائے مذمت کے کہتا ہے کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک فلسطینی معصوم بچی اپنے جسم کیساتھ بم باندھ کر خودکش حملہ کرتی ہے اور اپنے جسم کے پرخچے اڑاتی ہے وہ جیتی جاگتی ہوش و حواس کے ساتھ اپنی زندگی کے خاتمے جیسے انتہائی اقدام پر کیوں مجبور ہوئی آخر اس نے کچھ مظالم دیکھے ہونگے جس نے اس کو اس طرح حساس بنا دیا کہ اس کا پورا جسم بارود کی شکل میں بدل گیا۔اب دنیا والے اس پر تو شور کر رہے ہیں کہ خودکش حملہ آور نے دہشت گردی کی کاروائی کی ہے لیکن دنیا نے اس کو نہیں دیکھا کہ آخر اس حملہ آور کو کن اسباب نے اس طرح انتہائی اقدام پر مجبور کر دیا۔جس نے کہا

جب کچھ نہ بن پڑا تو ڈبو دیں گے سفینہ
ساحل کی قسم منتِ طوفاں نہ کریں گے

اسی طرح مسئلہ افغانستان کا ہے وہاں امن وامان تھا زندگی کے تمام شعبے پُرسکون تھے طالبان نے عدل وانصاف قائم کر رکھا تھا اور اپنے اسلامی قوانین اپنے اوپر نافذ کر رہے تھے انہوں نے کبھی امریکہ کو دھمکی نہیں دی اور نہ کبھی امریکہ سے لڑائی کی بات کی تھی وہ اسلامی قوانین امریکہ یا برطانیہ پر نافذ نہیں کر رہے تھے اور نہ امریکہ کو عیسائیت کے چھوڑنے پر مجبور کر رہے تھے۔ لیکن بغیر کسی جرم کے امریکہ نے ایک دفعہ ان پر کروز میزائیل سے حملہ کر دیا اور کئی مجاہدین شہید ہو گئے پھر امریکہ طالبان کے مقابلے کے لئے مسلسل احمد شاہ مسعود اور جرنل دوستم کی مدد کرتا رہا اور چھ سال تک ان کو طالبان سے لڑاتا رہا اور ان کو وشہ دیتا رہا۔ جب احمد شاہ مسعود میدان میں نہیں رہا تو امریکہ نے ۱۱ستمبر میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے کو بہانہ بنا کر افغانستان پر حملہ کر دیا حالانکہ ورلڈ ٹریڈ کے واقعہ سے بہت پہلے امریکہ فیصلہ کر چکا تھا کہ طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کرنا ضروری ہے جب کہ طالبان کا اور افغانستان کا ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے واقعے سے کوئی واسطہ نہیں تھا بلکہ خود یہ واقعہ کسی عمل کا ردعمل ہوسکتا ہے۔

بہرحال امریکہ نے افغانستان کی خاک بموں سے اڑا کر رکھ دیا اور بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو بے دردی سے رمضان کے مقدس مہینے میں بلکہ عیدالفطر کے دن شہید کر ڈالا اس ظلم کے ردعمل میں امریکہ پر جوابی حملے ہوئے اور اب تک حملے جاری ہیں اور جاری رہیں گے اس پر امریکہ شور مچا رہا ہے کہ دہشت گردانہ حملے ہو رہے ہیں پوری دنیا کو ان حملوں سے خطرہ ہے اب پوری دنیا میرے ساتھ ہو جائے اور اس دہشت گردی کو ختم کرے، اس اپیل پر بھنگیوں نے فخر کے ساتھ اعلان کیا کہ چوہدری صاحب نے شکار کے لئے بلایا ہے، مجھے بھی جانا ہے میرے کتے کو بھی جانا ہے، ٹوکرہ بھی کمانا ہے۔

چنانچہ اس چوہدری کی مدد کے لئے دنیا کے کافر اور عرب وعجم کے منافق حکمران اکٹھے ہو گئے اور طالبان کے خلاف چوہدری صاحب کی مدد کی اور اب تک کر رہے ہیں یہاں انعام میں ان منافقین حکمرانوں کو ٹوکرے تو نہیں مل رہے ہیں بلکہ ٹھیکے مل رہے ہیں چوہدری صاحب کہتا ہے کہ افغانستان میں فلاں اتحادی کو اتنے ٹھیکے ملیں گے اور عراق میں اتنے ملیں گے۔

بہرحال طالبان اور افغانستان کے مظلوم عوام اور واجب احترام عربوں پر بے انتہاء مظالم ڈھائے گئے جس کے نتیجہ میں وہاں ایک جوابی ردعمل پیدا ہو گیا اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر زوردار حملے شروع

ہوگئے اب امریکہ شور کر رہا ہے کہ دہشت گردی ہورہی ہے اور یہ پاکستان کے قبائلی علاقوں سے ہورہی ہے ادھر طالبان چھپے ہوئے ہیں ادھر القاعدہ کے سرگرم ارکان بیٹھے ہوئے ہیں اس پر پاکستان کا صدر علماء کو بلاتا ہے اور بیان جاری کرتا ہے کہ دہشت گردی ختم ہونی چاہئے ورنہ باہر سے بمباری ہونے کا خطرہ ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ایسے بادشاہ بھی مسلمانوں کو مل گئے جو اپنے عوام کو دوسروں سے ڈرا رہے ہیں جبکہ اسلام میں بادشاہ کی حیثیت اس طرح واضح کی گئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ ''یعنی وقت کا بادشاہ عوام کے لئے ڈھال ہوتا ہے عوام اس کی آڑ میں اپنے بچاؤ کے لئے پناہ لیتے ہیں۔ بہرحال امریکہ نے اپنے ہاتھو سے کانٹے بوئے ہیں اور مسلسل بو رہا ہے اور پھولوں کی توقع کر رہا ہے امریکہ نے دہشت گردی کی بنیادیں خود رکھدیں اور اب شکایت کر رہا ہے اور شور کر رہا ہے کہ دہشت گردی ہورہی ہے یہ تو وہی صورت ہے کہ چور خود شور کرنے لگتا ہے کہ چور ہے چور ہے، یا چور الٹا کوتوال کو ڈانٹ پلا رہا ہے کہ تو چور ہے۔ ع

چہ دلاور است دُزد کہ بکفِ چراغ دارد

یعنی کتنا مکار اور عیار چور ہے کہ دھڑلے سے ہاتھ میں چراغ جلا کر چوری کرتا ہے امریکہ سے پہلے روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا تھا اور اس نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی مگر جب اس کا ردعمل سامنے آیا تو شور کرنے لگا کہ دہشت گرد پیدا ہو گئے ہیں ان کو ختم کرنا ہے دہشت گرد تو ختم نہ کر سکا خود ختم ہو کر رہ گیا روس نے یہ بھی کہا تھا کہ افغانستان سے علماء کو ختم کر کے دم لوں گا جب اس نے افغانستان سے ٹکر لی اور پھر دیکھا تو افغانستان علماء سے بھر چکا تھا۔

بہرحال امریکہ نے افغانستان میں جنگ کے دوران تمام بین الاقوامی معاہدوں اور پابندیوں کو پامال کر دیا اور کیمیاوی ہتھیاروں سے نہتے مسلمانوں کو نشانہ بنایا ان کے گھر اجاڑ دیئے اور محدود ایٹم بم اور B.52 طیارے استعمال کر کے طالبان کی اسلامی حکومت گرادی اور وہاں پر اپنے جھنڈے لہرا دیئے وہاں سے کچھ لوگ جان بچانے کی غرض سے پاکستان کی طرف آئے ان کا خیال تھا کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے جو مسلمانوں کے مظلوموں کو پناہ دینے میں تامل نہیں کریگا لیکن امریکہ نے پاکستان کو مجبور کر دیا کہ یہ دہشت گرد ہیں تم ان کو اپنے ملک میں پناہ نہیں دے سکتے ہو اب یہ لوگ نہ اپنے آبائی ملک جا سکتے تھے نہ افغانستان میں ان کے لئے جگہ تھی نہ پاکستان میں جگہ تھی اس لئے انہوں نے پاکستان و افغانستان کے درمیان ایسے علاقوں میں پناہ لی جہاں آزاد قبائل رہتے ہیں آزاد کا مطلب یہی ہے کہ وہاں اسلحہ پر پابندی نہیں ہے وہاں کسی ویزہ اور پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہے اور اس علاقے پر ان کی مرضی کے بغیر کوئی ہاتھ

نہیں ڈال سکتا ہے چنانچہ روس سے جنگ کے زمانے میں یہاں کئی افغان اورازبک اورتاجک آباد تھے پھر طالبان کی پسپائی کے وقت کچھ عرب اور کچھ دوسرے لوگ جو پُرامن مجاہد تھے آکر یہاں پناہ گزیں ہو گئے علاقے کے لوگوں نے ان کومہمان کالقب دیا اور مہمانوں کی حیثیت سے ان کواپنے گھروں میں رکھا یہ لوگ کسی ملک کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھے لیکن امریکہ نے پاکستان کو کہا کہ یہ لوگ دہشت گرد ہیں ان کو ماردیا پکڑ کر میرے حوالے کردو پاکستان نے بڑے فخر سے کہا آج چوہدری صاحب نے شکار پر بلایا ہے مجھے بھی جانا ہے اور میرے کتے کو بھی جانا ہے۔

چنانچہ حکومت پاکستان کی آرمی تاریخ کی روشنی میں پہلی دفعہ اپنے عوام اور خالص مسلمانوں کے خلاف امریکی ہیلی کاپٹروں اورفوجی سامان کیساتھ ان مظلوموں پر حملہ آور ہوئی یہ حملہ نہ عرف میں جائز تھا نہ شریعت میں جائز تھا اور نہ آزاد قبائل کے مخصوص قانون کی روشنی میں جائز تھا اور نہ بین الاقوامی قانون کے مطابق اس کا کوئی جواز تھا، اس علاقے میں فوج نے مظالم ڈھائے اسامہ اور ایمن الظواہری کو بہانہ بنا کر شیر خوار بچوں کوشہید کر دیا عورتوں کوشہید کیا بوڑھوں کو پکڑ پکڑ کر جنگی قیدی بنایا گیا جس کی وجہ سے علاقے میں کشیدگی پھیل گئی اور پاکستان کی فوج کو لوگوں نے نفرت وعداوت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا جبکہ اس فوج سے عوام کو اتنی محبت تھی کہ صحراء میں گزرنے والی گاڑیوں پر لکھا ہوا ہوتا تھا "پاک فوج کو سلام" اب وہی فوج ہے جب کسی راستے پر جاتی ہے تو لوگ اس کا گولیوں سے استقبال کرتے ہیں۔ یہی کچھ امریکہ چاہتا تھا اور یہی طریقۂ کار وہ آگے بڑھائے گا وہ اگلے مرحلہ میں کہدیگا کہ اسامہ کہوٹہ میں پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کے پیچھے چھپا ہوا ہے مجھے وہاں جانا ہے اس طرح وہ پاکستان کے ایٹم بم کو قابو میں کردیگا لیکن امریکہ کو یاد رکھنا چاہئے جس انداز سے وہ مجاہدین اور خالص مسلمانوں کو کچل رہا ہے اس سے دہشت گردی میں دس گناہ اضافہ ہو جائے گا یہ قطعاً دہشت گردی ختم کرنے کا راستہ نہیں ہے امریکہ کے آکۂ کار حکمران ہمیشہ نہیں رہیں گے اور نہ امریکہ کے لئے ہمیشہ زمین ہموار ہوگی۔

دہشت گردی ختم کرنے کا راستہ

امریکہ کو چاہئے کہ وہ جس چیز کو دہشت گردی کہتا ہے اس کے خاتمہ کے لئے ایسے اقدامات کرے جس سے دہشت گردی جنم لینے کے بجائے کم یا ختم ہو جائے۔

وہ اقدامات یہ ہیں کہ

(۱) امریکہ اسرائیل کو پابند کرے کہ تمام فلسطینی علاقے خالی کردے اور مسجد اقصیٰ کی آزاد

حیثیت کو تسلیم کرے۔

(۲) امریکہ عراق سے واپس چلا جائے اور خلیج اور جزیرۂ عرب سے اپنی افواج نکالدے۔

(۳) امریکہ افغانستان سے واپس جائے اور افغانستان میں طالبان کی اسلامی حیثیت تسلیم کرے۔

(۴) امریکہ پاکستان سے اپنے اڈے ختم کر کے پاکستان کی آزاد اور خود مختار حیثیت تسلیم کرے جس میں ایٹمی پروگرام بھی شامل ہے اور جنوبی وزیرستان میں اپریشن بند کرائے۔

(۵) جو اسلحہ امریکہ یا اسرائیل کے پاس ہے امریکہ پوری دنیا کو اس طرح اسلحہ رکھنے کی اجازت دیدے یا دنیا کی طرح اپنے اسلحہ کو محدود کرے اور بلاوجہ پوری دنیا کی تھانیداری کا شوق دل سے نکالدے جیو اور جینے دو کے اصول پر عمل پیرا رہے۔

(۶) بوسنیا اور کوسوو کی آزاد حیثیت کو تسلیم کرے۔

(۷) ہندوستان مقبوضہ کشمیر میں علاقائی تشدد بند کر دے اور مقبوضہ کشمیر کی آزاد حیثیت تسلیم کرے۔

(۸) روس اپنے علاقے میں اسلامی ریاستوں میں مداخلت بند کر دے اور چیچنیا کی آزادی کو تسلیم کر کے وہاں سے اپنی افواج واپس بلالے۔

(۹) امریکہ ڈالروں کے زور پر غریب مسلمانوں کو عیسائی بنانا چھوڑ دے اور دینی مدارس میں مداخلت نہ کرے۔

(۱۰) امریکہ مسلمانوں کو اپنے اسلامی قوانین نافذ کرنے کی اجازت دے اور منافق حکمرانوں کے ذریعہ سے مداخلت نہ کرے یہ موٹے موٹے چند اسباب ہیں جن کی وجہ سے پوری دنیا میں ہیجان برپا ہے۔ اگر امریکہ اور یورپی ممالک ان امور پر توجہ دیں اور یہ اسباب ختم کر دیں تو پوری دنیا سے دہشت گردی ختم ہو جائے گی ورنہ جبر و تشدد سے دہشت گردی میں اضافہ ہوگا جس کا ذمہ دار خود امریکہ ہوگا۔

افسوس تو اس پر ہے کہ جو کام امریکہ کے نزدیک دیگر ممالک کے لئے ممنوع اور ناجائز ہے وہ خود امریکہ کے لئے جائز ہے یہ عجیب پالیسی ہے اسی پر تعجب کے طور پر اقبال مرحوم نے مدلل انداز میں فرمایا۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کار گر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سُود و بے اثر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے

مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگذر؟

میں آخر میں اسلامی بادشاہوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ اگر وہ مسلمانوں کے حکمران ہیں تو وہ مسلمانوں کی نمایندگی کریں کفار کی نمایندگی نہ کریں اسی میں ان کی بھلائی ہے اور یہی ان کی ذمہ داری ہے اپنے اسلام کی تاریخ پر نگاہ رکھیں اور اس پر چلنے کی کوشش کریں۔

جس دور پہ نازاں تھی دنیا اب ہم وہ زمانہ بھول گئے
اوروں کی کہانی یاد رہی خود اپنا فسانہ بھول گئے
منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھا سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلمان بھول گئے
مسلم سے اخوت دور ہوئی پھر روز کی خانہ جنگی ہے
اپنوں کو مٹانا یاد رہا باطل کو مٹانا بھول گئے
فرنگی کی غلامی کیا کہنا بربادی ہی بربادی ہے
جو درس شاہ بطحاء نے دیا دنیا کو پڑھانا بھول گئے
اغیار کا جادو چل بھی چکا ہم ایک تماشہ بن بھی چکے
اوروں کو جگانا یاد رہا خود ہوش میں آنا بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

(حضرت مولانا) فضل محمد یوسف زئی
استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵۔
۲۹ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

معلوماتی موضوع

کراچی میں پہلاٹی وی اسٹیشن

نئی نسل کو اسلامی روایات اور قومی ورثہ سے بغاوت پر اُکسانے والے کون ہیں؟

پی ٹی وی کے ایک واقف حال ادیب و دانشور پروفیسر شمیم احمد کے قلم سے۔

بعض لوگ ٹی وی کے حق میں دلائل دیتے ہیں کہ بہر حال یہ ایک آلہ ہے، چاہے تو اس کا بہتر استعمال کریں، چاہے اس کا غلط استعمال کریں۔ یہ ہمارے اوپر منحصر ہے...... یہ لوگ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یا دیکھنے والے اس کا استعمال صحیح کریں یا پروگرام پیش کرنے والے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دیکھنے والے صرف اس وقت ٹی وی کھولیں جب کوئی صحیح پروگرام چل رہا ہو۔ جب ڈانس وغیرہ جاری ہوں، عورتوں کے جسم تھرک رہے ہوں اور عریانی و فحاشی کا کوئی ایکٹ جونہی آئے، ٹی وی فوراً بند کر دیا جائے...... ہمیں نہیں معلوم ٹی وی کا ایسا استعمال اس قدر پھرتی سے کون کر سکتا ہے...... کوئی شخص شاید کسی حد تک ٹی وی کے غلط پرگراموں سے خود کو تو بچالے، لیکن اپنی عدم موجودگی میں وہ اپنے اہل خانہ کو کس حد تک بچاسکتا ہے...... کیونکہ جب دعوتِ گناہ دینے والی چیز سامنے موجود ہو اور گھر کی محفوظ چار دیواری میں اس برائی سے لطف اندوز ہونے کی سہولت موجود ہو تو کتنے اہل ایمان کے گھر اس شیطانی آلے کی تخریب سے محفوظ رہ سکتے ہیں...... گویا ناظر کے لئے تو بالآخر ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹی وی کی شیطانی یلغار سے زیادہ دیر تک بچاسکے...... باقی رہاٹی وی کے منتظمین سے کوئی بہتری کی امید...... تو یہ امید...... ''ایں خیال است محال است وجنون'' ہے۔ اور پیاز کے بیج سے گلاب کے ہویدا ہونے کی امید رکھنے والی بات ہے۔

شرعی طور پر تو ٹی وی کی قباحتیں سب کے سامنے موجود ہی ہیں کہ...... یہ وہ آلہ ہے جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق گھر گھر ناچ گانے پھیلانے کا موجب ہے اور فحاشی و عریانی کی رفتار کو بڑی سرعت سے عام کر رہا ہے...... ٹی وی کا کل بھی یہی مقصد تھا، آج بھی یہی ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر کسی کو ٹی وی سے کسی امر خیر کی توقع ہے وہ ذیل کا مضمون ملاحظہ کریں جو دراصل خود ٹی وی سے متعلق رہنے والے ممتاز ادیب و دانشور کے قلم سے ہے۔ اس میں موصوف نے کراچی ٹیلی ویژن کے بانی جناب ذوالفقار علی بخاری کی ایک تقریر کو شامل کیا ہے جو انہوں نے کراچی میں ٹی وی سٹیشن کے

ابتدائی ایام میں ٹی وی سٹیشن کے اہم متعلقین کے ساتھ ایک خصوصی نشست میں کی۔اس تقریر میں انہوں نے ٹی وی کے ہولناک منصوبوں پر سے پردہ اٹھایا تھا۔موصوف کی اسی تقریر کے حوالے سے یہ مضمون نذر قارئین ہے......قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس مضمون کو صرف ملاحظہ ہی نہ کریں بلکہ فیصلہ بھی کریں کہ آج ہمیں تفریح کے نام پر یہ میٹھا زہر قبول ہے یا ٹی وی چھوڑ کر ہمیں اسلامی تشخص اور اخلاقیات کا تحفظ کرنا چاہیئے۔(ادارہ تجلیات حبیب)

شمیم صاحب کہتے ہیں آج میں کچھ ایسے ذاتی تجربات پیش کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے ذرائع ابلاغ کے بنیادی کردار اوران کے ایسے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہیں، جس سے یقیناً آپ اس سے قبل واقف نہیں ہوں گے اوراس کے ساتھ آپ کو یہ بھی بخوبی علم ہوجائے گا کہ اب تک پاکستان میں ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے والی نوکر شاہی کا رویہ اورعزائم کیا رہے ہیں......اور یہ بھی کہ ہمارے یہاں ان وسائل کے استعمال اور حصول میں کون کون سے عناصر اور مقاصد کام کرتے رہے ہیں۔

اس صورت حال سے میں اچانک اس وقت دوچار ہوا جب کراچی ٹی وی اسٹیشن قائم ہورہا تھا اور اس کے پہلے جنرل مینجر ایک ایسے صاحب مقرر ہوئے تھے جن کو ریڈیو پاکستان قائم کرنے اور چلانے میں ید طولیٰ حاصل تھا اوراس محکمہ کی خدمات میں ان سے زیادہ بہتر خدمات کسی افسر نے انجام نہیں دی تھیں۔وہ ریڈیوں پاکستان کے کنٹرولر بھی رہ چکے تھے......غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے لیکن میں بھی اس سلسلہ میں کسی نام کا اخفااس لئے نہیں کروں گا کہ آپ ان حقائق کی تہہ تک پوری طرح پہنچ سکیں۔یہ صاحب تھے''مرحوم ذوالفقارعلی بخاری صاحب''جن کی اہلیت اور صلاحیت کا زمانہ معترف ہے۔بخاری صاحب نے کراچی ٹی وی کے لئے فنکاروں، لکھنے والوں اور متوقع پروڈیسر صاحبان کی ایک خصوصی نشت طلب کی تھی، جس میں یہ خاکسار بھی مدعو تھا۔یہ نشت ان افراد پر مشتمل تھی جن سے بخاری صاحب خصوصی کام لینا چاہتے تھے۔

صاحب موصوف نے سب سے پہلے ٹی وی کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی اہمیت اور ہمارے اعتماد کو حاصل کرنے کے لئے چند وضاحتیں بھی کیں، جو شاید ہمیں اور کسی طرح بھی معلوم نہ ہوسکتیں۔سو پہلے ان کی پوری گفتگو کا لب لباب ملاحظہ کریں:

انہوں نے فرمایا آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ٹیلی ویژن بیسویں صدی کا سب سے مؤثر تفریحی وسماجی آرگن ہے، جو کسی معاشرے کے تمام گھرانوں اور خاندانوں کی پرائیوٹ زندگی میں مداخلت کرتا ہے......جس زندگی میں کوئی گھرانہ کسی مداخلت کو برداشت نہیں کرتا، ٹی وی کے شوق میں ہر اس چیز کو اپنی

پرائیوٹ زندگی میں بڑی خوشی سے داخل کر لیتا ہے جس کے انتخاب میں اس کی اپنی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا...... ٹی وی نہ صرف معاشرے کے ہر خاندانی یونٹ کو تبدیل کرنے کا کام کرتا ہے بلکہ اس کا سب سے مؤثر کام نئی نسلوں کو ماں باپ کی تربیت سے نکال کر وہ بنا دیتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ٹی وی موجودہ بالغوں کے لئے اتنا مؤثر نہیں ہوگا، جتنا ان بچوں کے لئے، جو آنکھ کھولتے ہی ٹی وی کے ذریعے تربیت حاصل کریں گے...... اس اعتبار سے ٹی وی کی ذمہ داری اور کام کی اہمیت اس وقت معاشرتی معماروں کی مجموعی قوت سے بھی زیادہ ہوگی۔ بچوں کا ابتدائی ذہن ایک سلیٹ کی مانند ہوتا ہے، جس پر آپ جو نقش ابھارنا چاہیں گے وہی نقش ابھرے گا۔ گویا یہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا کہ آپ پاکستان میں کیسی نسلیں پیدا کرنا چاہتے ہیں میں یقین دلاتا ہوں کہ ٹی وی کی آمد کے بعد پاکستان میں ایسی نسلیں ابھریں گی جو اپنے خیالات، محسوسات اور طرزِ فکر میں موجودہ معاشرے سے مختلف ہوں گی اور تقریباً ۲ سو سال میں جو تبدیلی ہمارے معاشرے میں ممکن ہے، آپ صرف دس سال میں انجام دے سکیں گے۔ ہم نے ریڈیو سے جو کام لیا ہے س کی سمت مختلف ہوتے ہوئے بھی اس نے ذہن کو پچاس سال بعد تبدیلی سے روشناس کرایا ہے اور وہ بھی پوری شخصیت کے ساتھ نہیں جب کہ ٹی وی کا ریڈیو کے مقابلے میں ایک خاص مقصد ہے اور آپ کو ابتداء ہی سے اس کے لئے کام کرنا ہوگا۔

یہ میڈیا اتنا مؤثر، زوداثر اور طاقتور ہوگا کہ کہ اس قبیل کے اہم ترین میڈیا، ریڈیو، فلم اور اخبارات، تینوں قوتوں کو بیک وقت بروئے کار لائے گا اور ان سب سے زیادہ زوداثر اور قوی اثرات کا محرک ہوگا...... مثلاً ان تینوں ذرائع میں فلم سب سے مؤثر آلہ تفریح اور شخصیت پر اثر انداز ہونے والا میڈیا ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ فلم بینی کا شوق بچوں میں ۱۳، ۱۴ سال میں جا کر پیدا ہوتا ہے اور بالخصوص دو تین سال کے بچے اس سے بالکل غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ذرا بڑے بھی ہوتے ہیں تو ان کے اہل خاندان کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو کس قسم کی فلم دکھانے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ مگر ٹی وی میں اس انتخاب کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم نہ صرف جو کچھ دکھائیں گے ان کو دیکھنا پڑے گا بلکہ صاحب خانہ اپنے بچوں کو ہر چیز دکھانے کے لئے مجبور ہوگا کہ ٹی وی وہ خود خرید کر اپنے گھر میں لائے۔ گویا اب انہیں فلم دیکھنے کے لئے سینما ہاؤس جانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر گھر سینما ہاؤس ہوگا اور وہاں ہم ۲ سال کے بچوں سے لے کر نوجوان ذہن تک ہر وہ نقش ان کے ذہن میں بٹھا دیں گے، جو ہم بٹھانا چاہتے ہیں، اس طرح آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری ذمہ داری کتنی اہم اور متنوع ہوگی۔ اس طرح آپ حضرات جیسی بنیادیں رکھنا چاہیں گے اس پر آئندہ پاکستان کی تعمیر و تشکیل ہوگی۔

(ہم سب موصوف کی یہ تقریر سانس روکے سُن رہے تھے اور ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم واقعی سے پاکستان کی بنیاد رکھنے جا رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے اپنا سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا۔)

''اب سوال یہ ہے کہ ہم ٹی وی جیسی قوت کیوں لانا چاہ رہے ہیں؟ جب کہ پاکستان جیسے نوتعمیر اور پسماندہ ملک میں جو ابھی صنعتی ترقی سے بھی کوسوں دور ہے۔ جو اپنے پیروں پر بھی پوری طرح کھڑا نہیں ہوا۔ جس پر اربوں روپے کا قرض ہے اور جو ریڈیو کی ''نیڈل'' خود نہیں بنا سکتا۔ ہم اس میں یہ سفید ہاتی کیوں باندھنا چاہتے ہیں جو ہماری معاشی صورت حال پر مزید بوجھ ثابت ہوگا...... ظاہر بات ہے کہ اس منصوبہ پر کروڑوں ڈالر قرض لئے جا رہے ہیں اور زرمبادلہ ہمیشہ اس مد میں ہمیں دوسروں کا دست نگر رکھے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ٹی وی دراصل صدر ایوب خان صاحب کی خواہش پر لایا جا رہا ہے۔ آپ پچھلے دو تین سال سے برابر دیکھ رہے ہیں کہ پرانے خبیث سیاستدانوں نے پھر سر نکالنا شروع کر دیا ہے اور وہ ایوب خان کی تمام مساعی اور ترقی کے منصوبوں کو خاک میں ملانا چاہتے ہیں جو انہوں نے ان سیاستدانوں سے پیچھا چھڑانے کے بعد ملک میں اسی کی ترقی اور تعمیر کے لئے اختیار کی تھیں۔ دراصل ٹی وی کو جلد از جلد لانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ایوب خان اور ان کے کارناموں کو گھر گھر پہنچا دیں اور ان ناپاک سیاستدانوں کی سازشوں کا پردہ چاک کر دیں کیونکہ اگر یہ ناپاک سیاستدان پھر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو ملک کی ساری ترقی اور تبدیلی بے معنی ہو جائے گی۔

گفتگو کے اس پہلو پر ہم ذرا چونکے تھے کیونکہ ٹیلی ویژن کی آمد کا اصل مقصد پوری طرح ہمارے سامنے تھا اور غالباً اس کا تھوڑا بہت اندازہ ہم سب کو تھا...... کہ ایوب خان جتنی تیزی سے سیاسی زوال کی طرف جا رہے ہیں، بیوروکریسی ان کی مدد کے لئے طرح طرح کے منصوبے بنا رہی ہے۔ جس طرح قدرت اللہ اور جمیل الدین عالی نے ایوب خان کے دور زوال کے آغاز میں عوامی ٹرینیں چلانے کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ ابھی ہمیں دور دور بھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ صاحب موصوف اور کیا کیا انکشافات کرنے والے ہیں، سو انہوں نے گفتگو کو آگے بڑھایا۔

آپ کو معلوم ہے پاکستان کی ترقی کا سب سے بڑا دشمن ہمارا مذہبی طبقہ ہے جو سیاسی، دینی اور معاشرتی سطح پر ہر حکومت کے لئے راہ کا روڑا بن کر ابھرا ہے۔ ہماری ہر حکومت کے لئے یہی عنصر ہمیشہ خطرہ کا باعث ہوا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی ایوب خان کے خلاف یہ تمام رجعت پسند، ترقی کے دشمن اور مذہبی جنونیوں کی قوتیں پیش پیش ہیں اور ایوب کے کارناموں اور ان کی شخصیت پر ہر چہار طرف سے حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ٹیلی ویژن کا سب سے بڑا مقصد ان ملاؤں اور مذہبی جنونیوں کے خلاف جہاد کرنا ہے

یہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی بدنصیبی ہے کہ ہمارا متوسط طبقہ جو سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔اس کی اکثریت مذہب کے فرسودہ اور رجعت پسند طرزِ فکر کی حامل ہے، ٹی وی کا اولین مخاطب یہی طبقہ ہوگا۔اس لئے موجودہ حکومت نے اس کو الین اہمیت دی ہے۔قوم کی ذہنی اور جذباتی تربیت سب سے پہلی ضرورت ہے۔پاکستان صنعتی ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہماری قوم کے ذہنی اور جذباتی مسائل فرسودہ اور توہم پرستی کے نام پر اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اس لئے ٹی وی ایک ایسا ادارہ ہے جس کو سوچ سمجھ کر ایک خاص مقصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جانا ہے۔اس لئے ہر سطح پر ایسے ذہنوں اور افراد کو تیار کیا جا رہا ہے جو اس مقصد سے ہم آہنگ ہوں اور ہم نے اس کے لئے چند افراد کو باہر ٹریننگ کے لئے بھیجا تھا۔جن کا سب سے بڑا کام پورے ادارے کو انہی خطوط پر آرگنائز کرنا ہوگا۔

اس صورت میں ٹی وی کے دو بنیادی مقصد ہوں گے۔

۱۔　موجودہ حکومت نے پاکستان کی ترقی اور بہبود کے لئے جو کارنامے انجام دیئے ہیں......اور شاہراہِ ترقی پر گامزن کرنے کے لئے جو انقلابی تبدیلیاں کی ہیں۔جن کا قوم کو کوئی شعور نہیں، آپ کا فرض اولین ہوگا کہ ان کی اہمیت کو اپنے ڈراموں، مذاکروں اور تمام تفریحی پرگراموں میں اُجاگر کریں اور لوگوں کو وہ احساس دلائیں کہ وہ ایک بہت بڑے انقلاب اور ترقی کے موڑ پر ہیں اور اس شخص کی محنت وخلوص اور ایثار کو بچے بچے کے ذہن پر ثبت کر دیں، جس نے دس برس میں ملک اور قوم کو شاہراہ ترقی پر لا کھڑا کیا ہے۔

۲۔　آپ کا دوسرا اور سب سے اہم مقصد یہ ہوگا کہ قوم اور پہلے متوسط طبقے کو فرسودہ مذہبی تصورات سے آزاد کرائیں اور اس مقصد کو اس خوبی سے انجام دیں کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ نہ چلے کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں اگر آپ نے یہ کام کرلیا تو یادرکھیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے مذہبی جنونیوں اور ملاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کر دیں گے۔ جو ہر حکومت کے لئے زوال کا باعث بن جاتے ہیں اور قومی آزادخیالی کو چیلنج کرتے رہتے ہیں۔

اس تقریر کے بعد موصوف نے شرکاء محفل کو الگ الگ ہدایات جاری کیں مثلا......

''میں آپ میں سے ہر اس لکھنے والے کو اپنے پرگراموں کے معاوضے کے علاوہ دوسو روپیہ ماہوار الگ دوں گا جو عربی پڑھے.........گا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ٹی وی اور ریڈیو سے ایسے افراد کو بحیثیت عالم دین اور جدید مفکر پیش کرسکیں اور ان تمام ملاؤں کے اثرات دور کرسکیں جو مذہب کے ٹھیکدار بنے ہوئے ہیں اور جنہیں ہم طوعاً وکرہاً پیش کرنے پر مجبور ہیں۔آپ کو مذہب کے خرافات سے معاشرہ کو نجات دلانے کا کام کرنا ہے اور اسی لئے ہم اس ادارے کے ذریعہ بالکل جدید ذہنوں کو آگے لانا چاہتے ہیں......میڈیم

کے ساتھ نئے ذہنوں کو نہ صرف فرسودہ اور مردہ تصورات سے نجات دلانے کے لئے استعمال کیا جائے گا، بلکہ ان کو پوری قوم کے محسوسات اور طرز فکر کو بدلنا ہوگا۔ مثلاً ہم ہر سال بقرعید پر لاکھوں جانور سنت ابراہیمیؑ کے نام پر ضائع کر دیتے ہیں...... ایک تو یہ نہایت درجہ بے رحمی اور شقاوت کی بات ہے، دوسرے جو غلاظت اور گندگی پورے ملک میں تین دن تک طاری رہتی ہے، وہ قومی معیشت کی بربادی سے بھی زیادہ افسوس ناک ہے، آپ لوگ اس قسم کے تہواروں کے بارے میں یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ ٹی وی ان کے خلاف ہے، لیکن نئے ذہنوں میں اس کے خراب اثرات کو اس طرح جاگزیں کر دیں گے کہ کم از کم وہ خود بڑے ہو کے اس سے محفوظ رہیں۔

اسی طرح شراب کا مسئلہ...... غضب خدا کا ان ملاؤں نے اسے بھی حرام کر رکھا ہے، مذہب میں شراب کی خرابیوں کا ذکر ان لوگوں کے لئے کیا گیا جو ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں نالیوں میں گر جاتے ہیں۔ مگر بتائیں میرے لئے کیسے حرام ہو سکتی ہے جو اس کے بغیر تخلیقی کام انجام نہیں دے سکتا۔ وہ تو ایک توانائی پیدا کرتی ہے...... آپ کو اس قسم کے ڈھکوسلوں کو بھی ختم کرنا ہے۔ شراب کے لئے گنجائش نکالنا اسی طرح ممکن ہوگا کہ آپ مثبت کرداروں کے ساتھ اس کو شامل کر کے ایسے افراد کی خرابیوں کو اُجاگر کیجئے اور انہیں انسانی خرابیوں سے زیادہ مزین دکھائیے۔

اس کے بعد بخاری صاحب ان افراد کی طرف متوجہ ہوئے جن کو پروڈیوسر ہونا تھا اور فرمایا کہ ...... آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ منافقت اور متضاد کردار کے لئے منفی ڈرامہ کرداروں کے داڑھی لگائیے، مضحکہ خیز کرداروں اور یتیم العقل افراد کو مشرقی لباس پہنائیے۔ یہ یاد رکھئے کہ آپ کو اپنے تمام کرداروں اور اناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے، جو ہمارے ترقی یافتہ معاشرے میں سو سال بعد رائج ہونا چاہئے اور جو اب ایک فیصد اُوپر کے طبقہ میں رائج ہے اردو کے قومی تصور کو بھی آپ بدلنے کی کوشش کیجئے اور اسے ایک مشترکہ زبان سے زیادہ اہمیت نہ دیجئے۔ مقامی زبانوں اور اُوپر کے طبقہ کی ملی جلی انگریزی زبان پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

غرضیکہ گفتگو اسی طرح تقریباً تین گھنٹے چلتی رہی۔ اس ہولناک گفتگو کا اختتام میرے اس سوال پر ہوا کہ گویا ہم کو اپنے پورے قومی تصورات کے خلاف جنگ کرنا ہوگی۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو پھر کیا ٹی وی کے دروازے ایسے شخص پر بند ہوں گے؟

اس پر صاحب موصوف نے ایک نگاہ غلط انداز سے مجھے دیکھ کر قہقہہ لگایا اور بے تکلفی سے ایک گھونسہ مارتے ہوئے کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہے کہ تو اپنا کرنے پر آسانی سے تیار نہیں ہوگا......

یہ اعصاب شکن نشست میرے لئے ایک ہولناک حقیقت تھی اور مجھے پہلی بار یہ معلوم ہو رہا ہے تھا کہ پاکستان میں حکومت کی سطح پر تعلیمی ترقی کے پُرفریب نام پر اسلام اور پاکستان کے عوام کے خلاف اتنی بڑی سازش بھی کی جا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ مجھے یہ تلخ احساس بھی ہوا کہ ہمارے عوام تفریح اور ترقی کے نام پر کتنا بڑا فریب کھا سکتے ہیں۔ یہ کہانی یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ آگے بڑھتی ہے۔ اس نشست کا بوجھ مجھ پر اس وقت کم ہو گیا جب تھوڑے عرصے بعد کراچی ٹی وی کے اسٹیشن کے افتتاح کے موقع پر ٹی وی کا نیا منیجر آ گیا اور یہ تھے جناب اسلم اظہر۔

لیکن جب ٹی وی کے پروگرام شروع ہوئے تو آہستہ آہستہ کھلا کہ اس نشست میں جو کچھ سامنے آیا تھا۔ اس پر پوری حکمت عملی سے عمل ہو رہا ہے۔ جنریشن گیپ کے نام پر جس طرح ہماری تہذیبی اقدار، خاندانی روایات اور اسلامی اخلاق کی دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں۔ مغرب سے درآمد شدہ جرائم پر مبنی فلموں کا جس قدر زور تھا، جس طرح مجرموں کو ہیروز کے روپ میں پیش کر کے عریانی اور میخواری کا زور باندھا گیا تھا، جس طرح مشرقی لباس اور اسلامی اقدار کے ساتھ مضحکہ کیا جا رہا تھا اور الطاف گوہر صاحب ابھی سیکرٹری اطلاعات تھے...... آج کے الطاف گوہر صاحب اور اس الطاف گوہر میں بڑا فرق تھا۔ اس وقت تک انہوں نے بھٹو کے ہاتھوں زخم نہیں کھائے تھے۔ اور ایک ممتاز بیوروکریٹ کی حیثیت میں ان سے میرا اواحد رشتہ ادب کا رشتہ تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں اس نشست کی روداد لکھتے ہوئے خط لکھا کہ میں آپ کی مجبوری سمجھتا ہوں کہ ایک بیوروکریٹ کو اپنی نوکری قائم رکھنے، ترقی کی خواہش کی لئے اور حکومت کو خوش رکھنے کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ادب کے رشتہ سے جس الطاف گوہر سے واقف ہوں، اس سے مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اسلام کی بنیادی اقدار اور اس کے عوام کی خواہشات کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب مجھے نہیں ملا مگر اچانک اسلم اظہر صاحب کے ایک فرستادہ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسلم اظہر صاحب آپ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں۔ آپ وقت دیں۔ وہ آ جائیں گے میں اتنے بڑے صاحب بہادر کی توجہ پر حیران ضرور ہوا کیونکہ اس پورے عرصے میں انہوں نے مجھے بھولے سے بھی یاد نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا کہ میں خود ان سے مل لوں گا۔

اسلم اظہر صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا الطاف گوہر صاحب کی ہدایت پر وہ مجھ سے ٹی وی کے بارے میں مکمل تحریری رپورٹ اور تجاویز چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو یہ مکمل رپورٹ چند روز میں دے دی اور آج اسی کی نقل کے حوالے سے آپ کے سامنے یہ روداد پیش کرتا ہوں۔ مجھے چند روز بعد یہ اطلاع دی گئی کہ میری رپورٹ کا جائزہ اعلیٰ سطح پر لیا جا رہا ہے۔

لیکن زمانہ تیزی سے بدل رہا تھا اور تھوڑے عرصہ بعد ۱۹۷۰ء کے انتخابات ہو رہے تھے۔ پیپلز پارٹی کے جلسوں میں اسلم اظہر صاحب بنفس نفیس شریک ہو رہے تھے اور جیسے ہی انتخابات کا اعلان ہوا، ٹی وی کا کریلا نیم چڑھا ہوگیا اور وہ ننگا کھیل شروع ہوگیا جس کا انتظار تھا۔ اسلام اور ہماری تہذیب کے خلاف ہر تیر زیادہ زہریلا ہوگیا تھا۔ ٹی وی پر عورتیں آنکھیں مارنا سکھا رہی تھیں اور اپنی بغلوں کی نمائش کر رہی تھیں۔ حج فلم کے ساتھ میں نے یہ تماشا بھی دیکھا کہ اس سے قبل کمال شو دکھایا گیا اور حج فلم کے فوراً بعد ایک نہایت عریاں فلم کی نمائش رکھی گئی۔ نئی نسلوں کے ذہن سے مذہبی تقدس مٹانے کے لئے ہر سطح پر یہ اہتمام کیا جا رہا تھا۔ میں نے ایسے گھرانے میں جہاں کی تربیت ابھی تک مسلم معاشرے کی تمام خصوصیات سنبھالے ہوئے تھی اور جہاں پرابھی باقی تھا۔ یہ دیکھا کہ مذہبی پرگراموں کے وقت ٹی وی بند کر دیا جاتا تھا۔ کمال شو اور فلم شو میں گھر کا ہر فرد ہر بچہ موجود ہوتا تھا۔ حج فلم دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ پانچ وقت کے پابندِ صوم وصلوٰۃ دادا کے سامنے پوتے، پوتیاں ڈانس کرتے تھے اور آنکھیں مارتے تھے اور یہ کیسا سوہانِ روح منظر تھا جب میں نے ان بزرگ کو ٹی وی کے کسی پروگرام کے لئے مغرب کی اذان سے قبل مغرب کی نماز اور عشاء کی نماز رات کو گیارہ بجے ادا کرتے دیکھا۔ ترقی اور تفریح کے نام پر جو چاٹ لگا دی تھی، وہ تباہ کر رہی تھی۔ ذرائع کا ایک موثر ترین ادارہ پاکستان میں ہر اسلامی اخلاقی اور تہذیبی قدر کے شعور کا اُجاگر کرنے کی بجائے اس کے خلاف جہاد کر رہا تھا۔ الطاف گوہر جیل میں تھے۔ میں یہ بات اسلم اظہر صاحب سے اپنی رپورٹ کے نتیجے کے بارے میں معلوم کرنے ضرور ان سے ملا...... ان کا جواب تھا۔ شمیم صاحب! ہم نے آپ سے رپورٹ اس وقت مانگی تھی جب ہم آپ کو معاشرے کی اکثریت کا نمائندہ سمجھ رہے تھے۔ مگر انتخابات کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ عوام نے آپ کے نقطۂ نظر کے خلاف ووٹ دیا ہے اور ہمارے نقطۂ نظر کی تائید کی ہے۔ اب ٹی وی وہ دکھائے گا جو ہم چاہتے ہیں۔ میرے لئے یہ جواب ایسا المیہ تھا کہ میں اب تک اس کے زخم سے زخمی ہوں۔ میں نے ٹی وی کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور آج بھی اس پر قائم ہوں۔ ضیاء الحق صاحب کی حکومت میں مجھ سے کہا گیا کہ اب آپ اپنا بائیکاٹ ختم کر دیجئے۔ کیونکہ ٹی وی راستہ بدل چکا ہے مگر میں اس وقت تک اپنے فیصلے تبدیل نہیں کروں گا جب تک عوام اسلم اظہر کے اس نقطہ نظر کے خلاف ووٹ دے کر ثابت نہیں کریں گے کہ عوام پاکستان میں اسلام چاہتے ہیں یا عریانی وفحاشی ومیخواری! (حالانکہ یہ بھی مضمون نگار کی خوش فہمی ہے۔ ایسی جمہوریت کے ذریعے اسلام کبھی آیا ہے نہ آسکتا ہے۔ ادارہ) کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ جس ادارے کے لئے چُن چُن کر وہ آدمی منتخب کئے گئے تھے جو ایوب خان اور بھٹو کے منصوبہ کے مطابق اسلام اور اسلامی اقدار کے خلاف جہاد کرسکیں، آج بھی وہی اذہان اس ادارے کی ہر سطح

پر موجود ہیں اور ان سے اسلامی اقدار کو پھیلانے کا کام لیا جا رہا ہے۔ بیورو کریسی نے پاکستان کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اور آج اسی بیورو کریسی سے جو اسلام کے خلاف استعمال ہوتی رہی ہے۔ اسلام کے نفاذ کا کام لیا جا رہا ہے؟ کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں کہ جن افراد کی شخصیت اور ذہنوں میں ہر اس قدر سے مخاصمت موجود ہے جو پاکستان اور اسلام کا تقاضا ہے، ان سے اسلام کا کام لیا جا رہا ہے۔ اب تک جو عناصر مغربی جرائم کی فلموں کو بڑے اہتمام سے پیش کر رہے تھے جن میں مجرمانہ اطوار کو فیشن کے نام پر عام کیا جا رہا تھا اور اس کے پردے میں انگریزی کو فروغ اور مغربی کلچر کی تقلید کا رجحان نمایاں کیا جا چکا تھا۔ اسلام کے آثار اور تہذیبی علامتوں کو فرسودہ، مضحکہ خیز اور اس کے خلاف نفرت اور استہزاء کے تمام تیر آزمائے جا رہے تھے، داڑھی اور شیروانی کو منافقانہ علامتیں بنا کر نئی نسل کو بزرگوں، روایات، قومی ورثہ اور اسلام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جا رہا تھا۔ ۱۲ کروڑ کی آبادی کے اس معاشرے میں مغربی آرائشوں، آزاد خیالی اور جنسی کلچر کو مسلط کیا جا رہا تھا، معصوم ذہنوں کو فلمی اطوار اور پُرتعیش زندگی کی پوری تعلیم تفریح کے نام پر دی جا رہی تھی، سوال یہ ہے کہ اب یہ عناصر اسلامی روح اور پاکستانی مقصد کو کس طرح پیش کر سکتے ہیں۔ اس وقت سے ٹی وی کے ملازمین کی اکثریت قومی تحریکات اور اسلامی فکر سے لاعلمی اور پاکستانی قومیت سے مخاصمت میں مبتلا ہے۔

میں نے آپ کے سامنے اپنے اوپر بیتی ہوئی روداد کو پیش کیا ہے۔ اس کی روشنی میں آج آپ کو صرف ٹی وی، ریڈیو ذرائع ابلاغ کے مسئلے پر ہی نہیں سوچنا چاہئے بلکہ یہ بھی سوچنا ہے کہ اس ملک میں پاکستان اور اسلام کے خلاف کیسے تمام وسائل استعمال کرنے کی جرأت ہوتی ہے اور وہ کون سے عناصر ہیں جو صرف اپنے اقدار، اپنی نوکری کے لئے اس ملک کی قسمت سے کھیلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں؟...... اس ملک کے صرف دو فیصد اُوپر کے طبقہ کی مرضی کو ۹۸ فیصد عوام کی خواہشات پر ٹھونسا جاتا ہے یہ ابلاغ کی بڑی بدنصیبی ہے کہ ہمارے مقتدر طبقات آج تک یہ طے نہیں کر سکے کہ ہمارے ذہنی اور تاریخی دور میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟ ہماری ملی تاریخ کے کیا معنی ہیں؟ ہم آج تک یہ طے نہیں کر سکے کہ ہماری ثقافت کس چڑیا کا نام ہے اور ہم تضادات اور منافقت سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟

(بشکریہ "الاحرار" بشکریہ تجلیات حبیب جون ۱۹۹۴ء)

ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ جمعہ ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء مدینہ جامع مسجد برنس روڈ کراچی

موضوع

شان صحابہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰه وحدهٗ والصلوٰة والسلام علیٰ من لا نبی بعدهٗ وعلیٰ اٰله واصحابه الذین أوفواعهده . أما بعد

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (سورہ فتح)

قال علیه الصلوٰة والسلام اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ قَالَ وَمَثَلُ اَصْحَابِىْ فِىْ اُمَّتِىْ كَالْمِلْحِ فِى الطَّعَامِ لَا يَصْلُحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ. (مشکوٰۃ شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کی مثال ہدایت میں ستاروں کی طرح ہے پس جس ستارے سے ہدایت حاصل کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ ایک اور حدیث میں حضور اکرمؐ نے فرمایا میری امت میں میرے صحابہؓ کی مثال کھانے میں نمک کی طرح ہے کھانا نمک کے بغیر درست نہیں رہتا۔

حُبُّ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُفْتَرَضٌ
وَحُبُّ اَصْحَابِهٖ نُوْرٌ بِبُرْهَانِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت فرض ہے اور حضور اکرم کے صحابہ کی محبت بھی دلیل کی روشنی میں فرض ہے۔

مَنْ كَانَ يَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ خَالِقُهٗ
لَا يَرْمِيَنَّ اَبَا بَكْرٍ بِبُهْتَانِ

جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق و مالک ہے وہ ابوبکر صدیق پر جھوٹا بہتان نہیں لگا سکتا ہے۔

وَلَا اَبَا حَفْصِ الْفَارُوْقَ صَاحِبَهٗ
وَلَا الْخَلِيْفَةَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانِ

اور نہ صدیق کے ساتھی ابوحفص عمر فاروق پر اور نہ خلیفہ مظلوم عثمان بن عفانؓ پر بہتان لگا سکتا ہے۔

اَمَّا عَلِیٌّ فَمَشْهُوْرٌ فَضَائِلُهٗ
وَالْبَيْتُ لَايَسْتَوِيْ اِلَّا بِاَرْكَانٍ

رہا حضرت علیؓ تو آپ کے فضائل تو بے شمار ہیں اور اسلام کی کوئی بھی عمارت ان چار ستونوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔

محترم حضرات:

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ نے خاص خاص ساتھی بھی عطا فرمائے ہیں خواہ زیادہ ہوں یا کم ہوں۔ انبیا کرام کے انہی ساتھیوں کو ان کے صحابہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسی قاعدہ کے تحت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریباً سوا لاکھ صحابہ عطا کئے۔

صحابی کون ہوتا ہے

علماء نے صحابی کی تعریف یہ کی ہے صحابی وہ ہوتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور اسی ایمان کیساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا ہو۔ اس کے بعد تابعی ہے۔ تابعی وہ ہوتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اسی ایمان پر دنیا سے چلا گیا ہو۔ اس کے بعد تبع تابعی ہوتا ہے یہ وہ شخص ہے جس نے تابعی کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور اسی ایمان پر دنیا سے اٹھا۔ احادیث مقدسہ اور شریعت مطہرہ میں انہیں تین قسم کے لوگوں کی فضیلت آئی ہے اور ان کے زمانے کو خیر القرون کہا گیا ہے۔

انسانیت کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد میں انبیاء کرام کے علاوہ جتنے انسان پیدا فرمائے ہیں ان سب میں سب سے افضل ترین انسان صحابہ کرام تھے گویا اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں سے چن چن کر اچھے افراد کی جماعت بنائی اور پھر اس مقدس جماعت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپ کی صحبت میں داخل فرمائی اس طرح انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام انسانیت کا خلاصہ اور نچوڑ بن کر حضور اکرمؐ کے لائے ہوئے دین کی سربلندی کیلئے میدان عمل میں آئے۔ حضرت ابن مسعودؓ خود ایک جلیل القدر صحابی ہیں آپ صحابہ کی جماعت کا نقشہ اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْمَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَاتُؤْمَنُ

عَلَیْهِ الْفِتْنَةُ اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَاَعْمَقَهَا عِلْمًا وَاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ۔ (رواہ رزین)

تم میں سے جو کوئی کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو وہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چلے جو وفات پا چکے ہیں کیونکہ زندہ لوگ فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ فوت شدہ لوگوں سے مراد حضور اکرمؐ کے صحابہ کرام ہیں جو امت کے افضل ترین لوگ تھے جن کے دل سب سے زیادہ نیک اور پاکیزہ تھے اور جن کا علم انتہائی گہرا تھا اور وہ سب سے کم تکلف والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی پاک کی صحبت اور دین کی عظمت اور سربلندی کے لئے چن کر منتخب کیا تھا پس تم ان کی اس فضیلت کا اعتراف کرو اور ان کی پیروی کر کے ان کے پیچھے چلو اور جتنا تم سے ہو سکے ان کی سیرت اور ان کے اخلاق پر کاربند رہو کیونکہ وہ ٹھیک ہدایت پر قائم تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے چن چن کر منتخب کیا تھا وہ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے اور یہ امت تمام امتوں سے افضل امت ہے لہٰذا صحابہ کرام پوری انسانیت میں افضل ترین لوگ قرار پائے جو انسانیت کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

صحابہ کرام ہمارے دین کے گواہ ہیں

ہم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں یہ صحابہ کرام کی برکت سے ہے کیونکہ اگر صحابہ کرام اس کلمے کو ہم تک نہ پہنچاتے تو ہم اس کو کیسے پڑھ سکتے تھے وہ اگر قرآن ہم تک نہ پہنچاتے تو ہم قرآن کیسے پڑھتے وہ اگر پوری شریعت ہم تک نہ پہنچاتے تو ہمارے پاس شریعت کہاں سے آتی؟ کیونکہ ہم تو اس وقت تھے بھی نہیں۔ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا ہم نے نزول قرآن کے منظر کو نہیں دیکھا ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں سنیں، ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں نہیں دیکھیں۔ آپؐ کے دیگر اعمال نہیں دیکھے یہ سب کچھ تو صحابہ کرام نے اپنے بعد والے تابعین کو دیا تابعین نے تبع تابعین کو دیا اور اس طرح دین کی یہ امانت انہوں نے نہایت دیانت اور حفاظت کیساتھ ہم تک پہنچادی اگر وہ اس امانت کو حضور اکرمؐ سے لیکر اپنے پاس ہی رکھتے اور آگے کسی اور تک نہ پہنچاتے تو ہم بھلائی سے محروم رہ جاتے لہٰذا وہ ہمارے دین کے گواہ ہیں انہوں نے کہا یہ دین ہے یہ قرآن ہے یہ کلمہ ہے

یہ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہے یہ جہاد ہے یہ انصاف ہے یہ اخلاق ہے تو ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے ان کی گواہی سچی ہے۔ اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ صحابہ کرام کی کوئی حیثیت نہیں ان کی گواہی معتبر نہیں تو وہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ مجھے دین کی ضرورت نہیں میرا کلمہ صحیح نہیں میرا ایمان صحیح نہیں میرا قرآن صحیح نہیں میرا دین صحیح نہیں کیونکہ صحابہ کرام کو اگر وہ قابل اعتماد نہیں سمجھتا تو وہ خود بتائے اس کو اسلام کس طرح اور کہاں سے پہنچا؟ کیا ہواؤں میں اڑ کر یہ دین اس تک پہنچا؟ اس نے یہ دین کیا خود براہ راست نبی کریم ؐ سے حاصل کیا؟ یاد رکھو اگر صحابہ کو بیچ سے ہٹا دیا گیا تو تمہارے پاس جو دین ہے یہ غیر مستند ہو کر اپنے مرکز سے کٹ جائیگا۔ نیز یہ بھی یاد رکھو کہ اگر العیاذ باللہ صحابہ کرام راہ راست سے ہٹ چکے ہیں تو پھر تم بھی ہٹ گئے کیونکہ حوض سے نلوں میں جو پانی آتا ہے وہ حوض کی طرح ہوتا ہے اگر حوض میں پانی صاف ہے تو نلوں میں پانی بھی صاف ہوتا ہے اور اگر حوض میں پانی گندا ہے تو کبھی بھی نلوں میں صاف اور پاکیزہ پانی نہیں آسکتا ہے لہٰذا جو لوگ صحابہ کرام کو مطعون کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی گندگی کا اپنے اوپر خود حکم لگاتے ہیں کیونکہ جو کچھ حوض میں ہے اسی کے مطابق نل میں پانی آرہا ہے۔ الغرض صحابہ امت کے محسن ہیں اور ہمارے دین کے گواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں صحابہؓ کی بڑی شان ہے

قرآن عظیم کا ایک بڑا حصہ صحابہ کرام کی مدح اور ان کی وفاداری، پرہیزگاری اور قربانیوں کے متعلق اترا ہے کبھی تو قرآن میں اعلان ہوتا ہے "اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" کبھی اعلان ہوتا ہے "اُولٰٓئِکَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ" کبھی اعلان ہوتا ہے اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" کبھی اعلان ہوتا ہے "اُولٰٓئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ" کبھی اعلان ہوتا ہے "اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" کبھی اعلان ہوتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ" کبھی اعلان ہوتا ہے "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" کبھی اعلان ہوتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا.

بلکہ اگر بنظر انصاف دیکھیں تو قرآن کریم میں ایک لمبی سورت سورت توبہ میں جتنا اللہ تعالیٰ نے منافقین کو خوار کر کے ان کی مذمت کی ہے اس کے مقابلے میں بہت زیادہ صحابہ کرام کی مدحت وتعریف وحوصلہ افزائی اور ان کی کامیابی کے تذکرے کئے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کسی منافق نے کسی صحابی کے متعلق کوئی سخت سست جملہ کہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن عظیم میں خود اس کا جواب دیا ہے مثلاً منافقین کو جب اسلام پر مخلصانہ طور پر چلنے اور صحابہ جیسے مخلص بن کر رہنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ان

بے وقوفوں کا کام ہے جو سیاست نہیں جانتے ہیں آنکھیں بند کر کے عواقب کا خیال کئے بغیر اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دراصل بے وقوف یہی منافق ہیں لیکن ان کو اپنی بے وقوفی کا علم نہیں چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَاِذَاقِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ﴾. (بقرہ ۱۳)

پھر ان منافقین نے ایک اور چال چلی کہ صحابہ کرام کے پاس آتے اور کہتے کہ ہم تو مسلمان ہیں اور جب اپنے شیطان سرداروں کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں وہاں صحابہ سے تو ہم صرف مذاق کرتے ہیں وہ بھولے بھالے ہیں ہماری زبان پر یقین کر لیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دراصل ہم ان منافقین کا مذاق اڑائیں گے وہ اس طرح کہ ہم ان کو ان کے نفاق میں ڈھیل دے دیں گے اور پھر ان دل کے اندھوں کو ایسا پکڑ لیں گے کہ ان کو ان کے مذاق کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ قرآن کریم اس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے۔

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ○ اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَيَمُدُّهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴾ (بقری ۱۴ و ۱۵)

سورت توبہ میں تو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی خوب خبر لی ہے ان کے تمام قبائح کو واضح کیا ہے اور ان کی اسلام دشمنی اور بغض صحابہ کرام کو خوب بیان کیا ہے اور جواب دینے کیساتھ ساتھ صحابہ کرام کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنی عداوت کا کھل کر مظاہرہ کیا اگر کوئی صحابی فی سبیل اللہ جہاد میں زیادہ مال لا کر پیش کرتا تو منافقین کہتے یہ ریاکاری کرتا ہے، نمود ونمائش کے لئے سب کچھ کرتا ہے اور اگر کوئی کم مال پیش کرتا تو یہ منافقین اس کا تمسخر کرتے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ میں ان کے تمسخر کا پورا بدلہ دوں گا چنانچہ ارشاد عالی ہے۔

﴿اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ (توبہ ۷۹)

اس مضمون کے متعلق قرآن کریم کی کئی آیات ہیں سب کا نقل کرنا مشکل ہے میں نے بطور نمونہ جتنا پیش کیا ہے اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ منافقین کے دلوں میں اسلام کے ان شاہینوں اور سپاہیوں اور اللہ تعالیٰ کی اس فوج سے کس قدر بغض وحسد ہے لہٰذا تا قیامِ قیامت اسلام کا جو طبقہ صحابہ کرام پر

طعن وتشنیع کرتا ہو وہ منافقین اولین میں شمار ہوگا اور اسلام کے پرلے درجے کا دشمن ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو خطرناک دشمن قرار دیتا ہے یعنی:

﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (منافقون)

یعنی دشمن یہی لوگ ہیں ان سے بچتے رہیئے اللہ انکو تباہ کرے یہ لوگ کہاں پھرے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام صحابہ کرام سے اپنی خوشی اور رضامندی کا بھی بار بار قرآن کریم میں اظہار فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (سورۃ فتح ۱۸)

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ (بینہ ۸)

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (مائدہ ۱۱۹)

یہ سب آیتیں اس بات کی سند ہیں کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے محبوبین تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا اور صحابہ اللہ سے خوش تھے اور جن لوگوں نے صحابہ کرامؓ کی شان میں ذرا کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ نے سختی سے ان کی تردید فرما کر جواب دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صحابہ کرام کا مقام

سب سے پہلے تو آپ یہ بات سمجھ لیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ چلنے والے وہ ساتھی تھے جو ہر خوشی اور ہر غم، ہر راحت، اور ہر مصیبت، ہر صلح وجنگ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ شریک تھے۔ امت کے باقی افراد اس میدان کارزار میں نہیں تھے جس میدان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر ضرورت تھی لیکن صحابہ کرام لحہ بہ لحہ نبی کریم کا ساتھ دے رہے تھے دشمن پر حملہ کرنا یا دشمن کے حملے کا دفاع کرنا دونوں کارنامے حضور اکرمؐ کے سامنے صحابہ کرامؓ نے انجام دیئے ہیں تو آپ خود یہ سوچ لیں کہ حضور اکرمؐ کے قلب اطہر میں ان کی قدر وقیمت اور محبت ور افت اور شان ومقام کا اہتمام زیادہ ہوگا یا کسی اور کا؟ ٹھیک ہے امت کے باقی افراد حضور اکرمؐ کے امتی اور پیروکار ہیں لیکن یہ بتاؤ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کے مقابلے کے لئے جنگ بدر میں افراد کی ضرورت پڑی وہاں صحابۂ کرام کے علاوہ کوئی اور تھا؟ جنگ احد میں جب جان نثاروں کی ضرورت پڑی وہاں صحابہ کرام کے سوا کون تھا؟ جنگ خندق میں شدید محنت ومشقت اٹھانے والے کون تھے؟ جنگ خیبر میں پہاڑوں کو سر کرنے والے اور دشمنوں

کے مضبوط قلعوں کو توڑنے والے کون تھے؟ صلح حدیبیہ کے دشت و بیابانوں میں اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر ہر قسم کے حالات سے مقابلہ کرنے والے کون تھے؟ فتح مکہ کے عظیم کارناموں میں حضور اکرمؐ کے جلو میں دائیں بائیں کون تھے؟ طائف وحنین کی گھاٹیوں میں، پُرخطر وادیوں میں چاروں طرف سے دشمن کے تیر برداشت کرنے والے کون تھے؟ جیش العسر ہ میں ۳۰ ہزار کی تعداد میں شدید گرمی اور نامساعد حالات میں ایک ماہ کے دور دراز سفر طے کرنے والے اور لاکھوں کی تعداد میں دشمن کے مقابلے کے لئے غزوۂ تبوک میں جانے والے کون تھے؟ الغرض اپنی زندگیاں وقف کر کے حضور اکرمؐ کے سامنے جانی و مالی قربانیاں پیش کرنیوالے کون تھے؟ آخر یہی صحابہ کرام تو تھے جنہوں نے حضور اکرمؐ کے قلب اطہر کو خوش اور آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ ان سب صحابہ سے وہ راضی تھے۔

بس بھائی اگر ہم ایسے حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نہیں تھے اور صحابہ کرامؓ تھے تو سمجھ لو کہ یہ مرتبہ بلند اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں لکھا تھا:

﴿أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾ (سورت مجادلہ)

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (فتح)

یعنی یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا اور ان کو تقویٰ کا کلمہ عطا کیا کیونکہ یہ اس کے اصل حق دار تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر عالم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ؎

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

اب آیئے اور چند احادیث ملاحظہ فرمائیں تا کہ آپ جان سکیں کہ حضور اکرمؐ کے ہاں صحابہ کا کیا مقام تھا۔

(۱) وعن ابی سعید الخدریؓ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احدٍ ذھبًا ما بلغ مُدَّ احدھم ولا نصیفہ . (متفق علیہ)

ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا میرے صحابہ کرام کو برا مت کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر کے صدقہ کر دے تب بھی وہ صحابہ کے ایک کلو یا نصف کلو جو یا گندم تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

(۲) وعن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب الخ. (مشکوۃ ص ۵۵۴)

"حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا میرے صحابہ کا اکرام واحترام کرو کیونکہ وہ تم سب سے افضل ہیں پھر وہ لوگ جو صحابہ کے قریب ہیں (یعنی تابعین) اور پھر وہ لوگ جو ان کے (تابعین کے) قریب ہیں اس کے بعد جھوٹ کا دور دورہ ہو جائے گا۔

(۳) وعن جابرؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لاتمس النار مسلماً رأنی ورأی من رأنی. (مشکوۃ ص ۵۵۴)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا دوزخ کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہے یا اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔

(۴) وعن عبداللّٰہ بن مغفل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی، اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اٰذاھم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذیٰ اللّٰہ ومن اٰذی اللّٰہ فیوشک ان یاخذہٗ. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ مت بناؤ پس جس نے صحابہ سے محبت رکھی تو وہ درحقیقت میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو کوئی ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ درحقیقت میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے جس شخص نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی تو قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ کو سزا دے گا۔

(۵) وعن انسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لا یصلح الطعام الا بالملح قال الحسنؒ فقد ذھب ملحنا فکیف نصلح. (رواہ شرح السنۃ)

"حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ نمک کے بغیر کھانا مزیدار ہوتا ہی نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ

ہمارا نمک ہی چلا گیا تو اب ہم کیسے درست اور مزیدار رہ سکتے ہیں۔

(۶) وعن عبداللّٰه بن بريدةؓ عن ابيه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مامن احد من اصحابي يموت بارض الا بعث قائد اونورا لهم يوم القيامة . (ترمذی)

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ میرے صحابہ میں سے جوکوئی زمین کے جس حصے پر انتقال کرے گا وہ اس علاقے کے لوگوں کے لئے قیامت کے روز قائد اور روشن مینار کی حیثیت سے اٹھ کر آئے گا

(۷) وعن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اذا رأيتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة اللّٰه علىٰ شركم . (ترمذی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرام کو برائی سے یاد کرتے ہیں تو تم ان سے کہہ دیا کرو کہ تمہاری اس شرارت وقباحت پر خدا کی لعنت ہو۔

(۸) وعن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول سألت ربي اختلاف اصحابي من بعدي فاوحىٰ اِلَيَّ يا محمد ان اصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها اقوى من بعض ولكلٍ نور، فمن اخذبشيء مماهم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدىً قال وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اصحابي كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم . (رواه رزين)

حضرت عمر فاروقؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے بارے میں اس اختلاف کے متعلق پوچھا جو میری وفات کے بعد ان میں پیدا ہونے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے وحی کر کے فرمایا: کہ اے محمدؐ تیرے صحابہ میرے نزدیک ستاروں کی مانند ہیں کہ بعض کی روشنی بعض سے زیادہ قوی ہے لیکن روشنی ہر ایک میں ہے پس جو کوئی صحابہ کے کسی اختلافی عمل پر عمل کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں پس تم ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (یہ حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں ہیں)۔

اپنے بڑوں کا احترام

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہر فرقہ ہر قوم ہر مذہب اور ہر مسلک کا ایک بڑا ہوتا ہے وہ اسی نظام کے متعلق قواعد وضوابط اصول وفروع اور ضابطۂ اخلاق وضع کرتا ہے جس نظام کو اس نے اپنے پیروکاروں کے سامنے پیش کیا ہے پھر اس نظام کے تحت جتنے پیروکار ہوتے ہیں وہ اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں ان کا اکرام کرتے ہیں ان کا احسان مانتے ہیں یہ جاہلیت میں بھی تھا اور اسلام میں بھی تھا اس امت میں بھی یہ ضابطہ ہے اور سابقہ امتوں میں بھی یہ قاعدہ تھا اسی قاعدہ کی طرف ایک شاعر اشارہ کر کے کہتا ہے۔

مِنْ مَعْشَرٍ سَنَّتْ لَهُمْ اٰبَائُهُمْ
وَلِكُلِّ قَوْمٍ سُنَّةٌ وَاِمَامُهَا

شاعر کہتا ہے میرا تعلق اس خاندان سے ہے جن کے آباء واجداد نے ان کے لئے قواعد بنائے ہیں اور ہر قوم کے کچھ طریقے اور اس کے بنانے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی قاعدہ کے تحت یہود اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں عیسائی اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں اور اپنے مذہبی پیشواؤں کی قدر کرتے ہیں۔ ہندو اپنے بڑوں کی قدر کرتے ہیں خواہ وہ کتنے گمراہ اور تباہ حال کیوں نہ ہوں کمیونسٹ اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں حالانکہ خود دہریہ، ملحد اور زندیق ہوتے ہیں بدھ مت اور سکھ اپنے بڑوں کے احترام پر جان دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ذکری، بہائی، قادیانی، نیچری اور اسی طرح دیگر طبقات اپنے بڑوں کا احترام دلوں میں رکھتے ہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دین اسلام میں اسلام کا لیبل لگا کر ایک اچھا خاصہ طبقہ جس کو آج کل شیعہ اور روافض کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اپنے مذہب اور اپنے اسلام کے بڑوں، پیشواؤں اور مقتداؤں کو گمراہ اور بے دین بتاتا ہے چنانچہ روافض کا عقیدہ ہے کہ پانچ تن پاک یعنی باقی ناپاک، اور ان کا عقیدہ ہے کہ العیاذ باللہ چھ سات صحابہ کو چھوڑ کر باقی سوا لاکھ صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔

شرم کرنے اور ایک چلو پانی میں ڈوب کر مرنے کا مقام ہے کہ سکھ اور ہندو جیسے اوہام پرست تو اپنے خیالی اور تصوراتی بڑوں کا احترام کرتے ہیں جن کی کوئی ذاتی اور اصلی حیثیت بھی نہیں لیکن روافض اپنے دین کے ان پیشواؤں پر کیچڑ اچھالتے ہیں جن کی تعریف سے قرآن عظیم کے صفحات لبریز ہیں اور جن کی مدحت سے احادیث مقدسہ بھرپور پڑی ہیں اور جن کے پاس صبح وشام بیٹھنے کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن

میں اپنے پیغمبرؐ کو مامور فرماتے ہیں اور جن کے کردار اور کارنامے اور قربانیاں اتنی ہیں کہ تاریخ اپنے بسیط اوراق میں اس کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن سے عقل چھین لیتا ہے دین چھین لیتا ہے۔ شرافت چھین لیتا ہے تو ان کے پاس آخر کیا رہ جاتا ہے سوائے اس رسوائی کے جس کا وہ ارتکاب کرر ہے ہیں ۔

خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم
شرم مگر تم کو آتی نہیں

ابھی بامیان جیل سے جو طالبان حزب وحدت شیعہ فرقہ کے قبضہ سے رہا ہوئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ بامیان جیل میں فرش اور لیٹرینوں میں یہ شیعہ صحابہ کرام کے نام لکھا کرتے تھے اور پھر ہم کو مجبور کرتے تھے کہ ان ناموں کو پاؤں کے نیچے روند ڈالو اگر کوئی انکار کرتا تو موت کا سامنا کرنا پڑتا، ایسے بد بخت لوگوں کو اگر ہم مسلمان کہہ دیں تو آخر کس اچھی صفت کی وجہ سے کہہ دیں کوئی اسلامی صفت تو ان میں ہو اگر اسلام کی کوئی علامت ان میں نہ ہو بلکہ اسلام کے ایک ایک صحیح عقیدہ کیخلاف ہوں تو سیاسی دباؤ کے تحت ان کو مسلمان کہنے سے کیا یہ مسلمان ہو جائیں گے؟ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بسم اللہ پڑھنے کی نسبت ابو بکرؓ و عمرؓ پر لعنت بھیجنے میں زیادہ ثواب ہے آخر اپنے مذہب کے مقتداؤں کو جب یہ لوگ قابل لعن وطعن سمجھتے ہیں تو ان بڑوں کے پیش کردہ قانون کا اقرار یہ کیسے کرتے ہیں۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

دشمنان صحابہ کی شکلیں مسخ ہو گئیں

جب آدمی کوئی سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا باطن اس گناہ سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس شخص کی باطنی حقیقت انسانیت سے مُبدَّل ہو کر حیوانیت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے گناہ گاروں کی تشبیہ گدھوں، کتوں، خنازیر اور دیگر بہائم سے دی ہے اس باطنی تبدیلی کو مسخ باطنی یا معنوی کہتے ہیں جن کا ادراک صرف اہل اللہ اور اہل معرفت کر سکتے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ مسخ باطنی اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ اب باطن سے متجاوز ہو کر ظاہر پر حاوی ہو جاتا ہے اور ظاہری طور پر اس شخص کی شکل بگڑ جاتی ہے اس ظاہری تبدیلی کو مسخ ظاہری یا صوری کہتے ہیں اس امت کے علاوہ پہلی امتوں میں مسخ ظاہری کے بہت سارے واقعات ہوئے ہیں کہ قوموں کی قومیں بندر یا خنازیر کی شکل میں تبدیل ہو گئیں اس امت

کے متعلق بھی حضور نے فرمایا کہ اس طرح کے بعض واقعات ہوں گے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات دشمنان صحابہ میں زیادہ تر رونما ہوئے ہیں۔ چند واقعات حوالہ کے ساتھ نقل کروں گا۔ مسخ باطنی کا تو حساب لگانا مشکل ہے وہ تو صرف اہل اللہ کی فراست کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ میں عبرت کے لئے صرف مسخ ظاہری کے چند واقعات لکھتا ہوں اور اس کا نام تازیانہ قدرت رکھوں گا۔

تازیانۂ قدرت نمبرا

ابن ابی الدنیا محمد بن علیؒ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم مکہ مکرمہ میں ایک دفعہ بیت اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص ہمارے سامنے آیا جس کا آدھا چہرہ سیاہ تر تھا اور آدھا سفید تھا وہ کہنے لگا کہ اے لوگو! میری شکل دیکھ کر عبرت حاصل کرو میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے میرے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا، اے اللہ کے دشمن! اے فاسق! کیا تو ہی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو گالیاں دیا کرتا ہے؟ جب میں بیدار ہوا تو میری یہ حالت ہوگئی جو آپ لوگ مشاہدہ کررہے ہیں۔ (کتاب الروح ابن قیمؒ ص ۲۳۲)

تازیانۂ قدرت نمبر۲

امام شعرانیؒ اپنی کتاب میں علامہ عبدالغفار قوصیؒ سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا اس کی عورت اور اس کا بیٹا اس کو منع کرتے تھے لیکن وہ اپنی اس شرارت سے باز نہ آتا تھا بلکہ انہیں بھی اس پر مجبور کیا کرتا تھا پھر اللہ کے غضب سے اس کی صورت خنزیر کی صورت میں بدل گئی اس کے لڑکے نے اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر اپنی دکان میں باندھ رکھا تھا وہ خنزیر کی طرح چنگھاڑتا تھا ہمسایہ لوگ اس کی آواز کو سنا کرتے تھے کئی دنوں کے بعد وہ مرگیا۔ اس کے بیٹے نے اس کو ایک گندے گڑھے میں پھینک دیا علامہ محب الدین طبریؒ نے فرمایا کہ میں نے جب یہ قصہ سنا تو میں اس شخص کے بیٹے سے جا کر ملا اس کے بیٹے نے تصدیق کی اور یہ قصہ سنا دیا۔

(لطائف المنن والاخلاق للشعرانیؒ ج ۲ ص ۸۰)

تازیانۂ قدرت نمبر۳

امام بیہقی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک ثقہ اور معتبر آدمی نے بیان کیا کہ ہم تین آدمی یمن کی طرف جارہے تھے ہمارے ساتھ کوفہ کا ایک شخص بھی تھا جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو

برا بھلا کہا کرتا تھا ہم ہر چند اسے منع کرتے تھے لیکن وہ باز نہ آتا تھا۔ جب ہم یمن کے قریب پہنچ گئے تو ایک جگہ اتر کر سو گئے جب روانگی کا وقت آ گیا تو ہم سب نے اٹھ کر وضو کیا اور اس کوفی کو بھی جگا دیا وہ جب اٹھے تو کہنے لگے افسوس کہ میں تم سے جدا ہو کر اسی منزل پر رہ جاؤں گا کیونکہ ابھی ابھی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے فاسق! تو اس منزل پر مسخ ہو جائے گا۔ اسی دوران اس شخص نے پاؤں اکٹھے کر لئے۔ ہم نے دیکھا کہ انگلیوں سے مسخ ہونا شروع ہو گیا اور اس کے دونوں پاؤں بندر جیسے ہو گئے۔ پھر گھٹنوں تک پھر کمر تک پھر منہ تک حالت مسخ پہنچ گئی حتیٰ کہ وہ بالکل ہی بندر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ ہم نے اسے پکڑ کر اونٹ پر باندھ دیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ غروب آفتاب کے وقت ہمارا گذر ایک جنگل پر ہوا وہاں دیکھا چند بندر جمع تھے اس نے جب ان بندروں کو دیکھا تو اپنی رسی توڑ کر ان بندروں میں جا ملا۔ (سعادۃ الدارین للنبہانیؒ ص ۱۵۳)

تازیانۂ قدرت نمبر ۴

علامہ مارزیؒ حضرت منصور سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے شام میں ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا بدن آدمی جیسا ہے لیکن اس کا چہرہ خنزیر کی شکل میں ہے اس کی وجہ پوچھی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ شخص حضرت علیؓ پر روزانہ ایک ہزار مرتبہ لعنت کیا کرتا تھا اور جمعہ کے دن چار ہزار مرتبہ، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس مردود کی شکایت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے چہرہ کی طرف تھوک دیا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۹۴)

تازیانۂ عبرت نمبر ۵

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حسینؓ کو فاسق بن فاسق کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دو چھوٹے چھوٹے ستارے چنگاریوں کی شکل میں اتار کر پھینکے جس سے وہ شخص اندھا ہو گیا۔

(صواعق محرقہ ص ۱۹۴)

تازیانۂ قدرت نمبر ۶

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپؐ کے پاس چار خلفاء راشدین اور پانچویں حضرت معاویہؓ بیٹھے ہیں کہ اتنے میں ایک آدمی آ گیا جس کا نام راشد الکندی تھا حضرت عمرؓ اسے دیکھ کر کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ آدمی ہمیں برا بھلا کہتا رہتا ہے یہ سن کر حضور اکرمؐ

نے اس کو سخت ڈانٹ پلائی وہ شخص کہنے لگا میں انہیں تو نہیں کہتا البتہ معاویہؓ کو کچھ نہ کچھ کہا کرتا ہوں آپؐ نے فرمایا تیری بربادی ہو کیا وہ میرے صحابی نہیں ہے؟ یہ بات آپؐ نے تین بار دہرائی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کا ایک ڈنڈا اٹھا کر حضرت معاویہؓ کو دیا اور فرمایا کہ اسے پیچھے کی طرف سے مار دو۔ جب حضرت معاویہؓ نے اس کو مارا تو میری آنکھ کھل گئی جب صبح ہوئی تو میں نے سنا کہ رات کو وہی شخص اچانک موت سے مر گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۹)

تازیانۂ عبرت نمبر ۷

علماء نے ایک قصہ لکھا ہے جو تاریخ حلب میں مذکور ہے کہ حلب کا ایک شخص ابن منیر جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے دفنا دیا، حلب کے چند نوجوان سیر وسیاحت کے لئے نکلے تھے کسی نے کہا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو شخص شیخین کو گالی دیتا ہے قبر میں اس کی شکل وصورت خنزیر کی ہو جاتی ہے آؤ آج ابن منیر کی قبر کھود کر تماشہ دیکھیں۔ چنانچہ ان نوجوانوں نے جا کر ابن منیر کی قبر کو کھودا جب دیکھا تو قبر کے اندر خنزیر پڑا ہوا ہے جس کا رخ قبلہ سے پھرا ہوا ہے انہوں نے اس خنزیر کو نکال کر باہر پھینک دیا تا کہ دوسرے لوگ مشاہدہ کر کے عبرت پکڑیں۔ (زواجر لابن حجر مکی ص ۱۹۳ ج ۲)

تازیانۂ قدرت نمبر ۹

ابن ابی الدنیاؒ نے ابو بکر صیر فیؒ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضرات شیخین کو گالیاں دیا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ قبر میں ننگا پڑا ہے اور ایک سیاہ چیتھڑا اس کے سر پر ہے اور دوسرا چیتھڑا اس کے ستر پر ہے خواب میں دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا مجھے بکر بن قیس اور عون اعسر کیساتھ کر دیا یہ دونوں نصرانی تھے۔

(شرح الصدور للسیوطی ص ۲۲۴)

(نوٹ) یہ واقعات عبرت کے لئے کبھی کبھی زندہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں کوئی ضروری نہیں کہ ہر ایک دشمن صحابہ ظاہری طور پر مسخ ہو کر بدل جائے معنوی طور پر تو سب مسخ ہیں مگر ظاہری طور پر بعض کے قصے مشہور ہو جاتے ہیں مسخ کے دیگر قصے شان صدیقؓ وعمرؓ کے موضوعات میں آئیں گے یہاں آخر میں صرف عبرت کے لئے دو قصے نقل کرتا ہوں۔

حکایت نمبر ۱

محقق طوسی کا نام ہر عالم جانتا ہے یہ شخص بڑا محقق، منطقی، فلسفی تھا لیکن خلق مشکل ہونے کیساتھ ساتھ غالی قسم کا رافضی تھا اس نے ایک علمی کتاب التجرید لکھی ہے تجرید کے آخر میں اس نے صحابہ کرام کیخلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کی ہے جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس کے منہ سے انسانی غلاظت بہنے لگی اس کی عیادت کے لئے لوگ آتے جاتے رہتے تھے ایک خوش عقیدہ عالم بھی عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ محقق طوسی نے منہ سے غلاظت کے بارے میں پوچھا ایں چیست؟ یعنی یہ منہ سے جو گندگی نکل رہی ہے یہ کیا چیز ہے۔ خوش عقیدہ عالم نے جواب دیا ''ایں آں ریداست کہ در آخر تجرید در حق صحابہ کرام خوردہ'' ترجمہ: یہ وہ گندگی ہے جو تو نے اپنی کتاب تجرید کے آخر میں صحابہ کرام کے متعلق لکھی تھی وہی نکل رہی ہے۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم)

حکایت نمبر ۲

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ افضل تھے یا حضرت امیر معاویہؓ افضل تھے۔ چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا احتیاط اور تقویٰ مثالی تھا۔ عدل وانصاف ضرب المثل تھا اور حضرت معاویہؓ پر اعداءُ اسلام کے طرح طرح کے مطاعن تھے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کو صحابیت کا شرف حاصل تھا اس لئے جواب میں حضرت ابن مبارک نے فرمایا کہ نبی کریمؐ کیساتھ حضرت معاویہؓ جن غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور جس گھوڑے پر آپؓ سوار ہوئے تھے اس گھوڑے کی ناک اور نتھنوں میں جو غبار اڑ کر لگا ہے وہ غبار ایک طرف اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک طرف یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں یہ معمولی عمل بھی کئی عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔

؎ چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

آخر میں ایک حدیث نقل کرتا ہوں تاکہ عام صحابہ اور خصوصاً خلفاءُ راشدین کی شان واضح ہوجائے اور ان سے عقیدت اور محبت رکھنے کی شرعی دلیل بھی مہیا ہوجائے۔

وعن انس مرفوعاً ان اللہ افترض علیکم حب ابی بکر وعمر و عثمان وعلی کما افترض الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحج فمن انکر فضلھم فلا تقبل عنہ الصلوٰۃ ولا الصوم ولا الحج. (کوثر المعانی الداری شرح البخاری ج ۱ص ۲ تصنیف مفتی مدینہ منورہ علامہ محمد خضرؒ)

حضرت انس سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ (اے میری امت) تم پر ابوبکرؓ اور عمرؓ

اور عثمانؓ اور علیؓ کی محبت اس طرح فرض کی گئی ہے جس طرح نماز زکوۃ روزہ اور حج فرض ہے جو شخص ان کی فضیلت کا انکار کرے گا اس کی نماز اور زکوۃ روزہ اور حج قبول نہیں کیا جائے گا۔

الغرض اس موضوع کی ابتدأ میں جو آیت میں نے پیش کی تھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ترجمہ اور تفسیر مختصراً ہو جائے۔

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کیساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں، تو ان کو دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے یہی وصف ان کا تورات میں ہے اور اسی طرح انجیل میں ہے۔ مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے قوی کر دیا پھر موٹی ہوگئی پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے کفار کو غصہ دلائے اللہ نے ان میں ایماندار اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

تفسیر:

حضرت شاہ صاحب کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی اوّل اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی۔ حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں بعض علماء کہتے ہیں کہ " اخرج شطأه "میں عہد صدیقی "فازره" میں عہد فاروق "فاستغلظ" میں عہد عثمانی اور " فاستوی علیٰ سوقه "مین عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے "والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینهم تراهم ركعا سجدا " کو علی الترتیب خلفاً اربعہ پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہ کرامؓ کی بہیئت مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے۔ کھیتی کرنے والے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا جب ایک چیز کا مبصر اس کو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے،

یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء (امام مالکؒ وغیرہ) نے یہ مسئلہ نکالا کہ صحابہ سے جلنے والا کافر ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۸۴)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ کرام کی محبت اور ان کی قدر و قیمت منزلت پیدا فرمائے اور ان کی ہر قسم کی ناقدری اور بغض و حسد سے ہمارے دلوں کو پاک فرما دے آمین یارب العالمین۔

حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

ایں چہ شور یست کہ دردور قمری بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شری بینم

یہ کیا شور ہے جو میں چاند کی گردش میں دیکھ رہا ہوں اور پورے عالم کو فتنہ و شر سے بھرپور دیکھتا ہوں

ہر کسے روز بہی می طلبداز ایام
مشکل ایں است کہ ہر روز بتری بینم

ہر آدمی روزانہ زمانہ سے بہتری کا طلبگار رہتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ میں ہر دوسرا دن پہلے سے بدتر دیکھتا ہوں

ابلہاں راہمہ شربت زِگلاب و قنداست
قُوتِ دانا ہمہ از خون جگری بینم

بے وقوفوں کو دیکھو کہ ان کیلئے ہر قسم شربت گلاب وقند تیار ہے اور عقلمندوں کو اپنے جگر کا خون پیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زریں ہمہ در گردن خری بینم

عمدہ عربی گھوڑا بوجھ تلے زخمی زخمی ہو رہا ہے اور سونے چاندی کے خوبصورت ہار گدھے کے گلے میں دیکھ رہا ہوں۔

دختراں راہمہ جنگ است وجدال بامادر
پسراں راہمہ بد خواہ پدری بینم

تمام لڑکیوں کا اپنی ماؤں سے جنگ وجدال جاری ہے اور تمام لڑکوں کو اپنے باپوں اور بزرگوں کا دشمن دیکھتا ہوں

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسری بینم

کوئی بھائی کسی بھائی سے مہربانی کا سلوک نہیں کرتا اور باپ کی کوئی شفقت بیٹے کے لئے نہیں دیکھتا ہوں۔

پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن
زانکہ ایں پند نہ از دُر و گہری بینم

جناب محترم! شیرازی کی نصیحت سنو اور جا کر نیکی کرو کیونکہ یہ نصیحت میں موتی اور جواہرات سے بہتر سمجھتا ہوں۔

(دیوان حافظ ص ۲۸۸)

خلیفہ اول صدیق اکبرؓ کی شان

نسب:

آپکا نام عبداللہ تھا لقب عتیق اور صدیق تھا، دونوں لقب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عطا شدہ تھے آپ کی کنیت ابو بکر تھی۔ آٹھویں پشت میں آپ کا نسب نبی کریمؐ سے جا ملتا ہے یعنی شیخ مرہ کے دو فرزند تھے ایک کلاب دوسرا تیم۔ کلاب کی اولاد میں آنحضرتؐ ہیں اور تیم کی اولاد میں صدیق تیمیؓ ہیں۔ دو برس حضور اکرمؐ سے چھوٹے تھے وہی دو برس بعد میں مکمل کر کے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حلیہ مبارکہ:

رنگ آپ کا سفید تھا، جسم لاغر تھا، رخساروں پر گوشت کم تھا، پیشانی ابھری ہوئی تھی، بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں سب سے سابق وفائق تھے، حیات میں آپؐ کے وزیر تھے اور وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے۔ خلیفہ رسول کا مبارک خطاب صرف آپ کو ملا باقی خلفاء کو امیر المومنین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ دو برس تین ماہ نو دن خلافت کی اور ۱۳ھ کو ماہ جمادی الاول میں مغرب اور عشاء کے درمیان اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور اپنے محبوب کے قدموں میں تاقیامت آرام فرمانے لگے۔

معاشرہ میں آپ کا مقام

آپ اشراف قریش میں سے تھے۔ معزز ین شہر اور ہر دل عزیز تھے، اہل عرب کے انساب کے ماہر اور بڑے پائے کے تاجر تھے۔ نہایت فصیح وبلیغ تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی اور نہ کبھی بت پرستی کی، بچپن سے آنحضرتؐ سے فدایانہ محبت رکھتے تھے، سب سے پہلے حضور اکرمؐ پر ایمان لائے اور مال وجان کی قربانی دی۔

ایک مشہور انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے آپ کو دل وجان سے قبول کیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے اور نہایت شریف آدمی تھے اور خود مختار اور خود کفیل تھے اگر محمدؐ سچا آدمی اور سچا رسول نہ ہوتا تو کوئی مجبوری نہ تھی کہ ابو بکرؓ ان کو مان لیتے کیونکہ شریف ابو بکر کسی جھوٹے آدمی کو کبھی رسول تسلیم کرنے کے لئے

تیار نہیں ہوسکتا تھا اور نہ کوئی مالی لالچ تھی اور نہ کوئی حالت پوشیدہ تھی اور نہ کوئی دباؤ تھا۔ (مذہب وتمدن)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پوری امت کو سنبھال کے رکھا اور ہر مشکل مسئلے کا حل پیش کیا، تمام غزوات میں حضور اکرمؐ کے ساتھ رہے۔ مرتدین اور مدعیان نبوت کا ذبہ کی سرکوبی کر کے جزیرۂ عرب میں اسلام کو پھر اپنی حالت پر لے آئے اور اس کے بعد شام وفارس دو سپر طاقتوں کیخلاف بیک وقت اعلان جہاد کر کے کام شروع کیا۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے مشہور سفر میں حضور اکرم کی ساری خدمت آپ ہی نے کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریباً ہر حالت میں ساتھ اور رفیق خاص رہے چاہے وہ غم ہو یا خوشی کی حالت ہو یا صحت یا بیماری کی حالت ہو یا حضر وسفر ہو، اسباب موت میں بھی موافقت رہی کہ دونوں کی وفات زہر کے اثر سے ہوئی پھر حیات دنیاوی کے بعد حیات جاودانی میں بھی ساتھ ہیں اور میدان حشر میں ساتھ ساتھ اٹھیں گے، حوض کوثر پر ساتھ ہوں گے اور پھر جنت میں بھی ساتھ رہیں گے۔

صدیق اکبرؓ کے چند فضائل

آپ کی فضیلت میں چند آیات قرآنی اتری ہیں جو آپ کے حق میں بڑا اعزاز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دائمی کلام قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت وہ ہے جس میں آپ کے اس سفر کا ذکر ہے جس میں آپؓ نبی کریمؐ کیساتھ تھے اور غارِ ثور میں تین دن آرام فرمایا، ارشاد ہے

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (توبہ ۴۰)

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کی اللہ نے مدد کی ہے، جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کر کیونکہ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ تم نے ابو بکر کی تعریف کبھی اپنے اشعار میں کی ہے یا نہیں؟ تو حضرت حسان نے اسی آیت کے متعلق یہ شعر پڑھے۔

وَثَانِيَ الثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمَنِيفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ اِذْ صَعِدَ الْجَبَلَا

اونچے غار ثور میں ابو بکر صدیق حضور اکرم کیساتھ دو میں دوسرے تھے جب یہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو دشمن نے ان کا پیچھا کیا تھا۔

وَكَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا

خَيْرَ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلْ بِهِ الرَّجُلَا

سب جانتے ہیں کہ صدیق اکبر رسول اکرمؐ کے محبوب تھے اور سب سے زیادہ افضل بھی تھے حضور اکرمؐ کے نزدیک کوئی آدمی صدیق اکبرؓ کے پائے کا نہیں تھا۔ ایک اور شاعر نے کہا ہے ؎

مَنْ كَانَ يَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ خَالِقُهٗ

لَا يَرْمِيَنَّ اَبَا بَكْرٍ بِبُهْتَانٍ

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق و مالک ہے وہ ابوبکر صدیقؓ کو برا نہیں کہہ سکتا ہے۔

دوسری آیت سورۃ مائدہ کی آیت ۵۴ ہے جو آیت قتال مرتدین کے نام سے مشہور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کی مدح فرمائی ہے کہ وہ مرتدین کے خلاف جہاد کرے گا کفار کے مقابلے میں سخت میں ہوگا اور مسلمانوں کے لئے نرم ہوگا اور اس راستہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گا۔

تیسری آیت سورۃ نور کی ہے جس کا ترجمہ ہے "جو تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اپنے قرابت والوں کو دینے سے انکار نہ کریں" چوتھی آیت سورۃ لیل کی آیت ۱۶ ہے۔ ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ اسی طرح آیت ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ بھی ہے۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں اتری ہیں ان آیتوں کی تفسیر میں بعض علماء نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

چند احادیث ملاحظہ ہوں

حدیث ۱

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ ذات سلاسل پر امیر مقرر فرما کر بھیجا۔ فرماتے ہیں کہ واپسی پر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ سب سے زیادہ آپ کو محبت کس سے ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہؓ سے، میں نے کہا مردوں میں کس سے؟ آپؐ نے فرمایا ابوبکر سے۔ (مشکوۃ ص ۵۵۵)

حدیث ۲

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا میری امت میں سب سے زیادہ

میری امت پر مہربان ابوبکر ہیں۔ (ترمذی)

حدیث ۳

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ تم غار میں میرے ساتھ رہے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ رہو گے۔ (ترمذی)

حدیث ۴

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس جماعت میں ابوبکر موجود ہوں اس کے لئے زیبا نہیں کہ ابوبکر کے سوا کوئی دوسرا امام بنے۔ (ترمذی)

حدیث ۵

وعن علی بن ابی طالب قال خیر الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر. (بخاری شریف)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس امت میں نبی کریمؐ کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ ہیں۔

حدیث ۶

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ آنحضرت کی امت میں آپ کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ۔ (بخاری)

حدیث ۷

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں میرا رہنا کس قدر ہے لہٰذا میرے بعد تم ان دو کی اقتداء کرو یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کی۔

حدیث ۸

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا تم میرے پاس اپنے باپ ابوبکرؓ اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ میں ابوبکر سے زیادہ (خلافت کا) مستحق ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو نہیں مانیں گے۔ (مسلم)

حدیث ۹

حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے۔ (ترمذی)

حدیث ۱۰

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر حضور اکرمؐ کے پاس تشریف لائے تو نبی کریمؐ نے فرمایا تم عتیق الله من النار ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخ کی آگ سے محفوظ ہو۔ اسی دن سے آپ کا لقب عتیق ہو گیا۔ (ترمذی) یہ تمام روایات مشکوۃ شریف میں ہیں۔

محترم سامعین:

یہ چند احادیث تھیں جن میں صدیق اکبر کی ہر طرح کی مدح اور فضیلت بیان کی گئی ہے میں نے صرف ترجمہ پیش کیا ہے عربی عبارت نقل کرنے میں طوالت کا خطرہ تھا۔ یہ سب احادیث مشکوٰۃ شریف میں مناقب ابی بکرؓ میں موجود ہیں۔ ایک طرف آپ کی یہ شان اور دوسری طرف رافضیوں کی طرف سے آپ پر الزام تراشی اور طرح طرح کے بہتان اور تبرا بازی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ روافض دوزخ کے ایندھن بن چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں چند ایسے واقعات بھی ملاحظہ ہوں جن میں حضرت صدیقؓ و عمرؓ کی گستاخی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مسخ کر کے سزا دیدی ہے کچھ واقعات اس سے پہلے شان صحابہ کے موضوع کے تحت بھی لکھے گئے ہیں۔

واقعہ نمبر ا

علامہ تلمسانیؒ نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں سند کیساتھ یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک جماعت مکہ مکرمہ کو حج کرنے روانہ ہوگئی ان میں ایک آدمی تھا جو نفل نمازیں بہت پڑھتا تھا وہ راستے میں مر گیا اس کے دفن کے لئے ساتھیوں کے پاس کوئی کدال وغیرہ نہ تھی تا کہ قبر کھودی جائے انہوں نے آس پاس جنگل میں گھومنا شروع کیا کہ اچانک ایک بڑھیا کے پاس اس کی جھونپڑی میں یہ لوگ پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ جھونپڑی میں لوہے کی ایک کدال پڑی ہوئی ہے انہوں نے اس سے طلب کی تو بڑھیا نے کہا کہ تم سب قسم کھا کر عہد کرلو کہ اس کو واپس لاؤ گے سب نے واپس کرنے کی قسم کھائی اور کدال لے کر چلے گئے، قبر تیار کی، مردے کو دفن کر دیا مگر غلطی سے کدال قبر کے اندر چھوڑ آئے۔ یاد آنے پر پھر واپس گئے اور قبر کو کھودا، وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ کدال اس مردہ کی گردن میں طوق بنی ہوئی ہے اور اس کے ہاتھ بھی اس میں بندھے ہوئے ہیں سب لوگ حیران رہ گئے اور گھبرا کر قبر کو دوبارہ بند کر کے واپس بڑھیا کے پاس چلے آئے اور پورا واقعہ بڑھیا کے آگے بیان کر دیا۔ بڑھیا نے لا الہ اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور کہا کہ یہ کدال گھر میں میرے

پاس تھی۔ مجھے خواب میں رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ اس کدال کو محفوظ رکھو یہ ایک ایسے شخص کی قبر میں طوق بنے گی جو ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کو گالیاں دیتا رہتا ہے۔ (سعادۃ الدارین للنبھانی ص ۱۵۲)

واقعہ نمبر۲

علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی مشہور کتاب زواجر ہندی میں لکھا ہے کہ شیخ صالح عمر کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں رہا کرتا تھا ایک دفعہ عاشورہ کے دن مدینہ منورہ میں کچھ دشمنان صحابہ کرام جمع تھے کہ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ محبت صدیق کے بدلے مجھے کچھ عطا کردو۔ ان میں سے ایک اٹھا اور مجھے اپنے گھر لے گیا اندر سے دروازہ بند کر کے مجھ پر اپنے دو نوکر مقرر کر کے مارنے کا حکم دے دیا دونوں نے مجھے خوب مارا اور پھر میری زبان کاٹ ڈالی اور مجھے مکان سے باہر پھینک کر کہنے لگے کہ جس کی محبت میں کچھ چیز مانگتے تھے اب ان سے زبان مانگو، شیخ صالحؒ کہتے ہیں کہ میں روتا ہوا روضۂ اقدس پر آیا اور روتے روتے سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ میری زبان ٹھیک ہوگئی ہے جب جاگا تو واقعی اللہ تعالیٰ نے زبان کو درست کر دیا تھا اس سے میری عقیدت اور بڑھ گئی اور آئندہ سال عاشورہ کے دن میں پھر رافضیوں کی اس مجلس میں پہنچ گیا اور اسی طرح عطا کا سوال کیا۔ اب ان میں سے ایک جوان اٹھ کھڑا ہوا مجھے اپنے گھر لے گیا اور بڑا اکرام کیا او پھر ایک مکان کا دروازہ کھول کر مجھے اندر لے گیا اور پھر رونے لگا، میں نے جب اندر دیکھا تو ایک خنزیر بندھا ہوا ہے میں نے اس جوان سے رونے کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ آپ کسی کو یہ راز ظاہر نہ کریں۔ گزشتہ سال عاشورہ کے دن ایک سائل آیا تھا نو جوان نے پورا قصہ سنا دیا اور کہا کہ جب رات کے وقت ہم سو گئے تو رات کے وقت ہم نے ایک خوفناک چیخ سنی ہم سب گھبرا کر اٹھ گئے اچانک ہم نے دیکھا کہ میرا والد خنزیر کی شکل میں مسخ ہو چکا ہے ہم نے ان کو مکان میں بند کر دیا اور اعلان کر دیا کہ وہ مر گیا ہے۔ شیخ صالح نے کہا کہ میں نے ان کو بتا دیا کہ میں وہی شخص ہوں جو گذشتہ سال آیا تھا محبت صدیق میں اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح سالم زبان عطا کی اور بغض صدیق میں اس شخص کو خنزیر بنا دیا پھر اس جوان نے اکرام کیساتھ مجھے رخصت کیا۔ (زواجر ابن حجر مکی ج ۲ ص ۱۹۳)

محترم حضرات:۔ یہ تو صرف دو واقعے ہیں اس طرح دور قدیم اور دور جدید میں سینکڑوں واقعات پیش آئے ہیں کہ دشمنان صحابہ کی شکلیں مسخ ہوگئی ہیں لیکن یہ لوگ نہ عبرت پکڑتے ہیں اور نہ اس دشمنی سے باز آتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعدا ٔصحابہ سے اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق چھین لیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ خَالِقُهٗ لَايَرْ مِيَنَّ اَبَا بَكْرٍ بِبُهْتَانٍ

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کی شان

وَلَا اَبَا حَفْصٍ بِالْفَارُوْقِ صَاحِبَہٗ
وَلَا الْخَلِیْفَۃَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانِ

اور جو اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانتا ہے وہ عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر بھی کوئی الزام و بہتان نہیں لگا سکتا ہے۔

نام و نسب

آپ کا مبارک نام عمر ہے اور لقب فاروق ہے اور کنیت ابو حفص ہے۔ لقب و کنیت دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا شدہ ہیں۔ نویں پشت میں جا کر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ نویں پشت میں کعب کے دو بیٹے مرہ اور عدی ہیں نبی کریمؐ مرہ کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت عمرؓ عدی کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی ولادت واقعہ فیل سے ۱۳ برس بعد ہوئی تھی۔ آپ کی عمر بھی ۶۳ سال تھی نبوت کے چھٹے سال ستائیس سال کی عمر میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے ان سے پہلے چالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام قبول کر چکی تھیں۔

حلیہ مبارک اور کارنامے

آپ کا رنگ سفید، مائل بہ سرخی تھا رخساروں پر گوشت کم تھا قد مبارک دراز تھا بڑے بہادر اور بڑے طاقتور تھے اسلام سے پہلے جس طرح شدت کفر میں تھی اسلام کے بعد ویسی ہی شدت اسلام میں ہوئی۔ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بہت زیادہ قوت حاصل ہوئی۔ نبی کریمؐ کے زمانہ میں منصب وزارت پر فائز تھے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں وزارت کیساتھ قضاء کا عہدہ بھی آپ کے پاس تھا۔ صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد خلیفہ ہوئے۔ دور خلافت میں دین اسلام کی جس قدر خدمت و اشاعت آپ نے کی اور جس قدر فتوحات آپ کو حاصل ہوئیں اس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی سرزمین شام سے لیکر مصر تک اور پھر دیار بکر سے لیکر فارس و ایران تک مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کے تمام علاقوں پر اللہ تعالیٰ کے دین کا جھنڈا بلند کیا۔ ایک ہزار چھتیس بڑے شہر بمعہ مضافات کے فتح کیے اور جو علاقہ قبضہ میں آ جاتا فوراً حکم فرماتے کہ وہاں پر مسجد بنائی جائے چنانچہ چار ہزار مسجدیں پنج وقتی نمازوں کے لئے اور ۹ سو جامع مسجدیں آپ کے حکم پر بنیں۔ عدل و انصاف میں آپ ضرب المثل تھے۔ غریبوں اور ناداروں اور مظلوموں محتاجوں کی خبر گیری کے لئے رات کو شہر کا گشت خود کیا کرتے تھے اور موقع پر امداد فرماتے تھے،

دنیا سے انتہائی دور تھے اور بیت المال میں ایسی احتیاط کرتے تھے جس کی نظیر نہیں ملتی ہے اگر اس پر واقعات نقل کر دیئے جائیں تو الگ ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ انتہائی متواضع مزاج کے مالک تھے۔ عاجزی طبیعت میں رچ بسی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے متعلق کبھی کسی سستی کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اس امت کے ان افراد میں سے تھے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ براہ راست نیکی کا الہام فرماتے ہیں منافقوں پر بڑے سخت تھے اور مسلمانوں کے لئے بڑے نرم تھے۔ رائے کے انتہائی اعلیٰ معیار پر فائز تھے، قرآن وحدیث کے سامنے سب سے زیادہ گردن جھکانے والے تھے کشف وکرامات میں مشہور تھے آپ کی خلافت دین اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک برکت اور تحفہ تھی جس سے دین اسلام اور مسلمانوں کی بڑی ہی خدمت ہوئی۔

دس برس چھ مہینے اور پانچ دن تک خلافت کو زینت بخشی۔ اس کے بعد فجر کی نماز میں ابولؤلؤ مجوسی ایرانی غلام کے ہاتھوں ۲۷ ذوالحجہ کو مسجد نبوی کی محراب میں زخمی ہوئے اور یکم محرم ۲۴ھ کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے روضۂ نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ کے پہلو میں مدفون ہوئے اور اس طرح مسلمانوں کا اقبال بھی ان کیساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ آپ نے کئی نکاح کئے تھے اور حضرت علیؓ کی بیٹی فاطمہ سے آپ کا آخری نکاح ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبیداللہ، حضرت حفصہؓ، حضرت عاصم، حضرت ابوشحمہ یعنی عبدالرحمٰن زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت عمرؓ کے فضائل

قرآن عظیم کی کئی آیات آپؓ کی موافقت میں اتریں جو آپؓ کی بڑی منقبت ہے۔ کئی آیات آپؓ کے بعض فیصلوں کی تائید میں اتریں جو آپؓ کی بڑی عزت وعظمت ہے اور ﴿ **محمد رسول اللّٰه والذين معه اشداء على الكفار** ﴾ میں معیت کا اعزاز تو صدیق اکبرؓ کو حاصل رہا لیکن ''**اشداء على الكفار**'' کا اعزاز اللہ تعالیٰ نے عمر فاروقؓ کو عطا کیا **رضى الله عنه وعن جميع الصحابه امين.**

اب چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث ۱

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا، اے ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ شیطان جب تجھے راستہ میں چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں چل پڑتا ہے۔ بخاری ومسلم کی اس روایت کے علاوہ ایک اور

روایت میں ہے کہ اے عمرؓ، شیطان تم سے ڈرتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

حدیث ۲

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے (یعنی جن کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا ہو) اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ یقیناً عمرؓ ہیں۔ (مشکوٰۃ)

حدیث ۳

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور ان کے دل پر حق جاری کر کے قائم فرما دیا ہے۔ ابوذر غفاریؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہوتا ہے حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ ہم اس بات کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ سکینہ عمر کی زبان پر بولتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث ۴

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمرؓ بن خطاب ہوتے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث ۵

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ''اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَهْلِ ابْنِ هِشَامَ اَوْ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ'' یعنی اے اللہ! اس اسلام کو شوکت عطا فرما۔ یا ابوجہل کے ذریعے سے یا عمر کے ذریعے سے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صبح صبح حضرت عمرؓ نبی کریمؐ کے پاس آئے اور پھر اسلام قبول کیا۔ (مشکوٰۃ)

حدیث ۶

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے واسطے آسمان میں دو وزیر ہوتے ہیں اور زمین پر دو وزیر ہوتے ہیں، آسمان میں میرے دو وزیر تو جبرئیلؑ اور میکائیلؑ ہیں اور اہل زمین میں سے میرے دو وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (مشکوٰۃ)

حدیث ۷

حضرت ابوسعیدؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خواب میں تھا کہ میں

نے لوگوں کو اپنے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھا جن کے جسموں پر قیصیں تھیں بعض کی قیصیں سینہ تک پہنچتی تھیں بعضوں کی اس سے بھی چھوٹی تھیں جب عمر میرے سامنے سے گذرے تو آپ اپنی قمیض کو زمین پر گھسیٹے جارہے تھے۔ صحابہ نے پوچھا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر کی۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر دین ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث ۸

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں خواب میں تھا کہ اچانک مجھے کسی نے دودھ کا پیالہ لاکر دے دیا میں نے اتنا دودھ پیا کہ ناخنوں تک میں نے سیرابی محسوس کی۔ اس کے بعد بچا ہوا دودھ میں نے عمر بن خطاب کو دیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ آپ نے فرمایا اس کی تعبیر علم ہے۔ (مشکوٰۃ)

حُبُّ النَّبِیِّ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُفْتَرَضٌ وَحُبُّ اَصْحَابِہٖ نُوْرٌ بِبُرْهَانٍ
مَنْ کَانَ یَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ خَالِقُہٗ لَا یَرْ مِیَنَّ اَبَا بَکْرٍ بِبُهْتَانٍ
وَلَا اَبَاحَفْصٍ نِ الْفَارُوْقَ صَاحِبَہٗ وَلَا الْخَلِیْفَةَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانٍ
اَمَا عَلِیٌّ فَمَشْهُوْرٌ فَضَائِلُہٗ وَالْبَیْتُ لَایَسْتَوِیْ اِلَّا بِاَرْکَانٍ

واقعہ

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک کتا دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ اور چلنا پھرنا بند کر دیا تھا میں جب اس راستہ سے گذرا تو دل میں خوف پیدا ہوا لیکن کتے نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگا تم ہرگز نہ ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو برا کہنے والوں پر مسلط کیا ہے۔ (نزہتہ المجالس ج ۲ ص ۲۹۸)

نوٹ: شاید اس وقت بصرہ میں دشمنان شیخین بہت ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے بطور عبرت یہ کتا مقرر کیا ہو نیز کتے کی باتیں بھی باعث عبرت ہیں اور کبھی کبھی ایسا ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان کی شان

نام ونسب

آپ کا مبارک نام عثمان ہے اور لقب ذوالنورین ہے آپ کا نسب پانچویں پشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے یعنی عبد مناف کے دو فرزندوں میں سے ایک کی اولاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے کی اولاد میں حضرت عثمان بن عفان ہیں۔ آپ کے والد کا نام عفان ہے اور والدہ کا نام اروی بنت حکیم ہیں والدہ کی طرف سے بھی آپ نبی کریمؐ کے قریبی رشتہ دار تھے۔

حلیہ مبارکہ

آپ کی ولادت واقعہ فیل کے چھ برس بعد ہوئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی محنت سے مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کا قد متوسط تھا اور رنگ سفید مائل بہ زردی تھا چہرہ مبارک پر چیچک کے چند نشان تھے۔ آپ کا سینہ کھلا اور ڈاڑھی گھنی تھی۔

قبل از اسلام بھی آپ قریش میں بڑے باعزت مقام کے مالک تھے۔ حیاء میں آپ اپنی نظیر آپ تھے۔ سخاوت میں آپ ضرب المثل تھے۔ نبی کریمؐ کی دو صاحبزادیاں یعنی حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد خلافت کے لئے منتخب ہوئے اور بارہ دن کم بارہ سال مسند خلافت کو رونق دینے کے بعد ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ کو بڑی مظلومیت کے ساتھ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں اب تک آپ کی قبر نمایاں طور پر موجود ہے۔

آپ کے چند حالات

قبول اسلام سے پہلے جاہلیت میں کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کبھی زنا کیا اور نہ کبھی بت پرستی کی۔ حیاء کا اتنا غلبہ تھا کہ کمرہ بند کر کے جب غسل کے لئے کپڑے اتارتے تو بیٹھ کر غسل فرماتے تھے کھڑے ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے جب بیعت اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو زندگی بھر اس ہاتھ کو شرمگاہ سے نہیں لگایا۔ اسلام کے بعد قریش نے آپ کو بڑی ایذائیں دیں۔ چنانچہ آپ نے مکہ مکرمہ سے اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ بنت رسول کیساتھ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف دوسری ہجرت کی۔ جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو نبی کریمؐ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا۔

حضرت عثمانؓ تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ حضور اکرمؐ کے حکم سے آپ بدر کی جنگ میں عملی طور پر شریک نہ ہو سکے لیکن ثواب اور مال غنیمت ملنے کے اعتبار سے اس میں شریک رہے قبول اسلام کے بعد آپ نے اپنا ذاتی مال بے دریغ دین اسلام کی سربلندی میں خرچ کیا نبی کریمؐ کے گھر میں بھی ہر وقت مال خرچ کیا اور جہادی مہمات میں تو بڑا ہی مال خرچ کیا۔ مسجد نبوی کی توسیع اپنے ذاتی مال سے کی۔ غزوہ تبوک میں بے حد مال خرچ کیا۔ مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے لئے پانی کی مشکلات تھیں آپ نے ذاتی مال سے بیر رومہ کا کنواں یہودی سے خریدا اور پھر مسلمانوں کے لئے وقف کیا۔ تہجد گذار تھے صائم الدہر تھے خوش اخلاق اور نرم مزاج تھے۔ چنانچہ "رحماء بینھم" کا مصداق آپ کو قرار دیا گیا ہے۔

فاروق اعظمؓ کے بعد دین کو سنبھالا اور فارس کے اطراف اور حدود افریقہ میں بڑے غزوات سر انجام دیئے اور بہت سارے علاقے اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگئے شاہ ایران یزدگرد آپ کے عہد مبارک میں مارا گیا۔ آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ چھ سال تک آپ کی خلافت انتہائی نظم وضبط اور سکون کیساتھ چلتی رہی پھر عبداللہ بن سبأ یہودی نے عوام الناس کو آپ کیخلاف جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعہ بھڑکا دیا اور مصر میں یہ فتنہ پروان چڑھا جو بالآخر آپ کی شہادت پر منتج ہوا۔ بارہ دن کم بارہ سال خلافت پر متمکن رہ کر ۳۵ھ کو آپ اس دنیا سے شہادت کا عظیم تحفہ لے کر آخرت کی طرف چلے گئے۔ آپ کے ناحق قتل پر اللہ تعالیٰ کے غضب کی تلوار اس امت پر بے نیام ہو کر چلنے لگی اور کئی برکات اس امت سے چھین لی گئیں آپ کے قاتلوں اور حاسدین کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوگئی۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

حُبُّ النَّبِیِّ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُفْتَرَضٌ
وَحُبُّ اَصْحَابِہٖ نُوْرٌ بُرْھَانٗ

مَنْ کَانَ یَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ خَالِقُہٗ
لَا یَرْمِیَنَّ اَبَابَکْرٍ بِبُھْتَانٖ

وَلَا اَبَا حَفْصٍ بِالْفَارُوْقِ صَاحِبَہٗ
وَلَا الْخَلِیْفَۃَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٖ

اَمَّا عَلِیٌّ لَمَشْھُوْرٌ فَضَائِلُہٗ
وَالْبَیْتُ لَایَسْتَوِیْ اِلَّا بِاَرْکَانٖ

حضرت عثمانؓ کے چند فضائل

حدیث ۱

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق فرمایا کہ میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ (مسلم)

حدیث ۲

حضرت طلحہ بن عبیداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرا رفیق جنت میں عثمانؓ ہوگا۔ (ترمذی)

حدیث ۳

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے بڑا مال خرچ کیا اور ایک موقع پر آپ نے ایک ہزار اشرفیاں لا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کردیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریمؐ ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے آج کے بعد اگر عثمان کوئی عمل نہ کرے تب بھی ان کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ (مسند احمد)

حدیث ۴

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ ایک روز احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ و عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تھے پہاڑ میں اچانک زلزلہ آیا تو نبی کریمؐ نے اپنے قدم مبارک سے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر فرمایا اے احد پہاڑ ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی کھڑا ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (بخاری)

حدیث ۵

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا اے عثمان! شاید اللہ تعالیٰ تجھے خلافت کی ایک قمیض پہنادے گا پس اگر لوگ تجھ سے اس قمیض کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو آپ ان کے لئے نہ اتاریں۔ (ترمذی)

حدیث ۶

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا تذکرہ کیا اور پھر حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس فتنہ میں ظلماً قتل کیا جائے گا۔ (ترمذی)

حدیث ۷

حضرت عثمانؓ کے غلام سہلہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے سرگوشی میں کچھ فرما رہے تھے اور حضرت عثمانؓ کا رنگ بدلتا جا رہا تھا بعد میں جب آپ کے محاصرہ کا دن آیا تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ آپ ان باغیوں سے لڑتے نہیں ہو؟ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صبر کی وصیت فرمائی تھی تو میں اسی صبر پر قائم ہوں۔ (بیہقی)

حدیث ۷

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہم کہا کرتے تھے ابو بکر و عمر و عثمانؓ۔ (ترمذی)

واقعہ نمبر ۱

ابن ابی الدنیا ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک میت کو نہلانے کے لئے بلایا گیا پس میں نے اس کے منہ سے کپڑا اٹھایا تو ناگہاں اس کے گلے میں کالا سانپ چمٹا ہوا تھا حاضرین نے بتایا کہ یہ شخص صحابہ کرام کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ (کتاب الروح)

واقعہ نمبر ۲

حضرت ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور وہ منہ کے بل زمین پر گرا ہوا پڑا تھا۔ میں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت عثمانؓ کے گھر میں ان کو شہید کرنے گئے تھے میں نے ان کے سامنے ان کی بی بی کو ایک طمانچہ مار دیا تو آپ نے مجھ کو یہ بددعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے اور تجھے دوزخ میں داخل کر دے۔ یہ سن کر میرے بدن پر لرزہ طاری ہوا اور میں ان کے گھر سے بھاگا اب میری یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو ہاتھ اور پاؤں تو میرے کٹ چکے ہیں لیکن اب دوزخ میں جانا باقی ہے یہ سن کر میں نے کہا جا ملعون دور ہو جا۔

واقعہ نمبر ۳

یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ جس قدر لوگ مصر سے حضرت عثمان پر بغاوت کر کے آئے تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کو جنون نہ ہوا ہو یعنی قتل عثمان میں شریک تمام لوگ پاگل ہو گئے تھے۔

واقعہ نمبر ۴

جہجاہ غفاری نام کا ایک شخص تھا جس نے حضرت عثمان کو ایک لکڑی مار دی تھی تو اس کے پاؤں

میں گوشت خوردہ نکل آیا تھا۔ (جس سے اس کی موت واقع ہوگئی)

واقعہ نمبر ۵

حضرت عبداللہ بن سلام نے واقعہ دار کے موقع پر عام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! دیکھو عثمانؓ کو قتل نہ کرو، ورنہ تمہاری تلوار قیامت تک تم پر آپس میں چلتی رہے گی۔

واقعہ نمبر ۶

حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عثمانؓ کے قتل پر بہت غمگین ہو کر فرمانے لگے کہ لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں۔ ایک تو شہادت خلیفہ عثمانؓ ہے دوسرا غم مجھے اس زنبیل پر ہے جس میں چند دانے کھجور کے تھے جس کے لئے حضورؐ نے برکت کی دعا فرمائی تھی مسلسل وہ کھجور استعمال کرتا رہا لیکن وہ ختم نہیں ہوتی تھی، زنبیل میری کمر میں لگی رہتی تھی۔ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت واقع ہوئی تو وہ تھیلی میری کمر سے غائب ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ قتل عثمانؓ سے بڑی برکتیں ختم ہوگئیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ ایک شعر بھی پڑھتے تھے۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِیَ هَمَّانِ
فَقْدُ جِرَابِیَ وَمَوْتُ عُثْمَانِ

یعنی لوگوں پر ایک غم ہے اور مجھ پر دو غم آگئے ہیں ایک تو میری تھیلی گم ہوگئی اور دوسرا قتل عثمان ہے۔

واقعہ ۷

ابن عساکر اپنی تاریخ میں بروایت حذیفہؓ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جو آدمی اس حالت میں مرے گا جس کے دل میں رتی برابر بھی حضرت عثمانؓ کے قتل پر خوشی ہو وہ ضرور دجال کی پیروی کرے گا اگر اس نے دجال کا زمانہ نہ پایا تو قبر میں دجال پر ایمان لائے گا۔ (شرح صدور سیوطیؒ)

؎ گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم
رہرواں را شمع اعدا را رجوم

یعنی پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں مومنوں کے لئے مشعل راہ ہیں اور دشمنوں کے لئے موت ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت عثمانؓ کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین

؎ آسمان تیری لحد پر گل افشانی کرے

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کی شان

اَمَّا عَلِیٌّ فَمَشْهُوْرٌ فَضَائِلُهٗ
وَالْبَیْتُ لَا یَسْتَوِیْ اِلَّا بِاَرْكَانٖ

حضرت علیؓ کے فضائل تو بہت مشہور ہیں اور گھر بغیر ستونوں کے نہیں بنا کرتا (لہٰذا عقیدہ وایمان کے مکان کے لئے خلفاء راشدین کی محبت ضروری ہے)۔

نام ونسب

حضرت علیؓ کا نام مبارک "علی" ہے اور لقب حیدر واسد اللہ اور مرتضٰی ہے کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے یہ آخری کنیت آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے عطا شدہ ہے آپ کا نسب نبی کریمؐ سے بہت قریب ہے کیونکہ آپ نبی کریمؐ کے چچا ابوطالب کے بیٹے ہیں والد اور والدہ دونوں کی طرف سے آپ ہاشمی ہیں آپ کے والد تو مسلمان نہیں ہوئے لیکن آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد مسلمان بھی ہوئیں اور مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ حضرت علی بچپن ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور آغوشِ تربیت میں رہے۔ حضور اکرمؐ نے آپ کو فرزند کی طرح پالا اور پھر اپنی دامادی کا شرف بھی بخشا اور اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے آپ کا نکاح کیا۔

حضرت علیؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ فصیح اور اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے اور شجاعت وبہادری میں سب سے اونچے مانے جاتے تھے۔ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے اور تین دن کم پانچ سال تک مسند خلافت پر متمکن رہ کر ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھ سے بمقام کوفہ جام شہادت نوش فرمائی اور ہمیشہ کے لئے خلافت راشدہ کو رخصت کیا۔ کوفہ کے ایک مقام نجف میں آپ کی قبر بتائی جاتی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضی عن جمیع الصحابۃ۔

بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ قد آپ کا پست تھا جسم فربہ تھا ڈاڑھی بڑی تھی کہ پورا سینہ اس کے نیچے آتا تھا۔ آپ کا رنگ گندمی تھا۔ حضرت فاطمہ کی زندگی میں آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ فاطمہؓ کے بطن سے آپ کے دو بیٹے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے اور دو بیٹیاں تھیں۔ غزدہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں نبی کریمؐ کیساتھ رہے اور بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ نبی کریم کو آپ نے غسل دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں آپ کے وزیر ومشیر

رہے اور قضاء اسلامی پر فائز رہے پھر اپنی بیٹی کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کیا۔ اپنے دور خلافت میں آپ نے ایک فرمان جاری کیا کہ جو شخص مجھے ابو بکرؓ و عمرؓ سے افضل کہے گا میں اس کو وہ سزا دوں گا جو کسی بہتان باندھنے والے کو دی جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ پر جب باغیوں نے حملہ کیا تو حضرت علیؓ نے مکمل دفاع کیا اور حضرات حسنینؓ کو حفاظت پر مامور کیا۔ آپ کے عہد خلافت میں آپس کی جنگوں کی وجہ سے کفار سے بیرونی جنگیں موقوف ہو گئیں آپ ان تمام جنگوں میں حق پر تھے طرفین سے اجتہادی لغزشیں ہوئیں۔ ابن ملجم خارجی نے فجر کے وقت تلوار سے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے گرتے ہوئے فرمایا فزت ورب الکعبۃ، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر قصاصاً ابن ملجم کو قتل کیا گیا۔ آپ بڑے زاہد تہجد گزار، متقی و پرہیز گار اور شب بیدار تھے روتے روتے رات گذارا کرتے تھے۔ اپنی داڑھی پکڑ کر فرماتے دنیا غدار ہے سفر لمبا ہے۔ ہائے افسوس سفر خرچہ کم ہے آپ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت علیؓ آیت ﴿تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ کے صحیح مصداق تھے۔

حضرت علیؓ کے چند فضائل

حدیث ۱

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے حضرت علیؓ سے فرمایا تم میری طرف سے اس مرتبہ پر ہو جس مرتبہ پر ہارونؑ موسیٰؑ کی طرف سے تھے ہاں یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (بخاری)

حدیث ۲

زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ پھاڑ کر درخت نکالا اور جان کو پیدا کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور مجھ سے وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا۔ (مسلم شریف)

حدیث ۳

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ ہر مومن کے محبوب ہیں۔ (ترمذی)

حدیث ۴

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا جس میں حضرت

علیؓ بھی تھے تو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور یہ دعا مانگتے ہوئے سنا۔ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ میں علی کو نہ دیکھ لوں۔ (ترمذی)

حدیث ۵

نبی کریمؐ کی ایک طویل حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ علیؓ پر رحم فرمائے۔اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر دے جس طرف علیؓ پھیرتے ہیں۔ (ترمذی)

حدیث ۶

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ابوبکر صدیقؓ جنت میں جائیں گے عمرؓ جنت مین جائیں گے عثمانؓ جنت میں جائیں گے علیؓ جنت میں جائیں گے عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں جائیں گے سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں سعید بن زید جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔ (ترمذی)

حدیث ۷

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تجھ میں عیسیٰؑ کی کچھ مشابہت ہے ان سے یہود نے بغض کیا اور ان کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان سے ایسی بے جا محبت کی کہ ان کو ایسے مقام تک پہنچا دیا جس پر وہ نہ تھے (یعنی الہٰ بنایا) پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک محبت میں غلو کرنے والا جو میری ایسی تعریف کرے گا جو مجھ میں نہیں ہے اور دوسرا بغض رکھنے والا کہ میری عداوت اس کو میرے اوپر بہتان لگانے پر آمادہ کرے گی۔ (مسند احمد)

حدیث ۸

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے علیؓ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ (مسند احمد)

حدیث ۹

حضرت علیؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ (ترمذی)

حدیث ۱۰

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت

فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام دیا لیکن نبی کریمؐ نے فرمایا کہ فاطمہ ابھی چھوٹی ہے اس کے بعد (حضرت ابو بکرؓ کے مشورے سے) حضرت علیؓ نے پیغام نکاح دیا تو نبی کریمؐ نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔ (نسائی)

واقعہ ا

علامہ مارزیؒ حضرت منصور سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے شام میں ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا بدن آدمی جیسا تھا لیکن اس کا چہرہ خــنـزیـر کی شکل میں تھا جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ شخص حضرت علیؓ پر روزانہ ایک ہزار مرتبہ لعنت کیا کرتا تھا اور جمعہ کے دن چار ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا تھا کسی نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا اور اس مردود کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے چہرہ کی طرف تھوک دیا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ۱۹۴)

واقعہ ۲

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حسینؓ کو فاسق بن فاسق کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر دو چھوٹے ستارے چنگاریوں کی مانند اتار کر اسے اندھا کر دیا۔ (حوالہ بالا)

محترم قارئین!

یہ تھے صحابہ کرامؓ کے فضائل اور ان کی شان اور منقبت اور کمالات وصفات، پھر خصوصاً خلفاء راشدین کی شان، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ صحابہ کرام یا اہل بیت کے متعلق انتہائی احتیاط سے کام لے اور دل میں ذرہ برابر بغض وحسد اور تنقید کو جگہ نہ دے ورنہ مفت میں ایمان برباد ہو جائے گا۔ صحابہ کرام کا کچھ نہیں بگڑے گا خود اس شخص کا ہی نقصان ہو جائے گا جو لوگ صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور اہل بیت سے محبت نہیں رکھتے یا اہل بیت سے تو محبت رکھتے ہیں لیکن صحابہ کرام سے محبت نہیں رکھتے تو اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک ہاتھ سے کمایا اور دوسرے ہاتھ سے گنوا دیا، یا ایک ہاتھ سے دودھ نکالا اور نکالنے کے بعد اسے گرا دیا، یاد رکھیں حب صحابہ حب نبی کا اثر اور پر تو ہے اسی طرح بغض صحابہ بغض نبی کا اثر اور پر تو ہے کہ پہلے نبی کریمؐ سے بغض پیدا ہو گیا پھر اس کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ سے بغض پیدا ہوا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سلفِ صالحین اپنی اولاد کو حضرت ابو بکر وعمرؓ کی محبت کی باقاعدہ اس طرح تعلیم دیا کرتے تھے جیسے کہ انہیں قرآن عظیم کی سورتیں یاد کرایا کرتے تھے۔ (نزہت المجالس)

آخر میں ایک حدیث کا ترجمہ نقل کر کے ختم کرتا ہوں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ابو بکر وعمر اور عثمان وعلی

(رضی اللہ عنہم) کی محبت اس طرح فرض کی ہے جس طرح نماز زکوٰۃ روزہ اور حج فرض کیا ہے پس جس شخص نے ان حضرات کی فضیلت کا انکار کیا تو اس کی نہ نماز قبول ہوگی نہ زکوٰۃ و روزہ قبول ہوگا اور نہ حج قبول ہوگا۔

(کوثر المعانی شرح صحیح بخاری ج۱ص۱۲)

اس کتاب میں ایک اور مرفوع حدیث بھی لکھی ہوئی ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ابوبکرؓ کی محبت میری امت پر واجب ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

حُبُّ النَّبِیِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُفْتَرَضٌ

وَحُبُّ اَصْحَابِہٖ نُوْرٌ بُبُرْھَانٖ

نبی کریمؐ کی محبت فرض ہے اور حضور اکرم کے صحابہ کی محبت بھی دلیل کی روشنی میں فرض ہے۔

مَنْ کَانَ یَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ خَالِقُہٗ

لَایَرْمِیَنَّ اَبَا بَکْرٍ بِبُھْتَانٖ

جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق و مالک ہے وہ ابوبکر صدیق پر جھوٹا بہتان نہیں لگا سکتا ہے۔

وَلَا اَبَا حَفْصِ نِ الْفَارُوْقَ صَاحِبَہٗ

وَلَا الْخَلِیْفَۃَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانٖ

اور نہ صدیق کے ساتھی ابوحفص عمر فاروق پر اور نہ خلیفہ مظلوم عثمان بن عفانؓ پر بہتان لگا سکتا ہے۔

اَمَّا عَلِیٌّ فَمَشْھُوْرٌ فَضَائِلُہٗ

وَالْبَیْتُ لَایَسْتَوِیْ اِلَّا بِاَرْکَانٖ

رہے حضرت علیؓ تو آپ کے فضائل تو بے شمار ہیں اور اسلام کی کوئی بھی عمارت ان چار ستونوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین.

۲۰ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ ۷ جولائی ۱۹۹۶ء بیان شمیم مسجد دہلی کالونی کراچی

موضوع

عقیدۂ آخرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وحدہٗ والصّلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ الذین اوفو عہدہ امابعد:

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ٥ ﴾ (سورۃ حشر)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو ہر آدمی کو چاہیئے کہ وہ دیکھ لے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے کیا کچھ تیار کیا ہے اللہ سے ڈرو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو سب کچھ معلوم ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ٥ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ٥ ﴾ (فاتحہ)

یعنی ہر ہر تعریف اللہ کے لئے ہے، سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، وہ خاص خاص تعریفیں جو اللہ کیساتھ خاص ہیں وہ صرف اللہ کے لئے ہیں کیونکہ وہ جہانوں کا پالنے والا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ روز جزا کا مالک ہے۔

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ (۱) عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ (۲) وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ (۳) وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ (۴) وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ (۵) وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ". (مشکوٰۃ ص ۴۴۳)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی بھی آدمی کے دونوں قدم اس وقت تک حرکت نہیں کر سکتے جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کے متعلق پوچھ گچھ نہ کی جائے (۱) پہلا سوال اس کی عمر کے متعلق ہوگا کہ اس کو کس چیز میں صرف کیا تھا (۲) دوسرا سوال اس کی جوانی کا ہوگا کہ کس میں گذاری (۳) تیسرا سوال اس کے مال سے متعلق ہوگا کہ کہاں سے کمایا تھا (۴) چوتھا سوال بھی مال سے متعلق ہوگا کہ کہاں پر خرچ کیا تھا (۵) پانچواں سوال علم سے متعلق ہوگا کہ جو سیکھا تھا اس پر کیا عمل کیا تھا۔

محترم حضرات:

اسلام نے جن بنیادی عقائد پر بہت زور دیا ہے وہ چار قسم کے عقائد ہیں جن کو سورۂ فاتحہ سے لیکر آخر قرآن تک چار حصوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلا عقیدہ توحید اور خالقیت باری تعالیٰ کا عقیدہ ہے قرآن عظیم میں توحید اور خالقیت باری تعالیٰ کا یہ عقیدہ سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ انعام تک زیادہ نمایاں بیان کیا گیا ہے اور یہی قرآن کا پہلا حصہ ہے جو اس مضمون کے متعلق ہے جو الحمدللہ سے شروع ہے اور جس کی طرف سورۂ فاتحہ میں الحمدللہ سے اشارہ کیا گیا ہے، قرآن کا دوسرا حصہ ربوبیت باری تعالیٰ سے متعلق ہے خواہ وہ ربوبیت خاصہ ہو یا ربوبیت عامہ ہو۔ یہ بھی الحمدللہ سے شروع ہے جو سورۂ کہف سے لے کر سورۂ سبا تک چلا جاتا ہے اس حصہ میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے مختار و مالک اور متصرف فی الامور ہونے کا مضمون بیان کیا گیا ہے، قرآن کا چوتھا حصہ سورۂ سبا سے لیکر آخر قرآن تک پھیلا ہوا ہے یہ بھی الحمدللہ سے شروع ہے سورۂ فاتحہ میں مالک یوم الدین کے الفاظ سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اب اس حصہ میں زیادہ تر جو مضمون بیان ہوا ہے وہ عقیدہ آخرت ہے کہ قیامت کے دن مختار و مالک وہی اللہ ہوگا وہ اس دن کا مالک ہے اور اس کے اندر جو واقعات و امور ہیں اس کا بھی مالک ہے اور اس کے سامنے کسی اور کا زور نہیں چلے گا۔ سورۂ فاتحہ میں ان چاروں مضامین کی طرف اجمالی اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ اوّل حصہ کے مضمون کی طرف اشارہ الحمدللہ میں ہے۔ دوسرے کی طرف اشارہ رب العالمین میں ہے تیسرے حصے کے مضمون کی طرف اشارہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور چوتھے حصے کے مضمون کی طرف اشارہ مالک یوم الدین میں کیا گیا ہے، بہرحال اس کلام کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عقیدہ آخرت اتنا اہم عقیدہ ہے کہ قرآن عظیم کا ایک چوتھائی حصہ اس پر لگا ہوا ہے دوسرے لفظوں میں آپ اس طرح سمجھ لیں کہ اسلام میں بنیادی طور پر بڑے عقائد تین ہیں۔ اوّل توحید و الوہیت کا عقیدہ ہے دوم رسالت و نبوت کا عقیدہ ہے تیسرا آخرت کا عقیدہ ہے تو جس طرح توحید والوہیت کا عقیدہ ضروری اور اہم ہے اور نبوت و رسالت کا عقیدہ ضروری اور اہم ہے، اسی طرح عقیدۂ آخرت بھی نہایت ضروری اور اہم عقیدہ ہے جس کو قرآن عظیم نے ایک اہم مقام دیا ہے۔

عقیدہ آخرت کا مطلب

عقیدہ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان اس دنیا میں آیا ہے وہ ایک نہ ایک دن اسی جسم و روح کیساتھ پھر میدان محشر میں جائے گا اس کے اعمال کا حساب ہوگا اور تمام اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے

ہوں سب تولے جائیں گے اور ہر شخص اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے ایک ایک ذرہ کا حساب دے گا اگر کامیاب ہوگیا تو جنت کی نعمتوں میں چلا جائے گا اور اگر ناکام ہوگیا تو حسرتوں کیساتھ دوزخ میں سزا پائے گا

عقیدہ آخرت کے اثرات

عقیدہ آخرت انتہائی اہم عقیدہ ہے کیونکہ جن لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ جو کچھ آج کر رہے ہیں کل اس کا حساب دینا ہوگا تو اپنے افعال واعمال اور حرکات وسکنات دنیا کی زندگی میں نہایت پابندی کے ساتھ قابو میں رکھیں گے اور جن قوموں کے ہاں عقیدہ آخرت کمزور پڑ گیا تو وہ دنیا میں آزاد ہوگئیں ان کے دل ودماغ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ پابندی بھی کوئی چیز ہے یا ضابطہ کی زندگی گذارنا کوئی فائدہ کی چیز ہے کیونکہ وہ کسی مرحلہ میں اپنے آپ کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں مانتے ہیں انہوں نے آخرت کے تصور کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی کو فری بنا دیا وہ اب اس طرح بن گئے کہ جس طرح کسی گاڑی کا بریک فیل ہوجاتا ہے اور گاڑی قلابازیاں کھا رہی ہے اب وہ بے قابو گاڑی ہے خواہ وہ کسی دیوار سے ٹکرائے یا کسی گڑھے میں گر کر خود تباہ ہوجائے یا دوسرے کو ہلاک کردے۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ کا جب عقیدہ آخرت تباہ ہوگیا تو ان کی دنیا اچھے برے کی تمیز سے خالی ہوگئی اب ان کے ہاں نہ اچھائی کا کوئی معیار ہے نہ . ائی کا کوئی معیار ہے کیونکہ اچھائی برائی کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی اس کی مارکیٹ کساد بازی کا شکار ہوگئی ہے آجکل یورپ اور مغربی ممالک میں جو کچھ اخلاق سوز واقعات رونما ہو رہے ہیں اور جو فحاشیاں جاری ہیں وہ صرف اور صرف اس عقیدے کے تحت ہے کہ

؎ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اے بابر! دنیا میں عیش اڑاؤ کیونکہ دوبارہ آخرت کی کوئی زندگی نہیں ہے۔

جاہلیت اولیٰ میں انکار آخرت

انکار آخرت کے اسی عقیدہ نے جاہلیت کے لوگوں کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا چنانچہ حضور اکرمؐ کے مقابلے میں ایک جاہل شاعر نے کہا ؎

یُحَدِّثُنَا الرَّسُوْلُ بِاَنْ سَنُحْیٰی
وَ کَیْفَ حَیٰوۃُ اَصْدَاءٍ وَ ھَامٍ

رسول ہم سے کہتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے بھلا جب آدمی الو اور خالی کھوپڑی بن گیا تو پھر زندہ ہونا کیسا؟

جاہلیت کا ایک اور شاعر حشر نشر کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

حَيَـــاةٌ ثُـــمَّ مَـــوْتٌ ثُـــمَّ نَشْـــرٌ
حَـــدِيْـــثُ خُـــرَافَةٍ يَـــا أُمَّ عَـــمْـــرٍو

یعنی جینا مرنا، پھر اس کے بعد حشر نشر، اے ام عمرو یہ سب خرافات ہیں"

اسی فلسفہ کو جاہلیت اولیٰ نے قبل از اسلام اپنا عقیدہ بنالیا تھا اور انہوں نے کھل کر اعلان کیا کہ جو کچھ ہے وہ صرف آنکھوں کے سامنے دنیا میں ہے اور مرنے کے بعد تو صرف مٹی کے تودوں کے نیچے دبنا ہے اور اوپر قبر کی سلیں ہوں گی۔ نیک کیلئے بھی یہی کچھ ہے اور برے کی قسمت بھی یہی ہے۔ ایک جاہلی شاعر طرفہ بن عبد اس نظریہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

أَرٰى قَبْـــرَ نَـــحَّـــامٍ بَـــخِيْـــلٍ بِـــمَـــالِـــهٖ
كَـــقَبْـــرِ غَـــوِيٍّ فِـــي الْبَـــطَـــالَةِ مُـــفْسِـــدٖ

میں دیکھتا ہوں کہ کنجوس مکھی چوس کی قبر کا وہی حال ہوتا ہے جو بے دین فاسق، مفسد کی قبر کا حال ہوتا ہے۔

تَـــرٰى جُثْـــوَتَيْـــنِ مِـــنْ تُـــرَابٍ عَـــلَيْهِـــمَـــا
صَـــفَـــائِـــحُ صُـــمٍّ فِـــي صَـــفِيْـــحٍ مُـــنَـــضَّـــدٖ

تم دیکھو گے کہ اچھے اور برے دونوں کی قبریں مٹی کے دو ڈھیر ہیں جن پر مضبوط پتھروں کی سلیں تہ بتہ جوڑ دی گئیں ہیں۔

قرآن کریم نے ان کے اس انکار آخرت کو اس طرح نقل کیا ہے:

﴿ أَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَ اباً وَّعِظَاماً ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ أَوَ آبَاءُ نَا الْأَ وَّلُوْن ﴾

یعنی جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر زندہ کئے جائیں گے یا ہمارے اگلے باپ دادا ,زندہ کئے جائیں گے۔

یک اور جگہ قرآن کریم جاہلیت کے مشرکین کا انکار آخرت اس طرح نقل کرتا ہے۔

﴿ اَيَعِدُ كُمْ اَنَّكُمْ اِذَامِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَاباً وَّعِظَاماً اَنَّكُمْ مُخْرَجُوْنَ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ

لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴾.(مومنون ۷۳)

یعنی کیا یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مرکر مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو دوبارہ زندہ کرکے زمین سے نکالے جاؤ گے؟ بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے عقیدہ آخرت کے انکار کی وجہ اور سبب بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے۔

﴿ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ یَسْأَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ﴾

بلکہ بعض قیامت کا منکر ہوکر یوں چاہتا ہے کہ آیندہ کی زندگی میں بھی فسق وفجور کرتا رہے پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟

تفسیر:

یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو محال جانتے ہیں اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دلائل ونشانات غیر واضح ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ قیامت آنے سے پہلے اپنی اگلی عمر میں جو باقی رہ گئی بالکل بے باک ہوکر فسق وفجور کرتا رہے اگر کہیں قیامت کا اقرار کرلیا اور اعمال کے حساب کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو فسق وفجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی اس سے نہ ہوگی اس لئے ایسا خیال دل میں آنے ہی نہیں دیتا جس سے عیش منغص ہو اور لذت میں خلل پڑے بلکہ استہزاً وتعنت اور سینہ زوری سے سوال کرتا ہے کہ ہاں صاحب وہ آپ کی قیامت کب آئے گی؟ اگر واقعی آنے والی ہے تو بقید سنہ وماہ اس کی تاریخ تو بتلایئے۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۶۷)

اہل جاہلیت اولیٰ کی طرح جاہلیت ثانیہ کے مشرکین ہندو، بدھ مت وغیرہ کے لوگ بھی اور عام دہریہ بھی آخرت کا مکمل طور پر انکار کرتے ہیں۔ بعض لوگ آخرت کی لذت وراحت اور مصیبت وزحمت کا تعلق صرف روح سے جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجسام تو یہاں رہ جائیں گے اور حشر نشر کا پورا نقشہ روحانی ہے صرف ارواح کی زندگی ہے۔ یہ عقیدہ بھی غلط ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے جمہور علماء کا فیصلہ ہے کہ حشر نشر کا تعلق جسم وروح دونوں کیساتھ ہوگا۔

یہود کا تصورِ آخرت

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ آخرت کے متعلق جن لوگوں کا عقیدہ جتنا بگڑا ہوا ہوگا اتنا ہی دنیا میں ان کے اعمال بگڑے ہوئے ہوں گے گویا عقیدہ آخرت انسانی گاڑی کے لئے بمنزلہ بریکر ہے جو گاڑی کی اسپیڈ اور رفتار کو کنٹرول کرتا ہے یہی بریک اگر فیل ہو جائے تو گاڑی تباہ ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جن جن اقوام نے عقیدہ آخرت کو پس پشت ڈال دیا ہے وہ اعمال کے اعتبار سے تباہ ہو گئیں۔ اب آخرت کے متعلق ایک قسم تو وہ لوگ اور ان کے خیالات ہیں جو بالکل آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بعض مشرکین اور دہریہ قسم کے لوگوں کے خیالات تھے اور اب بھی ہیں جس کے برے اثرات ان پر پڑ رہے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو آخرت کا بالکل انکار تو نہیں کرتے ہیں لیکن ان کے دماغ میں آخرت کا ایسا تصور بیٹھ گیا ہے جو دنیاوی زندگی کو نہ متاثر کرتا ہے اور نہ کنٹرول کرتا ہے اسی قسم میں یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے بعض نام نہاد مسلمان ہیں چنانچہ یہود کا آخرت کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ جنتی ہیں کبھی دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ ہاں چند دن کے لئے جا کر پھر دوزخ سے نکل آئیں گے اور پھر مسلمان دوزخ میں رہیں گے۔

چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے باقاعدہ اس کا اعلان بھی کیا تھا جبکہ حضور اکرمؐ نے ان سے اس طرح سوال کیا:

فَقَالَ لَهُمْ مَنْ اَهْلُ النَّارِ قَالُوْا نَكُوْنُ فِيْهَا يَسِيْراً ثُمَّ تَخْلُفُوْنَا فِيْهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَاللّٰهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيْهَا اَبَداً۔ (مشکوٰۃ ص ۵۴۳)

یعنی حضور اکرمؐ نے یہود سے پوچھا کہ دوزخ والے کون لوگ ہیں یہود نے جواب میں کہا کہ ہم دوزخ میں چند دن رہیں گے (یعنی چالیس دن تک کیونکہ بچھڑے کی عبادت چالیس دن تک کی تھی) پھر تم مسلمان ہماری جگہ دوزخ میں پڑے رہو گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہی کتوں کی طرح ذلیل ہو کر وہاں رہو، اللہ کی قسم ہم کبھی بھی تمہاری جگہ دوزخ میں نہیں جائیں گے۔

آخرت کے بارے میں یہود نا بہبود کا یہ غلط تصور اس لئے پیدا ہوا کہ وہ لوگ ناز پر آ گئے اور کہنے لگے کہ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ ہم تو اللہ تعالیٰ کے نائب اور چہیتے ہیں ہم انبیاء کرام کی اولاد ہیں ہم تو بس ہر قسم کی گرفت سے محفوظ ہیں گویا ہم وی آئی پی لوگ ہیں ہم سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ حساب

کے کٹہرے میں دوسرے لوگ آ کر کھڑے ہوں گے ہمارا حساب حضرت عزیرؑ نے پہلے ہی نمٹا دیا ہے اس عقیدہ نے یہود کی دنیوی زندگی کو جانوروں سے بھی بدتر کر دیا اور وہ کسی قاعدہ کے تحت پابند رہنے کے بجائے ایسے آزاد ہو گئے کہ ابلیس بھی حیرت میں پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود کی اس خصوصیت کے دعوے کو مسترد کر کے فرمایا کہ کامیابی کا راز اور مدار آخرت کے اچھے اعمال پر ہے۔

نصاریٰ کا تصور آخرت

اہل کتاب میں سے نصاریٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ آخرت اور تصور آخرت بھی تباہ ہو چکا ہے، ان کے ہاں آخرت اور حشر نشر کا وجود تو ہے حساب کتاب بھی ہے لیکن گرفت کے قانون سے وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب سولی پر چڑھائے گئے تو انسانیت کی خلاصی ہو گئی اب نیکی اور برائی کوئی چیز نہیں رہی، ہاں اگر کوئی شخص رضا کارانہ طور پر کچھ عبادت کرنا چاہتا ہے تو کرے ان کو ثواب ملے گا لیکن برائی پر کسی سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی کیونکہ عیسیٰؑ نے تمام انسانوں کے گناہ اپنے کفارہ کے ذریعے سے معاف کرا لئے ہیں حتیٰ کہ حضرت آدمؑ سے جنت میں جو لغزش ہوئی تھی اس کا کفارہ بھی سولی پر چڑھنے سے ادا ہو گیا اور قیامت تک کے تمام انسان اور ان کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اسی عقیدہ کو عیسائی لوگ عقیدہ کفارہ کہتے ہیں اور اسی نے تمام عیسائیوں کو تباہ کر کے رکھ دیا نہ عمل کی کوشش ہے اور نہ بدعملی سے کوئی خوف ہے۔ چنانچہ یورپی ممالک اور مغربی ممالک میں عیسائیوں کی آزادی اور فحاشی کی اصل وجہ یہی ہے اس کے ساتھ ساتھ عیسائی وَقَالَتِ النَّصَارٰی الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ کا نعرہ لگا کر ناز پر آ گئے کہ حضرت عیسیٰؑ جب اللہ کا بیٹا ہے تو ہمیں کیا غم ہے اس سے یہ لوگ برباد ہو گئے۔

شیعہ روافض کا تصور آخرت

شیعہ روافض نے بھی بعض مقدس ہستیوں پر آخرت کا معاملہ ڈال دیا اور خود ہر قسم کی محنت و مشقت اور عبادت و ریاضت سے فارغ ہو گئے ان کا تصور آخرت یہ ہوا کہ شیعوں کے پاس پانچ بزرگ ہستیاں ہیں جن کی موجودگی میں کسی شیعہ پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ یہ "پنج تن پاک" کے پیروکار ہیں انہی بزرگوں پر ان کا مدار ہے اور ان کے متعلق کہتے ہیں۔

لِيْ خَمْسَةٌ أُطْفِي بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَا
اَلْمُصْطَفٰى وَالْمُرْتَضٰى وَابْنَاهُمَا وَالْفَاطِمَا

یعنی دوزخ کی شدید آگ کو بجھانے کے لئے میرے پاس پنج تن پاک ہیں جو یہ ہیں

(۱) حضرت مصطفےٰ (۲) حضرت علی مرتضیٰ (۳) حضرت حسنؓ (۴) حضرت حسینؓ (۵) حضرت فاطمہؓ

پنج تن پاک کے علاوہ شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے پوری امت کی مغفرت کروائی ہے لہٰذا عبادات کی مشقتوں میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ شیعہ روافض، یہودی زندگی میں عمل کے میدان میں صفر کے درجہ میں رہ گئے ہیں بس صرف تمناؤں اور آرزوؤں کی آڑ لے کر کبھی غائب اماموں کا سہارا لیتے ہیں کبھی اہل بیت کا نام لیتے ہیں اور کبھی دیگر ہستیوں سے تمنائیں وابستہ کرتے ہیں حالانکہ قرآن کا اعلان ہے کہ:

﴿تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

یہ ان کی آرزوئیں ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔

اہل بدعت بریلویوں کا تصور آخرت

اہل بدعت بریلوی حضرات نے جب دیکھا کہ ہر فریق کے لوگ اپنے اپنے بزرگوں کا سہارا لے کر میدان عمل سے پیچھے ہٹ گئے اور دنیا میں مزوں کی زندگی گذار رہے ہیں امور تکلیفیہ سے جان چھوٹ گئی اور حق و باطل کے معرکوں میں جان کھپانے کی ضرورت ہی نہ رہی لہٰذا بریلویوں نے بھی اپنے بزرگوں کا سہارا لیا اور کہا کہ حضور اکرمؐ نے ساری امت کو بخشوا دیا ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے سب کچھ نمٹا دیا ہے اب ان کے نام لیواؤں کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے بس پیر و فقیر کا کڑا ہاتھ میں ڈال دیا کوئی چھلا پہن لو پھر کسی چیز کا کوئی خطرہ نہیں رہے گا اور نہ عبادت کی مشقتوں کی ضرورت پڑے گی۔ صرف اہل سنت میں آ کر بریلوی بن جاؤ بیڑا پار ہے۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب کہتے ہیں ؎

بے عذاب و حساب و کتاب و عتاب
تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں ؎

کیوں رضا مشکل سے ڈریئے
جب نبی مشکل کشا ہے
بے شک خدا پہ جس کا قبضہ
ہے تیرا وہ کامگار آقا

اس طرح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق وہ کہتے ہیں

بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبدالقادر
سرّ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر
ذی تصرف بھی ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر
غرض آقا سے کروں عرض کہ تیری ہے پناہ
بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا
حکم نافذ ہے تیرا خامہ ترا سیف تیری
دم میں جو چاہے کرے زور ہے شاہا تیرا
نزع میں گور میں میزان میں سر پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامان معلیٰ تیرا

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث
رضا کے کام اور رک جائیں حاشا؟
ترا سائل ہے تو باذل ہے یا غوث
رضا کے سامنے کی تاب کس میں
فلک وار اس پہ تیرا ظل ہے یا غوث
رضا کا خاتمہ بالخیر ہو گا
تری رحمت اگر شامل ہے یا غوث

(حدائق بخشش)

یہ اشعار بریلوی حضرات کے سب سے بڑے کا کلام ہے جس میں اس نے یہ کوشش کی ہے کہ جو بریلوی بنا اور شیخ عبدالقادرؒ کو حاجت روا اور مشکل کشا اور آخرت بنانے والا مان لیا اور اس سے وابستہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کو غائبانہ حاجات میں پکارا بس اسکا بیڑا پار ہو گیا چاہے وہ نیک عمل کرے یا نہ

کرے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت واضح طور پر کہہ رہے ہیں کہ بریلوی آخرت میں بے حساب وکتاب وعتاب وعذاب ہیں، اب جو عوام اس کو سنیں گے یا پڑھیں گے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ بریلوی بننے کے بعد آخرت کی تیاری یا نیک اعمال کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ پہلے سے بخشے بخشائے گئے ہیں اسی عقیدہ کی وجہ سے اہل بدعت کی مسجدیں عبادات سے خالی ہیں۔

آغاخانیوں کا تصور آخرت

آخرت کے متعلق جو خیالات روافض اور بریلوی حضرات کے ہیں آغا خانی ان سے چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں وہ اپنے اماموں کو مطلق خدا کا درجہ دیتے ہیں ان سے عبادات معاف کرواتے ہیں ان کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور با قاعدہ سودا کر کے نماز روزہ اور دیگر نیک اعمال کو پیسہ بھر کر چھٹکارا حاصل کرتے ہیں پس ان کے ہاں موجودہ حاضر امام کی خدمت ہی سارا دین ہے ان کے سامنے سجدہ کرنا ہی آخرت کی کامیابی ہے گویا جسے آخرت کی کامیابی درکار ہو اس کو نیک اعمال کی طرف نہیں بلکہ اپنے امام کی خدمت اور سودے بازی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے آگے آخرت کا معاملہ وہ امام خود نمٹائے گا۔ اس غلط اور غلیظ عقیدہ کی وجہ سے آغا خانی آخرت کی فکر کو بھول گئے اور ہندوؤں کی طرح مکمل گمراہی کی زندگی گزارنے لگے آغاخانیوں کی طرح بہائی فرقہ بھی گمراہ ہو کر آخرت کے غم سے بے غم ہو گیا اور اپنے بڑوں میں سے کسی کے سر پر آخرت کا غم ڈال دیا۔ ذکری فرقہ نے بھی اسی طرح کیا۔

الغرض جو کوئی اعمال کی مشقتوں سے ہار گیا تو پستی اور پسپائی کا یہ تصور اس نے قائم کر لیا کہ اپنا کام میں خود نہیں کر سکتا فلاں صاحب میرا کام کریں گے۔ اسی ذہنیت کو توڑنے کیلئے رسول اکرمؐ نے اپنے خاندان اور خاص کر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ اے فاطمہ مال جتنا مانگنا ہو مانگ لو میں دے دوں گا لیکن یہ خیال مت کرو کہ میں نبی کی بیٹی ہوں مجھے عمل کی ضرورت نہیں ہے اسی قسم کے مفہوم کے کلمات نبی کریمؐ نے اپنے خاندان کے دیگر افراد اور پھر عام عرب سے بھی ارشاد فرمائے ہیں نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ عرب! کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز دوسرے لوگ اعمال لے کر آجائیں اور تم مال مویشی لے کر آؤ اور پھر میرے سامنے فریاد کرنے لگ جاؤ۔ یہ صرف دو حدیثوں کا مفہوم ومضمون میں نے پیش کر دیا ورنہ اس مضمون کی بہت حدیثیں ہیں لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اعمال کی کوشش کرے اور شریعت کے حکموں پر چلے کیونکہ آخرت کی کرنسی صرف اعمال ہیں۔

ہندوؤں کا تصور آخرت

ہندوؤں نے بھی تصور آخرت کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ بس جس شخص کو جلا کر رکھ دیا اور راکھ کو سمندر میں اڑا دیا گیا تو یہ انسان حساب وکتاب اور حشر نشر کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ ان لوگوں میں تناسخ کا تصور بھی موجود ہے کہ ایک آدمی جو مرتا ہے تو اس کی روح دوسرے انسان میں جا کر گھس جاتی ہے اگر وہ خوشحال ہے تو یہ اس کے لئے جنت ہے اور اگر وہ خوشحال نہیں یا ذلیل قسم کا حیوان ہے اس میں یہ روح چلی گئی اور لوگ اس حیوان کو تنگ کر رہے ہوں تو یہ اس شخص کی دوزخ ہے تناسخ کا یہ عقیدہ اہل چین میں بھی ہے ان کے ہاں آخرت کا اس سے زائد کوئی تصور نہیں ہے اس لئے وہ بھی دنیا کے اعتبار سے بالکل فری ہو گئے اور کسی اخروی قاعدہ کے تحت زندگی گذارنے سے محروم رہ گئے بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے انہوں نے رب کائنات کا انکار ہی کر دیا۔ ہندوؤں کے ہاں اخروی کامیابی یا آخرت کا اور کوئی تصور نہیں البتہ نجات کا ایک خاکہ ان کے ذہن میں تھا اس لئے انہوں نے نجات کے حصول کے لئے بتوں اور بت پرستی کا رخ کیا اور اس بت سازی اور بت پرستی میں اتنے آگے گئے کہ تقریباً ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو پوجنے لگے اور اس میں بعض غلیظ اشیاء بلکہ شرمگاہ تک کو پوجنے میں لگ گئے اور آخرت کی نجات یا کسی قسم کی کامیابی کا سارا بوجھ ان دیوتاؤں پر ڈال دیا اور خود اعمال سے آزاد ہو گئے سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ﴾

قیامت کا ہولناک منظر

اس بحث کی ابتداء میں ایک آیت میں نے پڑھی تھی یعنی ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ'' کہ اللہ تعالیٰ روز جزا یعنی قیامت کا مالک ہے اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا مالک ہے پھر صرف روز جزا کو خاص کرنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس خصوصیت کی دو وجہیں ہیں۔

اول یہ کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے کا ایسا ظہور ہوگا جو اس سے پہلے نہیں ہوا ہوگا کیونکہ اس دن کوئی بادشاہ ہوگا نہ اس کی عارضی مجازی بادشاہت ہوگی نہ کوئی مالک ہوگا نہ کسی کی ملکیت ہوگی بس صرف ذات ذوالجلال اور شان ذوالجلال ہوگی تین بار اعلان ہوگا ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ''؟ آج کی بادشاہی کس کی ہے پھر خود اللہ جل جلالہ جواب ارشاد فرمائیں گے ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' یعنی صرف اس زبردست بادشاہ اللہ کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں یوم الدین کا مالک فرمایا یعنی اس دن، زمانیات نہیں کائنات اور انسان وجنات نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ زمانے کا مالک ہوگا زمانہ اس کی ملکیت میں ہوگا تو باقی

چیزوں کا بطریق اولیٰ مالک ہوگا۔

دوسری وجہ اس خصوصیت کی یہ ہے کہ قیامت کا دن دنوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ خوفناک اور سب سے زیادہ ہولناک دن ہوگا۔ قرآن کریم میں اس کی ہولنا کی سورۂ حج میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ (سورۃ حج)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز (مصیبت) ہے جس دن اسے دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تجھے لوگ مدہوش نظر آئیں گے وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا۔

سورہ عبس میں قیامت کا نقشہ اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝﴾ (سورۃ عبس)

پھر جس وقت کانوں کو بہرا کرنے والا شور برپا ہوگا جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور باپ سے بھاگے گا اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پرواہ کر دے گی۔

یہ تو صرف دو مقامات سے چند آیات آپ کے سامنے آگئیں۔ قرآن عظیم میں سینکڑوں آیتیں اس قسم کی موجود ہیں جس میں روز محشر اور حشر نشر کی ہولنا کیوں اور دہشتوں کا تذکرہ ہے چونکہ یہ ایک ہیبت ودبدبہ والا ہولناک اور خوفناک دن ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ یعنی اتنے بڑے پُرخطر دن کا مکمل کنٹرول جب صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو دیگر ایام کا کنٹرول بطریق اولیٰ اس کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا عبادت کے لائق وہی ہے، اب سورۃ حج کی آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

تفسیر

یعنی اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں اس وقت لوگ اس

طرح مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کے نشے کا گمان کرے گا، حالانکہ وہاں نشہ کا کیا کام؟ خدا کے عذاب کا تصور اور اہوال وشدائد کی سختی ہوش گم کردے گی۔ (تفسیر عثمانی ص ۴۴۲)

قیامت کا دن احادیث کی روشنی میں

(۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَیَطْوِی السَّمَاءَ بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ فَاَیْنَ مُلُوْکُ الْاَرْضِ؟

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضے میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا۔ کہ میں بادشاہ ہوں دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(۲) وعن عبداللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَطْوِی اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثُمَّ یَاْخُذُهُنَّ بِیَدِهِ الْیُمْنٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ؟ ثُمَّ یَطْوِی الْاَرْضِیْنَ بِشِمَالِهٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ یَاْخُذُهُنَّ بِیَدِهِ الْاُخْرٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ؟ (مشکوۃ ص ۴۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ لے گا اور پھر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور پھر فرمائے گا میں علی الاطلاق بادشاہ ہوں آج وہ ظالم اور سرکش متکبرین لوگ کہاں ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ زمینوں کو لپیٹ کر اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑ کر فرمائے گا میں مطلقاً بادشاہ ہوں آج (دنیا کے) ظالم وسرکش اور متکبر لوگ کہاں ہیں؟

(۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ سے قرآن کریم کی اس آیت کے متعلق پوچھا یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات کہ یارسول اللہ! اس وقت یہ لوگ اور انسان کہاں ہوں گے؟ نبی کریمؐ نے فرمایا یہ سب لوگ پل صراط پر ہوں گے۔ (مشکوۃ ۴۸۴)

(۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ سر برہنہ بدن اور نا ختنہ شدہ اٹھایا جائے گا میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا مرد اور عورتیں ایک ساتھ ہوں گے جو برہنہ حالت میں ایکدوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا وہاں معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا کہ کوئی کسی کی طرف دیکھ سکے۔ (مشکوۃ ۴۸۳)

(۵) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرمؐ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن کافر منہ کے بل کیسے چل کر آئے گا؟ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جس رب نے اس دنیا میں پاؤں پر چلایا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے؟ (مشکوۃ ص۴۸۳)

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا قیامت کے دن لوگ پسینہ پسینہ ہو جائیں گے یہاں تک کہ یہ پسینہ زمین میں ۷۰ گز نیچے چلا جائے گا اور اوپر کی طرف اس کے منہ میں لگام بن جائے گا یہاں تک کہ کانوں تک پہنچ جائے گا۔ (مشکوۃ ص۴۸۳)

(۷) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ آپ بعض نمازوں میں یہ دعا فرماتے تھے۔اے اللہ! میرے ساتھ آسان حساب فرما۔ میں نے کہا اے اللہ کے نبی! آسان حساب کیسا ہوتا ہے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ آسان حساب اس طرح کہ متعلقہ شخص کے نامۂ اعمال کو دیکھ کر اس سے درگذر کیا جائے۔اے عائشہؓ بے شک جس کے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ آدمی ہلاک ہو گیا۔ (مشکوۃ ۴۸۷)

تذکیر آخرت کے متعلق چند روایات

(۱) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَامَةُ اِعْرَاضِ اللّٰهِ عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَالَا يَعْنِيْهِ وَاِنِ امْرَأٌ ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِنْ عُمُرِهٖ فِیْ غَيْرِ مَاخُلِقَ لَهٗ لَحَرِیٌّ اَنْ يَّطُوْلَ عَلَيْهِ حَسْرَةٌ وَمَنْ جَاوَزَ الْاَرْبَعِيْنَ وَلَمْ يَغْلِبْ خَيْرُهٗ شَرَّهٗ فَلْيَتَجَهَّزْ اِلَی النَّارِ. (امام غزالیؒ کا خط ص۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی خاص علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے نظر رحمت پھیر لی ہے اور انسان جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں اس کی ایک گھڑی بھی صرف ہوگئی تو مناسب ہے کہ اس پر ایک لمبا افسوس کیا جائے اور جو شخص چالیس سال کی عمر سے تجاوز کر گیا اور پھر بھی اس کی نیکیاں برائیوں پر غالب نہ ہوئیں تو اس کو دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

(۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا. (امام غزالیؒ کا خط ص ۹)

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم محاسبہ آخرت سے پہلے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لو اور وزن اعمال سے پہلے ہی اپنے اعمال جانچ لو۔

(۳) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ ۔

(امام غزالی کا خط اپنے شاگرد کے نام ص ۱۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا سمجھدار ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو تابع و منقاد بنادیا اور آخرت کے لئے نیک عمل کئے اور وہ شخص احمق ہے جس نے نفس کا اتباع کیا اور اللہ تعالیٰ سے (مفت کی) امیدیں باندھیں۔

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَاَحِبْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ وَاعْمَلْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ تُجْزٰی بِہٖ ۔ (امام غزالیؒ کا خط ص ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک جی چاہے دنیا میں رہ لے آخر ایک دن تجھے مرنا ضرور ہے اور جس سے چاہے محبت کرلے آخر اس سے جدائی لازمی ہے اور جو جی چاہے کرلے بدلہ اس کا ضرور مل کر رہے گا۔

(۵) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُکْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَاِنَّ کَثْرَۃَ النَّوْمِ بِاللَّیْلِ تَدَعُ صَاحِبَہٗ فَقِیْراً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔ (امام غزالیؒ کا خط)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ رات کو زیادہ مت سویا کرو کیونکہ رات کے وقت زیادہ سونے والا قیامت کے دن فقیر و مفلس ہوگا۔ یعنی نیند کی کثرت اس کو عمل میں فقیر بنادے گی۔

(۶) قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِعْمَلْ لِلدُّنْیَا بِقَدْرِ مُقَامِکَ فِیْھَا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِکَ بِقَدْرِ بَقَائِکَ فِیْھَا وَاعْمَلْ لِلّٰہِ بِقَدْرِ حَاجَتِکَ اِلَیْہِ وَاعْمَلْ لِلنَّارِ بِقَدْرِ صَبْرِکَ عَلَیْھَا ۔

(امام غزالیؒ کا خط ص ۱۸)

دنیا کے لئے اتنا کام کرو جتنا کہ تجھے دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا کہ تجھے وہاں باقی رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے واسطے اتنا عمل کرو جتنا کہ تو اس کا محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا کام کرو جتنا کہ تو اس کی تکالیف پر صبر کرسکتا ہے۔

شیخ شبلیؒ نے فرمایا

میں نے چار سو استادوں کی خدمت میں رہ کر چار ہزار حدیثیں پڑھیں اس سے میں نے ایک

حدیث کو اپنے لئے منتخب کیا کیونکہ وہ حدیث میری نجات کے لئے کافی ہے اور اولین و آخرین کے علوم اس میں درج ہیں وہ یہی مندرجہ بالا حدیث ہے جس کا ابھی ابھی ذکر کیا گیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا

طَاحَتِ العِبَادَاتُ وَفَنِيَتِ الْإِشَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا اِلَّا رَكْعَيَاتٌ رَكَعْنَا فِي جَوْفِ اللَّيْلِ۔

ظاہری عبادات اور تصوف کے اشارات سب بے کار ہو گئے البتہ ان چند رکعتوں نے ہمیں فائدہ دیا جو تہجد کے وقت پڑھ لیا کرتا تھا۔ حضرت جنیدؒ کو کسی نے آپ کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے آپ نے جواب میں یہ چند کلمات ارشاد فرمائے۔ (امام غزالیؒ کا خط ص ۵)

امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا

مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِدُوْنِ الْجُهْدِ يَصِلُ اِلَى الْجَنَّةِ فَهُوَ مُتَمَنٍّ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِبَذْلِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَعَنٍّ ۔ (امام غزالیؒ کا خط ص ۹)

جس نے یہ گمان کیا کہ وہ بلا محنت و کوشش ہی کے جنت میں پہنچ جائے گا وہ ہوس کا اور خالی امیدوار ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ محض سعی و محنت سے جنت میں پہنچ جائے گا وہ تعب و مشقت میں پڑا ہوا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں

طَلَبُ الْجَنَّةِ بِلَا عَمَلٍ ذَنْبٌ مِنَ الذُّنُوْبِ۔ (امام غزالیؒ کا خط ص ۹)

یعنی بلا عمل جنت کی آرزو کرنا ایک طرح کا گناہ ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا

هٰذِهِ الْاَجْسَادُ قَفَسُ الطُّيُوْرِ اَوْ اِصْطَبْلُ الدَّوَابِ (امام غزالیؒ کا خط ص ۱۲)

"یعنی یہ بدن تو ہلکے پھلکے پرندوں کے پنجرے ہیں اور یا حیوانات کے اصطبل ہیں یعنی اگر اچھے اعمال والے ہیں تو آخرت میں اچھی جگہ ملے گی اور برے اعمال والے ہیں تو بری جگہ ملے گی گویا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انجیل کی تعلیم

امام غزالیؒ نے اپنے شاگرد کے نام خط میں لکھا ہے کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ مردہ کو تختِ جنازہ پر رکھنے سے تالب گور حق تعالیٰ خود چالیس سوال کرتا ہے جن میں پہلا سوال یہ ہے:

عَبْدِیْ قَدْ طَهَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِیْنَ فَهَلْ طَهَّرْتَ مَنْظَرِیْ؟

میرے بندے تو لوگوں کے دکھانے کو برسوں صاف ستھرا بنا رہا کبھی میرے لئے بھی صاف ستھرا بنا تھا؟

امام غزالیؒ فرماتے ہیں

روزانہ اللہ تعالیٰ بندے سے کہتا ہے "مَاتَصْنَعُ بِغَیْرِیْ وَاَنْتَ مَحْفُوْفٌ بِخَیْرِیْ" یعنی تجھے غیر سے کیا واسطہ جبکہ تو سرتاپا میرے احسانوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ بہرحال یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں کا نقشہ وہاں کی اسکرین پر قائم ہو رہا ہے بھلائی ہے تو بھلائی آئے گی اور برائی ہے تو برائی آئے گی یہ مکافات عمل ہے۔

گندم از گندم بروید جو زِ جو
از مکافات عمل غافل مشو

خلاصہ یہ ہے کہ جتنا عقیدۂ آخرت مضبوط ہوگا اتنا ہی نیک اعمال مضبوط ہوں گے اور جتنا یہ عقیدہ کمزور ہوگا دنیا میں نیک اعمال کمزور ہوتے جائیں گے اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو استقامت عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خاتم النبیین جیش الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات اور فتنوں کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ وحدہٗ والصّلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ الہ واصحابہ الذین اوفوا عھدہ امابعد:

"قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون﴾ (انبیآء)

"الفتن" فتنہ کی جمع ہے اور فتنہ کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً آزمائش، امتحان، گناہ، ابتلاء، عذاب، مال واولاد، بیماری وجنون، گمراہی اور شرک وغیرہ سب پر موقع بموقع فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

مگر فتنہ کا واضح مفہوم وہ آفت ہے جو قدرت کی طرف سے کسی آدمی پر نازل ہو جائے، آفتوں کی اقسام بھی بہت ہیں مگر دو قسم زیادہ واضح ہیں ایک قسم وہ آسمانی آفت ہے جس کی علت اور سبب اور وجہ معلوم نہ ہو، سبب اور علت بالکل مخفی ہو ظاہر میں کچھ بھی نظر نہیں آتا ہو صرف آفت نظر آرہی ہو۔ فتنہ اور آفت کی دوسری قسم وہ ہے جس کی علت اور سبب ایک حد تک معلوم ہو، پہلی قسم کو "فتنۃ عمیآء" کہتے ہیں جس میں کوئی شخص یہ تمیز نہیں کرسکتا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف ہے جیسے بلا وجہ قتل وغارتگری ہو کہ نہ قاتل کو معلوم ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہو کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ فتنہ کی دوسری قسم میں اس طرح ابہام نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ اسباب کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فتنوں کا تعین اور ان کا مصداق بتانا بہت ہی مشکل کام ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ فتنوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ حضور اکرم کی کسی پیشگوئی کو کسی خاص فتنہ اور خاص واقعہ وحادثہ پر چسپاں کرنا اور اس کے ساتھ خاص طور پر جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ آنحضرت کی ایک پیشگوئی کا مصداق مختلف زمانوں کے مختلف واقعات وحادثات ہوں گویا اپنے اپنے وقت پر آنے والے مختلف فتنے حضور اکرم کی پیشگوئی کا مصداق بن گئے ہوں اس لئے تعین مشکل ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بسا اوقات حضور اکرمؐ اپنی پیشگوئی میں کسی حادثہ کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں بظاہر وہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ حادثہ اور فتنہ ظاہر ہو کر سامنے آجاتا ہے تو وہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ہر خاص وعام پر آفتاب نصف النہار کی طرف واضح ہوجاتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ علمی اعتبار سے یہ بات کتنی چھوٹی اور پوشیدہ تھی مگر عملی طور پر یہ کتنی مشہور اور بڑی ہے۔

ہر آنے والا دور پہلے دور سے بدتر ہوتا ہے

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اِصْبِرُوْا فَاِنَّهُ لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهُ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت زبیر ابن عدی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس ابن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حجاج ابن یوسف کے مظالم اور ایذاء رسانیوں کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا کہ صبر کرو اور ضبط وتحمل سے کام لو، کیونکہ آئندہ جو بھی زمانہ آئے گا وہ گزشتہ زمانہ سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو یہ بات میں نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ (بخاری)

"الحجاج" اس سے حجاج بن یوسف ثقفی مراد ہے جو اس امت کا سب سے بڑا ظالم گذرا ہے جس نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو بے گناہ باندھ کر قتل کیا ہے جنگوں میں مارے جانے والے اس کے علاوہ ہیں پیدائش کے وقت ماں کا دودھ نہیں پیتا تھا شیطان نے اس کی ماں سے کہا کہ اس کو بکری کا خون چٹاؤ ماں نے ایسا کیا تو اس وقت سے خون کا شوقین بن گیا کہتا تھا کہ کھانا اس وقت مزہ دیتا ہے کہ اس سے پہلے کسی کو قتل کردوں حجاج عبدالملک بن مروان کا گورنر تھا بعد میں خود بادشاہ بن گیا بیت اللہ کا محاصرہ کر کے اس پر منجنیق سے سنگ باری کی، بیت اللہ کے پردے جل گئے پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر ڈالا، آخر میں سعید بن جبیر کو مار ڈالا پھر بیمار ہو گیا پیٹ میں کیڑے پڑ گئے اپنے پیٹ کو مارتا تھا یا آگ کے قریب کرتا تھا تا کہ کیڑوں کا کاٹنا بند ہو جائے ایک آدمی کو مسجد میں اس لئے ذبح کیا کہ وہ مسجد میں کیوں سو رہا ہے۔
مرنے کے بعد حسن بصریؒ نے جنازہ کی نماز پڑھائی فرمایا کہ اس نے موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے زبردست استغفار کیا ہے کیا بعید ہے کہ معاف ہو جائے۔ کئی صحابہ کرام کا قاتل ہے اس حدیث میں حضرت انسؓ لوگوں کی شکایت پر یہی فرما رہے ہیں کہ صبر کرو کیونکہ ہر آنے والا بادشاہ پہلے سے بدتر ہوتا ہے کہتے ہیں ابو مسلم خراسانی نے اس سے زیادہ قتل کیے ہیں مگر حجاج شریر زیادہ تھا حدیث میں اس کو مبیر یعنی ہلاکو کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

چند بڑے بڑے فتنوں کا بیان

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْفِتَنَ فَاَكْثَرَ فِيْ ذِكْرِهَا حَتّٰى ذَكَرَ فِتْنَةَ الْاَحْلَاسِ فَقَالَ قَائِلٌ وَمَا فِتْنَةُ الْاَحْلَاسِ قَالَ هِيَ هَرَبٌ

وَحَرَبٌ ثُمَّ فِتْنَةُ السَّرَّاءِ دَخَنُهَا مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يَزْعَمُ اَنَّهُ مِنِّيْ وَلَيْسَ مِنِّيْ اِنَّمَا اَوْلِيَائِيَ الْمُتَّقُوْنَ ثُمَّ يَصْطَلِحُ النَّاسُ عَلٰى رَجُلٍ كَوَرِكٍ عَلٰى ضِلَعٍ ثُمَّ فِتْنَةُ الدُّهَيْمَاءِ لَاتَدَعُ اَحَدًا مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا لَطَمَتْهُ لَطْمَةً فَاِذَا قِيْلَ انْقَضَتْ تَمَادَتْ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا حَتّٰى يَصِيْرَ النَّاسُ اِلٰى فُسْطَاطَيْنِ فُسْطَاطُ اِيْمَانٍ لَانِفَاقَ فِيْهِ وَ فُسْطَاطُ نِفَاقٍ لَااِيْمَانَ فِيْهِ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنْ يَّوْمِهِ اَوْ مِنْ غَدِهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فتنوں کا ذکر شروع فرمایا اور بہت سارے فتنوں کو بیان کیا یہاں تک کہ فتنہ احلاس کا ذکر فرمایا ایک شخص نے پوچھا کہ احلاس کا فتنہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھاگنا اور مال کا ناحق لینا ہے۔ اور پھر السراء کا فتنہ ہے اس فتنہ کی تاریکی اور تباہی اس شخص کے قدموں کے نیچے سے نکلے گی جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اس شخص کا گمان تو یہ ہوگا کہ وہ میرے اہل بیت میں سے ہے لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ وہ میرے اپنوں میں سے نہیں ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے دوست اور میرے اپنے تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پرہیزگار ہوں! پھر اس فتنہ کے بعد لوگ ایک ایسے شخص کی بیعت پر اتفاق کریں گے جو پسلی کے اوپر کولہے کی مانند ہوگا پھر دھیماء کا فتنہ ظاہر ہوگا اور وہ فتنہ اس امت میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گا جس پر اس کا طمانچہ، طمانچے کے طور پر نہ لگے اور جب کہا جائے گا کہ یہ فتنہ ختم ہو گیا ہے تو اس کی مدت کچھ اور بڑھ جائے گی اس وقت آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور یہ صورت حال جاری رہے گی یہاں تک کہ لوگ دو خیموں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک خیمہ ایمان کا ہوگا کہ اس میں نفاق نہیں ہوگا اور ایک خیمہ نفاق کا ہوگا کہ اس میں ایمان نہیں ہوگا جب یہ بات ظہور میں آجائے تو پھر اس دن یا اس کے اگلے دن دجال کے ظاہر ہونے کے منتظر رہنا۔ (ابوداؤد)

"فتنہ احلاس" احلاس حلس کی جمع ہے اور حلس ٹاٹ کو کہتے ہیں اس فتنہ کو حلس اور ٹاٹ کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ ٹاٹ ایک جگہ پر پڑا رہتا ہے ہٹنے کا نام نہیں لیتا یہ فتنہ بھی جب گھروں میں داخل ہو جائے گا تو ان کے ساتھ اس طرح چپک جائے گا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے گا جس طرح ٹاٹ چپک جاتا ہے یا اس فتنہ میں مبتلا لوگوں کی تشبیہ ٹاٹ کے ساتھ دی گئی ہے کہ لوگ اس فتنہ کی وجہ سے گھروں میں اس

طرح چپک کر بیٹھ جائیں گے جس طرح ٹاٹ ہوتا ہے اور ان کو اسی طرح کرنا چاہئے۔
"هروب و حروب" سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرتؐ نے فتنہ احلاس کی وضاحت میں فرمایا کہ اس میں لوگ ایک دوسرے سے عداوت اور بغض وحسد کی وجہ سے بھاگیں گے یہ ھـرب ہے اور لوگ ایک دوسرے سے اموال چھینیں گے یہ حـــرب ہے۔ حرب محروب کے معنی میں ہے مال چھیننے کو کہتے ہیں شاعر ساحر نے کہا: ع وما ل کل اخید المال محروب

فتنہ احلاس کا مصداق

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ نے فتنہ احلاس کا مصداق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور حجاج بن یوسف کے فتنہ کو قرار دیا ہے۔ تفصیلی قصہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے مشورہ سے جب حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو بطور وصیت اس سے کہا کہ تیری حکومت کے چار آدمی مخالفت کریں گے، ایک عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ دوسرے عبداللہ بن عمرؓ تیسرے عبداللہ بن زبیرؓ اور چوتھے حسین بن علیؓ، ان میں سے اول الذکر کو شاید مقابلے کا موقع نہ ملے، دوسرا صوفی آدمی ہیں کنارہ کش ہو جائیں گے تیسرے ابن زبیر لومڑی سے زیادہ چالاک ہیں ان سے ہوشیار رہنا اور چوتھے جو حسین ہیں ان کی حضور اکرمؐ سے قرابت ہے اس قرابت کا بہت زیادہ خیال رکھنا۔

حضرت معاویہؓ کا تجزیہ ٹھیک طور پر سچا ثابت ہوا حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا انتقال ہو گیا اور عبداللہ بن عمرؓ کنارہ کش ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی بیعت سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، جب حضرت حسین میدان کربلا میں شہید کر دیئے گئے تو مدینہ منورہ کے لوگوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا یزید نے شام سے ایک بڑا لشکر مدینہ کی طرف روانہ کر دیا شامی افواج نے مدینہ کا محاصرہ کیا اور بڑی لوٹ مار کی، واقعہ حرہ اور احجار زیت جیسے خون ریز واقعات ہوئے جب مدینہ کے تقدس کو مکمل پامال کیا گیا تو مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں یزید نے اسی لشکر کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کرے، مسلم بن عقبہ کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اس کی جگہ حصین بن نمیر کو امیر بنا دیا گیا اس نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا اور عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف حرم شریف میں لڑائی شروع کر دی بیت اللہ پر گولہ باری کی گئی اہل مکہ نے بڑی مشقت اٹھائی کہ اتنے میں غیر متوقع طور پر یزید ہلاک ہو گیا اس وجہ سے حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت وسیع ہو گئی اور مکہ ومدینہ حجاز مقدس اور مصر وعراق کے تمام علاقوں پر ان کی حکومت قائم ہو گئی، یزید کے بیٹے نے جن کا نام

معاویہ تھا دو ماہ تک حکومت کی اور پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا، اس کے بعد قریباً تمام عالم اسلام پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت قائم ہو گئی لیکن چھ سات ماہ کے بعد مروان بن حکم نے شام پر قبضہ جمالیا اور دمشق میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے شام کے بعد عراق اور مصر بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں سے نکل گیا، جب مروان بن حکم کا انتقال ہو گیا تو ان کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہو گیا اس نے اپنی جنگی قوت و طاقت سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ سے تمام علاقے آزاد کرالئے اور آخر میں حجاج بن یوسف کو عبداللہ بن زبیر کے خلاف مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کر دیا، حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے بیت اللہ پر سنگ باری شروع کر دی حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ میں محصور تھے آخر میں وہ جنگ کے لئے میدان میں نکل آئے اور نہایت بہادری کے ساتھ حجاج ظالم کا مقابلہ کیا مگر آخر میں ۷۳ھ میں حجاج کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گئے آپ کی خلافت کی مدت چھ سال تھی اس حدیث میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول کے مطابق واقعۂ احلاس کا مصداق یہی پوری تفصیل ہے جو طویل ہے یعنی ٹاٹ کی طرح چپکنے والا فتنہ مراد ہے۔

فتنہ السراءؔ کا مصداق

"ثم فتنۃ السراء" سراء عیش و تنعم اور کثرت اموال اور خوشحالی کو کہتے ہیں یہ فتنہ بھی اسی طرح کثرت اموال اور عیش و تنعم کی وجہ سے آیا تھا۔ اس لئے اس کا نام سراء رکھ دیا گیا بعض شارحین نے اس کو سرور سے نہیں لیا بلکہ سِرٌّ پوشیدگی سے لیا ہے یعنی یہ ایک سازشی فتنہ تھا جو بظاہر سادات و اہل بیت کی حمایت کے نام سے تھا مگر اندر اندر اسلام کی بیخ کنی پر مبنی تھا جو مختار ثقفی کی شکل میں تھا یہ مطلب بہت اچھا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس فتنہ کا مصداق مختار بن عبید ثقفی کو قرار دیا ہے یہ شخص شیعان علی میں سے تھا۔ اہل کوفہ نے جب حضرت حسینؓ سے بے وفائی کی اور وہ کربلا میں شہید کر دیئے گئے تو اس شخص نے اس واقعۂ کربلا سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے قاتلین حسینؓ سے انتقام لینے کا اعلان کر دیا مسلم بن عقیل اس شخص کے گھر آتے جاتے تھے ان سے بھی اس نے تائید حاصل کی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے مشہور بیٹے محمد بن حنفیہ سے بھی اس کو تائید حاصل ہو گئی ادھر کوفہ میں " توابین" کے نام سے ایک جماعت بنی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے حضرت حسینؓ سے بے وفائی کی ہے اب ہم توبہ کرتے ہیں اور قاتلین حسین سے بدلہ لیں گے مختار بن عبید ثقفی نے بڑی چالاکی کے ساتھ ان لوگوں سے بھی اپنی تائید حاصل کی اور پوری جماعت بنالی۔ مختار ثقفی نے کئی جھوٹے دعوے بھی کئے جس پر کوفہ کے گورنر نے اس کو گرفتار کیا اور جیل میں ڈالدیا مگر حضرت ابن عمر

کی سفارش پر جیل سے رہا ہو گیا جب یہ شخص جیل سے باہر آ گیا تو اس کی قوت مزید بڑھ گئی، توابین کی جماعت سے اس کے رابطے تھے ان کو منظم کیا اور اپنے آپ کو سید اور آل رسول کہنے لگا بلکہ نبوت کا دعویٰ بھی کیا۔ اب علاقے کے گورنر کے قابو سے یہ شخص نکل گیا اور کوفہ کے گورنر سے اس نے جنگ کی اور سرکاری فوجوں کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کر لیا کوفہ کے بے گناہ افراد کو بیدردی سے قتل کر ڈالا جو بھی مخالفت پر آ گیا اس کو مار ڈالا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا اور مختار کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا انہوں نے آ کر مختار ثقفی کو قتل کر دیا اس طرح اس کا فتنہ ختم ہو گیا اس حدیث میں فتنہ سراء سے مختار ثقفی کا یہی فتنہ مراد ہے۔

"دخنها" یعنی اس فتنہ کو بھڑکانے والا اور اس کو اُٹھانے والا ایک ایسا شخص ہوگا جو اپنے آپ کو سید اور آل رسول کے نام سے پکارے گا مگر اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے میرے دوست تو پرہیزگار لوگ ہیں۔ بعض علماء نے فتنة السراء کا مصداق شریف مکہ اور انگریزوں کو قرار دیا ہے جس میں انگریزوں نے سازش کے تحت ترکوں کی خلافت گرادی۔ انگریز شریف حسین مکہ کو ماہانہ پانچ لاکھ پونڈ دیا کرتا تھا اور آل سعود عبدالعزیز کو ماہانہ دو لاکھ برطانوی پونڈ دیا کرتا تھا اور ان دونوں کو جزیرۂ عرب میں لڑاتا تھا، شریف مکہ کے بعد اس کا ایک نالائق بیٹا تخت نشین ہو گیا جو اس حدیث کضلع علی ورک کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس سے کچھ نہ بن پڑا اور ترکوں کی خلافت برطانوی حکومت نے گرادی اور سازش مکمل ہو گئی۔

مروان بن حکم کی بات

"ثم یصطلح الناس" یعنی ان فتنوں کے بعد لوگ ایک ایسے شخص کی حکومت پر صلح کر لیں گے جو خود ناپائیدار ہوگا جیسے پسلی کے اوپر موٹی ران سوار کی گئی ہو، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس کمزور شخص سے مراد مروان بن الحکم ہے اگر چہ مختار ثقفی کے فتنے سے پہلے مروان کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان سازشوں کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب مروان بن حکم نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تو بطور جملہ معترضہ اگر مروان کا تذکرہ اس حدیث سے کچھ آگے یا کچھ پیچھے آ گیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں شاہ صاحب نے اس جملہ سے مروان بن الحکم مراد لیا ہے۔ یہ شخص نہ رائے کی پختگی رکھتا تھا نہ اس میں کوئی تدبیر تھی نہ اس میں قوت فیصلہ تھی بلکہ غیر مستقل مزاج کمزور رائے کا مالک تھا اسی کمزوری کی تشبیہ اس حدیث میں اس طرح دی گئی ہے کہ گویا مضبوط اور موٹی ران کمزور پسلی پر سوار کی گئی ہے گویا بکری کی ٹانگوں پر بھینس کھڑی کر دی گئی ہے، اس شخص کا دست راست اور تمام فتنوں کی جڑ عبیداللہ

بن زیاد تھا۔ لوگوں نے اس پر صلح کر کے اس کی بیعت کی اور اس نے حضرت ابن زبیر کے خلاف محاذ کھول دیا اس طرح اس امت میں ان لوگوں کی وجہ سے بڑے فتنے پیدا ہو گئے۔

بغداد میں تاتاریوں کا فتنہ

"ثم فتنة الدهيماء" دُهيماء دَهماء کی تصغیر ہے جو مذمت وتحقیر کے لیے ہے دہم کالے کو کہتے ہیں "اى الفتنة العظماء والطامة العمياء" یعنی سیاہ گھٹاؤں پر مشتمل عظیم الشان فتنہ "وقيل المراد بالدهيماء الداهية ومن اسماء الداهية دُهيم" (مرقات)

بہر حال اس فتنہ سے ایک سیاہ وتاریک بھاری آسمانی آفت مراد ہے اب یہ بات کہ اس فتنہ کا مصداق کون سا واقعہ ہے تو حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بغداد پر تاتاریوں کے حملے اور عام خونریزی کا فتنہ ہے اس فتنہ سے اسلامی مملکت بغداد اور اس کے شہروں کو تاتاریوں نے تخت وتاراج کیا اور سیاہ طوفان سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶۵۰ھ کے درمیان بنو عباس کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ بغداد کا خلیفہ بن گیا یہ شخص غیر مدبر بھی تھا اور امور مملکت چلانے میں نالائق شہزادہ تھا اس کا ایک وزیر تھا جس کا نام علقمی تھا جو کٹر غالی متعصب علوی شیعہ تھا اس نے بدعقیدگی اور خبث باطن کی وجہ سے چاہا کہ بغداد پر عباسیوں کی خلافت کے بجائے علویوں کی حکومت آجائے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے علقمی نے سب سے پہلے تاتاریوں سے رابطہ کیا اور چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دے دی ہلاکو خان بغداد کے لوگوں کی شجاعت اور اسلامی خلافت سے ڈر رہا تھا مگر وزیر علقمی رافضی نے نہایت چالاکی کے ساتھ بغداد سے اسلامی افواج کو ادھر اُدھر کاموں پر روانہ کر دیا اور بغداد عسکری قوت سے خالی ہو گیا۔ اس کے بعد پوری صورت حال بتا کر شیعہ وزیر علقمی نے تاتاریوں کو ایک بار پھر بغداد پر حملہ کی دعوت دے دی ادھر بغداد سے سینکڑوں شیعوں نے ہلاکو خان کو خطوط لکھ دیئے کہ آپ فوراً حملہ کر دیں کیونکہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک تاتاری سردار عراق پر قبضہ کرے گا ہمارا خیال ہے کہ وہ آپ ہیں لہٰذا جلدی حملہ کر دیں۔

اُدھر ہلاکو خان کے حلقہ میں ایک مشہور منجم رافضی نصیر الدین طوسی تھا وہ بھی ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے اُبھار رہا تھا اس کا اور علقمی کا خیال تھا کہ جب بغداد سے اسلامی خلافت ختم ہو جائے گی تو یہاں ہماری علوی ریاست قائم ہو جائے گی بہر حال ہلاکو خان کو حوصلہ ملا اور اس نے بغداد پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس نے پہلے اپنا ہر اول فوجی دستہ بھیجا اور بغداد پر حملہ کیا جو کامیاب رہا اس کے بعد ہلاکو خان نے اپنی بڑی فوج

بغداد پر چڑھادی، محاصرہ بھی سخت تھا اور ان کا مقابلہ بھی سخت تھا شیعہ بغداد کے اندر سے مسلسل ہلاکو خان کو اطلاعات فراہم کرتے رہے یعنی انہوں نے اندر سے جاسوسی کا محاذ مستحکم کر رکھا تھا۔

رافضی وزیر علقمی ملعون نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ سے کہا کہ آپ ہلاکو خان کے ساتھ مذاکرات کریں اور بغداد شہر سے باہر جا کر ہلاکو خان سے ملاقات بھی کریں یہ نہایت ضروری ہے وہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کا اکرام کریں گے چنانچہ مسلمانوں کا بادشاہ جب بغداد سے باہر جا کر ہلاکو خان سے ملا تو اس نے کہا کہ آپ تو اکیلے ہیں یہ وسیع مذاکرات ہیں اس میں سرکردہ علماء اور قوم کے سردار اور فوج کے کمانڈروں کی شرکت ضروری ہے آپ ان سب کو بلالیں اس غیر مدبر نادان بادشاہ نے جب ان لوگوں کو بلالیا تو ہلاکو خان نے ان سب کو بادشاہ کے سامنے قتل کر دیا اور پھر خلیفہ سے کہا کہ بغداد شہر میں پیغام بھیج دو کہ لوگ سب کے سب ہتھیار ڈالدیں اور شہر کو خالی کر کے باہر آ جائیں چنانچہ اس مجبوس نالائق خلیفہ نے یہ بھی کیا اس کے پیغام پر لاکھوں انسان باہر آتے گئے اور تاتاری ان کو قتل کرتے گئے خون کی کثرت سے ندیاں بہہ گئیں اور دریائے دجلہ کا پانی سرخ خون کی طرح بہنے لگا اس کے بعد تاتاری بغداد شہر میں کسی مزاحمت کے بغیر داخل ہو گئے۔ عورتوں اور بوڑھوں نے سروں پر قرآن رکھ کر امان مانگی مگر تاتاریوں نے کسی کو نہ دیکھا اور نہ امان دی بلکہ سب کو قتل کر دیا چنانچہ تہہ خانوں اور کنوؤں میں چند آدمی بچ گئے باقی ساری مخلوق موت کے گھاٹ اُتار دی گئی۔

دوسرے دن ۹ صفر ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے عباسی خلیفہ کے ساتھ شہر بغداد میں عام دربار لگا دیا اور بادشاہ سے خزانوں کی ساری کنجیاں لے کر تمام خزانوں کو لوٹ لیا اور پھر خلیفہ کو ایک کال کوٹھری میں بھوکا پیاسا ڈال کر رکھ دیا اس کے بعد ہلاکو خان سے محقق طوسی ابلیس اور علقمی شیطان نے کہا کہ مسلمانوں کے اس خلیفہ کے گندے خون سے تلوار کو گندی نہ کر و بلکہ ایک بوری میں باندھ کر لاتوں سے اس کو کچل دو ہلاکو خان نے کہا کہ یہ کام آپ خود کریں یہ آپ کے سپرد ہے چنانچہ علقمی رافضی نے اپنے محسن بادشاہ مستعصم باللہ کو بوری میں ڈال کر ستون کے ساتھ باندھ دیا اور لاتوں سے مار مار کر کچل دیا اور پھر تاتاریوں کے گھوڑوں کے سُموں کے نیچے ڈالدیا گھوڑوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا علقمی شیطان یہ دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا اس سے خلافت عباسیہ کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور بنو عباس کا آخری خلیفہ کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

[illegible] کے بعد ہلاکو خان نے اسلامی کتاب خانوں کا رخ کیا اور عظیم علمی سرمایہ کو آگ لگا دی اور کتابوں کو دجلہ [illegible] دجلہ کا پانی سرخ خون کے بجائے سیاہ طوفان بن کر بہنے لگا اور کئی دن تک مقدس اوراق کا یہ علمی

سرمایہ دجلہ کی موجوں کے ساتھ بہتا رہا۔ اس تباہ کن حادثہ میں بغداد اور اس کے مضافات کے مقتولین کی تعداد ایک کروڑ چھ لاکھ بتائی گئی ہے۔ شیعہ کی شرارت پر امریکہ نے جب صدر صدام حسین کو پھانسی دیدی تو شیعہ باہر سڑکوں پر خوشی سے ڈانس کر رہے تھے اور مٹھائیاں بانٹ رہے تھے، اے کاش دنیا کو شیعہ رافضیوں کی خباشتوں کا اندازہ ہو جائے کہ یہ بد باطن جس طرح کل کے فسادی تھے اسی طرح آج کے بھی ہیں۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اکثر خلافتوں کا سقوط روافض کے ہاتھوں ہوا ہے۔ شاہ انور شاہ کاشمیری فیض الباری میں لکھتے ہیں: "واکثر تخریب الخلافة الاسلامية على ايدى هؤلاء الروافض" بہرحال علقمی ملعون نے جس مقصد کے لئے یہ بڑی غداری کی تھی وہ مقصد علوی ریاست قائم کرنا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے ہلاکو خان کی بڑی منت سماجت کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور بغداد پر اپنے آدمیوں کو مقرر کر کے علقمی اور طوسی کو دھتکار دیا، علقمی رافضی غلاموں کی طرح تاتاریوں کے جوتے سیدھا کرتا رہا اور پھر اس غم میں مردار ہو گیا۔ یہ ہے واقعہ ڈھیما کی تفصیل جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

واقعہ شہادت عثمان، جنگ جمل وصفین

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَدُوْرُ رَحَى الْإِسْلَامِ لِخَمْسٍ وَّثَلٰثِيْنَ اَوْ سِتٍّ وَّثَلٰثِيْنَ اَوْ سَبْعٍ وَّثَلٰثِيْنَ فَاِنْ يُّهْلِكُوْا فَسَبِيْلُ مَنْ هَلَكَ وَاِنْ يَّقُمْ لَهُمْ دِيْنُهُمْ يَقُمْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ عَامًا قُلْتُ اَمِمَّا بَقِيَ اَوْمِمَّا مَضٰى قَالَ مِمَّا مَضٰى. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اسلام کی چکی پینتیس برس یا چھتیس برس یا سینتیس برس تک گھومتی رہے گی پھر اگر لوگ ہلاک ہونگے تو اس راستے پر چلنے کی وجہ سے ہلاک ہوں گے جس پر چل کر پہلے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں اور اگر ان کے دین کا نظام کامل و برقرار رہا تو ان کے دینی نظام کی تکمیل و برقراری کا وہ سلسلہ ستر برس تک رہے گا۔ (حضرت ابن مسعود کہتے ہیں) میں نے پوچھا کہ یہ ستر برس بقیہ میں سے ہوں گے یا اس عرصہ سمیت ہوں گے جو گزر را؟ حضور نے فرمایا ستر سال کا عرصہ اس عرصہ سمیت ہے جو گزر چکا ہے۔ (ابوداؤد)

"تدور رحى الاسلام" یعنی اسلام کی چکی ۳۵ بلکہ ۳۶ بلکہ ۳۷ ہجری تک صحیح طور پر گھومتی رہے گی حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کو اس طرح سمجھایا ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زمانہ ہجرت کے بعد اسلام میں جو مضبوطی اور استحکام آیا وہ ۳۵ اور ۳۶ اور ۳۷ سالوں تک چلتا رہے گا پھر اسلام

کے دائرہ میں کچھ اضطراب شروع ہو جائے گا چنانچہ اس بگاڑ اور خرابی کی ابتداء ۳۵ھ میں ہوئی جبکہ حضرت عثمان کی شہادت کا سانحہ پیش آیا پھر ۳۶ھ میں مزید بگاڑ پیدا ہو گیا جبکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگ ہوئی جس کو جنگ جمل کہتے ہیں پھر اس کے بعد اسلام کے استحکام میں مزید خرابی آ گئی جو بالکل بے قابو ہو گئی اور جس نے اسلام کو بہت بڑا نقصان پہنچا دیا وہ ۳۷ھ میں حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ صفین کا حادثہ تھا پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس بگاڑ کے بعد اگر لوگ باز نہ آئے اور اسی طرح ہلاکت کے راستے پر چل پڑے، خلافت مغلوب رہی اور بغاوت غالب رہی تو یہ لوگ بھی دیگر ہلاک شدہ اقوام کی طرح ہلاک ہو جائیں گے لیکن اگر لوگوں کی خلافت قائم ہو گئی اور باغیوں کو بغاوت کا موقع نہ مل سکا تو مسلمانوں کا ملی نظام آنے والے زمانوں تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ قائم رہے گا جو ستر برس تک جاری رہے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے پوچھا کہ نئے سرے سے ستر سال شمار ہوں گے یا پرانے ۳۷ سال کے ساتھ ستر برس مراد ہوں گے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ۳۷ برس سمیت ستر سال مراد ہیں۔

شہادت عثمان

اس حدیث میں تین بڑے حادثات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے پہلا حادثہ حضرت عثمان بن عفان کی شہادت کا ہے حضرت عثمان کی خلافت ابتدائی چھ سال تک بہت عمدہ طریقہ پر چلتی رہی مگر آپ کی طبیعت میں نرمی تھی آپ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو کچھ سرکاری عہدے دیئے جو شریعت کی رُو سے جائز تھا کیونکہ ایک تقویٰ ہے ایک فتویٰ ہے شیخین نے تقویٰ پر عمل کیا اور کسی رشتہ دار کو عہدہ نہیں دیا اور عثمان وعلی نے فتویٰ پر عمل کیا اور لائق رشتہ داروں کو عہدہ دیا اس پر لوگوں نے شور کیا اور آخری چھ سالوں میں کچھ انتشار شروع ہو گیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ صنعاء یمن کا ایک باشندہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا اس نے دیکھا کہ اسلام پورے عالم پر غلبہ حاصل کرتا چلا جا رہا ہے تو برائے فساد و نفاق یہ شخص مسلمان ہو گیا اور مدینہ آ گیا یہاں حضرت عثمان اور ان کے گورنروں کے خلاف بکواس کرتا رہا مگر مدینہ میں اس کو پذیرائی نہیں ملی تو وہ بصرہ چلا گیا وہاں سے بصرہ کے گورنر نے اس کو بھگایا تو یہ کوفہ آ گیا، اپنے آپ کو اہل بیت کا خیر خواہ ثابت کیا کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے مگر وہاں بھی ناکام رہا وہاں سے یہ شخص دمشق چلا گیا ادھر بھی ناکام ہو گیا پھر وہاں سے یہ مصر چلا گیا۔

مصر کے لوگوں نے اس کی بات سنی اور کافی لوگ اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تو اس نے خلیفہ عثمان اور اسلامی خلافت کے خلاف سازشیں شروع کیں چنانچہ حضرت عثمان کے گورنروں کے خلاف فرضی شکایتیں جمع کرتا تھا اور عوام الناس میں پھیلاتا تھا خلاصہ یہ کہ اس نے لوگوں کو حضرت عثمان سے بدظن کیا اور وہیں سے اس نے قتل عثمان کے لئے ایک دستہ تیار کر کے مدینہ روانہ کیا یہ بلوائی لوگ مدینہ میں آ کر بدتمیزی پر اتر آئے، حضرت علی وغیرہ سے حضرت عثمان کے خلاف مدد بھی طلب کی مگر انہوں نے انکار کیا ان بلوائیوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ مصر کے گورنر کو ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو گورنر بنایا جائے حضرت عثمان نے اس کے لئے پروانہ لکھدیا یہ لوگ چلے گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا مگر مروان بن حکم نے فوراً مصر کے گورنر کے نام ایک خط لکھا کہ جونہی محمد بن ابی بکر پہنچ جائے اسے قتل کر دو خط پر حضرت عثمان کی انگوٹھی کی مہر تھی گھوڑا بھی حضرت عثمان کا تھا اور غلام بھی حضرت عثمان کا تھا۔ یہ شخص مصر کی طرف دوڑتا جارہا تھا محمد بن ابی بکر کو شک ہوا اور اس غلام کو پکڑ کر تلاشی لی خط برآمد ہوا۔ محمد بن ابی بکر نے کہا کہ ایک طرف ہمیں عثمان گورنر بنا رہے ہیں اور دوسری طرف قتل کا حکم دے رہے ہیں لہٰذا غلام اور خط کو لے کر بلوائی پھر مدینہ آئے اور حضرت عثمان سے پوچھا کہ یہ غلام کس کا ہے آپ نے فرمایا میرا ہے کہا گھوڑا کس کا ہے؟ فرمایا میرا ہے کہا مہر کس کی ہے فرمایا میری ہے کہا خط کس کا ہے فرمایا خدا کی قسم خط میرا نہیں ہے خط کے نمونے دیکھے گئے تو معلوم ہوا کہ مروان بن حکم نے خط لکھا ہے اب ان بلوائیوں نے کہا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دو آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کر سکتا بلوائیوں نے عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا، مدینہ والے مروان کے خلاف کچھ دیکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عثمان کے قتل کا کوئی قائل نہیں تھا۔

افواج اسلامیہ سرحدات پر تھیں عام لوگ حج پر گئے ہوئے تھے مدینہ بلوائیوں کے قبضے میں تھا چالیس دن تک محاصرہ رہا اور پھر حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے تین دن تک لاش دفن نہ ہو سکی اس کے بعد تدفین عمل میں آئی۔ بلوائیوں نے حضرت علی کو بیعت پر مجبور کیا اور ان کو خلیفہ بنا دیا اور ان کی پناہ میں بیٹھ گئے یہ واقعہ ۳۵ھ میں پیش آیا۔

واقعہ جنگ جمل

حضرت علیؓ کی بیعت سے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ ناراض ہوئے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے ادھر حضرت عائشہ حج پر گئی ہوئی تھیں اس نے جب دیکھا کہ مدینہ میں شورش ہے تو آپ نے مدینہ آنے کے بجائے بصرہ جانے کا فیصلہ کیا حضرت طلحہ و زبیر بھی بصرہ چلے گئے اور غیر ارادی طور پر وہاں مسلمانوں کا بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا

حضرت علی نے خلافت کا مرکز کوفہ بنالیا اور لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا لوگوں نے شہادت عثمان کے قاتلین سے قصاص کا مطالبہ کیا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم پہلے بیعت کرلو میرے ہاتھ مضبوط کرلو تاکہ میں ان بلوائیوں پر ہاتھ ڈال سکوں اس طرح حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ کی فوجیں آمنے سامنے آگئیں حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے بیچ میں آکر افہام وتفہیم سے دونوں کو صلح پر آمادہ کیا اور طے ہوا کہ کل دونوں طرف سے صلح پر دستخط ہوں گے، منافقین مفسدین اور بلوائیوں نے جب صلح کے آثار دیکھ لئے تو رات کے وقت اُنہوں نے حضرت عائشہؓ کی فوجوں پر حملہ کردیا ادھر سے جوابی کاروائی ہوئی اور جنگ جمل کے نام سے خونریز جنگ ہوئی جس میں طرفین کے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے ان میں عشرہ مبشرہ کے دو صحابی بھی تھے حضرت علی کی فوجیں غالب آئیں اور حضرت عائشہ کی افواج کو شکست ہوگئی۔ یہ واقعہ ۳۶ھ میں پیش آیا، حضرت عائشہ اپنے اونٹ پر سوار رہتی تھیں اس لئے یہ جنگ، جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوگئی اس جنگ پر حضرت علی اور حضرت عائشہ دونوں زندگی بھر روتے رہے۔

واقعہ جنگ صفین

اس جنگ سے جب حضرت علی فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت معاویہ کو پیغام بھیجا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلامی خلافت کے ماتحت آجاؤ، حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے اُنہوں نے بیعت کے لئے یہ شرط رکھی کہ قاتلین عثمان سے قصاص لو ہم عثمان کے وارث ہیں قصاص ہمارا حق ہے۔ حضرت علی نے فرمایا پہلے تم بیعت کرلو پھر قصاص کی بات کرو اور گورنری بھی چھوڑ دو، حضرت معاویہ نے دونوں باتوں سے انکار کردیا۔ حضرت علی نے کوفہ سے شام کی طرف افواج روانہ کیں ایک ماہ تک معمولی لڑائی ہوتی رہی مگر پھر جنگ رک گئی مصالحت کی کوشش کی گئی مگر ناکام ہوئی پھر یکم صفر ۳۷ھ میں دریائے فرات کے کنارے کے پاس مقام صفین میں باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی مصالحت کی غرض سے تحکیم کا واقعہ بھی پیش آیا مگر جنگ بند نہ ہوسکی ستر ہزار آدمی مارے گئے اور علاقے کے اکثر حصے حضرت علی کے ہاتھ سے نکل کر حضرت معاویہ کے ہاتھ آگئے، اس حدیث میں انہیں تین بڑے واقعات کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔

بہرحال میں نے جو کچھ لکھا ہے حدیث کے مفہوم سمجھانے کے لئے لکھا ہے یہ مشاجرات صحابہ ہیں ان میں خاموشی رہنا جمہور علماء کا مسلک ہے جو میرا بھی مسلک ہے جو بہت بہتر ہے لیکن اس حدیث کے تاریخی اشارے سمجھانے ضروری تھے اس لئے کچھ لکھا۔ اللہ تعالیٰ میرے قلم کی حفاظت فرمائے۔

آپس کی جنگوں کی نحوست

وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْأُولٰى يَعْنِيْ مَقْتَلَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ اَصْحَابِ بَدْرٍ اَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِي الْحَرَّةَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ اَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَّةِ اَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّالِثَةُ فَلَمْ تَرْتَفِعْ وَبِالنَّاسِ طَبَاخٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن مسیب سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب پہلا فتنہ واقع ہوا یعنی حضرت عثمان غنی کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا پھر جب دوسرا فتنہ واقع ہوا یعنی حرہ کا واقعہ پیش آیا تو ان صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے اور پھر جب تیسرا فتنہ واقع ہو تو اس کا خاتمہ اس حالت میں نہیں ہوا تھا کہ لوگوں میں قوت اور فربہی باقی رہی ہو۔ (بخاری)

"طباخ" قوت وطاقت، عقل اور مضبوطی کو طباخ کہتے ہیں یہاں عقلمند ہوشیار طبقہ کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی اس تیسرے فتنہ کے بعد دنیا پر کوئی ایک صحابی باقی نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ آپس کی جنگوں اور جب یزید کے دور میں واقعہ حرہ ہوا تو بیعت رضوان کے مبارک صحابہ میں سے کوئی نہیں رہا پھر تیسرا فتنہ حجاج بن یوسف اور حضرت عبداللہ بن زبیر کا آیا تو دنیا میں کوئی صحابی نہیں تھا۔ نالائق حکمرانوں کی وجہ سے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔

وهل افسد الدينَ الاالملوک واحبارُ سوءٍ و رهبا نها

مشاجرات صحابہ کی بحث میں نہ پڑو

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ اَللِّسَانُ فِيْهَا اَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جو پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اس فتنہ میں قتل ہو جانے والے لوگ دوزخ میں ہونگے اس میں زبان چلانا تلوار مارنے سے بھی زیادہ سخت مضر ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

"تستنظف العرب" کسی چیز کو مکمل طور پر ہلاک کرنے کے لئے استنظف کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی اس فتنہ سے عرب کا استیصال ہو جائے گا۔

"فی النار " یعنی اس کے مقتولین دوزخ میں جائیں گے کیونکہ اس جنگ میں ان کا مقصود نہ اعلائے کلمۃ اللہ ہوگا نہ کسی حق کی حمایت ہوگی اور نہ کسی ظالم کے ظلم کو دفع کرنا ہوگا بلکہ اختلاف و بغاوت اور ملک گیری اور مال جمع کرنا مقصود ہوگا۔ (مرقات)

"اللسان" چونکہ یہ فتنہ تعصب اور قومیت پر مبنی ہوگا اس لئے زبان کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ موثر ہوگی اس حدیث میں جس فتنہ کا ذکر ہے اس میں شریک دونوں فریق کے لئے شدید وعید ہے اور اس کے مقتولین کو دوزخی بتایا گیا ہے لہٰذا اس کے مصداق کو صحابہ کے دور کے مشاجرات قرار دینا ممکن نہیں ہے حدیث میں کسی کا نام بھی نہیں ہے اور نہ کسی فریق کا تعین ہے مطلق فتنہ کا تذکرہ ہے عرب دنیا پر زوال سے مختلف فتنے آئے ہیں لہٰذا اس فتنہ کا مصداق ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو کسی حق کی حمایت یا دفع ظلم پر نہیں لڑ رہے ہوں بلکہ محض دنیوی اغراض کے لئے اور نفسانی خواہشات کے لئے لڑ رہے ہوں۔

اس قسم کی احادیث کو صحابہ کرام حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی آپس کی جنگوں پر حمل نہیں کرنا چاہئے جس میں ایک فریق اگر حق پر قائم تھا تو دوسرا فریق اجتہادی خطاء کا مرتکب تھا جس میں سزا کی بجائے ثواب ملتا ہے اس مقدس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے "رضی الله عنهم ورضوا عنه" کے اشاندار القاب سے یاد فرمایا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اذا ذکر اصحابی فامسکوا " ای عن الطعن فیهم (مرقات) حضور ﷺ نے فرمایا: "اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولو العنة الله علی شرکم" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں فرمایا: "تلک دمآء طهر الله ایدینا منها فلا نلوث السنتنا بها" (مرقات)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ معاویہؓ افضل تھے یا عمر بن عبدالعزیز؟ تو آپ نے جواب دیا: ''لغبار انف فرس حین غزا فی رکاب رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل من کذا و کذا من عمرو بن عبد العزیز''۔ (مرقات)

بہر حال جمہور امت اس پر قائم ہے کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ اجتہادی خطاء پر تھے جس میں ثواب مل سکتا ہے ہمارے لئے سب سے اچھا راستہ یہ ہے کہ ہم مشاجرات صحابہ میں بالکل سکوت اختیار کریں سکوت پر مواخذہ نہیں ہے اور بولنے اور تحقیق کرنے میں مواخذہ کا خطرہ ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن که جاہا سپر باید انداختن

جب پندرہ جرائم ہوں گے تو زلزلے آئیں گے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْئُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْکُهٗ فَتَتَابَعَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے اور جب زکوۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے۔ اور جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگے اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجد میں شور وغل مچایا جانے لگے اور جب قوم و جماعت کی سرداری اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم کے لیڈر و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور ذلیل شخص ہونے لگیں اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانی لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو: سرخ یعنی تیز و تند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنس جانے کا اور صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت کی اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔ (ترمذی)

علامات قیامت پر تفصیلی نظر

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک آنے والے چند اہم واقعات وعلامات کی طرف سرسری اور اجمالی اشارہ ہو جائے تاکہ احادیث کے تمام اجزاء اور سارے پہلو قارئین کے سامنے آجائیں۔ قیامت کی علامات دو قسم پر ہیں۔ (۱) علامات صغریٰ (۲) علامات کبریٰ۔ امام مہدیؒ کے ظہور تک قیامت کی علامات صغریٰ ہیں امام مہدیؒ کے

ظہور کے بعد نفخ صور تک قیامت کی علامات کبریٰ ہیں اور پھر قیامت ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث میں قیامت کی علامات صغریٰ کا کچھ بیان موجود ہے اور دیگر احادیث میں بھی تفصیل ہے وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا میں باطل نظریات عام ہوجائیں گے، عیسائیت کا بہت سارے ملکوں پر غلبہ ہوگا پھر کچھ عرصہ بعد ابوسفیان کے نام سے ایک شخص پیدا ہوجائے گا جو سادات کا قتل عام کرے گا پھر مسلمان بادشاہ عیسائیوں کے ایک فریق سے صلح کرلے گا اور دوسرے سے لڑائی لڑے گا۔ عیسائی فرقہ بھی مسلمان بادشاہ سے مل کر عیسائیوں کے مخالف دھڑے سے لڑے گا ان سب کو فتح حاصل ہوجائے گی۔ فتح کے بعد عیسائی نعرہ لگائیں گے کہ صلیب کی برکت سے فتح حاصل ہوگئی ہے اور مسلمان نعرہ لگادیں گے کہ اسلام وایمان کی برکت سے فتح حاصل ہوگئی ہے چنانچہ اس بات پر خانہ جنگی شروع ہوجائے گی جس میں مسلمانوں کا بادشاہ شہید ہوجائے گا عیسائیوں کے دونوں فریق ایک ہوجائیں گے اور عیسائی حکومت خیبر تک پھیل جائے گی اس وقت لوگ حضرت مہدی کی تلاش میں لگ جائیں گے حضرت مہدی اس وقت مدینہ میں ہوں گے مگر چھپنے کی غرض سے وہاں سے مکہ آجائیں گے تاکہ لوگ انھیں امیر اور قائد نہ بنائیں اس دوران کچھ لوگ مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے کرلیں گے تاہم مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان لوگ حضرت مہدی کو پالیں گے اور ایک جماعت حضرت مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرلے گی آسمان سے آواز آئے گی:

"هذا خليفة الله المهدی فاستمعوا له واطيعوه"

شکل وشباہت کے اعتبار سے حضرت مہدی حضور اکرم ﷺ کے مشابہ ہونگے اس کے بعد شام، یمن اور حجاز مقدس کے ابدال اور اولیاء اللہ حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہوجائیں گے کعبہ کے پاس سے خزانے نکال کر افواج اسلامیہ پر تقسیم کیے جائیں گے، لشکر جرار تیار ہوجائے گا۔ خروج مہدی کا سن کر خراسان سے ایک شخص اپنی فوج لے کر حضرت مہدی کی مدد کے لئے مکہ مکرمہ آجائے گا اس شخص کا نام منصور ہوگا یہ شخص اپنی فوج کی کمان سنبھال کر جب مکہ کی طرف چل پڑے گا تو راستے میں عیسائیوں سے جنگ ہوجائے گی یہ شخص عیسائیوں کا صفایا کرتا ہوا آئے گا، اہل بیت اور سادات کا دشمن شخص سفیانی ایک بڑا لشکر تیار کرکے حضرت مہدی کے مقابلے پر بھیج دیگا مگر یہ لشکر مکہ و مدینہ کے درمیان زمین میں دھنس جائے گا صرف دو آدمی بچ جائیں گے ایک تو سفیانی کو جاکر اطلاع کردے گا اور دوسرا حضرت مہدی کو اطلاع دیگا۔ حضرت مہدی کے ساتھ عرب وعجم کے لوگوں کے اجتماع کا سن کر عیسائی بھی شام اور روم سے لشکر جرار تیار کرکے حضرت مہدی کے مقابلے کے لئے شام میں اکٹھے ہوجائیں گے رومی افواج میں اس

وقت اسی (۸۰) جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) لشکر ہوگا لشکر کی مجموعی تعداد نو لاکھ ساٹھ ہزار ہوگی۔ حضرت مہدی براستہ مدینہ منورہ اپنے لشکروں کے ساتھ دمشق پہنچ جائیں گے اور وہاں سرزمین شام پر عیسائیوں سے سخت جنگ شروع ہو جائے گی لشکر اسلام تین حصوں پر منقسم ہو جائے گا ایک حصہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا جس کی توبہ قبول نہیں ہوگی دوسرا حصہ شہید ہو جائے گا اور تیسرا حصہ مسلسل لڑتا ہوا چار دن کی لڑائی کے بعد عیسائیوں پر غالب آ جائے گا عیسائیوں کا قتل عام ہو جائے گا اور حضرت مہدی ان کا خوب تعاقب کریں گے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت مہدی اپنے لوگوں پر مال غنیمت تقسیم کریں گے مگر کوئی آدمی مال غنیمت پر خوش نہیں ہوگا کیونکہ کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا جس کا کوئی آدمی شہید نہیں ہوا ہوگا پورے خاندان میں سے ایک آدمی بچا ہوگا تو وہ مال غنیمت کے ساتھ کیا کرے گا۔ حضرت مہدی داخلی نظم و نسق سنبھال کر قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے بحیرۂ روم کے پاس بنو اسحاق کے ستر ہزار آدمی مسلمان ہو کر حضرت مہدی کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے اور پھر کشتیوں میں سوار ہو کر شہر استنبول جس کا پرانا نام قسطنطنیہ ہے کو آزاد کرنے کے لئے چلے جائیں گے شہر کی مضبوط فصیل کے سامنے مسلمان نعرۂ تکبیر بلند کر دیں گے جس کی وجہ سے فصیل ٹوٹ جائے گی اور مسلمان قسطنطنیہ شہر میں داخل ہو جائیں گے، حضرت مہدی کی خلافت کے اس وقت سات سال پورے ہو چکے ہوں گے کہ اتنے میں افواہ پھیل جائے گی کہ دجال کا خروج ہو گیا ہے حضرت مہدی جلدی جلدی واپس شام کی طرف آ جائیں گے اور نو آدمیوں کو اس خبر کی تحقیق کے لئے روانہ کر دیں گے یہ لوگ بہترین لوگ ہوں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کو جانتا ہوں کہ کس قبیلے کے لوگ ہیں اور ان کے باپوں کے نام کیا کیا ہیں اور گھوڑوں کے رنگ کیا ہیں یہ لوگ تحقیق کریں گے لیکن معلوم ہو جائے گا کہ یہ افواہ تھی اور دجال کے متعلق یہ خبر غلط تھی مگر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ اچانک دجال کا خروج ہو جائے گا۔ دجال مشرق کی جانب سے نکلے گا اور ایران کے شہر اصفہان میں آ کر نمودار ہو جائے گا اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس سے آ کر مل جائیں گے، پہلے وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا پھر اصفہان میں آ کر خدائی کا دعویٰ کریگا دجال کے ایک ہاتھ میں اس کی جنت اور دوسرے میں اس کی دوزخ ہوگی تمام دنیوی اسباب سے لیس ہوگا اور استدراج سے بھرپور فائدہ اُٹھائے گا اس کی پیشانی پر "ک ف ر" لکھا ہوگا جس کو مسلمان پڑھ لے گا یعنی کافر لکھا ہوگا اس کے پاس بڑا استدراج ہوگا، مخالفین کا دانہ پانی بند کرے گا، خروج دجال سے پہلے تین سال تک قحط آ چکا ہوگا، لوگ محتاج ہوں گے دجال اس حالت سے خوب فائدہ اُٹھائے گا اس کے ساتھ زمین کے سارے خزانے

ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے اور دو تین روز بارش برسائے گا مخالفین پر سب کچھ بند کر دیگا دنیا کے بہت سارے ممالک پر چکر لگائے گا صرف مکہ اور مدینہ نہیں جا سکے گا وہاں سے فرشتے اسے کو بھگا دیں گے پھر شام کی طرف متوجہ ہوگا وہاں مہدی جنگی تیاریوں میں مصروف ہونگے۔ عصر کی اذان ہو چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ ڈالے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر جلوہ افروز ہو جائیں گے اور سیڑھی منگا کر نیچے آجائیں گے اور پھر حضرت مہدی سے ملاقات ہو جائے گی حضرت مہدی ان کو نماز پڑھانے کا کہیں گے اور فوجی کمان سنبھالنے کی درخواست بھی کریں گے مگر وہ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ امامت اس امت کے ہاتھ میں ہوگی، میں صرف دجال کو مارنے کے لئے آیا ہوں۔

جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال پر حملہ کر دیں گے اور لشکر اسلام دجال کے لشکر پر حملہ آور ہو جائے گا شدید جنگ کے بعد دجال شکست کھا کر بھاگ جائے گا حضرت عیسیٰ اس کا تعاقب کریں گے اور باب لُد میں جا کر اس کو نیزہ مار کر قتل کر دیں گے، باب لُد میں آج کل اسرائیل کا ایک ایسا ائیر پورٹ ہے جو صرف دجال کے بچاؤ کے لئے بنایا گیا ہے وہاں جہاز تیار کھڑا ہے تاکہ ضرورت کے وقت دجال بھاگ جائے مگر وہاں دجال مارا جائے گا، اس کے بعد یہودیوں کا قتل عام شروع ہو جائے گا، کوئی پتھر یا درخت کسی یہودی کو پناہ نہیں دیگا بلکہ شکایت کرے گا کہ اے مسلمان آجا! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا بیٹھا ہے اس کو مار دے صرف غرقد نامی درخت شکایت نہیں کرے گا کیونکہ یہ یہود کا وفادار درخت ہے آج کل یہودیوں نے اسرائیل کو اس درخت سے بھر دیا ہے لیکن مسلمان اندھے نہیں ہوں گے اگر غرقد درخت شکایت نہ بھی کرے مسلمانوں کو آنکھوں سے یہودی نظر آئیں گے اور ان کو قتل کریں گے۔

دنیا پر دجال کی چالیس دن تک حکومت رہے گی اس میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا تیسرا ایک ہفتے کے برابر ہوگا اور باقی ایام معمول کے مطابق ہونگے، دجال ایک گدھے پر سوار ہوگا پوری دنیا کا چکر لگائے گا، ہوسکتا ہے حقیقی گدھا ہو اور ہوسکتا ہے کہ جدید دور کا کوئی جہاز ہو، اس سے پہلے تفصیل کر چکا ہوں، بہر حال جب دجال کا فتنہ ختم ہو جائے گا تو حضرت عیسیٰ او مہدی دونوں مل کر ان شہروں کا دورہ کریں گے اور مصیبت رسیدہ لوگوں میں مال تقسیم کریں گے جن شہروں میں دجال نے فساد برپا کیا تھا، امام مہدی کی خلافت میں عدل و انصاف ہوگا۔ مہدی کی حکومت نو سال تک رہے گی سات سال تک عیسائیوں سے جنگیں ہوگی اور آٹھویں سال میں دجال کا فتنہ ہوگا اور نویں سال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مل کر ملکی انتظام ٹھیک کریں گے اور ۴۹ سال کی عمر میں آپ کا

انتقال ہو جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھادیں گے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفہ بن جائیں گے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ کو وحی ہو جائے گی کہ اپنے تمام مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر جا کر پناہ لے لو اس لئے کہ میں اپنی مخلوق میں سے ایک طاقتور مخلوق ظاہر کرنے والا ہوں جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔

حضرت عیسیٰ تمام مسلمانوں کے ساتھ وہاں جا کر قلعہ بند ہو جائیں گے اور ادھر زمین پر یاجوج ماجوج کا خروج ہو جائے گا یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور روس کے پیچھے کوہ قاف کے پاس کا کیشیا کے ساتھ درۂ داریال کے علاقوں میں سد سکندری کے پیچھے بند ہیں یاجوج ماجوج زمین پر نکل کر اسکو چاٹ لیں گے پانی ختم ہو جائے گا زمین کے جانداروں کو ختم کر کے کھا جائیں گے اور پھر آسمان کی طرف پتھر پھینکیں گے اور خوش ہو جائیں گے کہ اب ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں پر زندگی اتنی تنگ ہو جائے گی کہ گائے کا ایک کلّہ ایک سو دینار میں فروخت ہوگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج پر بددعا کریں گے جس سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں چالیس سال تک زندہ رہیں گے پھر ان کا فوراً انتقال ہو جائے گا اور مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یمن کا ایک باشندہ آپ کا قائم مقام ہو جائے گا جس کا نام جہجاہ ہوگا وہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیگا اور پھر وفات پائیگا پھر کچھ غلط بادشاہ آجائیں گے پھر دنیا پر چالیس دن تک دھواں چھایا رہے گا اور پھر ایک رات لمبی ہو جائے گی لوگ پریشان ہو جائیں گے کہ صبح کیوں نہیں ہو رہی ہے اتنے میں سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہو جائے گا لوگ اسی پریشانی میں ہوں گے کہ اچانک دابۃ الارض کا خروج ہو جائے گا دابۃ الارض کوہ صفا سے نکل کر آئے گا یہ ایک عجیب الخلقت جانور کی شکل میں ہوگا مسلمان کی پیشانی پر "م" لکھے گا اور کافر کی پیشانی پر "ک" لکھے گا مسلمان پر عصائے موسیٰ سے سفید نورانی نشان پڑ جائے گا اور کافر پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے سیاہ نشان بن جائے گا۔ دابۃ الارض کے خروج سے نفخ صور تک ۱۲۰ سال کا عرصہ ہوگا پھر جنوب کی طرف سے ایک ہوا چلے گی جس سے پہلے نیک لوگ مر جائیں گے اور بعد میں برے لوگ مر جائیں گے مسلمانوں کے مر جانے سے حبش کے لوگ غلبہ حاصل کر دیں گے اور فتنہ و فساد شروع کر لیں گے اسی دوران وہ کعبہ مشرفہ کو گرا دیں گے اور اس کے نیچے سے خزانہ لوٹ لیں گے، اس کے بعد جنوب

کی طرف سے ایک بڑی آگ آجائے گی اور لوگوں کو شام کی طرف بھگانے لگ جائے گی یہ قیامت کی آخری بڑی علامت ہوگی۔ اس کے بعد تین چار سال تک لوگ عیش وعشرت کی زندگی گزاریں گے اور مکمل غافل ہوجائیں گے اللہ اللہ کہنے والا دنیا میں کوئی نہیں ہوگا پھر ایک دن جمعہ کے روز دس محرم کو لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ سائرن کی آواز شروع ہوجائے گی یہ آواز بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے اور پھر دل پھٹ جائیں گے لوگ مرجائیں گے پھر زمین میں زلزلہ شروع ہوجائے گا اور پھر آسمان ٹوٹ پھوٹ کر گرجائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اڑ جائیں گے اور سمندر اُبل کر جوش ماریں گے حتی کہ یہ موجودہ کائنات بالکل فنا ہوجائے گی اور قیامت قائم ہوجائے گی۔

دجال کی سواری کا عجیب گدھا

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَخْرُجُ الدَّجَّالُ عَلٰی حِمَارٍ اَقْمَرَ مَا بَیْنَ اُذُنَیْهِ سَبْعُوْنَ بَاعًا. رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دجال ایک سفید گدھے پر سوار ہوکر نکلے گا اور اس گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان ستر باع چوڑا فاصلہ ہوگا، اس روایت کو بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔

"اقمر" سفید گدھے کو حمار اقمر کہتے ہیں دجال کا گدھا تو خوبصورت سفید ہوگا مگر خود کانا دجال بدصورت ہوگا "سبعون باعا" یعنی یہ گدھا اتنا بڑا ہوگا کہ دونوں کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا۔ دونوں ہاتھ اور بازو جب مکمل پھیلائے جائیں تو وہ ایک باع کی مقدار ہوجاتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ دجال کے گدھے کے کانوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہوگا اور اس کا ایک قدم تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا جو تقریباً بیاسی (۸۲) کلومیٹر فی سیکنڈ ہوگا یہ رفتار ۲۹۵۲۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ کے حساب سے ہوگی گویا ہوا سے تیز ہے، ہوائی جہاز سے بھی تیز ہے۔ بعض روایات میں گدھے کا اترنا یعنی نزول کا تذکرہ بھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اُڑنے والا کوئی گدھا ہے یا جہاز ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ سفید گدھے سے مراد جہاز ہے یہ بات زیادہ بعید بھی نہیں ہے۔ ایک مصری عالم کمال ہشام عبدالحمید نے "اقترب خروج المسیح الدجال" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے دجال کی مختلف سواریاں دکھائی ہیں۔ اس میں کوئی سواری کشتی نما ہے، کوئی سواری چھتری نما ہے کوئی سواری طشتری کی طرح ہے۔ کوئی سواری بالکل جہاز کی طرح ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی سواریاں مختلف جگہوں میں بدلتی رہتی ہوں گی لہٰذا کبھی گدھا ہوگا، کبھی گدھی ہوگی، کبھی جہاز ہوگا تو کبھی کشتی ہوگی، حدیث میں کسی ایک کا نام لیا گیا ہے باقی کی نفی نہیں ہے یہودیوں کی کتابوں میں دجال کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے چنانچہ یہودیوں کی ایک کتاب ایزاخیل میں دجال کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود کہتے ہیں اے صیہون کی بیٹی خوشی سے چلاؤ! اے یروشلم کی بیٹی مسرت سے چیخو! دیکھو تمھارا بادشاہ (دجال) آرہا ہے وہ عادل ہے اور گدھے پر سوار ہے خچر یا گدھی کے بچے پر۔ (بحوالہ تیسری جنگ عظیم)

اب یہاں دجال کے خروج کے بارے میں بحث ہے کہ وہ کہاں سے نکلے گا؟ ہشام کمال عبدالحمید نے اپنی کتاب میں دجال کا مرکزی مقام جزیرۂ برمودا قرار دیا ہے برمودا کا تکون امریکہ کے قریب واقع ہے ایک جانب شمالی امریکہ ہے دوسری جانب جنوبی امریکہ ہے اس کے درمیان بحر اٹلانٹک واقع ہے اسی مقام میں مثلث برمودا ہے جو ایک تکون کی شکل میں ہے۔

جزیرۂ برمودا یا مثلث برمودا یا برمودا تکون ایک پراسرار مقام ہے۔ اس مقام میں جنات کا عالمی مرکز بھی ہے اور اسی مقام پر تخت ابلیس بھی ہے اور اسی مقام پر دجال کا قید خانہ بھی ہے گویا دجال وابلیس اور جنات کے آپس میں قریبی رابطے ہیں ادھر امریکہ میں ابلیس کو پوجنے والے بہت ہیں، امریکہ کا نائب صدر ڈک چینی بھی ابلیس کے پوجنے والوں میں سے ہے دجال کے پیغامات یہود ونصاریٰ تک بواسطۂ ابلیس پہنچتے رہتے ہیں۔ دجال کا حکم ہے کہ دنیا سے مجاہدین کو ختم کر دو پھر میں آؤں گا۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ جب مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائے گی تو مہدی آجائیں گے مہدی کے ساتھ دجال آجائے گا اور دجال کے ساتھ ہمارے خدا مسیح موعود آجائیں گے تو یہود ونصاریٰ اپنے اپنے خدا کی آمد کو مسلمانوں کے خاتمہ اور ان کے ستانے سے جوڑ رہے ہیں اس لئے بش کہتا ہے کہ موجودہ جنگ کا حکم مجھے خدا نے دیا ہے اور یہ روحانی صلیبی جنگ ہے مسلمان پس رہے ہیں اور وہ لوگ اپنے اپنے خدا کی آمد کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔

برمودا تکون کے عجیب و پراسرار حالات ہیں سمندر میں جو بحری جہاز اس طرف بھی گیا ہے وہ آج تک ایسا غائب ہے کہ اس کی کوئی خبر بھی نہیں آئی۔ اگر ہوائی جہاز اس جزیرہ کے اوپر کبھی اڑا ہے تو ایسا غائب ہو گیا ہے کہ آج تک کوئی پتہ بھی

نہیں اس علاقے پر رات کو روشنیاں آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں یہ سب ابلیسی پہرہ ہے جو دجال کے ارد گرد لگا ہوا ہے۔
۱۸۷۲ء میں اس علاقہ میں ایک بحری جہاز لاپتہ ہو گیا تھا اسکے تین سو سوار بمعہ کپتان آج تک غائب ہیں۔
فضا میں جب بھی ہوائی جہاز گئے تاکہ پتہ معلوم کریں تو وہ بھی غائب ہو گئے۔ برمودا تکون ایک پر اسرار علاقہ ہے جس کے سمندر میں آگ اندر جاتی بھی اور باہر نکلتی بھی ہے جس کو ہزاروں لوگوں نے دیکھا ہے۔

ابن صیاد کی کہانی کا بیان

اکثر نسخوں میں صیاد الف لام کے بغیر مذکور ہے بعض نسخوں میں الف لام کے ساتھ الصیاد ہے بعض نے اس کو ابن صیاد بھی لکھا ہے اس کا اصل نام "صاف" تھا بعض نے عبداللہ بتایا ہے اس کی ماں اس کو صاف کے نام سے پکارتی تھی۔
ابن صیاد خود ایک یہودی کا لڑکا تھا جو مدینہ کا رہنے والا تھا ابن صیاد جادو اور کہانت کا زبردست ماہر تھا اسی وجہ سے اس کی شخصیت ایک پر اسرار معمہ بن کر رہ گئی تھی۔ صحابہ کرام بھی ابن صیاد کے بارے میں مختلف خیالات رکھتے تھے حضرت عمر فاروق حضرت ابن عمر حضرت جابر اور دیگر چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے حتی کہ ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما تو قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ابن صیاد کی شخصیت کو اسی طرح مبہم چھوڑا تھا جس طرح کہ وہ مبہم تھی اس بارے میں آپ ﷺ پر کوئی ایسی واضح وحی بھی نہیں آئی جس میں ابن صیاد کی حیثیت متعین کر دی گئی ہو۔
مشکوۃ میں اس باب کی حدیث نمبر ۷ حدیث نمبر ۸ حدیث نمبر ۱۰، اور حدیث نمبر ۱۱ سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے لیکن اس کے برعکس اکثر صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ابن صیاد ایک فتنہ تھا، مسلمانوں کے امتحان و آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تھا یہ یہودی تھا شعبدہ باز اور جادوگر تھا مگر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا حج بھی کیا مکہ و مدینہ بھی گیا اور پھر مر گیا۔ یہ حضرات اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں ابن صیاد اور ابو سعید خدری کا مکالمہ ہوا ہے اس میں ابن صیاد نے اپنے دجال ہونے کا خوب انکار کیا ہے لیکن اسی روایت کے آخر میں خود کہتا ہے کہ اگر میں دجال بن جاؤں گا تو مجھے خوشی ہوگی برا نہیں مانوں گا۔
نیز تمیم داری کی جو حیثیت ہے اس میں تاویل بہت مشکل ہے کیونکہ ابن صیاد کے مدینہ میں ہوتے ہوئے تمیم داری نے دجال کو سمندر کے ایک جزیرہ میں زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا تھا لیکن جن حضرات نے ابن صیاد ہی کو مستقبل کا دجال قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد جب دجال نہیں بنا تھا اس وقت اس کے جو احوال تھے ان کا اعتبار نہیں ہے

دجال کا روپ دھارنے کے بعد وہ نہ مکہ جا سکتا ہے اور نہ مدینہ جا سکتا ہے نہ اس کی اولاد ہوگی اور نہ وہ مسلمان ہوگا، واقعہ حرہ میں ابن صیاد گم ہو گیا تھا اور آج تک گم ہے ایسا لگتا ہے کہ اسی واقعہ سے اس نے دجال کی روپ دھار لی ہے اور اس پر دجال کے احکامات جاری ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ دجال ایک غصہ اور غضب کے نتیجہ میں پیدا ہوگا اب ظاہر ہے کوئی بچہ ماں کے پیٹ میں تو غصہ نہیں ہوتا۔ غضب کا آنا دنیا میں موجود ہونے کے ساتھ لازم ہے تو پہلے ابن صیاد موجود تھا پھر واقعہ حرہ میں غصہ کی وجہ سے اور اس واقعہ کی نحوست سے دجال کی روپ میں بدل گیا۔ بہر حال تمیم داریؓ کی راویت کو چھوڑ کر دیگر روایات میں واضح احکامات ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال تھا پہلے چھوٹا دجال تھا اور واقعہ حرہ کے بعد بڑا دجال بن گیا اکثر شارحین اس طرف گئے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال نہیں تھا لیکن علامہ طیبی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد دجال ہو سکتا ہے بندہ راقم الحروف کی بھی یہی رائے ہے کہ ابن صیاد ہی دجال تھا اس سے جملہ احادیث کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی ہاں صرف حضرت تمیم داریؓ کی روایت مانع ہے لیکن اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ تمیم داری کو اللہ تعالیٰ نے جزیرہ میں مستقبل کے دجال کو جسم مثالی اور مستقبل کے نقشہ کے ساتھ دکھایا ہو کہ آج کا ابن صیاد اس شکل میں کل کا دجال ہوگا اس سے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کی مشاہداتی تصدیق بھی ہو گئی اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال سے متعلق میں نے جو کچھ تم کو بتایا تھا اب لو اس کا مشاہدہ سامنے آ گیا اور تمیم داری نے دجال کو دیکھ لیا۔ ملا علی قاریؒ مستقبل کے دجال کی اسی مثالی صورت کو اپنی عبارت میں بیان کرتے ہیں اور تمیم داری کی روایت کا جواب یوں دیتے ہیں۔ "**اقـــول ولا ینـافیـه قـصـة تـمیـم الداری اذیمکن ان یکون له ابدان مختلفة، فظاهر فی عالم الحس والخیال دائـر مـع اختـلاف الاحـوال وباطنه فی عالم المثال مقید بالسلاسل والاغلال ولعل المانع من ظهور کما له فی الفتنة وجود سلاسل النبوة واغلال الرسالة**" (مرقات، ج۹ص۴۲۲)

ترجمہ: ابن صیاد کو دجال قرار دینا تمیم داری کی روایت کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ دجال کے کئی جسم اور کئی وجود ہوں پس اس کا ظاہری جسم تو اس ظاہری مشاہداتی دنیا میں مختلف احوال کے ساتھ گھوم پھر رہا ہو اور اس کا باطنی جسم یعنی جسم مثالی عالم مثال میں زنجیروں اور طوقوں میں جکڑا پڑا ہو اور شاید عہد نبوی میں ابن صیاد کے کامل دجال بن کر ظاہر ہونے سے رحمۃ للعالمین کی نبوت و رسالت کی رحمت کی زنجیریں رکاوٹ ہوں۔

خطبات جمعہ و عیدین

جمعہ کا پہلا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلِیِّ الذَّاتِ عَظِیْمِ الصِّفَاتِ سَمِیِّ السِّمَاتِ، کَبِیْرِ الشَّانِ جَلِیْلِ الْقَدْرِ، رَفِیْعِ الذِّکْرِ، مُطَاعِ الْاَمْرِ جَلِیِّ الْبُرْھَانِ ۝ فَخِیْمِ الْاِسْمِ عَزِیْزِ الْعِلْمِ، وَسِیْعِ الْحِلْمِ کَثِیْرِ الْغُفْرَانِ ۝ جَمِیْلِ الثَّنَاءِ، جَزِیْلِ الْعَطَاءِ، مُجِیْبِ الدُّعَاءِ عَمِیْمِ الْاِحْسَانِ ۝ سَرِیْعِ الْحِسَابِ، شَدِیْدِ الْعِقَابِ، اَلِیْمِ الْعَذَابِ عَزِیْزِ السُّلْطَانِ ۝ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۝ لَا نِدَّ لَہٗ وَلَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نَظِیْرَ لَہٗ ۝ لَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا مِثَالَ لَہٗ وَلَا مُشِیْرَ لَہٗ ۝ لَا عَوْنَ لَہٗ وَلَا مُعِیْنَ لَہٗ وَلَا وَزِیْرَ لَہٗ ۝ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ حَبِیْبَنَا وَ حَبِیْبَ رَبِّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَلْمَبْعُوْثُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ، اَلْمَنْعُوْتُ بِشَرْحِ الصَّدْرِ وَ رَفْعِ الذِّکْرِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ ۝

اَمَّا بَعْدُ: فَیَا اَیُّھَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰہَ فَاِنَّ التَّوْحِیْدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ فَاِنَّ التَّقْوٰی مِلَاکُ الْحَسَنَاتِ ۝ وَ عَلَیْکُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنَّ السُّنَّۃَ تَھْدِیْ اِلَی الْاِطَاعَۃِ وَمَنْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ اھْتَدٰی ۝ وَاِیَّاکُمْ وَالْبِدْعَۃَ فَاِنَّ الْبِدْعَۃَ تَھْدِیْ اِلَی الْمَعْصِیَۃِ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ وَ غَوٰی، وَعَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یُنْجِیْ وَالْکِذْبَ یُھْلِکُ ۝ وَ عَلَیْکُمْ بِالْاِحْسَانِ فَاِنَّ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَلَا تُحِبُّوا الدُّنْیَا فَیَکُوْنُوْا مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ۝ اَلَا وَ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَتَوَکَّلُوْا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ وَادْعُوْہُ فَاِنَّ رَبَّکُمْ مُجِیْبُ الدَّاعِیْنَ وَاسْتَغْفِرُوْہُ یُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ ۝

وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ فِی الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَ نَفَعَنَا وَ اِیَّاکُمْ بِالْاٰیَاتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

جمعہ کا دوسرا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا وَحَبِیْبَنَا وَحَبِیْبَ رَبِّنَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا.

اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ خَیْرَ الْھُدٰی ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَ کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ وَ اَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ وَاَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ وَفَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَحَمْزَۃُ اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ، اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ، اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضًا فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَئُوْفٌ رَّحِیْمٌ، اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ

مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ اَللّٰهُمَّ اَنْصُرِ الْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي فَلَسْطِيْنَ وَسُوْدَانَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي صُوْمَالَ وَشِيْشَانَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي كَشْمِيْرَ وَ اَفْغَانِسْتَانَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي عِرَاقَ وَ تَاجِكِسْتَانَ، اَللّٰهُمَّ دَمِّرْ دِيَارَ الْكَافِرِيْنَ فِي مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا، اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَ زَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَدَمِّرْ دِيَارَهُمْ وَخَالِفْهُمْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، عِبَادَ اللّٰهِ! رَحِمَكُمُ اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ، فَاذْكُرُو اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَ اَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ.

عیدین کی نماز اور نیت کا طریقہ

نیت

میں تمام تکبیرات کے ساتھ عید الفطر کی دو رکعت واجب نماز کی اس امام کی اقتدا میں نیت کرتا ہوں۔

نماز کا طریقہ

نیت باندھنے کے بعد امام اور مقتدی جب ثناء پڑھ لیں گے تو پھر سب لوگ امام کے ساتھ تین مرتبہ اللہ اکبر کہیں گے، ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو کان کے برابر تک اٹھانا ہوگا اور پھر نیچے لٹکانا ہوگا، امام زور سے اور مقتدی آہستہ تکبیر کہیں گے۔ تیسری تکبیر کے بعد سب لوگ ناف پر ہاتھ باندھ لیں گے، پھر امام فاتحہ اور سورت بلند آواز سے پڑھ کر ایک رکعت مکمل کر دے گا۔ دوسری رکعت میں جب امام قرأت سے فارغ ہو جائے گا تو رکوع میں جانے سے پہلے زور سے تین زائد تکبیریں پڑھے گا، لوگ ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر تکبیرات پڑھیں گے اور ہاتھ نیچے کھلا چھوڑیں گے، پھر امام رکوع میں جانے کے لئے چوتھی تکبیر پڑھے گا اور ہاتھوں کو اٹھائے بغیر رکوع میں چلا جائے گا، لوگ بھی ایسا کریں گے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام منبر پر کھڑے ہو کر عید کے دو خطبے پڑھے گا اور لوگ سنیں گے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز ایک طریقہ پر ہے، کوئی فرق نہیں، صرف نیت کرنے میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا نام لینا ہوگا۔ اب خطبے سماعت فرمائیں۔

عید الفطر کا پہلا خطبہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّيَّانِ، ذِی الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالْاِحْسَانِ، ذِی الْعَفْوِ وَالْمَغْفِرَةِ وَالْاِمْتِنَانِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الَّذِیْ اُرْسِلَ حِيْنَ شَاعَ الْكُفْرُ فِی الْبُلْدَانِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

اَمَّا بَعْدُ: فَيَا اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ اِنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدِكُمْ لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ فِيْهِ عَوَائِدُ الْاِحْسَانِ وَ رَجَاءُ نَيْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدٌ وَهٰذَا عِيْدُنَا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَعَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ وَعَنْ اَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْا يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِیْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِیْ مَا جَزَاءُ اَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاءُهٗ اَنْ يُوَفّٰى اَجْرُهٗ، قَالَ: مَلَائِكَتِیْ! عَبِيْدِیْ وَاِمَائِیْ قَضَوْا فَرِيْضَتِیْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَاءِ، وَعِزَّتِیْ، وَجَلَالِیْ، وَكَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ اِرْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکوٰۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَ الْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَ الْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی یَوْمَ الْفِطْرِ رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُصَلِّ قَبْلَھُمَا وَلَا بَعْدَھُمَا.

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی۝﴾

عید الفطر کا دوسرا خطبہ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نَعْمَآئِہٖ وَلَہُ الشُّکْرُ عَلٰی اٰلَائِہٖ اَنْعَمَ عَلَیْنَا اِنْعَامًا وَجَعَلَ لَنَا الْاَعْیَادَ وَ اَیَّامًا وَجَعَلَنَا بِفَضْلِہٖ وَ کَرَمِہٖ مُسْلِمِیْنَ وَاِخْوَانًا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا.

اَمَّا بَعْدُ: فَیَا اَیُّھَا النَّاسُ ھٰذَا یَوْمُ عِیْدِکُمْ وَ یَوْمُ فِطْرِکُمْ وَ اِنَّ لَکُمْ مَعَالِمَ فَانْتَھُوْا اِلٰی مَعَالِمِکُمْ وَاِنَّ لَکُم نِھَایَۃً فَانْتَھُوْا اِلٰی نِھَایَتِکُمْ وَاِنَّ لَکُم شَعَائِرَ فَاسْرِعُوْا اِلٰی شَعَائِرِکُمْ وَ اِنَّ الْعَبْدَ بَیْنَ مُخَافَتَیْنِ بَیْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰی لَایَدْرِیْ مَا اللّٰہُ صَانِعٌ بِہٖ وَبَیْنَ اَجَلٍ قَدْ اَتٰی لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰہُ قَاضٍ فِیْہِ فَلْیَتَزَوَّدُ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ مِنْ نَفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ وَ مِنْ شَبَابِہٖ لِکِبَرِہٖ وَمِنْ حَیَاتِہٖ لِمَوْتِہٖ وَمِنْ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ فَاِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَ اَنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ فَکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدَاکُمْ فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُکْثِرُ التَّکْبِیْرَ فِی الْعِیْدَیْنِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ، وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَۃَ صَوْمِکُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الصَّدَقَۃَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْکٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ وَعَنْہُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکوٰۃَ الْفِطْرِ طُھْرَ الصِّیَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ

وطُعْمَةَ لِلْمساكِيْنِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، و قال النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ.

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اَللّٰهُمَّ اعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي كَشْمِيْرَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي شِيْشَانَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي عِرَاقٍ اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي اَفْغَانِسْتَانَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُضْطَهَدِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْمَاسُوْرِيْنَ مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ اَللّٰهُمَّ دَمِّرْ دِيَارَ الْكَافِرِيْنَ فِي مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَ نَكِّسْ اَعْلَامَهُمْ وَفُلَّ حَدَّهُمْ وَ خُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ، اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

عید الاضحیٰ کا پہلا خطبہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ لِكُلِّ اُمَّةٍ لِيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ وَعَلَّمَ التَّوْحِيْدَ وَاَمَرَ بِالْاَحْكَامِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الَّذِیْ هَدَانَا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ قَادَةُ الْاَنَامِ فَقَامُوْا بِاِقَامَةِ الْاَحْكَامِ وَ بَذَلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ فَيَا لَهُمْ مِنْ كِرَامٍ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

اَمَّا بَعْدُ: فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا يَوْمُ عِيْدِكُمُ الْاَضْحٰى جَمَعَ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْهِ فَوَائِدَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلٰى وَ الضُّحٰى وَ اللَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى وَقَدْ شَرَعَ لَكُمْ فِیْ يَوْمِ الْعِيْدِ اَحْكَامًا وَّ مَسَائِلَ وَ فَضَائِلَ هِیَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَحْسَنُ وَ اَوْلٰى ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَیْءٍ يَبْدَاُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَ يُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْاَمَرَا بِشَیْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ. (متفق علیہ) وَقَالَ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّ لَا اِقَامَةٍ. (رواه مسلم) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ. (متفق علیہ) اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ

الْحَمْدُ، وَعَنْ اَبِی الْحُوَیْرِثِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَھُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰی وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَکِّرِ النَّاسَ. (راوہ الشافعی) وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ مَا ھٰذَانِ الْیَوْمَانِ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ. (رواہ ابوداؤد) اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ، اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ فِی مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِھَا اَللّٰھُمَّ انْصُرْ عَسَاکِرَ الْاِسْلَامِ فِی مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِھَا، اَللّٰھُمَّ دَمِّرْ دِیَارَ الْکَافِرِیْنَ اَللّٰھُمَّ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَفُلَّ حَدَّھُمْ وَاَنْزِلْ عَلَیْھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَاتَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاھَا لَکُمْ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ فَاذْکُرُوْا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا صَوَافَّ، فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوْا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کَذٰلِکَ سَخَّرْنَاھَا لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ.

عیدالاضحیٰ کا دوسرا خطبہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اَلْجَبَّارُ السَّتَّارُ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ الدَّيَّانُ ذُوالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْعُلْيَاءِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَكْمَلَانِ عَلٰى سَيِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَانِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ جَيْشِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ: فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ هٰذَا يَوْمُ عِيْدِكُمْ وَيَوْمُ فَرْحِكُمْ وَيَوْمُ نَحْرِكُمْ وَيَوْمُ اَجْرِكُمْ لَكُمْ فِيْهِ اَعْمَالٌ وَّ اَفْعَالٌ، فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَّوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ، قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِاَنْ يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرُ مُصَلَّانَا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ، وَقَالَ اِبْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْاَضَاحِيُّ يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَ كَبَّرَ، قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَ يَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ (متفق علیہ) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ.

(رواہ مسلم وابوداؤد)

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِيْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَ عَظِيْمِ سُلْطَانِكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَاتُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَاتُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا وَلَا تَنْصُرْ عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَايَخَافُكَ وَلَا يَرْحَمُنَا اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا اَللّٰهُمَّ اٰمِنَّا فِيْ اَوْطَانِنَا اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الْفِتَنْ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ فِي الْوَطَنْ وَخَارِجِ الْوَطَنْ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاكِرَ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْهُمْ وَلَاتَنْصُرْ عَلَيْهِمْ اَللّٰهُم اغْفِرْ مَوْتَانَا وَمَوْتَى الْمُسْلِمِيْنَ وَاشْفِ مَرْضَانَا وَمَرْضَى الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمَظْلُوْمِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ، اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْمَاسُوْرِيْنَ مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي كُلِّ مَكَانٍ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي فِلَسْطِيْنَ وَ كَشْمِيْرَ وَشِيْشَانَ، اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِي عِرَاقَ وَصُوْمَالَ وَاَفْغَانِسْتَانَ، اَللّٰهُمَّ دَمِّرْ دِيَارَ الْكَافِرِيْنَ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْهُنْدُوْسِ وَالْمَجُوْسِ اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَفُلَّ حَدَّهُمْ وَخَالِفْهُمْ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَنَكِّسْ اَعْلَامَهُمْ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِهٰؤُلَاءِ الْكَفَرَةِ الْفَجَرَةِ، اَللّٰهُمَّ خُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ اَكُفَّارُ كُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

خطبۂ نکاح نمبر:۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورة ال عمران: ۱۰۲)

﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (سورة نساء)

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. (سورة احزاب: ۷۱)

(۱) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (مشکوۃ ص: ۲۶۷)

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ. (حوالہ بالا)

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَّ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ. (حوالہ بالا)

(۴) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ. (حوالہ بالا)

(۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ نَرَ

لِلْمُتَحَابَيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ. (مشکوٰۃ ص: ۲۶۸)

(۶) وَعَنْ انسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اِسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ. (حوالہ بالا)

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مَؤُنَةً. (حوالہ بالا)

(۸) وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ وَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (مشکوٰۃ ص: ۲۷)

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ وَجَعَلَ بَيْنَكُمَا مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً، اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَهُمَا وَاَصْلِحْ اَحْوَالَهُمَا وَاَحْوَالَ اَوْلَادِهِمَا فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ.

خطبۂ نکاح نمبر:۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ اَوْفُوْا عَهْدَهُ.

اَمَّا بَعْدُ: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا؟ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ، سکتہ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا، فَلَمَّا جَآءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ، قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ، قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ، فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ. (سورۃ قصص ۲۲ تا ۲۸)

(۱) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَامَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (مشکوٰۃ ص: ۲۶۷)

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَ لِجَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ. (حوالہ بالا)

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَّ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. (حوالہ بالا)

(۴) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ. (حوالہ بالا)

(۵) وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَیْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ. (مشکوٰۃ ص: ۲۶۸)

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اِسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنَ فَلْیَتَّقِ اللّٰهَ فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ. (حوالہ بالا)

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَیْسَرُهٗ مَؤُنَةً. (حوالہ بالا)

(۸) وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلنِّكَاحُ مَنْ سُنَّتِیْ وَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ. (مشکوٰۃ ص: ۲۷)

بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَیْكُمَا وَجَمَعَ بَیْنَكُمَا فِیْ خَیْرٍ وَجَعَلَ بَیْنَكُمَا مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً، اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَیْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَیْنَ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ، اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَیْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَیْنَ الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرِیْنَ اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَیْنَهُمَا وَاَصْلِحْ اَحْوَالَهُمَا وَاَحْوَالَ اَوْلَادِهِمَا فِی الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ، وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ.

تحفۃ المنعم

شرح اردو

صحیح مسلم

جلد ثانی

کتاب الطہارۃ و کتاب الصلوٰۃ

تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ اویس القرنی

کراچی - پاکستان

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جنگ کے میدان میں

مؤلف

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب مدظلہم العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

مکتبہ اویس القرنی

کراچی۔ پاکستان

فتوحاتِ مصر و فارس

مؤلف

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب مدظلہم العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر

مکتبہ اویس القرنی

کراچی - پاکستان

جنگ کے میدان میں

مؤلف

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب مدظلہم العالی

ناشر

مکتبہ ایمان و یقین

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب کی دیگر تصنیفات

- توضیحات شرح مشکوٰۃ ۸ جلدیں
- جنگِ بدر
- اسلامی خلافت اور ہماری ذمہ داریاں
- جنگِ اُحد
- صفحۂ عالم پر تاریخی نقوش
- جنگِ خندق
- دعوتِ جہاد
- غزوۂ موتہ
- زلزلے کیوں آتے ہیں؟
- جنگِ خیبر
- وعظ و بیان
- فتح مکہ
- سبیل اللہ
- غزوۂ حنین
- اعلاءِ کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ
- غزوۂ تبوک
- قومِ ثمود کیسے تباہ ہوئی؟
- محمد رسول اللہ ﷺ جنگ کے میدان میں
- امام غزالی کا خط اپنے شاگرد کے نام
- تحفۃ المنعم شرح اردو صحیح مسلم (زیرِ طبع)
- اسلامی تحریکات اور منافقین کا کردار
- فتوحاتِ شام
- قتال الکفار
- فتوحاتِ مصر و فارس
- درسِ ختم بخاری شریف (جیبی سائز)
- فتنۂ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ
- حق و باطل کی پہچان
- تسہیل العروض

محمد رسول اللہ
جنگ کے میدان میں

اسلامی خلافت

دعوتِ جہاد

فتوحاتِ مصر و فارس

فتوحاتِ شام

قتال الکفار

مکتبہ اویس القرنی
کراچی پاکستان